رنگین تصاویر سے مزین

پریشانیوں سے نجات پانے اور مایوسی کو شکست
دینے والوں کے واقعات کا بہترین مجموعہ

مایوسی کو شکست دینے والے

قرآن و حدیث
کی روشنی میں
مایوسی کا علاج

مکتبہ ارسلان
MAKTABA-E-ARSALAN

مؤلف / مولانا ارسلان بن اختر میمن

معاونت / مولانا محبوب رحمٰن شاہ / مولانا خالد بخاری

پریشانیوں سے نجات پانے اور مایوسی کو شکست
دینے والوں کے واقعات کا بہترین مجموعہ

مایوسی کو شکست دینے والے

مؤلف/
مولانا ارسلان بن اختر میمن

مکتبہ ارسلان
MAKTABA-E-ARSALAN

12/192

نام کتاب .... مایوسی کو شکست دینے والے

297.7

اشاعت اوّل .... اکتوبر 2013ء

343
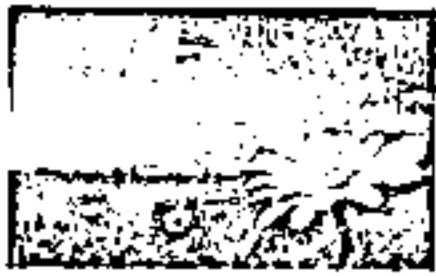
مؤلف .... مولانا ارسلان بن اختر میمن

خط و کتابت کا پتہ: مکتبہ ارسلان قرآن محل مارکیٹ، دکان نمبر 13 اردو بازار :0333-2103655

ملنے کے پتے

مکتبہ ارسلان

جمشید روڈ نمبر 2، کراچی
فون:0333-2103655

کراچی: مکتبہ ارسلان قرآن محل مارکیٹ، دکان نمبر 13 اردو بازار :0333-2103655، مکتبہ عمر فاروق 34594144 بیت الکتب گلشن اقبال نمبر 2، 34975024 کتب خانہ مظہری گلشن اقبال نمبر 2، :021-34992176۔ علمی کتاب گھر اردو بازار، 32624097۔ نور القرآن، اردو بازار۔ :0321-9256753

حیدر آباد: بیت القرآن، چھوٹی گٹی۔فون:640875 مکتبہ اصلاح و تبلیغ، مارکیٹ ٹاور۔فون:0332-2618612۔

میرپور خاص: مکتبہ یوسفیہ دوکان نمبر 303، گلی نمبر 3، بلدیہ شاپنگ سینٹر۔فون:0300-3319565, 0321-3310080

نواب شاہ: حافظ اینڈ کو، لیاقت مارکیٹ **سکھر:** عزیز کتاب گھر بیراج روڈ، فون:0300-9312148 **کوہاٹ:** مکتبہ فاروقیہ 0333-9183789

لاہور: مکتبہ رحمانیہ، غزنی اسٹریٹ اردو بازار، 042-37224228۔ ادارہ اسلامیات، انارکلی بازار، فون:042-37243991

راولپنڈی: مکتبہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار۔ اسلامی کتاب گھر فون:0300-5203645 قرآن محل، فون:0321-5123698

اسلام آباد: مکتبہ جامع الفریدیہ E-78۔ 051-2654813 **بہاولپور:** مکتبہ ہاشمیہ **ایبٹ آباد:** مکتبہ اسلامیہ 0992-340112

ملتان: ادارہ اشاعت الخیر، فون:0300-7301239, 061-4514929۔ مکتبہ امدادیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ، 061-4544965

فیصل آباد: اسلامی کتاب گھر شادمان پلازہ، :0321-7693142۔ مکتبہ العارفی، نزد جامعہ اسلامیہ ستیانہ روڈ، :0300-6621421

رحیم یار خان: مکتبہ الامہ عقب نیو صادق بازار، فون:0321-2647131، مکتبہ الازہر فون:0300-9675060 **چکوال:** کشمیر بک ڈپو، 054-3551148

گجرانوالہ: والی کتاب گھر اردو بازار فون:055-444613 **سیالکوٹ:** مکتبہ البشیر خادم علی روڈ، فون:0321-7183040

سرگودھا: مکتبہ عبداللہ، بلاک 10 سٹی روڈ، فون:0321-6018171 **آزاد کشمیر:** النور اسلامک میرپور آزاد کشمیر :0331-8857173

پشاور: ممتاز کتب خانہ، فون:091-2580331، دار الاخلاص محلہ جنگی فون:091-2567539 **مانسہرہ:** عثمان دینی کتب خانہ 0997-307583

اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ، نزد دار العلوم حقانیہ، فون:0923-630594 **کوئٹہ:** مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، فون:081-2662263

جہلم: بک کارنر، 0321-5440882 **حسن ابدال:** مکتبہ فاروقیہ، 0321-9825540 **مردان:** مکتبہ الاحرار 0321-9872067

ڈیرہ اسماعیل خان: مکتبہ الاحمد :0966-716552 اسلامی کتب خانہ:0333-9963709 **بہاولنگر:** مکتبہ حکیم الامت 0321-760630

بیرون ملک ایکسپورٹ کیلئے رابطہ:

زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
Ph: +92-21-32760374, 32761671
E-mail: zamzam01@cyber.net.pk

بک مارکیٹ
Ph: +92-21-35688828, 35681520
E-mail: nnagency1@yahoo.com

عرضِ ناشر
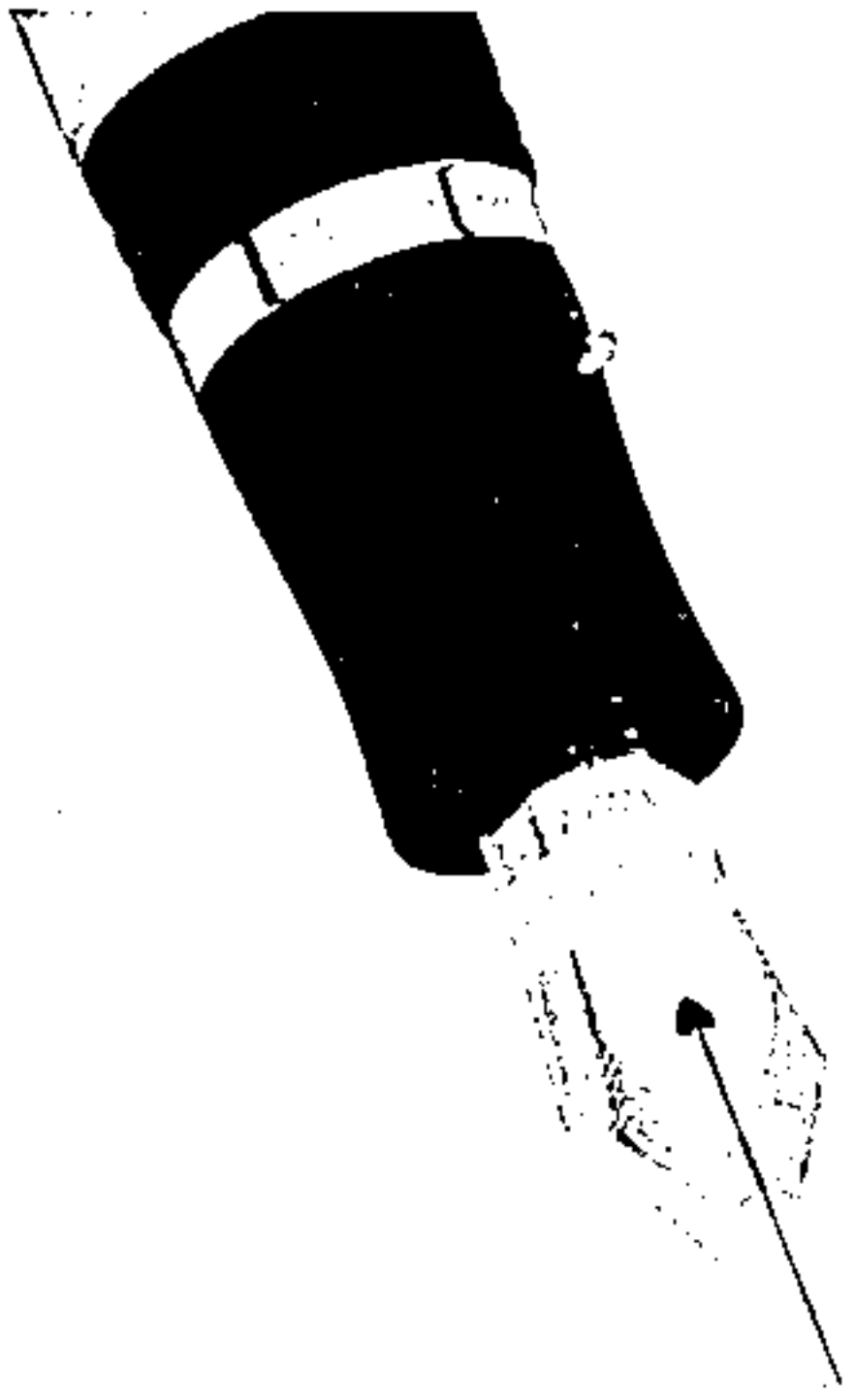
یہ کوئی ناول نہیں جسے آپ وقت گزاری کے لئے یا پھر تفریح اور دل بہلانے کیلئے پڑھیں۔ نہ ہی کوئی جاسوسی ناول ہے جس میں انسانی قوت سے بڑھ کر دیو مالائی کرداروں کو اضافی قوت کا حامل بنا کر کاغذ اور مضمون کا پیٹ بھرا گیا ہو بلکہ اس کتاب میں عالم اسلام کے بہت سے عربی مصنفین کی کتب سے موتیوں کا انتخاب کر کے اس کو ایک لڑی میں پرو کر دلچسپ انداز میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اس طرح اب اس کتاب میں پریشان حال لوگوں کے لئے تسلی، مصائب کے مارے ہوؤں کے لئے نسخۂ کیمیا، دکھی افراد کے لئے باعث سکون، غم زدہ لوگوں کے لئے سبب اطمینان، بے سہارا لوگوں کے لئے امید کی کرن، بے سہاروں کے لئے حوصلے کا سامان، بے ہمت لوگوں کے لئے باہمت لوگوں کی حیرا کن داستانیں اور راہِ آخرت کے مسافروں کے لئے زادِ راہ ہے۔

کون سا آدمی ہے جسے اس دارِ فانی میں دکھ، غم اور تکلیف سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ مصائب و مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو، مگر بے خبر اور ناگہانی میں اچانک آنے والی مصیبتیں انسانوں کو اس جنگلی جانور سے زیادہ حواس باختہ کر دیتی ہیں جس کے سامنے کوئی پٹاخہ بجا دیا جائے جس سے ازخود تو کوئی نقصان نہیں ہوتا مگر بدحواسی کے عالم میں افراتفری سے ضرور نقصان کروا بیٹھتا ہے۔ اگر وہ اس پٹاخہ بجنے پر بدحواس نہ ہو، پرسکون رہے تو اس کا ایک بال

بھی بیکا نہ ہوتا۔
مگر اس کے بدحواس ہو کر بھاگنے پر چوٹ کھا کر گرنے اور پھر ہڈی ٹوٹ جانے سے معذور ہو کر بیٹھ جانا پڑا۔
اس کتاب میں مشکلات و مصائب میں گھرے ہوئے لوگوں کے لئے ان ہی کی طرح پریشانیوں میں گھرے ہوئے لوگوں کے واقعات لکھے گئے ہیں کہ کس طرح ان لوگوں نے مصیبتوں کو برداشت کیا مگر ہمت نہ ہاری اور ایک دن مصیبتوں اور مایوسیوں کی دلدل سے نکلتے چلے گئے گویا کہ یہ کتاب کئی سو دنیاوی اعتبار سے کامیاب لوگوں کی زندگی کا نچوڑ اور تجربات کا انسائیکلوپیڈیا ہے، یہ تجرباتِ دنیاوی زندگی میں آپ کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے میں معاونت دے سکتے ہیں۔
تجربہ کار ہونے کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ خود ٹھوکریں کھائیں تجربہ حاصل کرے اور سیکھے بلکہ عقلمند وہ ہے جو دنیا کی ٹھوکریں کھا کر سیکھنے والوں کی زندگی کے حاصل شدہ تجربات سے سبق حاصل کرے اور اس پر عمل پیرا ہو جائے اور اپنا قیمتی وقت انہی آزمودہ تجربات کو دوبارہ آزمانے میں ضائع نہ کرے۔ کیونکہ اگر کسی کو ایک سوراخ سے سانپ نے ڈس لیا ہے تو اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہاں سانپ موجود ہے۔
کیا آپ کو بھی ایک بار پھر اسی سوراخ میں ہاتھ ڈال کر تجربہ کرنا ضروری ہے۔ اپنے تجربات کے لئے وقت اور محنت کی ضرورت ہے جبکہ دوسرے لوگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں وقت اور محنت دونوں کی بچت ہو جاتی ہے۔ عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔
میرے خیال میں یہ کتاب ہر پریشان حال کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔ جس میں دورِ حاضر کے نامور لوگوں کے تجربات ہیں۔ آیئے ہم ان کے تجربات سے کچھ سیکھتے ہیں شاید ہم بھی کامیاب انسان بن جائیں۔
ایک ضروری بات جو اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے آپ سے کہنی ہے وہ یہ کہ اس کتاب میں مایوسی میں گھرے ہوئے لوگوں کیلئے مایوسی کو شکست دینے والے لوگوں کے

واقعات لکھے گئے ہیں یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ناممکن کوممکن بنایا۔

اس طرح کے واقعات کو لکھنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ آپ روپوں کی دوڑ میں آگے سے آگے بڑھتے چلے جائیں بلکہ اس طرح کے واقعات لکھنے کا مقصد کم ہمت لوگوں کو باہمت بنانا ہے جیسا کہ اسی کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک موچی مایوسی میں زندگی گزار رہا تھا پھر اس نے ہمت کی تو وہ ایک دن جوتے کی فیکٹری کا مالک بن گیا ان واقعات کا مقصد مایوس لوگوں یعنی پریشانیوں کی وجہ سے خودکشی کرنے کی سوچ رکھنے والوں کو ہمت دلاکر باہمت بنانا ہے کیونکہ جو آدمی مایوسی کے گڑھے میں گرجاتا ہے۔ تو اس کا نکلنا محال بن جاتا ہے۔

اس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا ترجمہ: ”فقر آدمی کو کفر کے قریب لے جاتا ہے“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مایوسی انسان کو کافر بنا دیتی ہے۔ اسی طرح دیکھا یہ گیا ہے کہ جو شخص مایوسی میں گھرا رہتا ہے، وہ اللہ کے احکامات کا بھی باغی بن کر دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کے واقعات کے لکھنے کا اصل مقصد مایوس لوگوں کے دلوں میں امید کی کرن پیدا کرنا ہے نہ کہ کافروں کی طرح دنیاوی دوڑ میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

مجھے قوی امید ہے کہ یہ کتاب آپ کو ضرور پسند آئے گی! سکون دل کے موضوع پر احقر کی درج ذیل کتب چھپ چکی ہیں یا چھپائی کے قریب ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتب بھی آپ کو پسند آئے گی۔

① سکون دل کے نبوی راستے ② سکون کی تلاش (4 کلر) ③ کیا آپ سکون چاہتے ہیں

④ تنگی رزق کا قرآنی علاج ⑤ مالی پریشانیوں کا نبوی علاج ⑥ گناہ اور پریشانیاں

⑦ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے ⑧ کامیابی اور خوشی کے 50 سنہرے اصول (4 کلر)

العارض! مولانا ارسلان بن اختر میمن

فہرست

باب نمبر 1

غم اور مایوسی! قرآن کی روشنی میں

باب نمبر 11

مایوسی کو شکست دینے ولوں کے 146 واقعات

باب نمبر 1

غم اور مایوسی! قرآن کی روشنی میں

مایوسی کا مطلب......

ناامیدی...... شکستہ دلی...... کم ہمتی، مایوسی...... انسان کی گردن میں ایک ایسا وزنی طوق ہوتا ہے جو اس سے زندگی کی آزادی چھین لیتا ہے، مایوسی...... اچھے بھلے آدمی سے محنت اور کوشش کرنے کی صلاحیت چھین لیتی ہے۔

مایوسی کا شکار انسان ہر وقت اپنے دل پر ایک بوجھ محسوس کرتا ہے، زندگی میں رونما ہونے والے ہر واقعہ کو وہ مایوسی کی عینک سے دیکھتا ہے، اگر اس خطرناک بیماری کا بروقت علاج نہ کیا جائے تو اس کا مریض ناامید ہو کر اپنے پروردگار سے بھی مایوس ہوجاتا ہے، اس کی ذات بابرکت پر اس کا بھروسہ اور اعتماد کمزور پڑ جاتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اپنی زندگی کے ہر کام میں اسے کامیابی اور امید کی ایک کرن بھی نظر نہیں آتی۔

مایوسی کی بیڑیوں کو اتار پھینکیے!

[1] درحقیقت ''مایوسی'' کی صحیح تشریح کی جائے تو یہ انسان کی ایک منفی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے، جو اسے اپنے معاملات میں بلند ہمتی سے کام لینے نہیں دیتی، اس کے دل کو پریشان اور مغموم رکھتی ہے اور ''امید'' جو زندہ دلوں کی روح ہوتی ہے اس کے دل سے چھین لیتی ہے۔

ایک کامل ایمان والے کے دل میں مایوسی کبھی بھی گھر نہیں بنا سکتی اس کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتی، کیونکہ وہ اپنے رب کا فرمان پڑھتا ہے:

وَلَا تَيْأَسُوْا مِن رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْئَسُ مِن رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ

اور اللہ کی ذات سے ناامید مت ہو، بلاشبہ اللہ کی ذات سے ناامید تو کافر لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ (یوسف :87)
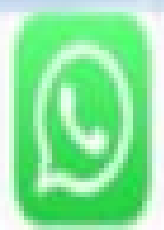
پریشان درحقیقت گناہوں کی وجہ سے آتی ہے

(قرآنی فیصلہ)

2 مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ☆ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ

زمین پر جو بھی مصیبت نازل ہو یا تم پر جو بھی آفت ٹوٹ پڑے وہ اس زمین کو ہمارے وجود بخشنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی موجود تھی، یقیناً یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے، تاکہ تم چھوٹ جانے والی ہر چیز پر افسوس نہ کرو اور نہ ہی ملنے والی چیز پر خوشیاں مناؤ، اور اللہ کسی بھی متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الحدید:22-23)

جب ایک مومن کا اس بات پر پختہ یقین ہو تو بھلا وہ کیسے مایوس اور پریشان ہو سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو اپنی قوتِ ارادی اور پختہ عزم کے سہارے اس مصیبت اور پریشانی سے سرخرو ہو کر نکلنے کی راہیں تلاش کرتا ہے۔

امید پر دنیا قائم ہے!

3 قرآن کا اسلوب یہی ہے کہ وہ ایمان والوں کے دلوں میں امید اور نیک فالی کے بیج بوتا ہے، آرزوؤں کے چراغ روشن کرتا ہے، نیک تمناؤں کی کرنیں دکھاتا ہے۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (سورۃالزمر 33

اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ایک عالم کا مقولہ ہے:

لَوْ لَا الأَمَلُ مَا بَنٰى بَانٍ بُنْيَانًا وَلَا غَرَسَ غَارِسٌ غَرْسًا

اگر اس دنیا میں امید کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو کوئی بھی معمار کسی بھی عمارت کی بنیاد نہیں ڈالتا اور نہ ہی کوئی درخت لگانے والا زمین میں کوئی پودا لگا دیتا۔

کسی دانا کا یہ شعر ہے جس میں ناامیدی سے نجات کا راستہ نظر آتا ہے۔

وَلَا تَيْأَسَنَّ مِنْ صُنْعِ رَبِّكَ إِنَّهُ

ضَمِيْنٌ بِأَنَّ اللّٰهَ سَوْفَ يُدِيْلُ

اپنے رب کی کاریگری سے ناامید مت ہو کہ وہ تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ عنقریب اللہ حالات بدل دے گا۔

فَإِنَّ اللَّيَالِيَ يَزُوْلُ نَعِيْمُهَا

تُبَشِّرُ أَنَّ النَّائِبَاتِ تَزُوْلُ

کیا رات کی دم توڑتی راحتیں اس بات کی خبر نہیں دیتیں کہ مصیبتیں بھی اسی طرح دم توڑ جائیں گی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّيْلَ بَعْدَ ظَلَامِهِ

عَلَيْهِ لِإِسْفَارِ الصَّبَاحِ دَلِيْلُ

ارے نادان! کیا تو رات کے ڈوبتے اندھیروں میں طلوع ہوتی روشن صبح کے آثار نہیں دیکھتا؟
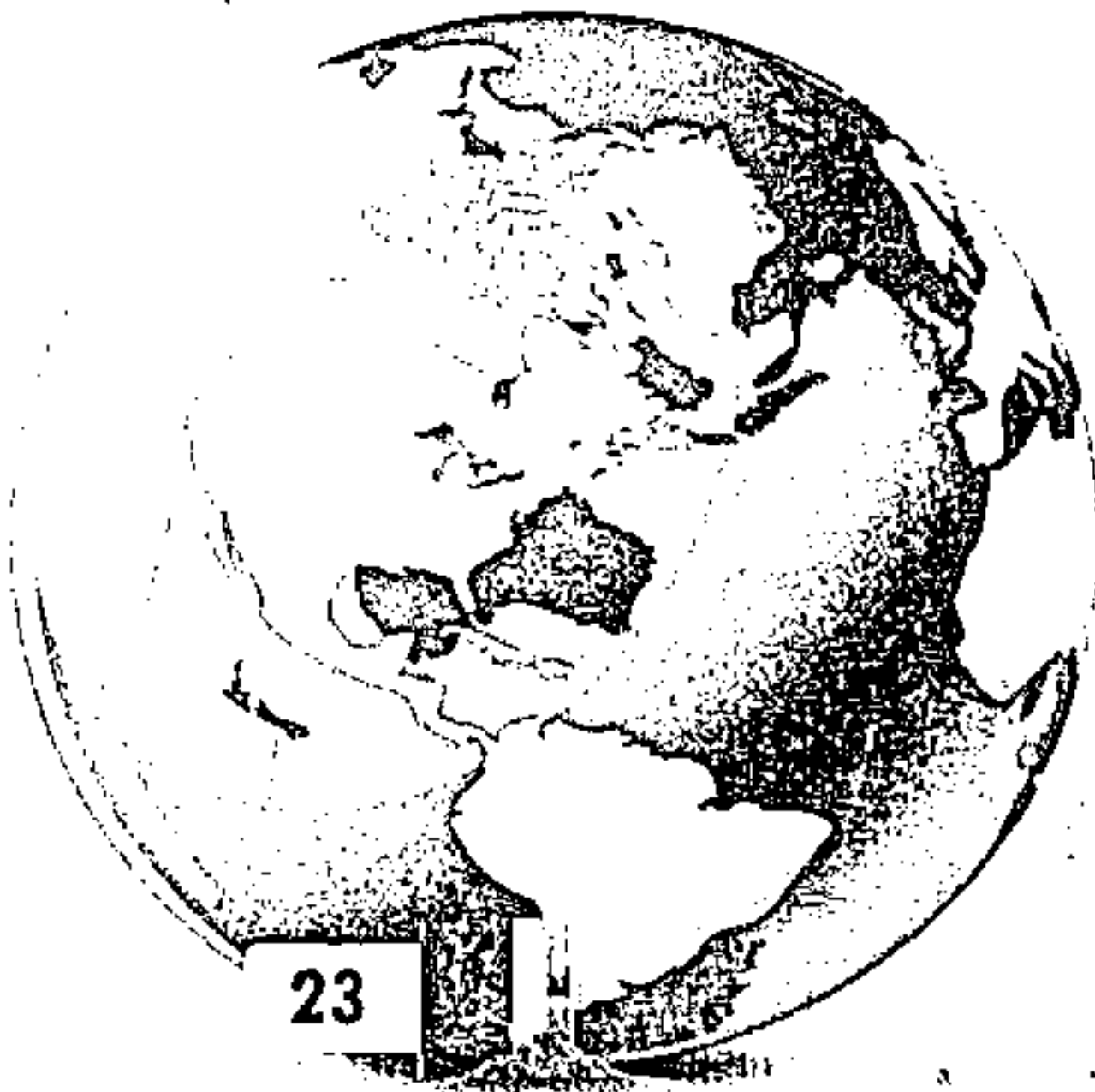
شریعت کی نظر میں مایوسی کا حکم کیا ہے؟

4 اسلام کی نظر میں مایوسی حرام اور ممنوع ہے :

"اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَانِطِيْنَ (الحجر : 55)

کہ مایوس ہوجانے والوں میں سے مت ہوجاؤ۔"

5 اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے مایوس ہوجانے والے کو کافر اور گمراہ بتلایا ہے اسی طرح سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ

"بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر قوم ہی مایوس ہوتی ہے۔" (یوسف:87)

6 اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر : 56)

اور اللہ کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے علاوہ کون ناامید ہوسکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں دہکتا ہوا انگارہ اپنے منہ میں رکھ لوں یہاں تک کہ وہ سرد پڑ جائے، یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس بات کے کہ اللہ کے کسی فیصلہ کے متعلق یہ کہوں کہ لَیْتَ الْاَمْرَ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِكَ کاش کہ ایسا نہ ہوتا۔"

مایوسی پر وعید کی وجہ

[7] مایوسی پر اتنی سخت وعید اس وجہ سے ہے کہ اس کا مرتکب نعوذ باللہ اللہ رب العزت کو جاہل گردانتا ہے، ناواقف سمجھتا ہے حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

''پیدا کرنا اور پھر موت تک کے فیصلے کرنا تن تنہا اس قادر مطلق ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس سب جہانوں کے پروردگار کی ذات بڑی بابرکت ہے۔'' (الاعراف: 54)

''ابن حبان'' میں ایک حدیث قدسی مروی ہے:

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں سو وہ جیسا گمان کر لے۔''

یعنی اگر بندہ اپنے پروردگار سے خیر کی بھلائی کی اور بہتری کی آس لگاتا ہے تو اس کے ساتھ خیر کا معاملہ ہی کیا جاتا ہے اور اگر وہ اپنے پروردگار سے شر کی، برائی کی اور خرابی کی توقع رکھتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی توقع کے مطابق ہی سلوک کیا جاتا ہے۔

مایوسی کے اسباب کیا ہیں؟

[8] مایوسی کا ایک بڑا سبب انسان کا ہر کام میں جلد بازی سے کام لینا ہے، کسی کام کی مطلوبہ اہلیت حاصل کیے بغیر، منصوبہ بندی کیے بغیر اس کی اتنی مدت میں پورا ہو جانے کی توقع کرنا جو حقیقت کی دنیا میں محال ہو، عملاً ناممکن ہو۔

''جلد بازی'' کہلاتا ہے۔ جلد بازی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ خالق انسان خود اس بات کی خبر دیتا ہے۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (الأسرا: 11)

''اور انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔''

یہ بات حقیقت ہے کہ جلد باز انسان کی عمر کم ہوتی ہے، وہ اکثر مایوسی کا شکار رہتا ہے کیونکہ ظاہری بات ہے دنیا اس کی خواہش اور تمنا کے تابع تو نہیں ہے کہ وہ جیسا اور جب چاہے ویسا ہی اسی وقت ہو جائے، بلکہ ہر کام کے پورا ہونے کا ایک وقت تقدیر میں مقرر ہوتا ہے۔

مومن کو امیدوں سے بھرپور ہونا چاہیے

9 ایک دانش مند سے کسی نے کہا: ''میرے کچھ دشمن ہیں، اس نے جواب دیا:

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق :3)

''اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے۔''

اس آدمی نے پھر کہا: لیکن وہ میرے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ دانش مند نے جواب دیا:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ (فاطر:43)

''اور بری سازش اور تدبیر کا وبال اس کے کرنے والے پر ہی لوٹتا ہے۔''

وہ پھر بھی مطمئن نہ ہوا، اس نے کہا: لیکن وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ دانش مند نے پھر آیت پڑھی:
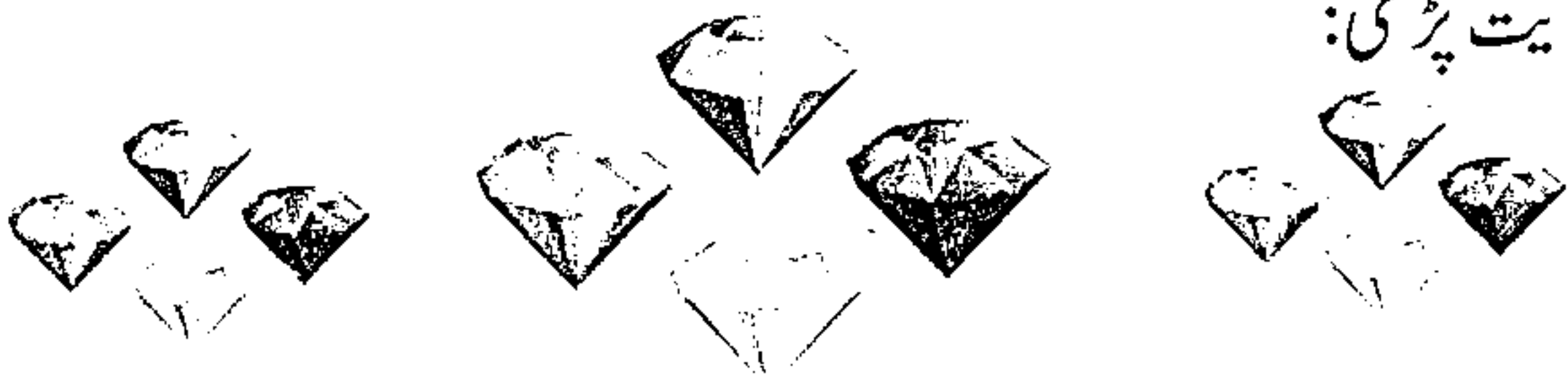
كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرۃ: 249)

''کتنی ہی قلیل جماعتیں اللہ کے حکم سے کثیر جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔

لہٰذا ہمیں اپنی زندگی میں پیش آنے والی ہر مشکل کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے، پر مایوسی ہمارے قریب بھی نہیں پھٹکے گی، بلکہ ہمارے دلوں میں اللہ کی رحیم ذات سے نیک امیدیں وابستہ رہیں گی، وہ اللہ جو ہمارا تن تنہا خالق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، سارے کاموں کی تدبیریں، ساری مشکلات کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

خاص طور پر ایک ایمان والے کو تو امیدوں سے بھرپور ہونا چاہیے، کیونکہ نیک امید تو شروع سے آخر تک ایک خالص ایمانی تقاضہ ہے، ہمیں اپنے اطراف کے مایوس لوگوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ پکے مؤمن ہونے کا ثبوت دینا چاہیے۔

(ھکذا اھزموا الیأس 5 تا 11)

مایوسی کا دوسرا سبب

مایوسی کا دوسرا سبب انسان کا حد درجہ کا باریک بین ہونا ہے۔ ہر کام صرف زمینی حقائق کے ترازو میں تولنا، امکانات کی دنیا میں تلاش کرنا اور ظاہری اسباب کی کسوٹی میں پرکھنا بھی اچھی عادت نہیں، ہر بلند مقصد شروع میں ناممکن نظر آتا ہے، مسلسل محنت اور سچی طلب سے راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ سمندر میں چھلانگ لگاتے ہی کنارا نظر آجائے، اور موجوں کے تھپیڑے کھانا نہ پڑیں! یا بیاباں جنگل میں قدم رکھتے ہی گلستان کی بہاریں دکھائی دینے لگیں اور قدم آبلہ پا بھی نہ ہوں!

تنگی کے بعد آسانی اور غم کے بعد خوشی کا سبق

10 اللہ تعالیٰ نے ہر تنگی کے بعد آسانی اور ہر غم کے بعد خوشی پیدا کی ہے۔ مسلمان کو یہ حسن ظن اور امید رکھنی چاہیے کہ اگر اسے کوئی پریشانی لاحق ہوئی ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے آسانی اور خوشی نصیب فرمائیں گے کیونکہ جب غم کی شدت بڑھتی ہے اور امید کے تمام راستے مسدود ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں تو اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی میسر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○

''پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

(94/ الم نشرح: 5-6)

یہ وہ تسلی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سرور کونین محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کی راہ میں تکالیف برداشت کرنے پڑی ہے کہ عنقریب تمام مصائب، غم دکھ اور پریشانیاں ختم ہو جائیں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ایک فقہی قاعدہ بھی ان معانی کی ترجمانی کرتا ہے کہ (اذا ضَاقَ الْأَمْرُ اِتَّسَعَ) جب کسی معاملہ میں شدت اور تنگی پیدا ہوتی ہے تو آسانی حاصل ہو جاتی ہے۔

نبی ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''خوب جان لو کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ، کشادگی دکھ کے ساتھ اور آسانی تنگی کے ساتھ ہی آتی ہے۔''

(مسند احمد؛ السلسلة الصّحيحة2386)

ناامیدی ایک جرم ہے

11 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَكُن مِّنَ الْقٰنِطِينَ
آپ ناامید اور مایوس لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں۔ (القرآن)
اور دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے: اِنَّهٗ لَا يَاْيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ

12 اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف گمراہوں کے علاوہ اور کون مایوس ہوسکتا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (القرآن)
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور ہماری ملاقات کا انکار کیا یہی لوگ میری رحمت سے مایوس ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (القرآن)

مایوسی کا عفریت کیا ہے؟

13 مایوسی ایک ایسی آفت ہے جو دل اور روح دونوں کو یکساں متاثر کرتی ہے کہ انسان اپنے گرد پریشان کن حالات کے بھنور میں پھنس کر تبدیلی اور بہتری کے جزیرے کی امید بھی کھو بیٹھتا ہے۔
اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:
وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ
جب ہم انسان کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں اور پھر (کسی مصیبت کی وجہ سے) اس سے وہ نعمتیں چھین لیتے ہیں تو بالکل مایوس اور نرا ناشکرا بن جاتا ہے۔ (ھود 9)

مایوسی کی دو قسمیں ہیں:

1 اللہ کی رحمت سے ناامید ہوجانا۔
2 دنیا کے کسی مقصد کے حصول میں مایوس ہوجانا۔

مایوسی کبیرہ گناہ ہے

چالیسواں کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا ہے۔ ان تمام آیات اور احادیث سے معلوم ہوگیا کہ ناامیدی اور مایوسی گناہِ کبیرہ ہے جو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ کی رحمت سے گمراہ لوگ ہی مایوس و ناامید ہوتے ہیں اور پھر ان کی روحوں کو کبھی آرام نہیں آتا، وہ اللہ کی رحمت اور محبت کا احساس ہی نہیں کرپاتے۔

لیکن وہ دل جو ایمان کے چشموں سے سیراب ہو، رحمٰن کی ذات سے متصل ہو، وہ کبھی ناامید نہیں ہوتا، مایوسی کا شکار نہیں ہوتا، چاہے اس پر کتنی ہی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ جائیں، پریشانیاں ہر طرف سے اس کو گھیر لیں، غموں کی اوس رستوں کو دھندلا کردے، امید کی کرنیں حالات و حوادثات کے اندھیروں میں دم توڑ جائیں، لیکن ان سب کے باوجود اللہ کی رحمت ایمان سے لبریز، ہدایت یافتہ دلوں کو اپنے قریب ہی محسوس ہوتی ہے۔

مایوس کیوں کھڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے

13 ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ایک دانشور کا قول ہے:

وَقُدْرَتُهُ تُنْشِئُ الْاَسْبَابَ كَمَا تُنْشِئُ النَّتَائِجَ

''اُس کی قدرت نئے اسباب پیدا کردیتی ہے جیسے وہ نتائج پیدا کرتی ہے۔''

وَتَغَيِّرَ الْوَاقِعَ كَمَا تَغَيَّرَ الْمَوْعُوْدَ

''اور وہ حال کو یوں بدل دیتی ہے جیسے وہ مستقبل کو پلٹ دیتی ہے۔''

وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ

''اور اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہو، بلاشبہ اس کی ذات سے تو کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔''

گمراہ شخص ہی مایوس ہوتا ہے۔

15 دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ
إِلَّا الضَّالُّونَ

"اللہ کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔"

16 ایک اور جگہ انسانوں کا حال بیان کیا:

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِن تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ

"اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس میں خوش وخرم رہتے ہیں اور اگر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہم ان پر کوئی مصیبت بھیج دیں تو (بجائے صبر اور اچھی امید کے) اس وقت (ہماری ذات سے بد دل اور) مایوس ہونے لگتے ہیں۔"

17 ایک اور جگہ انسان کے اس رویے کو یوں بیان کیا:

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ
كَانَ يَئُوسًا

"اور جب ہم انسان کو اپنی نعمتوں میں رکھتے ہیں تو اعراض کرنے لگتا ہے اور پہلوتہی کرتا ہے اور جب اسے کوئی ناپسندیدہ معاملہ پیش آتا ہے تو انتہائی مایوس ہوجاتا ہے۔"

18 ایک جگہ اس کے برے رویے پر یوں تنبیہ کی:

لَا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ
قَنُوطٌ

"انسان بھلائی کی دعا کرتے تھکتا نہیں اور اگر (قضاء الٰہی سے) مصیبت پیش آجاتی ہے تو بالکل مایوس اور ناامید ہوجاتا ہے۔"

غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے
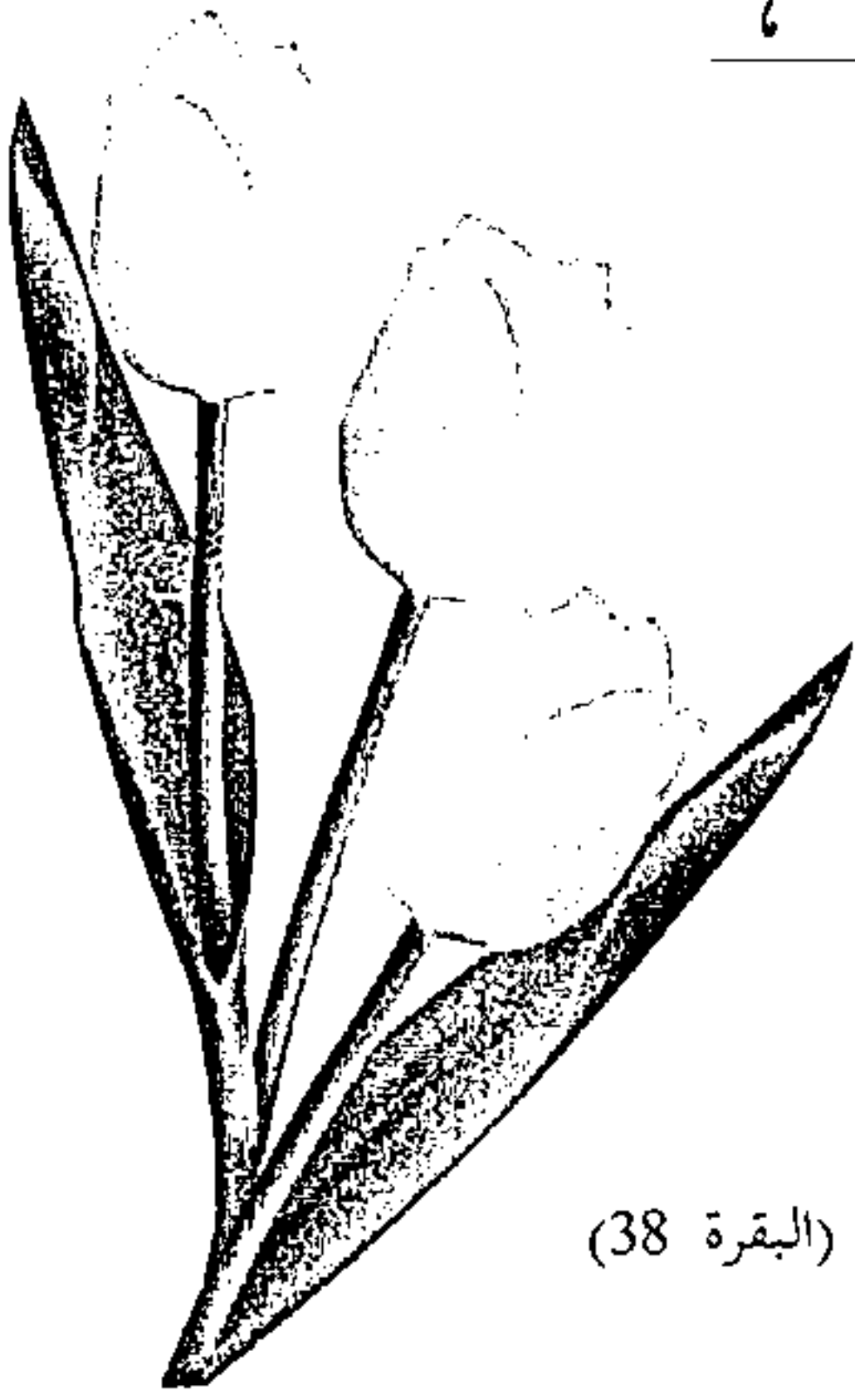
19 رنج والم سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (آل عمران:239)

''نہ کمزور بنو نہ غم کرو''

20 قرآن مجید متعدد مقامات پر فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبة 40)

''غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے''

21 ایک مقام پر مومنوں کے بارے میں فرمایا:

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَO (البقرة 38)

''نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ غم کریں گے۔''

غم کے معنی

حزن کیا ہے؟ طلب کے شعلہ کا ٹھنڈا پڑنا، ہمت میں فتور پیدا ہونا، حرارت کم ہوجانا، یہ ایسا بخار ہے جو زندگی کو شل کر دیتا ہے۔ اس کا راز کیا ہے؟ حزن اچھی علامت نہیں نہ اس میں دل کی مصلحت ہے۔ شیطان کو یہ بہت پسند ہے کہ بندہ کو غمگین کر کے اسے راستہ سے روک دے اور منحرف کر دے۔

مسلمان حزن میں مبتلا ہو یہ شریعت نہیں چاہتی کیونکہ اس کا برا اثر روح پر پڑتا ہے۔ مسلمان سے تو شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ حزن و ملال کو پاس نہ آنے دے اس کا مقابلہ کرے اور اچھے ذرائع سے اس پر غلبہ پالے۔ حزن و ملال نہ مطلوب ہے نہ مقصود اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا:

''اے میرے اللہ! حزن و ملال اور تفکرات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

صحیح بخاری کتاب الاموات حدیث 6363

اچھے حالات کا انتظار افضل عبادت ہے

22 گونا گوں مشکل اور برے سے برے حالات میں بھی مایوسی گناہ ہے جبکہ اچھے حالات کی امید اور اپنی بساط بھر اس کی جستجو کرنا عین ثواب ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ : انتظارُ الفَرَجِ (ترمذی شریف)

اچھے حالات کے آنے کا انتظار کرنا افضل ترین عبادات میں سے ہے۔

ایک مشہور مقولہ ہے کہ ظلم کی رات جس قدر طویل ہو جس قدر بھیانک اور وحشت ناک ہو کبھی تو ختم ہوگی اور صبح طلوع ہو کر رہے گی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا (القرآن)

جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور نکلنے کا راستہ بنائیں گے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا

جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائیں گے اور اس کا اجر بہت زیادہ بڑھا دیں گے۔ (القرآن)

ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهِ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ ضرور اس کے کام میں آسانی پیدا فرمائیں گے۔ (القرآن)

جبکہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان ایک حدیث قدسی میں نقل فرماتے ہیں:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ فَلْيَظُنَّ بِيْ مَاشَآءَ (الحدیث)

میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں (جیسا وہ گمان کرتا ہے میں ویسا ہی اس سے سلوک کرتا ہوں) اب انسان جو چاہے میرے بارے میں خیال کر لے۔

ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آتی ہے (القرآن)

23 اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (سورۃ الانشراح)

بے شک تکلیف کے ساتھ آسانی ہے بے شک تکلیف کے ساتھ آسانی ہے۔

مفسرین حضرات اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں تنگی کو معرفہ اور آسانی کو نکرہ لایا گیا ہے جس کا عربی گرامر کے اصول کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ ایک تکلیف کے بعد دو آسانیاں ہوں گی اور مفسرین کا مشہور قول ہے:

لَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ

ایک تکلیف پر دو آسانیاں ہوتی ہیں جب کہ ایک اور حدیث میں ہے

وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ (الحدیث)

یہ بات یاد رکھو کہ صبر کرنے پر مدد ملتی ہے اور ہر تکلیف کے بعد آسانی آتی ہے۔
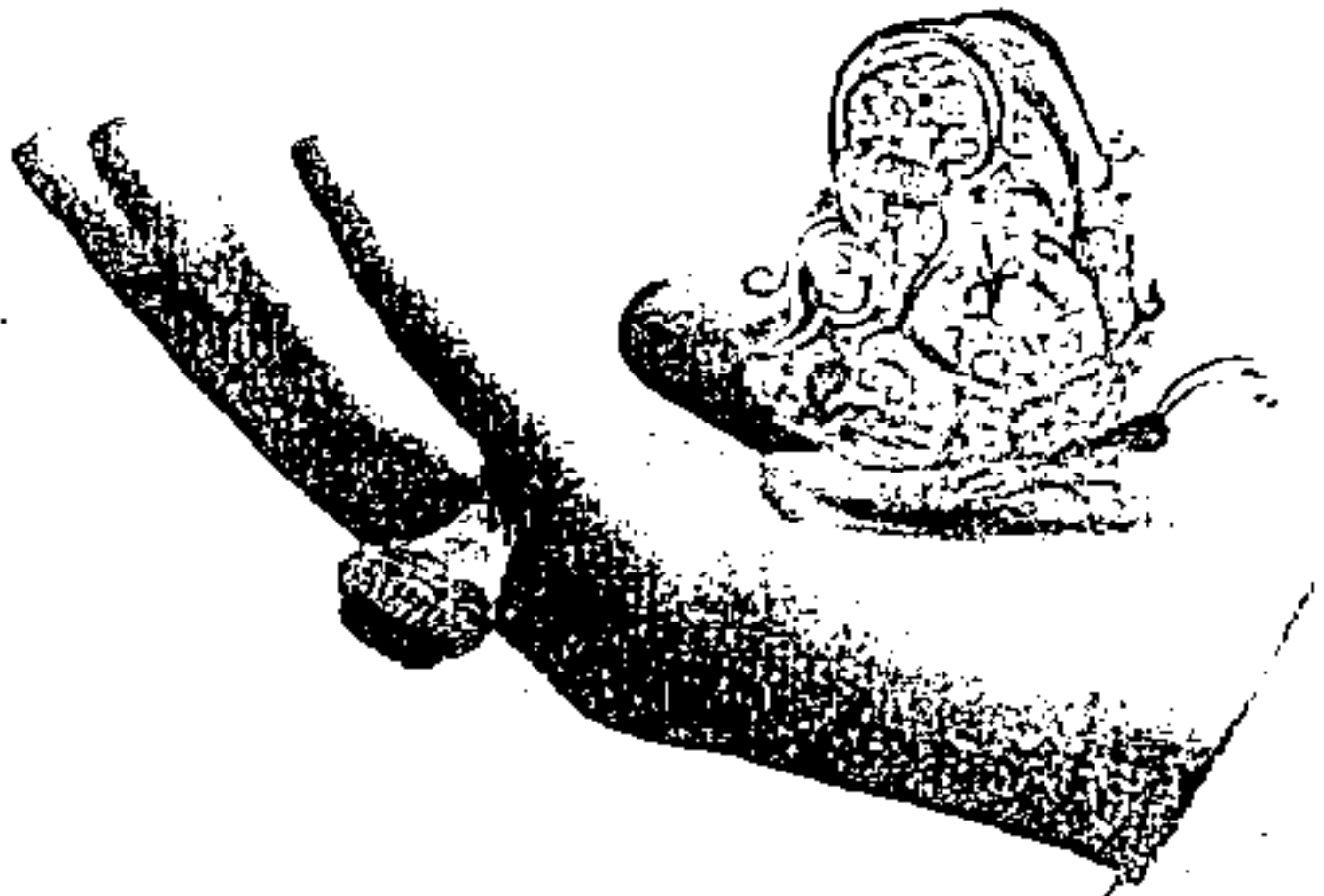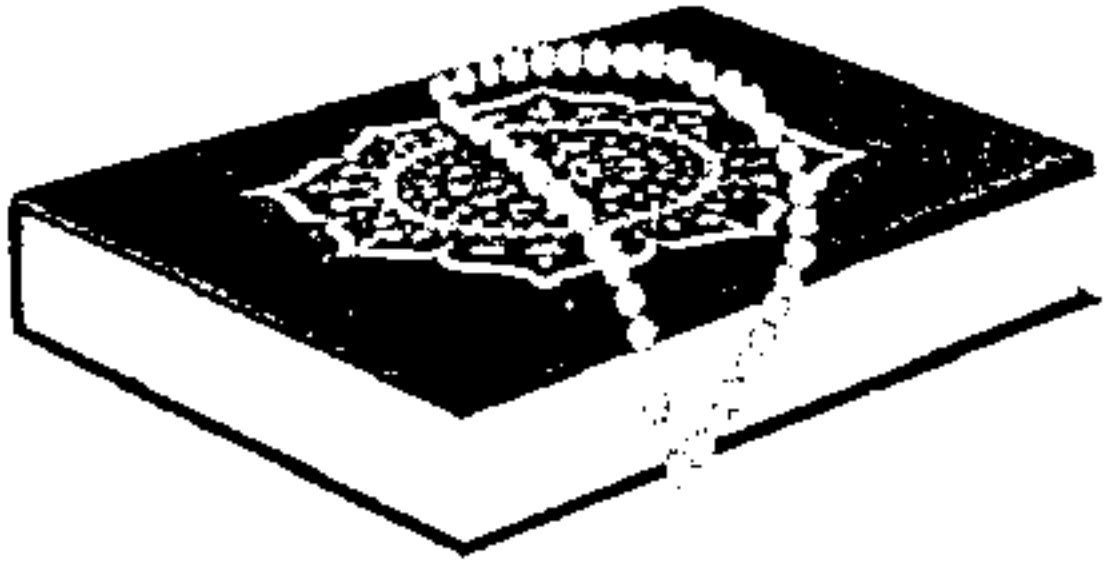
قرآن کی آواز! مایوس مت ہوں

24 قرآن مجید میں مایوسی کو کافروں کی خصوصیت بیان کیا گیا ہے چنانچہ سورۃ یوسف میں:

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ o (یوسف87)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اس کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔''

25 وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ o (الحجر56)

''اپنے رب کی رحمت سے گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔''

26 اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَo (الاعراف56)

''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔''

27 لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًاo (الطلاق1)

''تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد ممکن ہے کوئی نئی راہ نکال کر دے۔''

28 عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَo (البقرۃ216)

''ممکن ہے کہ جسے تم برا سمجھو وہ اچھا ہو اور جسے تم اچھا سمجھو وہ تمہارے لیے برا ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

29 اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ (الشوریٰ19)

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے۔''

اللہ کی رحمت سے کافر ہی
مایوس ہوتے ہیں (القرآن)

30 رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف 156)

''میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے۔''

31 لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبۃ 40)

''گھبراؤ مت اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''
غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

سن لو! اللہ کی مدد آنے والی ہے (القرآن)

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد باری

32 حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ

یہاں تک کہ پیغمبر مایوس ہوگئے اور انہیں اپنے جھٹلائے جانے کا خدشہ ستانے لگا تو اچانک ہماری مدد آگئی اور ہم جسے چاہیں نجات دیتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

33 أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ

آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

34 إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ

بلاشبہ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہی ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے:

وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ

''اور یقین رکھو کہ فتح صبر کے ساتھ ہے اور کشادگی غم کے ساتھ ہے۔''

باب نمبر 2
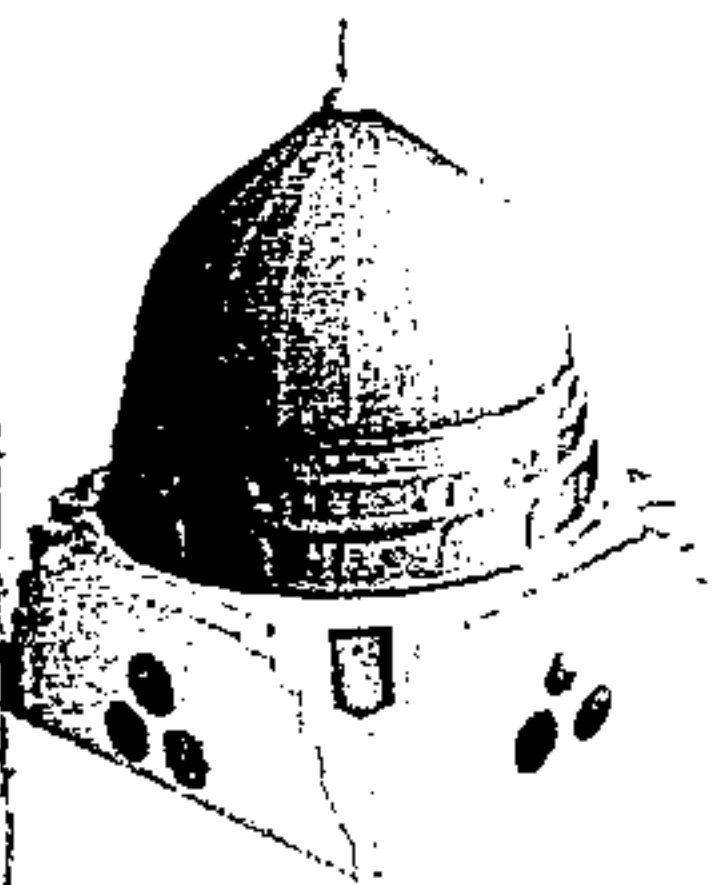
مایوسی اور رسول ﷺ کے ارشادات

اللہ کے رسول ﷺ مایوسی کو کتنا برا سمجھتے تھے؟ اس بات کا اندازہ یوں ہوسکتا ہے کہ آپ نے مایوسی کو شرک اور کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔:

1 تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں:

1 ایک وہ شخص جو اللہ کی چادر لینے کی کوشش کرتا ہے (یعنی بڑائی اور تکبر کرتا ہے) اور اللہ کی چادر اس کی بڑائی ہے اور اللہ کا لباس اس کی عزت وعظمت ہے۔

2 دوسرا وہ شخص جو اللہ کی ذات میں شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتا ہے۔

3 تیسرا وہ شخص جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہوجاتا ہے۔

کاہلی، سستی، کم ہمتی، بزدلی ہی ایسی اشیاء ہیں جن کے ملاپ سے ناامیدی جنم لیتی ہے، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناامیدی کے ان تمام اسباب سے بھی پناہ مانگتے رہتے تھے،

2 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

"اے اللہ! میں ناکارہ پن اور سستی سے، بزدلی اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں زندگی اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عذابِ قبر سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد بھی منقول ہے:

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ

طاقتور مومن کمزور شخص سے زیادہ اللہ کو محبوب ہے

[3] ''طاقتور اور توانا مسلمان اللہ کے نزدیک زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے کمزور مسلمان سے۔''

وَ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ

''ہر خیر اور بھلائی کے معاملہ میں اپنے لیے فائدہ اور نفع کے پہلو کے تلاش کرنے میں لالچ کا مظاہر کرو۔''

وَاسْتَعِیْنَ بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجِزْ

''اور اللہ سے مدد طلب کرو، ہمت ہار کر ناکارہ نہ بیٹھ جاؤ۔

اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو یوں نہ کہو کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوجاتا، بلکہ یوں کہو کہ اللہ نے تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا وہ جو چاہے کرتا ہے۔

فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ

''اس لیے کہ لفظ ''اگر'' شیطانی کاموں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

حالات کا رونا روتے رہنا، اٹھتے بیٹھتے مہنگائی کا تذکرہ کرتے رہنا، قومی اور ملی پستی وتنزلی کو زبان زد کر لینا، مایوسی اور ناامیدی کے بڑے اسباب میں سے شمار ہوتے ہیں۔ جو انسان یا قوم کی قوت عمل کو مفلوج کر دیتے ہیں، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی ناپسند کیا ہے اور اس قسم کی باتوں کو کہنے والے اور اس کی قوم کے لیے یکساں طور پر نقصان دہ بتلایا ہے۔

معافی اللہ کو پسند ہے اور ناامیدی ناپسند ہے

4 ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ایلٹ حدیث قدسی میینِ ہی کہ

يَاعِبَادِ إِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْا أَغْفِرْ لَكُمْ

"اے میرے بندو! تم دن رات میری نافرمانی کرتے ہو، لیکن مایوس نہ ہونا میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں گا، بس مجھ سے معافی مانگو، مغفرت طلب کرو، میں تمہیں معاف کر دوں گا۔"

(حوالہ احادیث قدسیہ)

ایک دوسری حدیث قدسی میں ہے:

"اے آدم کے بیٹے! تو جب بھی مجھے پکارے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تیری ساری لغزشوں کو درگزر کر دوں گا اور میں کوئی پروانہیں کرتا، اور اگر تیرے گناہ آسمانوں کی بلندیوں کو بھی چھو لیں پھر تو مجھ سے معافی طلب کرے میں تیری ساری خطاؤں کو درگزر کر دوں گا اور میں کوئی پروانہیں کرتا، اور اگر تو زمین کو اپنے گناہوں سے بھر دے اور میرے سامنے اس طرح حاضر ہو کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو میں تیرے سارے گناہوں کو اپنی مغفرت کے سمندر سے دھو دوں گا اور میں کوئی پروانہیں کرتا۔"

(حوالہ شکوۃ شریف)

ناامیدی گناہ کبیرہ ہے
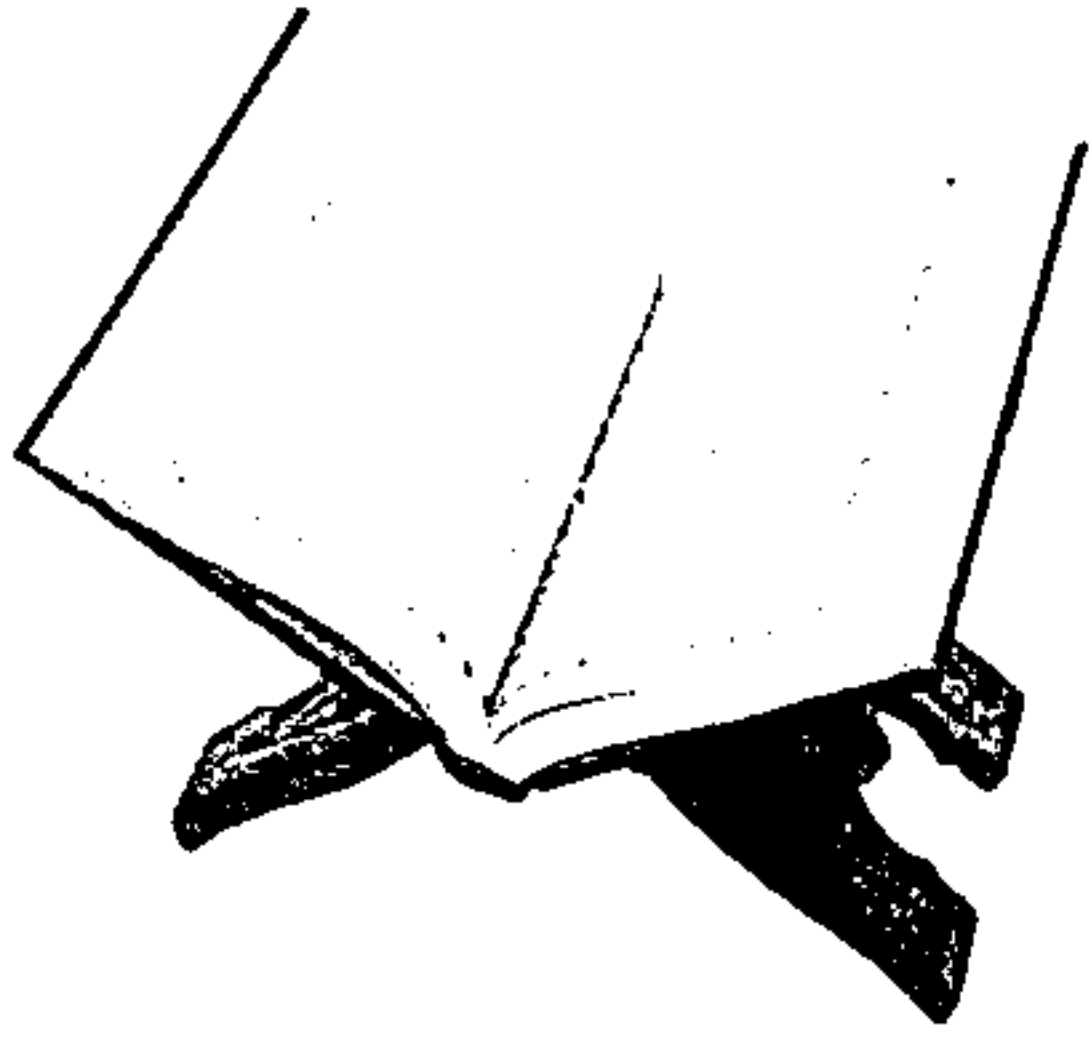
[5] ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے مایوسی اور ناامیدی کو کفار کی خصلت اور صفت قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی مایوسی کو گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آیا اور حضور ﷺ سے پوچھنے لگا کہ کبیرہ گناہ کون سے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہ یہ ہیں:

اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالْاِ يَاسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ وَالْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوجانا۔ (مسند بزار)

[6] ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کبیرہ گناہ یہ ہیں:

اَلْكَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَالْاَ مْنُ مِنْ مَّكْرِ اللّٰه وَالْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ وَالْيَاْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور ناامید ہونا۔ (شعب الایمان لبھیقی)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ اَلْاَمْنُ مِنْ مَّكْرِ اللّٰهِ وَالْيَاْسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ وَالْقُنُوْطُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

بڑے گناہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہوجانا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور ناامید ہوجانا۔ (تفسیر ابن منذر)

علامہ بن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب میں گناہ کبیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْكَبِيْرَةُ الْاَرْبَعُوْنَ اَلْيَاْسُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ   لاتایئس ص 169

جذبات پر قابو رکھئے

7 دو باتوں کی وجہ سے جذبات بے قابو ہوتے اور احساسات بھڑکتے ہیں، جب کوئی بڑی خوشی ملے یا جب سخت مصیبت گھیرے۔ حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي نُهِيتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ صَوْتٍ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَ صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ

''مجھے دو قسم کی آوازوں سے روک دیا گیا ہے'' ایک وہ جو نعمت پا جانے پر نکلتی ہے دوسری وہ جو مصیبت کے وقت نکلتی ہے''۔

مستدرک حاکم (43/4، مسند الطیالسی (1683) شعب الایمان للبیہقی 10163)

8 قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو چھوٹ جائے اس پر افسوس نہ کرو اور جو نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس پر اتراؤ مت۔'' (الحدید 23)

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

''صبر تو واقعی اس وقت ہوتا ہے جب پہلا صدمہ پہنچے''

صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1223 صحیح مسلم کتاب الجنائز (حدیث 962)

اگر مصیبت کی ابتداء پر صبر نہ کیا تو کوئی ثواب نہیں کیونکہ بعد میں تو صبر آ ہی جاتا ہے۔

(لاتحزن)

اے اللہ! تیری رحمت بہت وسیع ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے چالیس سال اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری میں گزار دیے، پھر چالیس سال اس کی نافرمانی کرتا رہا، ایک دن آئینہ کے سامنے کھڑا ہوا تو اپنی داڑھی میں سفید بال نظر آئے تو اس نے کہا:

يَا رَبِّ أَطَعْتُكَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَهَلْ تَقْبَلْنِيْ

''اے پروردگار! میں چالیس سال تیری فرمانبرداری کرتا رہا،
کیا تو نے اسے قبول کرلیا ہے؟''

اس کو ندائے غیبی سنائی دی:

أَطَعْتَ رَبَّكَ فَقَبِلَكَ وَعَصَيْتَهُ فَأَمْهَلَكَ وإذَا عُدْتَ إِلَيْهِ قَبِلَكَ

''تو نے اپنے رب کی اطاعت کی، اس نے اسے قبولیت کا شرف بخشا، پھر تو نے اس کی نافرمانی کی تو اس نے تجھے مہلت دے دی، اور اب اگر تو اس کی طرف واپس پلٹے گا تو وہ تیری توبہ کو بھی قبول کرلے گا۔''

انسان ایک ہی زندگی لے کر دنیا میں آیا ہے۔ اگر وہ بھی اس نے برباد کر دی تو دنیا و آخرت برباد ہوجائے گی۔ لہٰذا مہربان آقا نے اپنے پشیمان اور شرمندہ بندوں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اس کی بخشش کا سمندر اپنے پریشان بندوں کو نوازنے کے لیے کھلا رکھا ہے۔ اس کی بخشش کا سمندر اپنے پریشان بندوں کو نوازنے کے لیے جوش مار رہا ہے۔ اس کی رحمتوں کی بارش دن رات برس رہی ہے۔ (ھکذا ھزموا الیأس 86تا 88)

باب نمبر 3
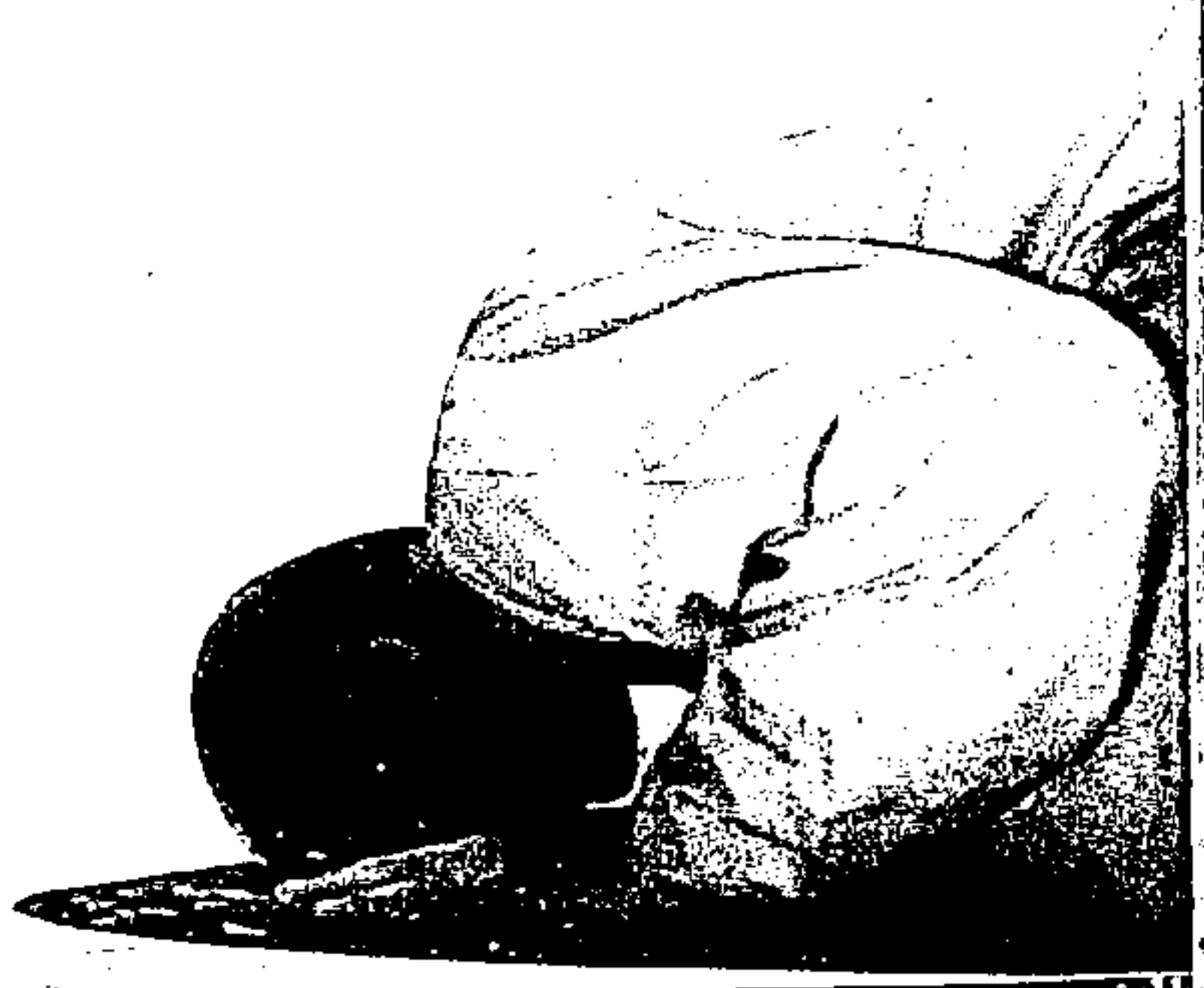
ناکامی کو شکست دینے کے لیے سنہری باتیں

غم اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو یاد کریں

غموں اور پریشانیوں کا نزول انسان کے دل پر ہوتا ہے، اس لئے ابن قیم رحمہ اللہ نے دلوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

1. وہ دل جن پر اللہ تعالیٰ کی برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ایسے دل پر مسرت، مسرور، پُر رونق، بھلائی سے معمور اور خیر کی طرف جھکتے ہیں اور ہر وقت نیک کاموں کی طرف مائل رہتے ہیں اور بہت کم پریشان ہوتے ہیں۔

2. وہ دل جو شیطان کی تدبیروں کا ٹھکانہ ہوتے ہیں۔ ایسے دل، ظلمت، غم، پریشانی، دکھ اور مصیبتوں کا گھر ہوتے ہیں۔"

(الفوائد لابن القیم)

غم نہ کریں۔ آپ اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔ بیٹا فیل ہو گیا۔ آپ کو غم ہوا، تو کیا غم سے وہ کامیاب ہو جائے گا۔ والد کی وفات ہوگئی آپ سوگ منا رہے ہیں تو کیا سوگ سے وہ واپس آجائیں گے؟ تجارت میں نقصان ہو گیا آپ نے رنج کیا تو کیا رنج سے نقصان فائدے میں بدل جائے گا؟

غم نہ کریں کیونکہ آپ ایک مصیبت پر غمگین ہوں گے، مصائب کا ڈھیر لگ جائے گا۔ فقر و فاقہ پر بے چینی ہوئی اور مصیبت بڑھ گئی۔ دشمنوں کی باتیں سوچ کر فکر مند ہوئے، اس طرح ان کی ہی مدد کر بیٹھے، آپ کو کسی آفت کا اندیشہ لاحق ہوا وہ نہیں آئی۔

غم نہ کرنا چاہیے کہ غم کے ساتھ وسیع گھر، خوبصورت بیوی، مال و دولت جاہ و منصب اور سمجھدار لڑکے کچھ کام نہ دیں گے۔

غم نہ کیجئے کہ حزن و ملال ٹھنڈے پانی کو کڑوا، عرق گلاب کو ایلوا، باغ کو صحرا اور زندگی کو ناقابل برداشت قید خانہ بنا دے گا۔ حزن و ملال کو قریب نہ آنے دیجئے کہ آپ کے پاس دو آنکھیں ہیں دو کان ہیں، دو ہونٹ ہیں، دو ہاتھ، دو پاؤں، زبان اور امن وامان و عافیت ہے، صحت حاصل ہے۔

مسلسل کوشش اور محنت آپ کو کامیاب انسان بنا سکتی ہے

مسلسل محنت اور کوشش ہی کامیابی اور کامرانی کی چابی ہے۔

1. مشہور سائنسدان اور موجد ایڈیسن کہتا ہے کہ ''میرے کسی ارادے کو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کرسکتی۔ ہر ناکام کوشش مجھے مزید آگے دھکیل دیتی ہے۔''

2. علامہ اندلسی فرماتے ہیں'' چٹان پر تسلسل کے ساتھ گرنے والا پانی کا ایک قطرہ بھی اس میں سوراخ کر دیتا ہے۔''

3. مشہور ملٹی نیشنل کمپنی کوکا کولا کے سربراہ کا کہنا ہے کہ ''بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آپ کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو ناکام بھی ہوتے ہیں مگر قدم نہ اٹھانے سے تو ناکامی یقینی ہے۔''

4. ایک اور دانشور کا قول ہے:

اَلنَّاجِحُوْنَ لَا یَقْلِعُوْنَ عَنِ الْمُحَاوَلَۃِ، وَالْمُقْلِعُوْنَ عَنِ الْمُحَاوَلَۃِ لَا یَنْجَحُوْنَ

''کامیاب لوگ مہم جوئی سے کبھی باز نہیں آتے اور مہم جوئی سے باز رہنے والے لوگ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔''

خوش رہنے کے فن کا ایک اصول

گاڑی بے تحاشا بھاگتی رہے تو ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے لہٰذا ہمیں متعدد بار اس میں بریک لگانی پڑتی ہیں لہٰذا آپ سوچ اور فکر کو لگام دیں اسے آزاد نہ چھوڑیں کہ وہ اِدھر اُدھر دوڑے اور جلد بازی میں سرکشی کر بیٹھے، اگر اسے آزاد چھوڑ دیا تو وہ آپ پر تفکرات کی ایک فائل کھول دے گا۔

پیدائش سے لے کر اب تک کے حادثوں اور المیوں کا قصہ لے بیٹھے گا۔ زخم خوردہ ماضی اور المناک مستقبل آپ کے سامنے لائے گا۔ جس سے آپ ہل کر رہ جائیں گے۔ آپ کے احساسات کو ٹھیس پہنچے گی، جذبات مجروح ہوں گے۔ اس لیے اسے لگام دے کر ثمر خیز، سنجیدہ عمل کی طرف اس کا رخ موڑ دیجیے۔

ارشاد ربانی ہے:

''اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کیجیے جسے کبھی موت نہیں۔''

دنیا سے بے رغبتی اختیار کر کے خوش رہنے کا نسخہ آزمائیے

خوش رہنے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ دنیا کو بس اتنی ہی اہمیت دیں جتنی اہمیت کی وہ حقدار ہے۔ اس کو اس کے صحیح درجہ پر رکھیں، دنیا واقعتاً لہو ولعب ہے اس لیے اس سے اعراض و بے توجہی ہونی چاہئے۔ وہ بہت سی چیزوں سے جدا کرتی، الموں کو لاتی، غموں کی بارش کرتی ہے، تو جو ایسی ہو، اس کا زیادہ اہتمام کیوں؟ اس کے فوت شدہ پر رنج کیوں؟

مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اس کا صاف بھی گدلا، اس کی چمک بھی پُر فریب، اس کے وعدے صحراء کا سراب، جو اس میں پیدا ہوا وہ مرجائے گا۔ اس کے سردار سے حسد کیا جاتا ہے، جو احسان کرنے والا ہوتا ہے اسے دھمکیاں دی جاتی ہیں، اس کے عاشق کے ہاتھ دھوکہ اور فریب کے سوا کچھ نہیں آتا۔ دنیا کے بارے میں عربی شاعر کہتا ہے:

''بھائیو! ہم ایسی بستی میں رہتے ہیں جہاں جدائی کی خبر دینے والا کوا کائیں کائیں کرتا رہتا ہے۔ ہم دنیا پر روتے ہیں حالانکہ دنیا میں کون سے لوگ ہیں جو جدا نہیں ہوتے۔ وہ جبار اور بڑے بڑے بادشاہ کہاں گئے جنہوں نے بڑے خزانے جمع کئے۔ نہ وہ بچے نہ ان کے خزانے''

حدیث میں آتا ہے کہ ''علم سیکھنے سے اور بردباری عمل سے آتی ہے''

المعجم الاوسط للطبرانی حدیث 2663، شعب الایمان للبیھقی حدیث10739

مصیبت کے وقت یہ بھی سوچیں!

آپ کو غم نہ کرنا چاہیے کہ اگر آپ محتاج ہیں تو دوسرے قرض دار ہیں، اگر آپ کے پاس گاڑی نہیں تو ایسے بھی ہیں جن کے پیر کٹے ہوئے ہیں اگر آپ کو مصائب کی شکایت ہے تو بہت سے لوگ سالوں سال سے اسپتالوں میں پڑے ہیں اگر آپ کا کوئی لڑکا مر گیا ہے تو ایسے بھی ہیں جن کی ساری اولاد کسی حادثہ میں ماری گئی۔ آپ غم نہ کریں، کیونکہ آپ مسلمان ہیں۔ اللہ، رسول، ملائکہ، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر آپ کا ایمان ہے۔

بہت سے لوگ ہیں جو رب کے منکر ہیں رسول کی تکذیب کرتے ہیں، کتاب میں ان کا اختلاف ہے، یوم آخرت کا انکار کرتے ہیں اور قضا و قدر میں شک کرتے ہیں۔

آپ کو غم نہ کرنا چاہیے کیونکہ اگر گناہ کرلیا ہے تو توبہ کر لیجیے، خطا کی ہے تو استغفار کر لیجیے، غلطی کی اصلاح کر لیجیے، درِ رحمت کھلا ہے، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت عام ہے۔

وہ توبہ قبول کرتا ہے، آپ غم نہ کریں کیونکہ غم سے آپ کے اعصاب کو ڈھیلا کر دیں گے یہ آپ کے وجود کو ہلا دے گا، دل کو پریشان کر دے گا، راتوں کی نیند حرام ہوجائے گی، رات جاگنا پڑیگا، شاعر کہتا ہے:

''کتنی ہی مصیبتیں ایسی ہیں جن سے آدمی تنگ ہوجاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے چھٹکارا دلاسکتا ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ ان سے بچا نہیں جاسکتا اور اللہ تعالیٰ انہیں دور کر کے فراخی عطا کر دیتا ہے۔'' (لاتحزن 71 تا 73)

""غم کرنا مزید غموں کو دعوت دینا ہے""

اے میرے بھائی تمہارے پاس غم کو کم کرنے کے لئے سوائے صبر کے کوئی اور حل نہیں ہے یہ بات میں نے شوگر کے مرض میں مبتلا ایک شخص سے کہی تھی۔ وہ پھیکی چائے پی رہا تھا اور افسوس کر رہا تھا: میں نے پوچھا ""اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر غم کرنے سے کیا شوگر کم ہو جائے گا"" اس نے کہا ""نہیں""

""لہٰذا صبر کرو، اور غم نہ کرو"" میں نے تلقین کی۔

ساری دنیا کے معاملات ہماری تمنا کے مطابق چلیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ بہت سی چیزیں ہماری خواہشات کے منافی بھی ہوتی ہیں۔ لہٰذا بلاوجہ کڑھتے رہنے سے اپنا خون ہی جلے گا۔ آپ کئی جگہوں پر انٹرویو دینے جاتے ہیں، آپ کو قبول نہیں کیا جاتا، لہٰذا پریشان ہو کر دل چھوٹا کرنے کے بجائے مسلسل محنت اور جدوجہد کو جاری رکھیں، ہوسکتا ہے اس سے اچھی جگہ پر ہم کو منتخب کرلیا جائے۔ اسی طرح آپ نے شادی کا پیغام بھیجا لڑکی نے یا اس کے گھر والوں نے انکار کر دیا۔

""اب کیا، کیا جائے"" کیا رو رو کر آسمان سر پر اٹھائیں، میرے پاس ایک نوجوان دکھی حالت میں آیا ""میں بہت دکھی ہوں، میری کزن نے میرے رشتے کو رد کر کے دوسرے لڑکے سے شادی کرلی ہے"" اس کی باتوں سے دکھ اور آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔

میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا بھائی اس پر دکھ کے بجائے مٹھائی بانٹو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں اس سے بہتر بیوی رکھی ہے ۔

ایسے حالات میں اس لڑکی کے خیال کو دل سے نکال کر دوسری جگہ شادی کرلو۔ قارئین میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو یہ دوٹوک حل پسند نہ آئے گا وہ ان مسائل میں گھر کر درد دل مول لینے اور غموں کے اندھیروں میں رہنے کو ترجیح دیں گے۔ لیکن اس طرح کھوئی ہوئی چیز ان کو نہ ملے گی۔ اور نہ قسمت کا لکھا تبدیل ہوگا۔

میرے نزدیک رب کی رضا میں راضی ہونا ہی بہترین حل ہے۔

مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے

میرے دوست نے ایک بڑے مزے کی بات سنائی، وہ ایک مسجد تعمیر کر رہا تھا، دوران تعمیر رقم کی کمی سے پریشان ہوگیا۔ مسجد کے لیے مدد لینے کو وہ ایک بڑے تاجر کے پاس گیا۔ تاجر صاحب نے خوب عزت افزائی کی اور حسب استطاعت مسجد تعمیر کا وعدہ بھی کیا، باتوں باتوں میں اس نے جیب سے ایک دوا نکالی اور دو گولیاں پانی کے ساتھ نگل لیں۔

ہم نے دوا کا سبب پوچھا تو بتانے لگا۔ ''بھائی یہ نیند کی گولیاں ہیں بزنس کی سوچوں سے نیند نہیں آتی، پچھلے دس برسوں سے انھی گولیوں کے ذریعے سوتا ہوں۔ ہم اس کے بنگلے سے واپس لوٹ آئے۔ راستے میں سڑک تعمیر ہو رہی تھی۔ مزدوروں کا شور شرابہ اور جنریٹروں کے چلنے کی آواز گونج رہی تھی۔ قریب ہی ایک غریب مزدور زمین پر چند کاغذ بچھا کر پرسکون انداز میں سویا ہوا تھا۔

سو جاتے ہیں فٹ پاتھ پر اخبار بچھا کر
مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے

لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ زندگی گزارو، جو مل گیا اس پر شکر کرو، اسے استعمال میں لاؤ۔ جو نہیں ملا، اس پر صبر کرو۔

غم میں کمی کے لئے غم کے نقصانات سوچیے

انسان کی فطرت ہے کہ غم کی باتوں پر وہ غمگین ہوتا ہے، لہٰذا یہ بات کہ انسان بالکل غمگین ہی نہ ہو ممکن نہیں، ہاں! جب غم سوار ہوجائے تو کیا، کیا جائے کہ جس سے غم ہلکا ہو۔

یہاں غم کے نقصانات لکھے جاتے ہیں ان کو اپنی کاپی میں لکھیے یا کسی چیز پر لکھ کر میز پر رکھ لیجئے تاکہ ہر وقت آپ کی نظر اس پر پڑتی رہے، اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اس سے دل کو تسلی ہوگی۔

غم کے دنیاوی نقصانات
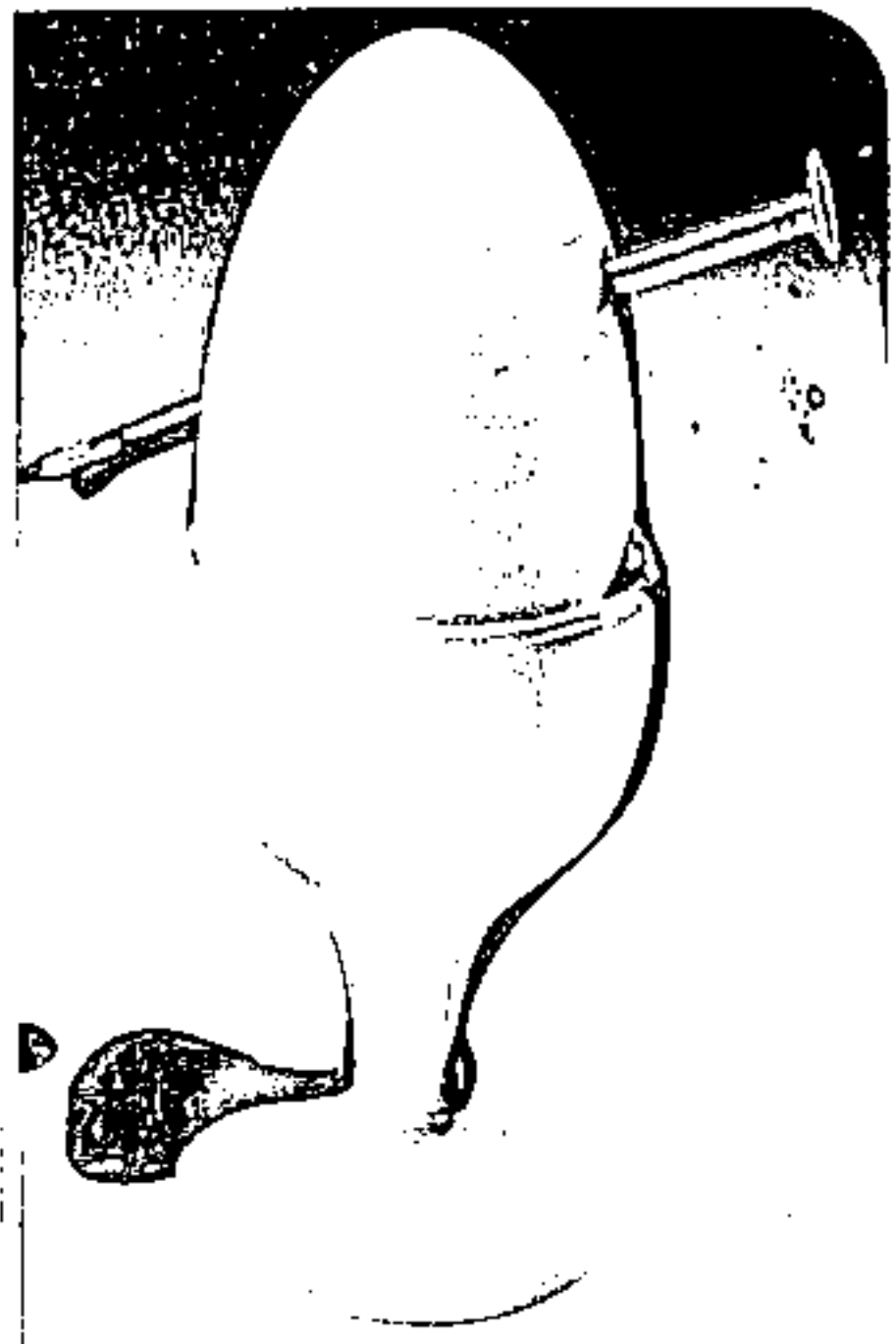
1. غم انسان کی ہمت پست کر دے گا۔
2. غم انسان کے اچھے جذبات کو ٹھنڈا کر دے گا۔
3. غم کرنا انسان کو مزید غمگین کر دے گا۔
4. غم انسان کے دل کو کمزور کر دے گا۔
5. غم انسان کو دانتوں کی بیماری میں مبتلا کر دے گا۔
6. غم انسان کو اَلسر جیسی مہلک بیماری لگا دے گا۔
7. غم انسان کی قوت و طاقت کم کر دے گا۔
8. غم انسان کو وقت سے پہلے بڑھاپے کی طرف لے جائے گا۔
9. غم انسان کو مقصد کے حصول میں آگے بڑھنے سے روک دے گا۔
10. غم کرنا انسان کو مزید مشکل کی طرف لے جائے گا۔
11. دشمنوں کی باتوں پر غمگین ہونا دشمنوں کی خوشی کا ذریعہ بنے گا۔
12. غم کرنے کی وجہ سے بڑے گھر، نیک سیرت و فرماں بردار بیوی، کثیر مال اونچے منصب اور ہونہار اولاد سے پورا نفع حاصل نہ ہوسکے گا۔
13. غرض یہ کہ غم میٹھے پانی کو کڑوا، گلاب کے پھول کو حنظل، چمن کو چٹیل صحرا اور زندگی کو جیل خانہ بنا دے گا۔

غم کے دینی نقصانات

عرب کا متنبّی نامی مشہور شاعر کہتا ہے:

وَالْهَمُّ يَخْتَرِمُ الْجَسِيمَ نَحَافَةً وَيُشِيبُ نَاصِيَةَ الْغُلَامِ وَيُهْرِمُ

ترجمہ: ''رنج وغم طاقتور آدمی کو لاغر کر دیتا ہے، نوجوان کے بالوں کو سفید اور اُسے بوڑھا کر دیتا ہے۔''

دِيْوَانُ الْمُتَنَبِّي، قَافِيَةُ الْمِيْمِ

دنیاوی نقصانات کے علاوہ غم کے دینی نقصانات بھی ہیں۔

14 غم کو اپنے اوپر مسلط کر لینا عبادت میں کوتاہی کا سبب بنتا ہے۔

15 غم زیادہ کرنے سے دین کی خدمت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

16 غم کی زیادتی لوگوں سے بدگمانی پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔

17 غم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیتا ہے۔

لہٰذا غم کرنے کا نہ ہی کوئی دینی فائدہ ہے اور نہ دنیاوی فائدہ ہے بلکہ نقصان ہی نقصان ہے اور بلاوجہ غمگین رہنے سے نہ ہی غم ختم ہوگا، نہ کم ہوگا تو انسان کو چاہیے کہ غمگین ہونا ہی چھوڑ دے...... لوگوں کی شکایتیں کرنا چھوڑ دے اور یہ سوچنا بھی چھوڑ دے کہ فلاں نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا...... مجھے اس طرح ستایا تھا...... مجھ پر اس طرح ظلم کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور غم کو دوبارہ تازہ کرتے ہیں لہٰذا نہ ہی زبان سے ان جیسی باتوں کا تذکرہ کریں نہ ہی ان کو سوچیں اِنْ شَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی ایسا کرنے سے آپ کو راحت نصیب ہوگی۔

پریشانی دور کرنے کے لئے یہ 9 سوالات اپنے ہاتھ سے کاپی میں لکھیے

جب بھی آپ غمگین ہوں تو اپنے آپ سے یہ سوالات کیجئے۔ اس طرح کرنے سے انشاء اللہ آپ کی پریشانی کم ہوگی۔

1 تم غمگین کیوں ہو؟ 2 غمگین رہنے سے تمہیں کیا فائدہ ہے؟

3 کیا تمہارا غمگین رہنا قسمت کا لکھا بدل سکتا ہے؟

4 جو تمہارے نصیب میں نہیں کیا تم اُسے لا سکتے ہو؟

5 کیا برے وقت کو ٹال سکتے ہو؟ 6 کیا زمانے کو روک سکتے ہو؟

7 کیا سورج کو غروب ہونے سے منع کر سکتے ہو؟

8 کیا گزری ہوئی گھڑیاں لوٹا سکتے ہو؟

9 کیا تم غمگین رہ کر اُلٹے قدموں ماضی میں جا سکتے ہو؟

اگر نہیں تو تم غمگین کیوں ہو؟ شاعر کہتا ہے:

وَسَلِّ نَفْسَكَ تَسْلُو فِيْ مَنَازِلِهَا هَلِ الدُّمُوْعُ تَرُدُّ الْغَائِبَ الْغَالِيْ

ترجمہ: ’’اپنے آپ کو غم کی گھاٹیوں میں سے بتکلف کوشش کر کے نکالو تو تم تسلی پالو گے، فراخی اور خوش حالی کی زندگی گزارنے لگ جاؤ گے۔ یاد رکھو! ماضی کو یاد کر کے رونے سے کھوئی ہوئی چیز واپس نہیں آجاتی۔‘‘ شاعر نے اپنے اس شعر میں پریشان حالوں کو دو نصیحتیں کی ہیں۔ (لَاتَحْزَنْ: ص 91)

1 غم کی جگہ سے اپنے آپ کو نکالو، غم کی سوچ سے اپنے آپ کو نکالو، جہاں غمگین لوگ ماضی کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں، وہاں سے جگہ بدل لو ان کی باتیں نہ سنو۔

2 ماضی کے نقصانات کو حال کے آنسو دوبارہ نہیں لوٹا سکتے لہٰذا ماضی پر رونا بے کار ہے۔

پریشان ہونے کے بجائے اپنے کو تسلی دیجئے

کوئی پریشانی لاحق ہو...... مصیبت پیش آجائے...... خصوصاً کاروبار وغیرہ میں نقصان ہوجائے...... کسی قریبی عزیز کا انتقال ہوجائے...... یا کوئی بھی غم ہو...... اور دل پر بہت بوجھ ہوتو پریشان نہ ہوں اور اپنے آپ کو یوں تسلی دیں۔
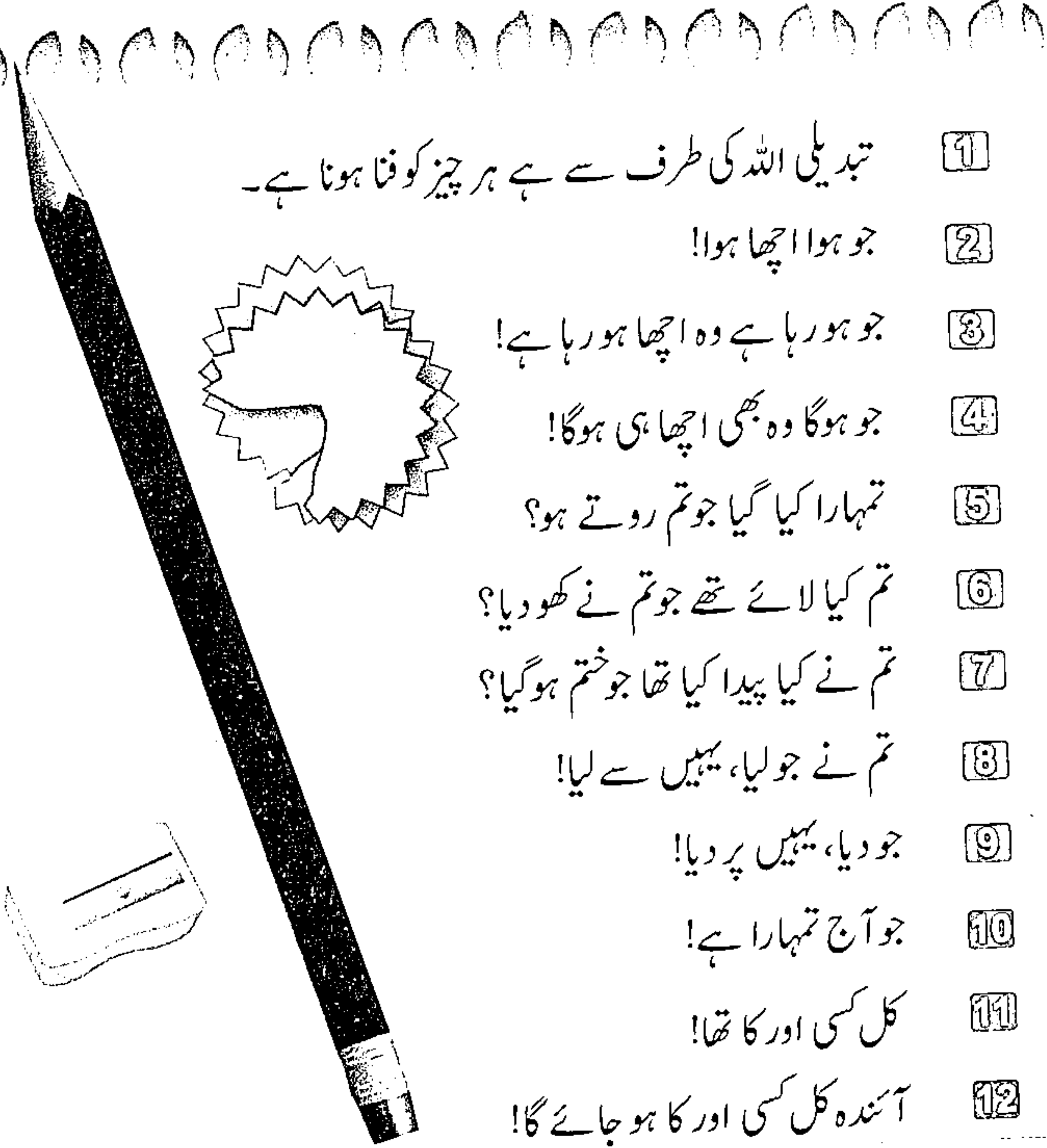
1. تبدیلی اللہ کی طرف سے ہے ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔
2. جو ہوا اچھا ہوا!
3. جو ہورہا ہے وہ اچھا ہورہا ہے!
4. جو ہوگا وہ بھی اچھا ہی ہوگا!
5. تمہارا کیا گیا جو تم روتے ہو؟
6. تم کیا لائے تھے جو تم نے کھودیا؟
7. تم نے کیا پیدا کیا تھا جو ختم ہوگیا؟
8. تم نے جو لیا، یہیں سے لیا!
9. جو دیا، یہیں پر دیا!
10. جو آج تمہارا ہے!
11. کل کسی اور کا تھا!
12. آئندہ کل کسی اور کا ہوجائے گا!

پریشانی کے وقت اُن پر مزید پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا سوائے پریشانی میں اضافہ کے، لہٰذا ایسے وقت میں اپنے دل کو تسلی دیجئے اور صبر و ہمت سے کام لیجئے، پریشانیاں اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی دور ہوجائیں گی۔

مسلمان تو کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہوتا
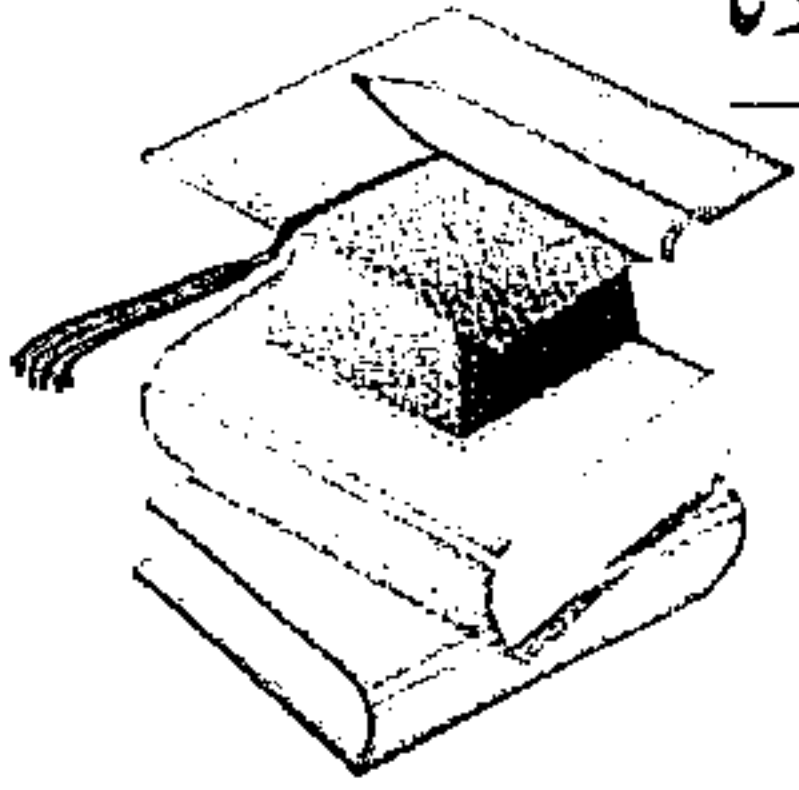
حضرت مولانا اسلم شیخو پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

وہ ملاح جس کی کشتی طوفانی موجوں میں پھنس چکی ہو......

وہ مریض جو کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہو اور اسے ڈاکٹروں اور حکیموں نے جواب دے دیا ہو......

وہ غریب اور بے روزگار انسان جسے چاروں جانب روزگار کے دروازے بند ہوتے محسوس ہوں......

وہ لاولد (بے اولاد) جوڑا جس کی شادی کو کئی برس گزر گئے ہوں مگر تمنا کے پورا ہونے کی کوئی صورت دکھائی نہ دے......

وہ سپہ سالار جسے طاقت حریف کا سامنا ہو اور اسے فتح کوسوں دور دکھائی دیتی ہو.........

وہ گناہ گار بوڑھا جس کے شب و روز گناہوں میں بسر ہوئے ہوں اور اب موت کی آہٹ بہت قریب سنائی دیتی ہو، اسلام ان سب کے دل میں امید کا چراغ روشن کرتا ہے اور انہیں مایوسی سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے گم شدہ بیٹے کے بارے میں اپنے دوسرے بیٹوں کو مایوسی کی باتیں کرتے ہوئے سنا تو فرمایا تھا:

''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ بے شک اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں۔''

حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر 95 سال ہو چکی تھی، داڑھی اور سر کے بال سفید ہو گئے...... جسم میں طاقت باقی نہ رہی تھی...... اہلیہ بھی بوڑھی اور بانجھ تھیں...... خود انہیں بھی بڑھاپے نے گھیر لیا تھا...... مگر اس کے باوجود مایوس نہ ہوئے اور رب العلمین کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے عرض کیا:

''اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں اور سر شعلہ مارنے لگا ہے (سر کے بال سفید ہو چکے ہیں) اور اے میرے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا''

چنانچہ اس بار بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں محروم نہ کیا اور انہیں بیٹے کی خوش خبری سنا دی، اس خوش خبری نے خود انہیں تعجب میں مبتلا کر دیا، انہوں نے شدید خوشی کے عالم میں سوال کیا:

''اے میرے پروردگار! میرے ہاں کس طرح لڑکا ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔''

مقصد یہ تھا کہ کیا جوانی لوٹا کر بیٹا عطا کیا جائے گا یا بڑھاپے ہی کی حالت میں جھولی بھر دی جائے گی۔ جواب آیا:

''اسی طرح ہوگا، تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جب کہ کچھ نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔''

اسلام مصائب وآلام کے ہجوم میں راہِ فرار اختیار کرنے ...... شکستہ دلی...... اور خودکشی...... کی بجائے مردانہ وار ان کا مقابلہ کرنے کی تلقین کرتا ہے، اگر انسان حوادث اور امراض کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی عادت اپنا لیتا تو میڈیکل سائنس اور دوسرے شعبوں میں اس نے جو ترقی کی ہے وہ کبھی نہ کر پاتا۔

باب نمبر 4
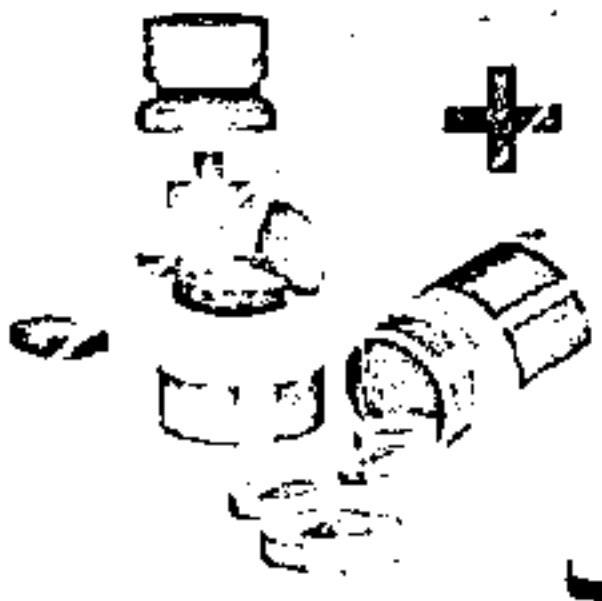
رنج وغم اور حسد کے اثرات ونقصانات

ڈاکٹر راسل سیشل کا تعلق جامعہ کورنیل کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے ہے۔ انہوں نے گٹھیا کے چار بڑے اور زیادہ پھیلے ہوئے اسباب بتائے ہیں (1) شادی کا ٹوٹ جانا (2) مادی نقصانات اور رنج (3) قلق اور تنہائی (4) حقارت اور حسد۔

دانتوں کے امریکی ڈاکٹروں کی یونین کو ایک خطاب میں ڈاکٹر ولیم مالک گوینگل کہتے ہیں ''قلق اور خوف وغیرہ دوسرے غیر خوش کن خیالات جسم میں کیلشیم کی مقدار بڑھا سکتے ہیں اور نیتجتاً دانتوں کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔''

ڈیل کارنیگی کہتا ہے: اعداد وشمار سے ثابت ہوچکا ہے کہ دل کی بیماری امریکہ میں قاتل نمبر ایک ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے آخری سالوں میں ایک تہائی ملین لوگوں کی جان جنگ نے لے لی جب کہ اسی مدت کے اندر دل کی بیماری نے دوملین لوگوں کو مار ڈالا، جن میں ایک ملین کو دل کی بیماری قلق اور اعصاب کے دباؤ سے لگی تھی۔

''دل کی بیماریاں ہی وہ خاص سبب ہیں جن کے باعث ڈاکٹر ''الیکسیس کیرل'' کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ'' وہ کارکن جو دل کی بیماری کا مقابلہ کرنا نہیں جانتے جلدی مر جاتے ہیں۔''

رنج قوت کو پاش پاش کرتا اور جسم کوتوڑ دیتا ہے

ڈاکٹر الیکسیس کیرل جنہیں طب میں نوبل انعام ملا ہے کہتے ہیں:

''وہ لوگ جوقلق واضطراب کا مقابلہ نہیں کرپاتے، جلدی مرجاتے ہیں''۔

ڈاکٹر جوزف ایف مونٹگیو ''اعصاب کا مسئلہ'' کے مؤلف کہتے ہیں ''زخم اس لیے نہیں ہوتا کہ آپ کیا کھا رہے ہیں بلکہ اس سبب سے ہوتا ہے جو آپ کو کھاتا ہے'' (متنبّی نے کہا ہے: فکر جسم کوتوڑ پھوڑ کر لاغر کر دیتی ہے اور وقت سے پہلے ہی آدمی کو بوڑھا بنا دیتی ہے۔)

مایوسی کے نقصانات

1 مایوسی انسان کی اعلیٰ صلاحیتیں چھین لیتی ہے۔

2 مایوسی انسان کے جسم و جان پر بیک وقت حملہ کرتی ہے اور انسان کو کسی بھی موضوع، مسئلہ یا معاملہ پر سنجیدگی سے توجہ کرنے نہیں دیتی۔

3 اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو سوچ و بچار، غور و فکر، فہم و تفہیم کی صلاحیت رکھی ہے اس کو تھپک تھپک کر سلا دیتی ہے، ہمت اور عزم کو استعمال نہیں کرنے دیتی۔ انسان کامیابی کے بہت نزدیک پہنچا ہوا ہوتا ہے جہاں مصیبت کی اندھیری رات وقتِ سحر تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے، تھوڑی سی ہمت انسان کو منزل تک پہنچانے والی ہوتی ہے اور کامیابی وکامرانی کی خوش خبری ملنے ہی والی ہوتی ہے لیکن مایوسی اس کامیابی وکامرانی سے انسان کو بہت دور کر دیتی ہے۔

4 تجارت و کاروبار وغیرہ میں ناکامی، گھریلو جھگڑوں کی تنگی، شوہر، سوکن یا ساس کی ناانصافی یا کسی کے ظلم کی تاب نہ لانے کی وجہ سے مایوسی انسان کو زندگی ختم کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

5 مایوسی اور ناکامی کا ہر خیال تباہی و بربادی کا باعث بن جاتا ہے، جو ذہن کو پریشان اور تاریک کر کے تباہی کی ایسی سمت لے جاتا ہے کہ زندگی کی ساری خوشیاں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

6 مایوس انسان کو شیطان یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ تو اور تیرا گھر ہمیشہ سے غم زدہ ہیں اور ہمیشہ غم زدہ رہیں گے۔
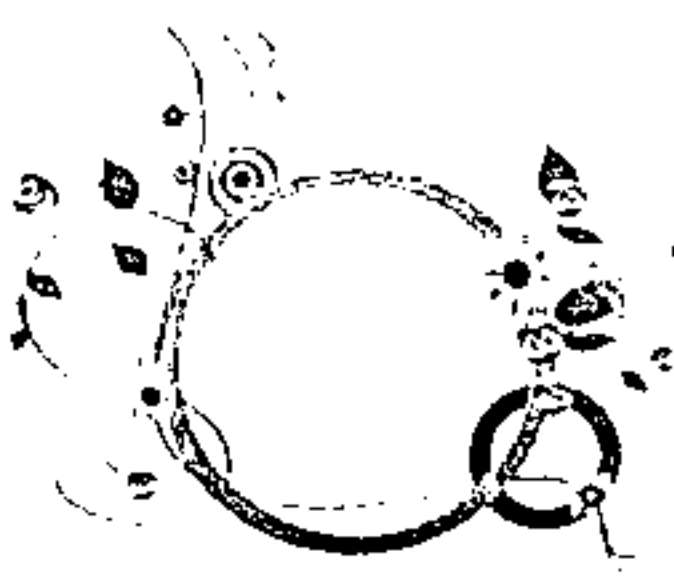
غم سے دشمن خوش ہوگا

حزن میں مبتلا نہ ہوں: کیوں کہ حزن ماضی کی یاد سے غمزدہ اور مستقبل سے خوف زدہ رکھے گا اور آپ کا پورا دن برباد ہوجائے گا۔ حزن میں مبتلا نہ ہوں کہ حزن سے دل دھڑکے گا، چہرہ ترش ہوگا، روح بجھ جائے گی اور امید ختم ہوجائے گی۔ دل گرفتہ نہ ہوں کہ آپ کے حزن سے دشمن خوش ہوگا، دوست کو غصہ آئے گا، حاسد کی باچھیں کھل جائیں گی اور حقائق آپ کے لیے بدل کر رہ جائیں گے۔

غم نہ کریں کہ غم سے کھوئی ہوئی چیز ہاتھ نہیں آتی، مردہ زندہ نہیں ہوتا، تقدیر ٹلتی نہیں، کوئی فائدہ ہوتا نہیں۔

غمزدہ نہ رہیں کہ غم شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، یہ مستقل مایوسی کا نام ہے، اس سے غریبی اور دائمی مایوسی رہتی ہے، اس سے بالیقین ناکامی اور بدترین شکست ملتی ہے۔

مایوسی سے پناہ مانگنے کی دعا

o اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور کاہلی سے کنجوسی اور بزدلی سے۔“ مُسْلِم، كِتَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ، بَابٌ فِي الْأَدْعِيَةِ 350/2

اللہ تعالیٰ ہم سب کی سستی سے حفاظت فرمائے اور ہمیں چستی عطا فرمائے۔ ہمیں کبھی بھی مایوسی کو اپنے اوپر سوار نہیں کرلینا چاہیے، بلکہ اپنی طاقت کے بقدر کوشش کرتے رہنا چاہیے اور یہ امید رکھنی چاہیے کہ ان شَاءَ اللّٰهُ تَعَالیٰ ضرور اللہ تعالیٰ نجات کی کوئی صورت پیدا فرمائیں گے۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں کہیں نہ کہیں امید کی کرن روشن رکھی ہوئی ہوتی ہے، اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اس کرن کو تھوڑی سی ہمت کر کے استعمال کرے، تو انسان غموں کے سمندر سے نجات پاسکتا ہے۔

(حوالہ: پریشانیوں سے نجات 137)
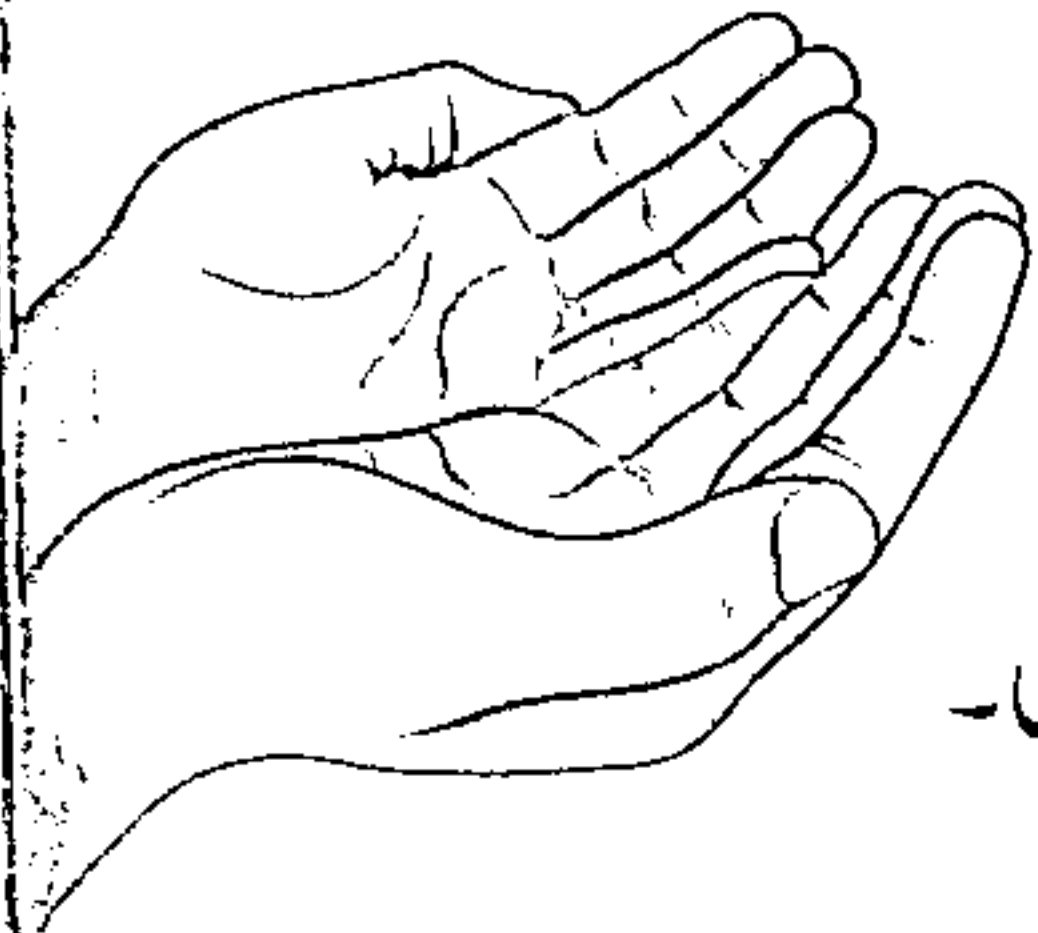
جو چلا گیا اس پر غم نہ کریں

''حزن'' کا معنی ہے ایسی مصیبت پر غم کرنا جو آئی اور ختم ہوگئی۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصٰبَكُمْ (آل عمران153:)

''تاکہ تم نہ اس پر غمزدہ ہو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت پہنچی۔''

نیز فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (آل عمران: 139)

''اور نہ کمزور بنو اور نہ غم کرو۔''

اور نبی ﷺ غم وحزن سے پناہ مانگتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ

صحیح بخاری، رقم الحدیث (6363)

''اے اللہ! میں غم و حزن، کمزوری اور سستی، بخیلی اور بزدلی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

پس غم کرنے کا کیا فائدہ جب وہ غم مصیبت کو رفع نہیں کرتا، نہ اس کو دور کرتا ہے اور نہ ہی اس کو ہلکا ہی کرتا ہے، بلکہ غم کرنے سے مصیبت میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور دل تکلیف اور حسرت سے بھر جاتا ہے۔ پھر اس ماضی پر غم کرنے کا کیا فائدہ جو کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا اور نہ ہی اس کو لوٹانے کی کوئی طاقت ہی رکھتا ہے؟

لہٰذا تم ایسی آزمائش پر غم نہ کرو جو آئی اور ختم ہوگئی اور ایسی مصیبت پر جلتے ہوئے افسوس نہ کرو جو واقع ہوئی اور اٹھ گئی۔ یاد رکھو! اگر تم آزمائش و مصیبت پر غم و افسوس کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو بلاشبہ تم اپنے نفس کے غم اور حسرت میں اضافہ کرو گے۔

غم کا دفاع کرو

لہٰذا جب تمہارا غم ایسی غلطیوں اور کمزوریوں پر ہے جو تم سے سرزد ہوئیں تو تم اس کام میں جو سرزد ہوا اور ختم ہوگیا تم معذور ہو، کیونکہ وہ تم پر لکھا ہوا تھا اور اللہ کی تقدیر کے ساتھ تم پر وارد ہونے والا ہے، لہٰذا تم غم و افسوس کرنے سے باز آجاؤ۔ تمہارے لیے اس غم کا دفاع کرنے کا ایک اور ذریعہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اپنی موجودہ حالات کی اصلاح کرو اور عمر کے باقی ماندہ حصے میں اپنی اصلاح کرنے کا عزم کرو، پس جب تم اپنی موجودہ حالت کی اصلاح کرلو گے تو اللہ کے حکم سے تمہارے دل سے افسوسناک ماضی پر غم و فکر دور ہوجائے گا۔

اور اگر تمہارا غم و افسوس ان مصائب و تکالیف کی وجہ سے جو ماضی میں تمہیں پہنچیں تو اسی طرح وہ بھی تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی تھیں اور تم پر ضروری ہے کہ تم اس حقیقت کو سمجھو کہ بلاشبہ عزوجل حکمت والا اور باریک بین ہے، وہ تم پر آزمائش کو دائمی اور ابدی نہیں بنائے گا۔

پس تم اللہ سے امید رکھو کہ وہ تمہیں خوشحالی، نعمت اور کامل صحت و عافیت سے نوازے گا اس وجہ سے جو تم نے ماضی میں واقع ہونے والی آزمائش پر صبر کیا ہے۔ لہٰذا گزری ہوئی آزمائش پر غم کرنا چھوڑ دو اور اپنی باقی ماندہ زندگی میں کامل صحت یابی اور مبارکبادی کے لائق اعمال کی امید رکھو۔
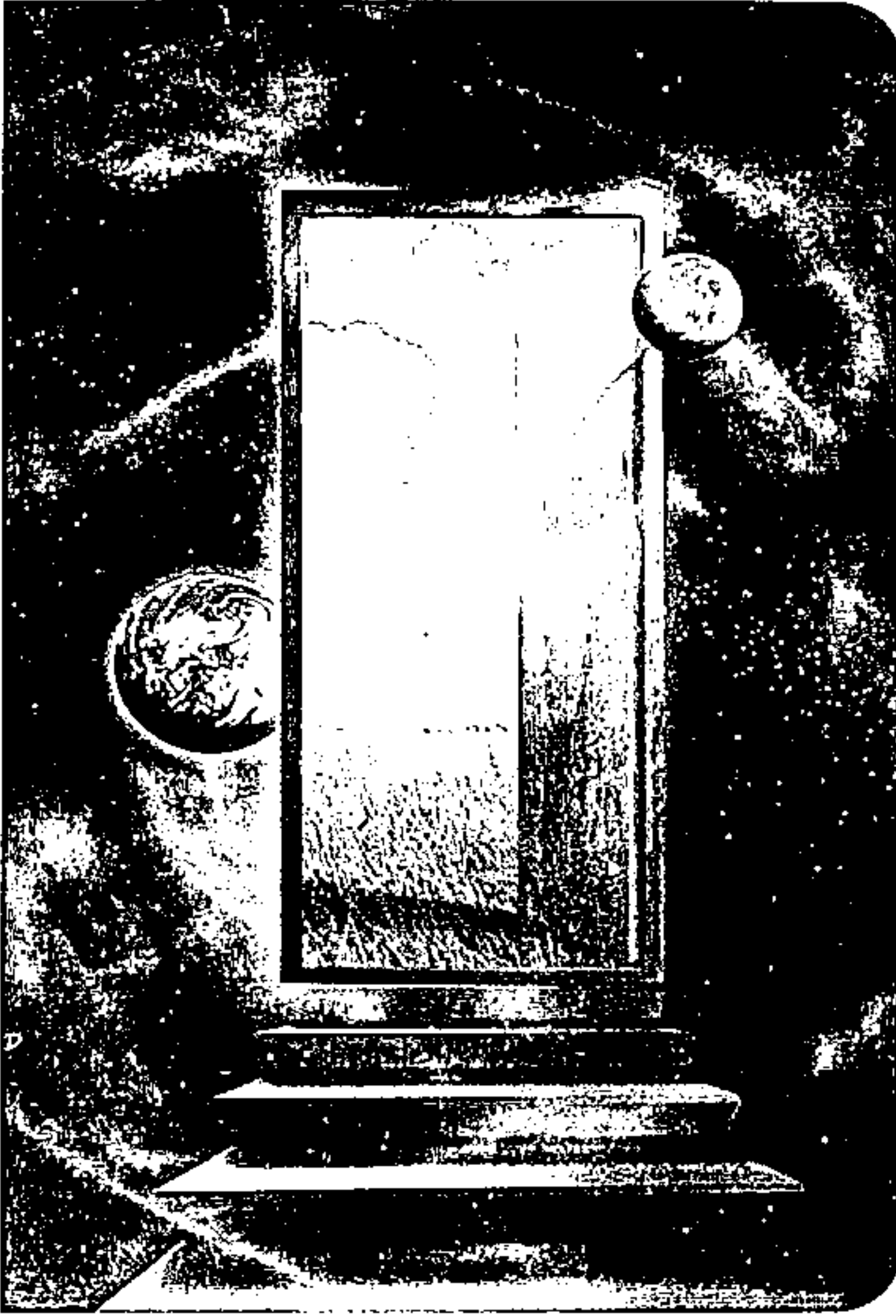
خلاصۂ کلام: تم پر واجب ہے کہ ماضی میں پہنچنے والی آزمائش ومصیبت پر غمگین ہونے کی بجائے غم وفکر کو دور کرو کیونکہ ماضی کے مصائب وتکالیف پر غمگین ہونے کا سرے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ محض اللہ کی تقدیر کے ساتھ تم پر واقع ہوگئیں اور وہ اب کبھی نہیں لوٹیں گی، لہٰذا ان پر غم وافسوس کرنا محض ضرر ونقصان کا باعث ہے۔

اے مسلمان! آگاہ رہو کہ شیطان دھوکے سے یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ تمہارے غم ناک ماضی کی فائل اور ریکارڈ تمہاری یادداشت میں کھولے رکھے تاکہ تم اس پر غم وفکر کرتے رہو اور اوپر سے تمہیں اس خوش فہمی میں مبتلا کرتا ہے کہ تم اپنے اس عمل میں حق پر ہو اور یقیناً تمہیں ماضی پر غور وفکر کرنے سے فائدہ ہوگا اور پھر یقیناً تم تھوڑا سا فکر کر کے جب چاہو اس کو ترک کر دینا۔

یاد رکھو! یہ سب شیطانی حیلے ہیں جن کے ذریعہ وہ تمہیں اوہام، خیالات اور غموں کے پھندے میں پھنساتا ہے جس سے تمہارا چھٹکارا مشکل ہوگا، لہٰذا پہلے پہل ہی شیطان کی یہ راہ بند کر دو اور حتیٰ الوسع اپنے ذہن پر غموں کو سوار نہ ہونے دو، کیونکہ ''پرہیز علاج سے بہتر ہے۔''

حوالہ: مشکلات کا مقابلہ کیسے کریں 53 تا 55

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار میں نہیں

آپ کے پاس نعمتیں بہت ہیں اللہ تعالیٰ کے ان زبردست عطیات اور جلیل القدر نعمتوں کے بارے میں سوچیئے اور ان پر اس کا شکر ادا کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے۔'' (النحل 18)

ایک مقام پر فرمایا: ''اس نے تمہیں ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی ہیں۔''

(لقمان: 20)
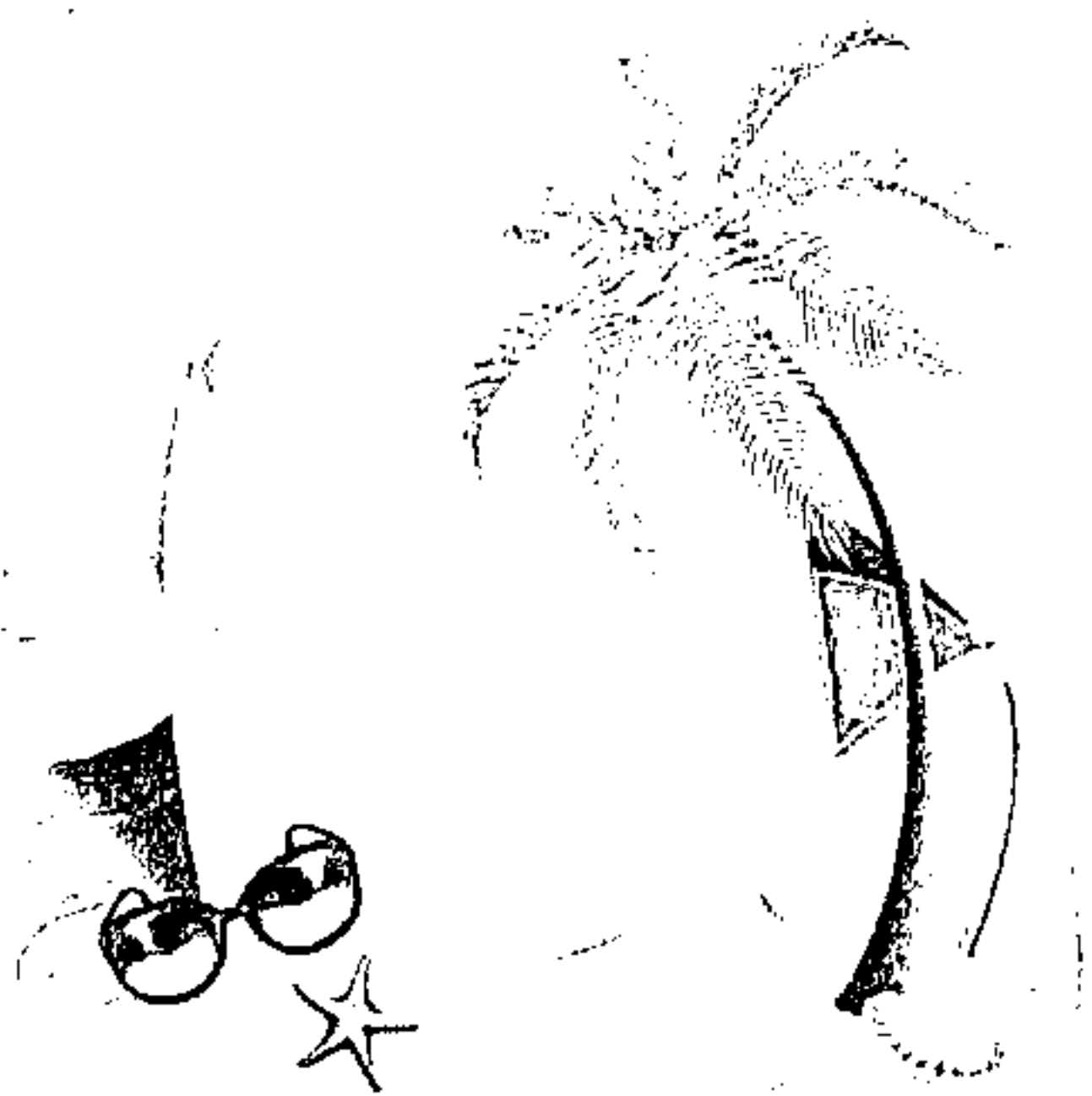
ایک اور مقام پر فرمایا: ''جو بھی نعمت تمہیں ملی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، (النحل: 53) اور ایک جگہ بندے پر اپنی نعمت کی یاد دہانی کرائی اور فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ O وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ O وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ O

کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان، دو ہونٹ نہیں دیئے اور اسے دو راستے نہیں بتا دیئے۔'' (البلاد: 8-10)

ہمارے رب کے پاس ہمارے لئے پے در پے نعمتیں ہیں، زندگی کی نعمت، عافیت، سمع، بصر، دو ہاتھ، دو پیر، پانی، ہوا، غذا، ان سب میں بڑی نعمت ہدایت ربانی (اسلام) کی نعمت ہے۔ ایک آدمی نے کہا: کیا تم اپنی آنکھوں کے بدلے ایک بلین ڈالر لو گے؟ کیا ایک بلین ڈالر میں اپنے کان دے سکتے ہو؟ کیا اپنے پیر ایک بلین ڈالر کے عوض دو گے؟ کیا اپنے ہاتھ کے بدلے ایک بلین ڈالر لو گے؟ کیا اپنا دل ایک بلین ڈالر لے کر دے دو گے؟ یعنی تمہارے پاس کتنی مال و دولت ہے پھر بھی شکر ادا نہیں کرتے!
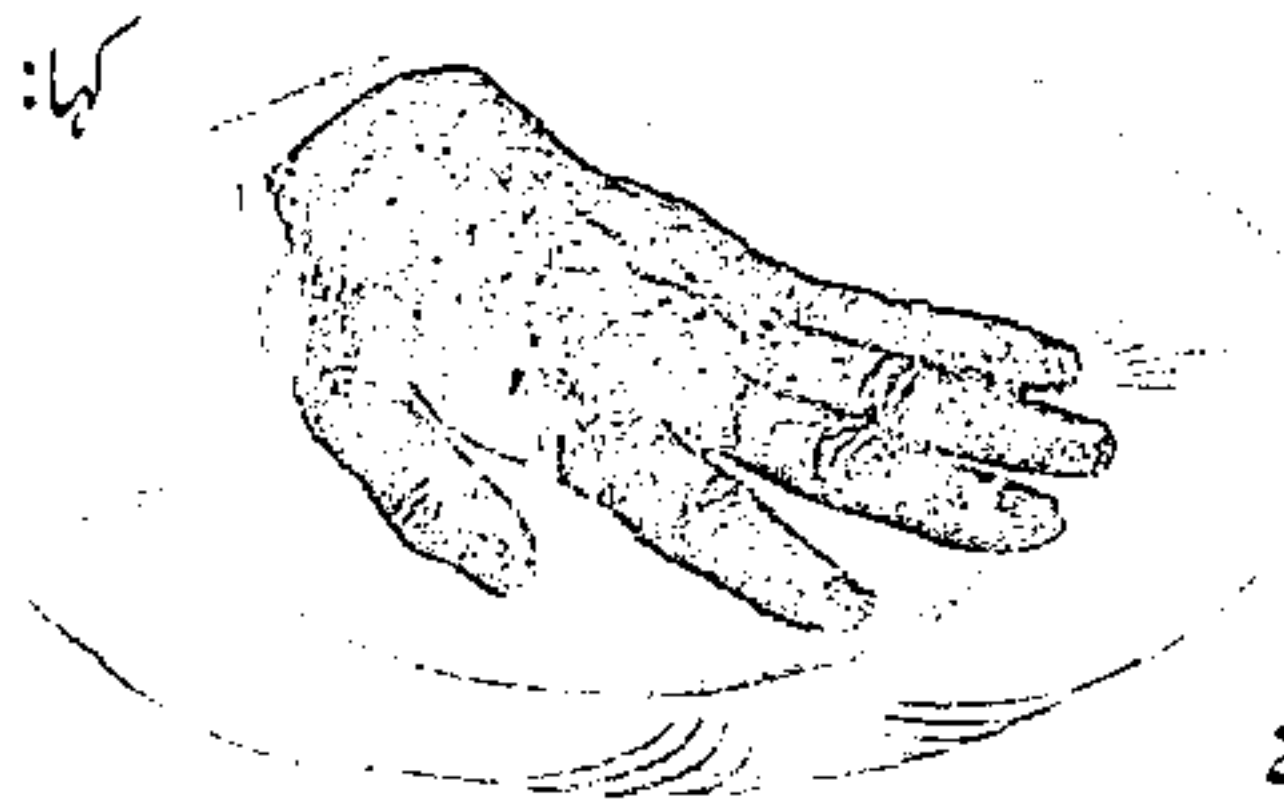
باب نمبر 5

ماضی سے جان چھڑائیے اور خوش رہیے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ (الحدید: 23)

''تا کہ تم فوت شدہ پر افسوس نہ کرو۔''

ڈاکٹر پال پرانڈونی کھڑے ہوئے اور زمین پر لسی کا گلاس ڈال دیا پھر بولے ''گئی لسی پر افسوس نہ کرو۔'' عام کہاوت ہے کہ جو آپ کی قسمت میں نہیں اس کا پانا دشوار ہے۔ ابوالبشر آدم علیہ السلام نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا آپ ایسی چیز پر مجھے ملامت کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے 40 سال پہلے ہی لکھ دیا تھا، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں اس دلیل سے آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے یہ بات آپ ﷺ نے تین بار دہرائی۔

صحیح بخاری، کتاب القدر حدیث 2652۔ (لاتحزن 93)

غمگین نہ ہوئیے ماضی پر افسوس اور مستقبل کے خوف سے بچیئے

بلاشبہ بہت سی چیزیں جن کے بارے میں ہمیں ڈرایا جاتا ہے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور نہ وہی واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں ابھی سے اپنے مستقبل کے بارے میں پریشان نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی ماضی پر غم کرنا چاہئے بلکہ صرف آج کے دن کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ہم کل تک زندہ ہی نہ رہیں، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَاِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَا

ترجمہ: ''جب تو صبح کرلے تو شام کا انتظار نہ کر اور اگر شام کر لے تو صبح کا انتظار نہ کر۔'' (اَلْمُغْنِیْ اِلْلِعِرَاقِیْ: 437/4)

یعنی مطلب یہ کہ ہم امیدوں کو کم کریں ...... موت کا انتظار کریں ...... نیک اعمال کریں، آج کے دن کے علاوہ کی فکر میں لگ کر غمگین نہ ہو...... اپنی کوششوں کو آج کے دن کو بہتر بنانے پر لگا دیں...... اور اپنے اخلاق کو درست کرنے کا ...... اپنی صحت کو ٹھیک رکھنے کا اہتمام کریں۔

ماضی کو یاد کرنا، ماضی میں ہونے والے حادثات اور آنے والے مصائب کو سوچنا یہ ایک طرح کا پاگل پن ہے۔ کوئی بھی شخص ماضی میں جا کر ماضی میں گزرے ہوئے حادثات اور مصائب کا ازالہ نہیں کرسکتا...... ان کا مداوا نہیں کرسکتا...... اس لئے کہ ماضی تو گزر گیا اور کبھی بھی ماضی واپس نہیں آتا ہے۔ البتہ حال کے زمانے کو ہم ایسے ہی بے کار ضائع نہ کریں بلکہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور گزرے ہوئے ماضی کی تلافی کی کوشش کریں۔

اسی طرح سے مستقبل جو کہ ابھی آیا نہیں، اس کے متعلق فکر مند اور پریشان ہونا ایسا ہے جیسا کہ ایک خطرناک پل کو پار کرنے کی فکر میں لگنا جب کہ ابھی وہ بہت دور ہے۔ اور ایسا آدمی کیسے خوش رہ سکتا ہے جو ماضی ...... حال...... اور مستقبل کے غموں کو ایک ساتھ چلا رہا ہو۔

نقصانات بہتر منصوبہ بندی کے لیے ہوتے ہیں

ایک بوڑھا چینی کسان سفر پر جا رہا تھا۔ اس کے کاندھے پر ایک لکڑی تھی جس کے سرے پر اس نے یخنی کا برتن لٹکایا ہوا تھا۔ راستے میں اسے دھچکا لگا اور برتن گر کر ٹوٹ گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر اپنا سفر جاری رکھا۔ وہیں ایک آدمی یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا وہ بھاگتا ہوا بوڑھے کسان کے پاس آیا اور اسے روک کر کہا ''بڑے میاں کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کا برتن گر کر ٹوٹ گیا ہے اور یخنی ضائع ہوگئی ہے۔

بوڑھے نے اطمینان سے کہا'' ہاں بیٹا میں جانتا ہوں مگر اب میں کیا کرسکتا ہوں''۔

جو ہو چکا اس پر کڑھنے اور رونے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ اپنی صحت کے دشمن ہیں۔ نقصانات رونے کے لیے نہیں بہتر منصوبہ بندی کے لیے ہوتے ہیں۔

بحوالہ: (کامیابی 189)

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

اے آدم کے بیٹے! تیری زندگی تین دن ہے، گزشتہ کل جو کہ گزر گیا...... آئندہ کل جو ابھی آیا نہیں...... اور آج کا دن، تو بس آج کا دن اچھا گزارنے کی فکر میں لگ جا۔

بزرگوں کا ارشاد ہے:

''ماضی کا جب بھی خیال آئے تو ''اَستَغفِرُ اللّٰہ'' کہیں۔

یعنی اے اللہ! میں برے حالات ...... بری مصیبتوں...... دین و دنیا کی پریشانیوں سے آپ کی پناہ اور حفاظت میں آتا ہوں۔''

لہٰذا ہم اپنے حال کو اچھا بنانے کی فکر کریں، بلاوجہ ماضی پر افسوس نہ کریں...... ماضی کا تذکرہ نہ کریں...... اور مستقبل کے موہوم خوف کو اپنے اوسط کر کے اپنی پریشانیوں میں اضافہ کرنے سے بچیں۔

(پریشان رہنا چھوڑ دیجئے 129)
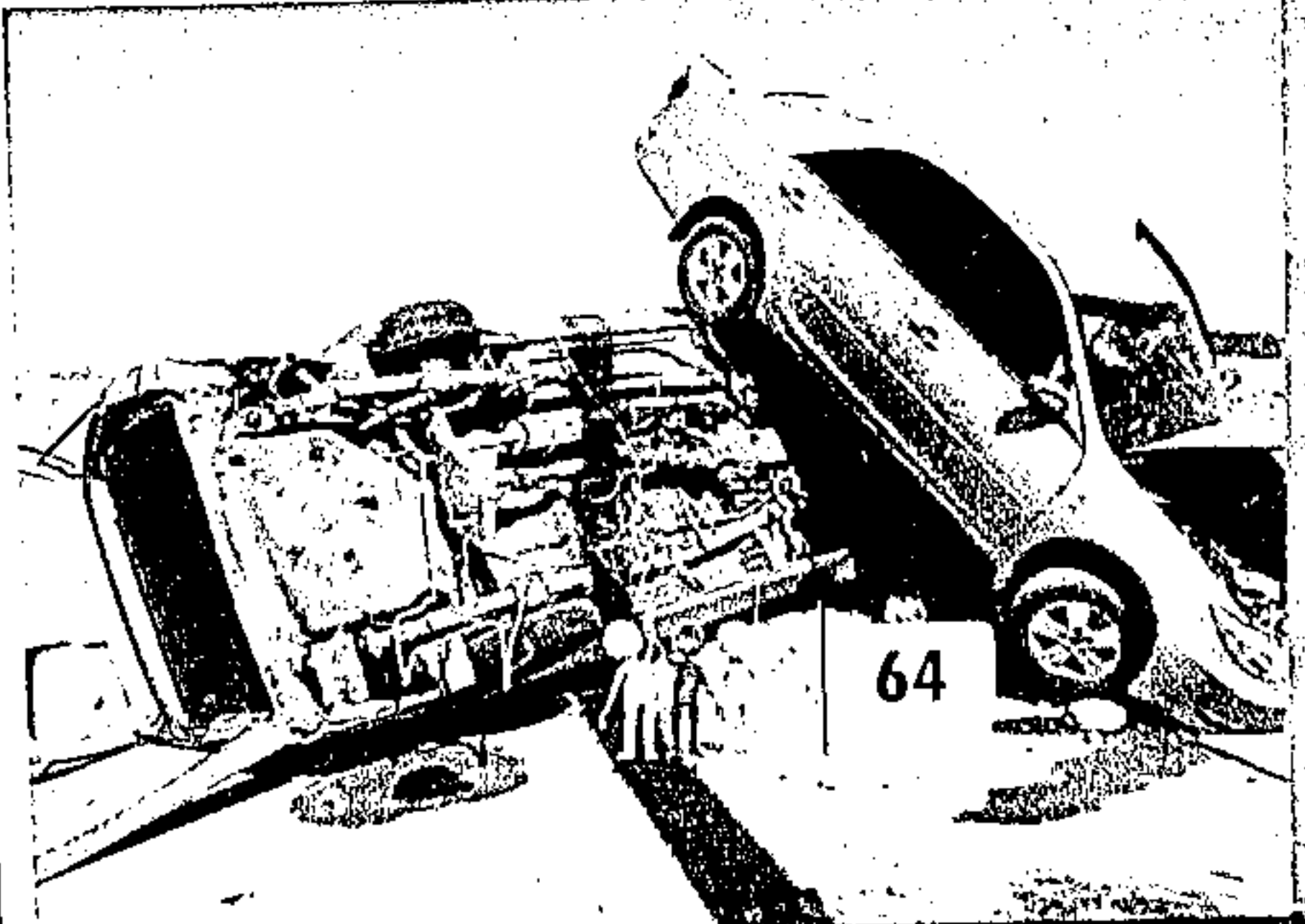
جو فوت ہوا وہ واپس نہیں آئے گا

ماضی میں جینا، اس کے غموں اور المیوں کو یاد کرتے رہنا اور ان پر رنج کرنا بے وقوفی اور حماقت ہے۔ اس سے ارادہ مضمحل اور موجودہ زندگی بے سکون ہو جائے گی حکماء کہتے ہیں کہ ماضی کی فائل لپیٹ کر رکھ دی جائے، اسے کھولا نہ جانا جائے بلکہ ہمیشہ کے لیے بھلا دینا چاہیے، اسے کسی ڈبے میں ڈال کر بند کر دیا جائے کیونکہ جو گزر گیا وہ گزر چکا، نہ اس کی یاد اُسے لوٹائے گی، نہ کوئی غم یا رنج وفکر اسے زندہ کرسکتی ہے، کیونکہ ماضی کا مطلب ہے عدم، ماضی پرستی کے مرض میں مبتلا مت رہیے، جو چھوٹ گیا اس کی پرچھائیوں سے پیچھا چھڑائیے کیونکہ آپ دریا کو اصل کی طرف، سورج کو مطلع کی طرف، بچہ کو ماں کے پیٹ میں، دودھ کو چھاتی میں اور آنسو کو آنکھ میں واپس نہیں لاسکتے۔ لہٰذا یاد ماضی سے جان چھڑائیے اور خوش رہیئے۔

ماضی کے سایہ میں رہنا، اسے یاد کرتے رہنا، اس کی آگ میں جلنا، ایک افسوسناک، المناک اور مرعوب کن بات ہے۔ ماضی کی کتاب کی بربادی اور وقت کا ضیاع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں گزشتہ اقوام کا اور ان کے کاموں کا تذکرہ کیا ہے اور کہا کہ ''وہ ایک قوم تھی جو گزر چکی'' (البقرۃ 141/2)

یعنی ان قوموں کا معاملہ ختم ہوا، ماضی کے گڑے مردے اکھاڑنے اور تاریخ کے اوراق کو پلٹنے سے کیا حاصل؟ ماضی کی بات دہرانے والا تو ایسا ہے کہ کوئی پسے ہوئے آٹے کو پھر پیسے یا کٹی لکڑی کو پھر سے کاٹے، ماضی کا رونا رونے والوں کے بارے میں پچھلوں کا کہنا ہے کہ ''تم مردوں کو قبروں سے نہ نکالو''

ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم حال سے عاجز اور ماضی سے چمٹے ہوئے ہیں، اپنے حال کے خوبصورت محلات کو یونہی چھوڑ کر ماضی کے بوسیدہ قلعوں کو روتے رہتے ہیں، حالانکہ ماضی کو واپس لانے پر تو جن وانس جمع ہو کر بھی قادر نہیں ہوسکتے۔ لوگ پیچھے کی طرف نہیں دیکھتے، ہوا آگے کو چلتی ہے، پانی آگے کو بہتا ہے، کارواں آگے چلتا ہے، یہ سنت حیات ہے آپ اس کی مخالفت نہ کریں۔

آج پر نظر رکھیں

صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کریں، بس آج اور ابھی پر نظر رکھیں، نہ کل پر جو اچھا برا گزر چکا ہے اور نہ آئندہ پر جو ابھی آیا ہی نہیں۔ آپ کی عمر تو بس ایک دن ہے، اسی دن کا سورج آپ کو ملا ہے، اس لیے دل میں سوچیے کہ بس آج ہی تو جینا ہے گویا آج ہی آپ پیدا ہوئے۔ آج ہی مر جائیں گے، اس صورت میں آپ کی زندگی ماضی کے سایوں اور تفکرات اور مستقبل کی امیدوں اور توقعات کے بیچ لٹکی نہ رہے گی۔

آپ اپنی پوری توجہ، ساری صلاحیت، و ذہانت صرف آج پر لگا دیں۔ آج کی آپ کی نماز خشوع و خضوع والی ہو، تلاوت کریں تو تدبر کے ساتھ کریں، معلومات حاصل کریں تو غور وفکر کے ساتھ، ذکر کریں تو جی لگا کر، معاملات توازن کے ساتھ نمٹائیں۔ اپنے اس دن کے اوقات تقسیم کر لیں اس کے منٹوں کو سال سمجھیں اس کے سیکنڈوں کو مہینوں کی مانند خیال کریں۔

خیر کے بیج بوئیں احسان کریں، گناہوں سے توبہ کریں، اللہ کو یاد کریں اور سامان سفر تیار کرتے رہیں، اس طور پر آپ کا دن فرحاں و شاداں گزرے گا، اس میں امن چین ہوگا، آپ اپنی روزی روزگار، اپنی بیوی، بچوں، گھر، علم اور معیار زندگی سے خوش رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ (الانعام: 144)

''جو میں نے تجھے دیا اسے لے اور شکر بجا لانے والوں میں سے ہو جا۔''

اس طرح آپ کا یہ دن رنج وغم، گھبراہٹ ولڑکھڑاہٹ اور بغض و حسد سے خالی گزرے گا۔ اپنے دل کی تختی پر ایک ہی عبارت لکھ لیں ''آج آج''۔ آج آپ کو اچھی گرم اور لذیذ روٹی مل گئی ہے تو کل کی سرد اور روکھی سوکھی روٹی یا آئندہ کی روٹی سے آپ کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔

جب آپ ٹھنڈا اور میٹھا پانی پی لیں تو کیوں غم کریں، کل کے نمکین کھاری پانی پر یا آئندہ کے گرم سڑے پانی پر۔ اگر عزم مصمم اور فولادی ارادہ کے مالک ہوں تو اپنے آپ کو اس نظریہ کا عادی بنا دیں کہ "میں بس آج ہی زندہ رہوں گا" تب آپ دن کا لمحہ لمحہ اپنے آپ کو بنانے سنوارنے، اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے اور کام آگے بڑھانے کے لیے استعمال کریں گے۔

اس وقت آپ کہیں گے کہ آج کے لیے میں اپنی زبان کی تہذیب کروں گا، کوئی فحش بات، گالی یا غیبت نہ کروں گا، آج کے لیے اپنا گھر، آفس مرتب کروں گا، نہ کوئی بے ترتیبی نہ بدنظمی، بلکہ ہر کام نظام و ترتیب سے ہوگا۔ آج کے لیے میں اپنے جسم کی صفائی ستھرائی کروں گا۔ ظاہر کی تحسین اور وضع قطع پر توجہ دوں گا۔ اپنی حال، حرکات اور بات چیت میں توازن پیدا کروں گا۔

آج اپنے رب کی اطاعت کروں گا، نماز صحیح ڈھنگ سے پڑھوں گا، قرآن پاک کی تلاوت کروں گا، کتابیں دیکھوں گا، مطالعہ کروں گا، چونکہ صرف آج ہی جینا ہے اس لیے اپنے دل میں فضائل کا پودا لگاؤں گا شر، مکر و ریا، حسد، غرور، بدظنی اور برائیوں کی تمام جڑیں کاٹ پھینکوں گا۔ فقط آج ہی زندگی گزاروں گا۔

اس لیے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤں گا ان کے ساتھ احسان وسلوک کروں گا۔ مریض کی عیادت کروں گا، جنازہ کے ساتھ چلوں گا، گم کردہ راہ کی رہنمائی کروں گا، بھوکے کو کھلاؤں گا، مصیبت زدہ کی تکلیف دور کروں گا، مظلوم کے ساتھ کھڑا رہوں گا۔ کمزور کے لیے سفارش کروں گا، غمزدہ کی غمگساری کروں گا، عالم کا اکرام کروں گا، کمزور پر رحم کروں گا، بڑوں کی عزت کروں گا۔

آج ہی مجھے رہنا ہے، اس لیے اے ماضی! جا اپنے سورج کی طرح ڈوب جا، میں ہرگز تجھ پر نہ رووں گا۔ میں تجھے پل بھر کے لیے بھی یاد نہ کروں گا، کیونکہ تو جاچکا ہم سے دور ہوگیا اور اب کبھی واپس نہ آئے گا اور اے مستقبل تو ابھی عالم غیب میں ہے، میں خواب و خیال کا اپنے کو عادی نہ بناؤں گا، جو چیز ابھی پیدا نہیں ہوئی اس کے پیچھے کیوں پڑوں کیونکہ کل تو کوئی چیز ہی نہیں اس کا ابھی وجود ہی نہیں، اے انسان! آج کا دن ہی خوش بختی کی لغت میں سب سے اچھا کلمہ ہے۔ اس کا خیال کرنے والا ہی زندگی کی رعنائیوں اور شادمانیوں سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔

مستقبل کو آنے دیجیے

قرآن مجید میں ہے:

اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ (النحل: 1)

''اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہے گا تو تم اس کی جلدی نہ مچاؤ۔''

مستقبل کے بارے میں اندازے نہ لگائیں، وضع حمل اپنے وقت پر ہی ہوگا جلدی کیوں چاہتے ہیں، پھل کو پکنے سے پہلے کیوں توڑنا چاہتے ہیں؟ کل ایک مفقود شے ہے جس کا ابھی نہ وجود ہے نہ کوئی مزا، نہ رنگ، تو ہم اس کے مصائب، آرزوؤں و توقعات، امکانی حوادث و واقعات کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنے کو ہلکان کیوں کریں جب کہ ابھی ہمیں معلوم ہی نہیں کہ وہ آئے گا بھی یا نہیں اور خوش کن ہوگا یا نہیں؟

اہم بات یہ ہے کہ وہ ابھی عالم غیب میں ہے عالم وجود میں نہیں آیا، تو ہم پہلے ہی اس کو پانے کی کوشش کیوں کریں جب کہ ممکن ہے کہ ہم اس تک پہنچیں یا نہ پہنچیں۔ مستقبل کے بارے میں ذہنی لڑائی لڑنا غیب کی کتاب کھول کر اس میں متوقع پریشانیوں پر کراہنا شرعاً اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ وہ خواہشات کا لامتناہی سلسلہ ہے اور عقلاً اس لیے مذموم ہے کہ وہ سایہ سے کشتی لڑنا ہے۔ بہت سے لوگ دنیا کے مستقبل کو تاریک، بھوک، پیاس، بیماریوں اور مصیبتوں سے بھرا سمجھتے ہیں، یہ سب شیطانی وسوسے ہیں:

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَ فَضْلاً (البقرۃ: 268)

''شیطان تمھیں فقر کا خوف دلاتا اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔''

کتنے لوگ ہیں جو سوچ کر روتے ہیں کہ کل وہ بھوکے رہیں گے، ایک سال بعد بیمار ہوجائیں گے اور 100 سال بعد دنیا ہی ختم ہوجائے گی۔ حالانکہ جب عمر دوسرے کے اختیار میں ہے تو پھر وہ انہونی کے بارے میں کیوں سوچے جب کہ نہیں معلوم کہ کب مرے گا، غیر موجود چیز کے سلسلے میں بے چین کیوں رہے؟

کل کو آنے دیجئے اس کی خبروں اور یلغاروں کے سلسلے میں پوچھ گچھ مت کیجئے، آپ کو آج سے فرصت کہاں ہے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ لوگ کل کے تفکرات کو نقد لے رہے ہیں کس دن اسے ادا کریں گے؟ اس دن جس کا سورج بھی ابھی نہیں نکلا؟ لہٰذا لمبی اُمیدوں سے دور رہیں۔

یہ سوچیں کہ جو مصیبت نازل ہونا تھی میں اس سے بچ نہیں سکتا ابھی غم کا کیا فائدہ

ابن الدیلمی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ شک پیدا ہوا، مجھے خدشہ ہوا کہ اس سے میرا دین اور معاملات بگڑ جائیں گے۔ چنانچہ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا: اے ابو المنذر! اس تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ اشکالات پیدا ہوچکے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اس سے میری دینداری اور معاملات بگڑ جائیں گے، لہذا مجھے اس مسئلہ میں کچھ بتائیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے فائدہ پہنچائے، تو انہوں نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی ساری مخلوقات کو عذاب میں مبتلا کر دے تو وہ ان پر ظلم کرنے والا شمار نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم کرے تو ان کی رحمت ان کے لیے ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔

اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی مال ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو جب تک تم تقدیر پر ایمان نہیں لاؤ گے تمہارا یہ خرچ کیا ہوا مال قبول نہیں ہوگا۔ آگاہ رہو! کہ جو آفت و مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تم سے چوکنے والی نہ تھی اور بلاشبہ جو تم سے چوک گئی وہ تمہیں پہنچنے والی نہ تھی اور اگر تم اس عقیدہ تقدیر پر ایمان لائے بغیر فوت ہوجاؤ گے تو تم جہنم میں جاؤ گے۔ تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم میرے بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بھی اس مسئلہ کے متعلق سوال کرلو۔

تقدیر کو نہ ماننا کفر ہے

پھر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے وہی جواب دیا جو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے جاؤ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

لہٰذا میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے بھی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسا جواب دیا اور ساتھ کہا: مزید تصدیق کے لیے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

لَوْ أَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ الخ

"اگر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی ساری مخلوقات کو عذاب میں مبتلا کر دے تو وہ ایسا کر کے ظالم نہیں کہلائے گا اور اگر وہ ان پر رحم کرے تو اس کی رحمت ان کے لیے ان کے تمام اعمال سے بہتر ہوگی اور اگر تیرے پاس احد کے برابر یا (ایک روایت کے مطابق) احد پہاڑ کے برابر سونا ہو پھر تو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اللہ پھر بھی اس کو قبول نہیں کرے گا جب تک تو تقدیر پر ایمان نہیں لاتا۔

سنن ابن ماجه، رقم الحديث (177) سنن أبي داود، رقم الحديث (4699)
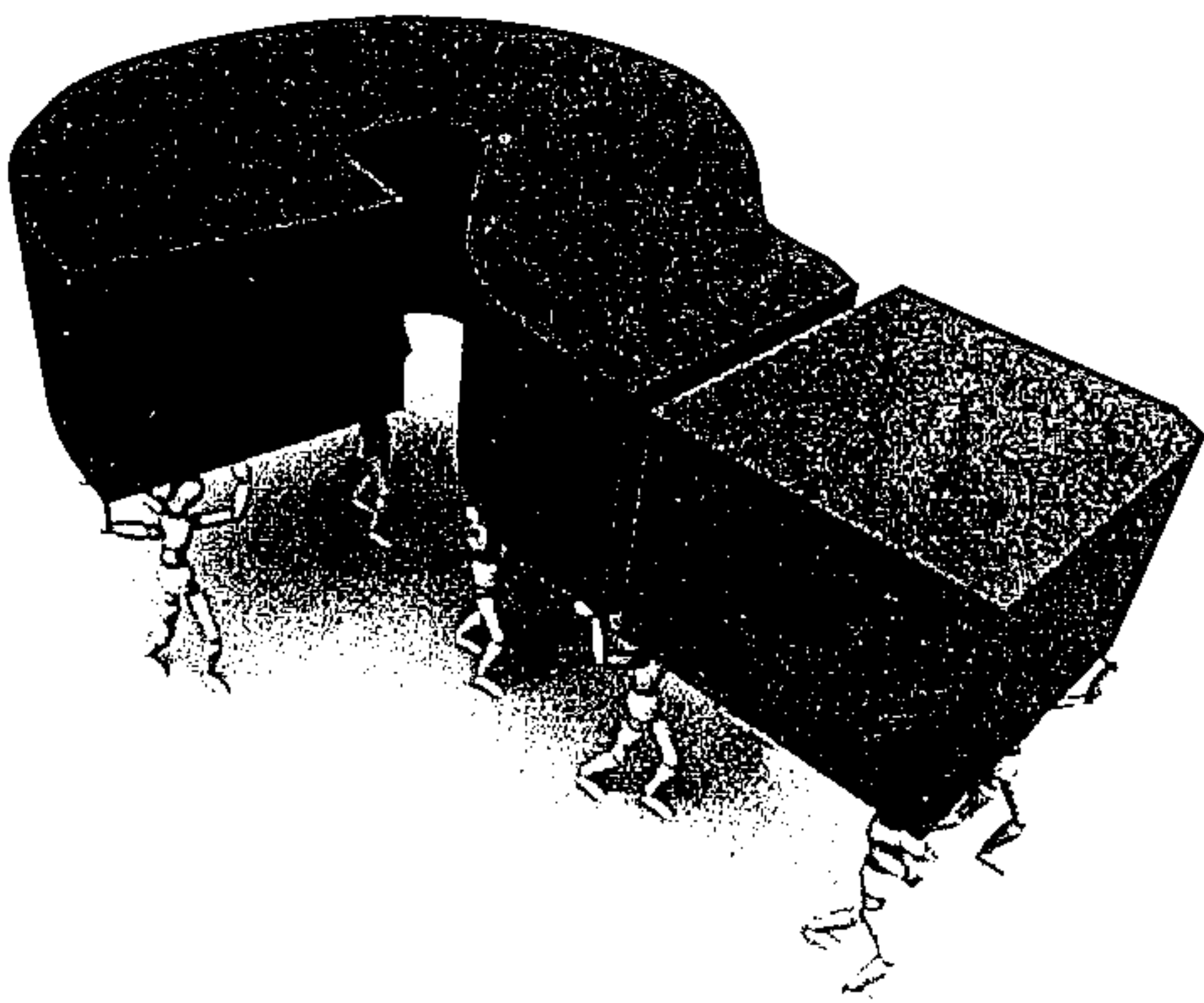
جو مصیبت لکھی ہے اسی میں خیر ہے

ابو حفصہ سے مروی ہے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا:

یَا بُنَیَّ إِنَّكَ لَنْ تَجِدَ طَعْمَ حَقِیْقَةِ الْإِیْمَانِ حَتّٰی تَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ یَكُنْ لِیُخْطِئَكَ وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ یَكُنْ لِیُصِیْبَكَ

''اے میرے بیٹے! تم حقیقتِ ایمان کے ذائقہ کو ہرگز چکھ نہیں سکتے یہاں تک کہ تم جان لو (اور جان کر مان لو) کہ بلاشبہ جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ تم سے چوکنے والی نہ تھی اور جو تم سے چوک گئی وہ تمہیں پہنچ نہیں سکتی۔''

سنن أبی داود، رقم الحدیث (4700)

مصیبت، تقدیر اور کوشش

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے اس قول ''حَتّٰی تَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَكَ'' کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا:

پہلا مفہوم۔ یقیناً ''مَا اَصَابَكَ'' کا معنی یہ ہے کہ جو مصیبت اللہ نے تمہارے مقدر میں کی ہے۔ یہاں پر تقدیر کو لفظ ''اِصابہ'' سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اللہ نے جو تقدیر مقرر کی ہے وہ عنقریب واقع ہونے والی ہے، پس جو مصیبت تمہیں پہنچانا اللہ نے مقدر کیا ہے تم جو اسباب بھی اختیار کرلو وہ مصیبت تم سے چوک نہیں سکتی۔

دوسرا مفہوم۔ جو مصیبت تمہیں پہنچنے والی ہے تو نہ سوچو کہ وہ تم سے چوک جائے گی، پس تو ایسا نہ کہہ کہ اگر میں ایسے کرتا تو یہ مصیبت نہ پہنچتی، کیونکہ جو مصیبت تمہیں اب پہنچی ہے اس کا تم سے چوک جانا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا وہ ساری چیزیں جو تیرے مقدر میں کی گئی ہیں اور تو کہتا ہے: اگر میں ایسے کرتا تو مجھے یہ مصیبت نہ پہنچتی، وہ تو اوہام وخیالات ہیں جو کچھ اثر نہیں رکھتے۔ بہر حال جو بھی مفہوم ہو دونوں صورتوں میں معنی درست ہے۔

مصیبت کے غم سے نکلنے کا راستہ

لہٰذا اللہ نے بندے کے مقدر میں جو مصیبت لکھی ہوئی ہے وہ اسے پہنچنے ہی والی ہے، اس سے مصیبت کا چوکنا ممکن نہیں ہے اور جو مصیبت بھی انسان کو پہنچی اس کو کوئی چیز ہرگز روکنے والی نہیں ہے۔ جب تم اس طرح کا ایمان لے آؤ گے تو تم ایمان کا ذائقہ چکھ لو گے، کیونکہ تم مطمئن ہوجاؤ گے اور تم یہ جان لو گے کہ یہ معاملہ اسی طرح ہونے ہی والا تھا، جیسا کہ وہ واقع ہوا ہے اور اس کو کسی بھی صورت میں بدلا نہیں جاسکتا۔''

مجموع فتاویٰ و رسائل الشیخ محمد بن صالح العثیمین (1007/1006/10)

پس تم پختہ یقین کرلو کہ بے شک جو بھی مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تم سے چوک نہیں سکتی تھی، چاہے تم کیسے ہی اسباب اختیار کرلو تمہارے بس میں نہیں کہ تم اس سے بچ سکو یا اس مصیبت کے اترنے کو روک سکو، بلاشبہ وہ نازل ہونے والی ہے اور ہر صورت میں نازل ہو کر رہے گی۔ جب تم یہ یقین کرلو گے تو تمہارا نفس آرام پا جائے گا اور تمہارا دل مطمئن ہوجائے گا اور حزن و ملال رفع ہوجائے گا۔

پس تم سارے خیالات کو چھوڑ دو اور مت کہو: اگر میں ایسے کرتا تو مجھے اس مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑتا، یا اگر میں ایسے نہ کرتا تو مجھے یہ معاملہ درپیش نہ ہوتا یہ سارے غلط افکار ہیں، کیونکہ تمہارے بس میں نہیں ہے کہ تم ان چیزوں سے کبھی بچ سکو جو تمہارے مقدر میں ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اللہ کی تقدیر تم سے چوک جائے۔
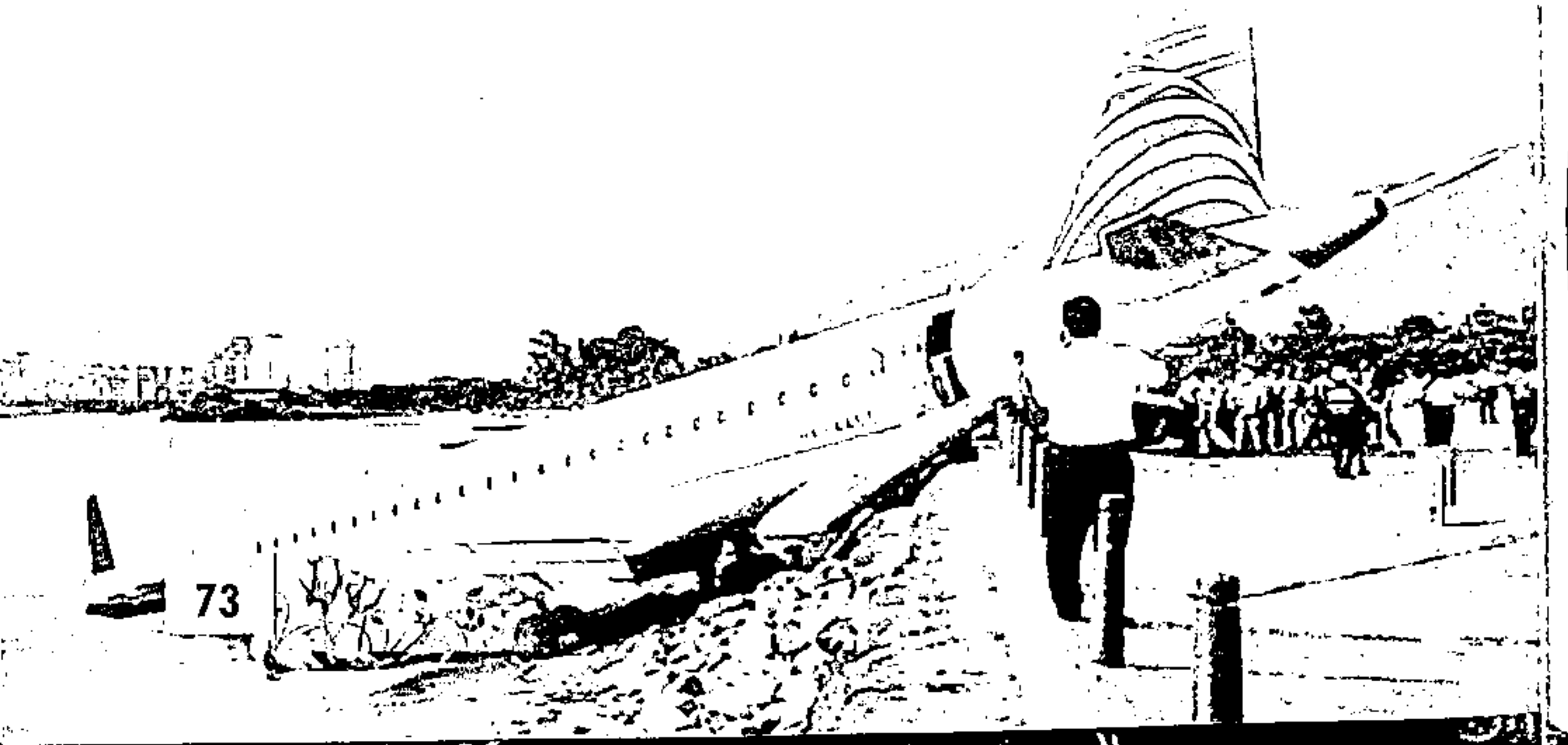
تقدیر کا مطلب کیا ہے؟

تقدیر کے متعلق یہ مضبوط عقیدہ مومنوں کے دلوں کو پرسکون بنا دے گا اور ان کے نفسوں پر اطمینان نچھاور کرے گا اور ان کو مزید قوی کر دے گا اور ان کے اعصاب مضبوط کر دے گا اور وہ دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے لوگوں کے پاس پہنچیں گے اور ان کی تقدیر پر ایمان کے سامنے روئے زمین کی ساری قوتیں چھوٹی اور حقیر محسوس ہوں گی۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ:

''حَتّٰی تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ'' تم جب تک اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ لاؤ (تم مومن نہیں ہو سکتے)'' کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے کہا:

حَتّٰی تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ: تَعْلَمُ اَنَّ مَا اَخْطَأَكَ لَمْ یَكُنْ لِیُصِیْبَكَ وَمَا اَصَابَكَ لَمْ یَكُنْ لِیُخْطِئَكَ

''حَتّٰی تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ'' (یعنی تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ) تم جان لو کہ یقیناً جو مصیبت تم سے چُوک گئی وہ تمہیں پہنچنے والی نہیں ہے اور جو تم کو پہنچی وہ چُوکنے والی نہ تھی۔''

یہ صرف سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ہی قول نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف ہے، جیسا کہ پیچھے اس کا ذکر ہوا ہے۔

اسی وجہ سے جس انسان کو عقیدہ تقدیر پر ایمان کی نعمت عطا ہوئی اور وہ جانتا ہے کہ جو مصیبت اس کو پہنچی وہ اس سے کبھی چوک نہیں سکتی تھی اور اس سے بچنا اس کے بس میں ہی نہیں تھا تو وہ اللہ کے حکم سے خوش و خرم، سکون و اطمینان اور مختلف قسم کی آزمائشوں سے متاثر ہوئے بغیر پریشانیوں سے محفوظ زندگی بسر کرے گا اور وہ مقدر میں کی ہوئی چیز پر کیوں پریشان ہو اور اسے کیوں اختیار کریں اور مسئلہ تقدیر کی مخالفت کر کے جہالت اور بدبختی کی بناء پر اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ الأمن النفسی، (ص: 54، 55)

ارے مسلمان! بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے اور تمہارے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَائُكَ   مسند أحمد (392/1)

''مجھ پر تیرا حکم جاری ہونے والا ہے، میرے متعلق تیرا فیصلہ مبنی برانصاف ہے۔''

لہٰذا تم اللہ کے عدل و انصاف پر راضی ہوجاؤ، کیونکہ بے شک وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا اور تمام فیصلہ کرنے والوں سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ تم پر تمہارے نفس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا اور تم سے زیادہ تمہاری مصلحت کو جاننے والا ہے۔

خلاصہ: گزشتہ عناصر کے ایک دوسرے کے متشابہہ اور قریب قریب ہونے کی وجہ سے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

[1] جان لو! جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے بلاشبہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کے ارادے سے تم پر نازل ہوئی ہے۔

[2] بلاشبہ مومنوں کی آزمائش ایک سنت ہے۔

[3] آگاہ رہو! جو آزمائش تم پر آئی ہے بلاشبہ اللہ نے اس کو تیرے مقدر میں کر رکھا تھا اور آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے اس کو تیرے حق میں لکھ دیا تھا۔

[4] یہ آزمائش جو تم پر نازل ہوئی ہے بلاشبہ تمہارے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ تم اس سے کبھی بچ سکتے اور نہ ہی وہ آزمائش تم سے چُوک سکتی تھی۔

[5] یقین رکھو کہ اللہ کی تقدیر تمہارے متعلق انصاف پر مبنی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یقیناً اللہ تمہارے متعلق خود تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔

(مشکلات کا مقابلہ کیسے کریں 33 تا 43)

باب نمبر 6

ہر مشکل کے پہلو میں آسانی مسکرا رہی ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (النشراح: 5-6)

"بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بلاشبہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔"

انسانوں کے وعدے تو جھوٹے ہو سکتے ہیں، قوانین تو بدل سکتے ہیں، لیکن اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا، اس کا قانون نہیں بدل سکتا، اس ذات کا وعدہ زمان و مکان کی حدود و قیود کا پابند نہیں ہوتا۔
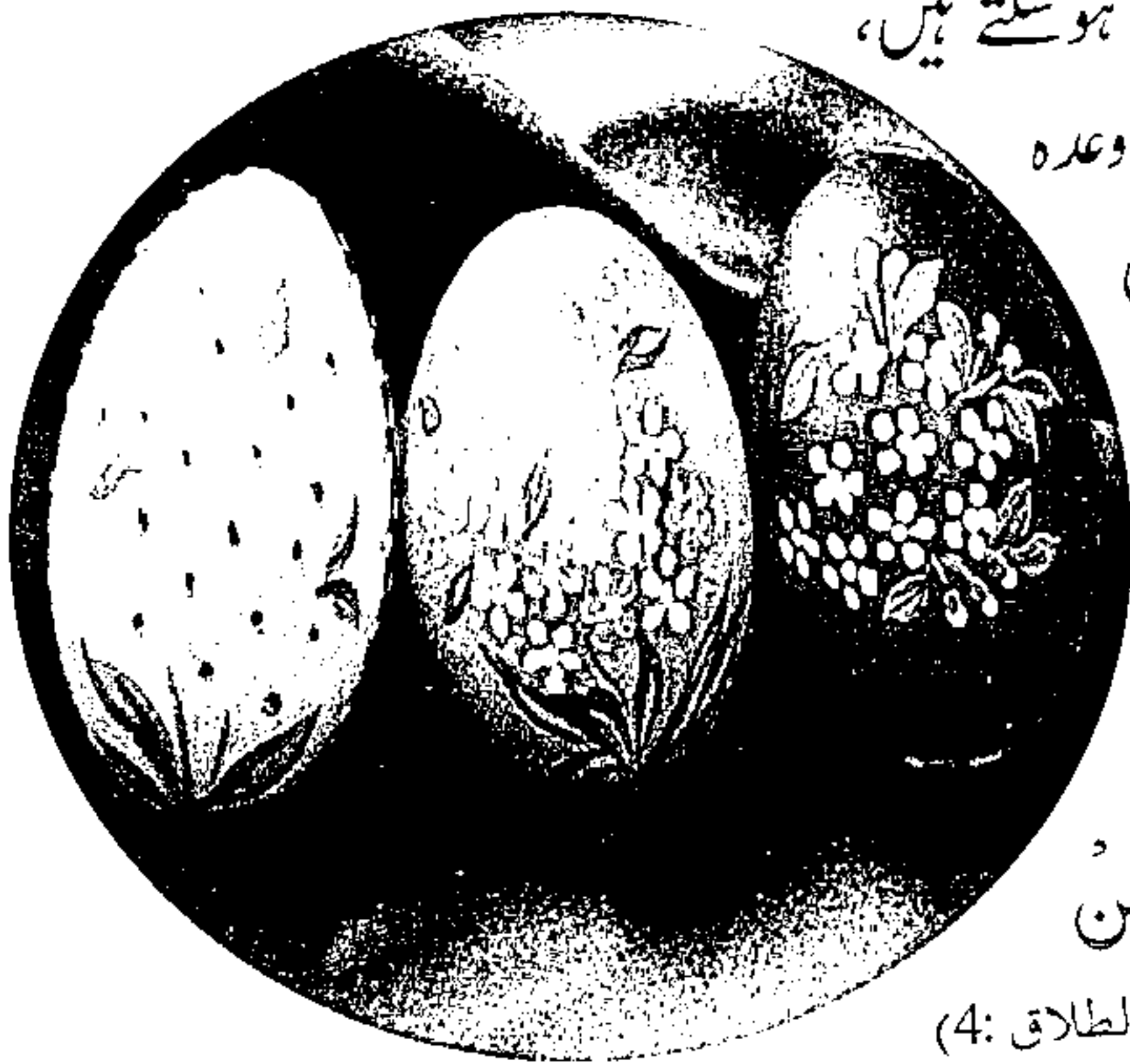
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا (الطلاق: 4)

"اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے ہر کام میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں۔"

عادۃ اللہ یہی ہے کہ جس وقت انسان پر مصیبتوں کے پہاڑ پے در پے ٹوٹتے ہیں عین اسی وقت آسانی اور کشادگی بھی اللہ کے خزانوں سے اتر جاتی ہے۔

ذرا غور کریں! ہجرت کے بعد مسلمانوں کے حالات کی کایا کیسے یک دم پلٹ جاتی ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے مسلمان مکہ مکرمہ اور اس کی گھاٹیوں میں کس قدر اذیت ناک ترین دن گزار رہے تھے؟ غزوۂ خندق ہی کو لے لیجیے، قرآن کی منظرکشی کے مطابق لوگوں کے کلیجے منہ کو آئے ہوئے تھے اور وہ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا (هكذا هزموا اليأس 13)

"اس کے بعد آئندہ ہم آگے بڑھ کر ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے۔"

تنگی کے بعد آسانیاں

حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی صاحب دامت برکاتھم نے ایک وعظ میں مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ......

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مَعَ الْعُسْرِ يُسراً کو دو مرتبہ دہرایا...... تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی......

لہٰذا مفسرین نے لکھا کہ اس کی وجہ یہ تھی...... کہ جب تنگی کے اوپر بندہ صبر کرلیتا ہے...... تو اللہ رب العزت ایک تنگی کے بدلے اسے دو آسانیاں عطا فرمایا کرتے ہیں...... تنگی ایک ہوتی ہے...... خوشیاں دو مل جاتی ہیں...... لہٰذا صبر کیجئے...... اور اپنی تنگی اور پریشانی کا بدلہ دگنا پا لیجئے......

آیت کی تشریح مثال سے سمجھئے:

ایک درخت کی مثال دیکھیں...... کہ جب بہار کا موسم رخصت ہوجاتا ہے...... اس پر خزاں کا موسم آتا ہے...... پتے زرد پڑ جاتے ہیں...... گر جاتے ہیں...... اور درخت تنہا کھڑا رہتا ہے...... دیکھنے سے لگتا ہے...... جیسے بالکل خشک لکڑی ہے...... درخت کو پتہ ہے...... کہ ناموافق حالات ہیں...... ناموافق حالات میں مجھے صبر سے کھڑے رہنا ہے...... یہ حالات پھر گزر جائیں گے...... سردی کے تھپیڑے پڑ رہے ہوں...... بارش ہو رہی ہو...... جیسے بھی حالات گزر رہے ہوں...... درخت صبر کے ساتھ کھڑا رہتا ہے...... اس کا صبر کام آتا ہے...... اور بالآخر سردی کا موسم گزر جاتا ہے...... پھر جب بہار آتی ہے...... اسی خشک درخت میں سے اللہ پھر پھل بوٹے نکال دیا کرتے ہیں......

جب ہمارے اوپر کوئی مصیبت آئے...... تو ہم بھی یہی سمجھیں سردی کا موسم آگیا...... جب بہار نہ رہی تو یہ خزاں بھی نہ رہے گی...... ٹل جائے گی......

تنگی مصیبت جہاں بھی ہو فراخی اس کو پالے گی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں...... کہ تنگی و مصیبت اگر کسی بل کے اندر بھی گھس جائیں...... تو ضروری ہے کہ خیر و فراخی میں اس کے ساتھ اسی بل کے اندر پہنچ جائے گی......

ایک شاعر کہتا ہے کہ......

إِذَا اشْتَدَّتْ بِكَ الْبَلْوٰى

فَفَكِّرْ فِيْ اَلَمْ نَشْرَحْ

فَعُسْرٌ بَيْنَ يُسْرَيْنِ

إِذَا فَكَّرْتَهُ فَافْرَحْ

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی مصیبت پہنچے...... تو سورہ الم نشرح پر غور کیجئے...... اس سے معلوم ہوگا...... کہ ایک تنگی کے ساتھ دو نعمتیں ہیں"......

اور دو سے مراد صرف دو ہی نہیں...... بلکہ مطلب یہ ہے...... کہ اس مہربان مالک کی طرف سے نعمتیں اور راحتیں زیادہ ہیں...... اور تکلیفیں کم......

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 153)

"اے ایمان والو!...... مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعے...... بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"......

یعنی جب تم پر کوئی مصیبت آجائے تو اس مصیبت کے وقت اس کے مقابلے کے لیے سب سے زیادہ مفید چیز صبر اور نماز ہے...... کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو...... اگر تم نے اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھا...... تو یا تم کسی سے لڑ پڑو گے...... یا کسی کو گالی دے کر نقصان اٹھاؤ گے...... یا کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو گے...... کہ جس سے دین یا دنیا کا نقصان ضرور ہوجائے گا...... اور تمہیں پیش آنے والی تکلیف میں اور اضافہ ہوجائے گا......

پریشانی ہمیشہ نہیں رہتی

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں......

''میرے دوست!...... کوئی بھی پریشانی خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو...... کسی انسان پر ہمیشہ نہیں رہتی...... سو اگر تم پر کوئی پریشانی آئے...... تو اس کے سامنے گھٹنے مت ٹیکو اور کتنے ہی قدم کیوں نہ لڑکھڑائیں...... شکوہ شکایت مت کرو...... کتنے ہی باعزت لوگ ایسے ہیں...... کہ مصائب نے جن کو تھکا ڈالا...... مگر انہوں نے صبر کیا...... یہاں تک کہ وہ مسائل خود بخود ختم ہو گئے...... میں نے ہمیشہ اپنے نفس کو شب و روز کی تکالیف پر آمادہ کیا...... سو جب ان مصائب نے میری ثابت قدمی کو دیکھا...... تو وہ خود ڈگمگا گئے''...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں......

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْکَانَ الْعُسْرُ فِیْ حُجْرٍ لَطَلَبَہُ الْیُسْرُ حَتّٰی یَدْخُلَ عَلَیْہِ وَلَنْ یَغْلِبَ عُسْرٌ یُسْرَیْنِ...... (حوالہ تفسیر قرطبی، 76/10)

اس ذات کی قسم!...... جس کے قبضہ میں میری جان ہے...... اگر مشکل کسی پتھر میں جا گھسے تو ضرور بالضرور آسانی بھی پیچھے جا پہنچے گی...... اور ہرگز ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی''......

عرب کہا کرتے تھے......

اِذَا اشْتَدَّا لْحَبْلُ اِنْقَطَعَ

''جب رسی سخت ہو جاتی ہے...... تو ٹوٹ جاتی ہے''

یعنی مطلب یہ ہے...... کہ جب حالات بگڑ جائیں...... اور زندگی تنگ ہو جائے...... تو کشادگی ہوگی...... ضرور ہوگی......

ہر نماز میں الم نشرح پڑھنے کا معمول بنا لیا

صالحین میں سے ایک بزرگ کا واقعہ ہے...... کہ ان پر کوئی مشکل آپڑی...... اور معاملات اتنے بگڑے کہ ان پر مایوسی طاری ہوگئی...... ایک دن وہ کہیں جا رہے تھے...... اور یہ کہتے جا رہے تھے......

ذلت کی شام ہونے سے پہلے
موت آجائے تو بہتر ہے

اتنے میں انہیں ایک سرگوشی سنائی دی...... مگر کوئی دکھائی نہیں دیا...... یا پھر نیند کی حالت میں انہوں نے کسی کو کہتے ہوئے سنا......

ارے اے نادان انسان سن!
اگر تجھ پر آپڑا کوئی غم!
الم نشرح کا کر خیال!
جب بھی تیرا سینہ ہو تنگ!

ان بزرگ کا کہنا ہے...... اس کے بعد سے میں نے اپنی ہر نماز میں الم نشرح کی قرأت کو اپنا معمول بنالیا...... اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کی تنگی...... میرا حزن وغم دور فرمایا...... اور میرے معاملات آسان فرمائے...... (حوالہ حکیمانہ اقوال)
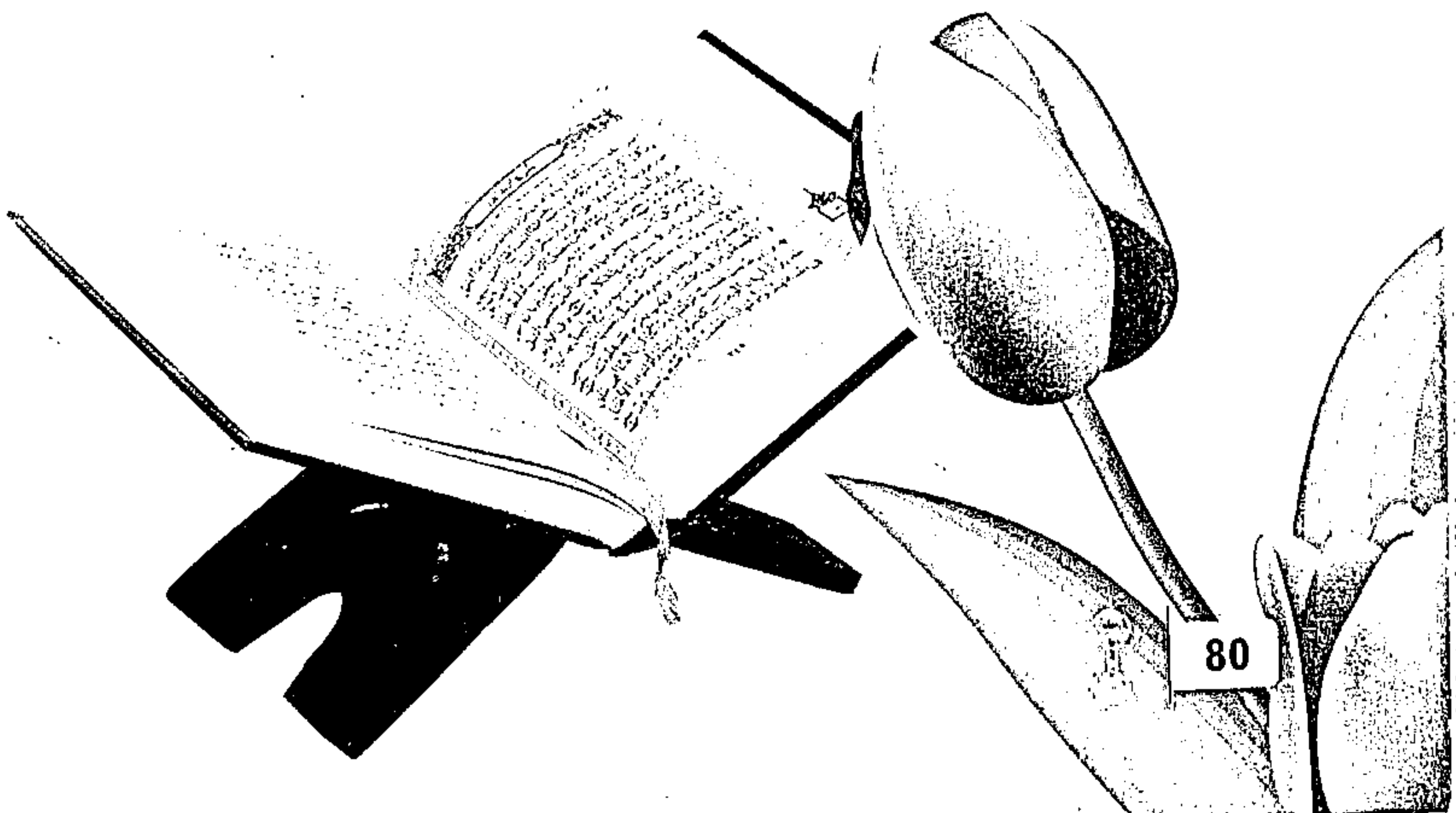
سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تسلی دینا

حضرت عبداللہ بن زین بن اسلم اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں...... جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو قید کیا گیا...... تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف یہ خط لکھا......

''جب بھی کسی بندے پر کوئی سختی اور تکلیف آتی ہے...... تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے بعد آسانی پیدا کر دیتے ہیں...... اور یہ بات تو حتمی ہے...... کہ کبھی ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی''......
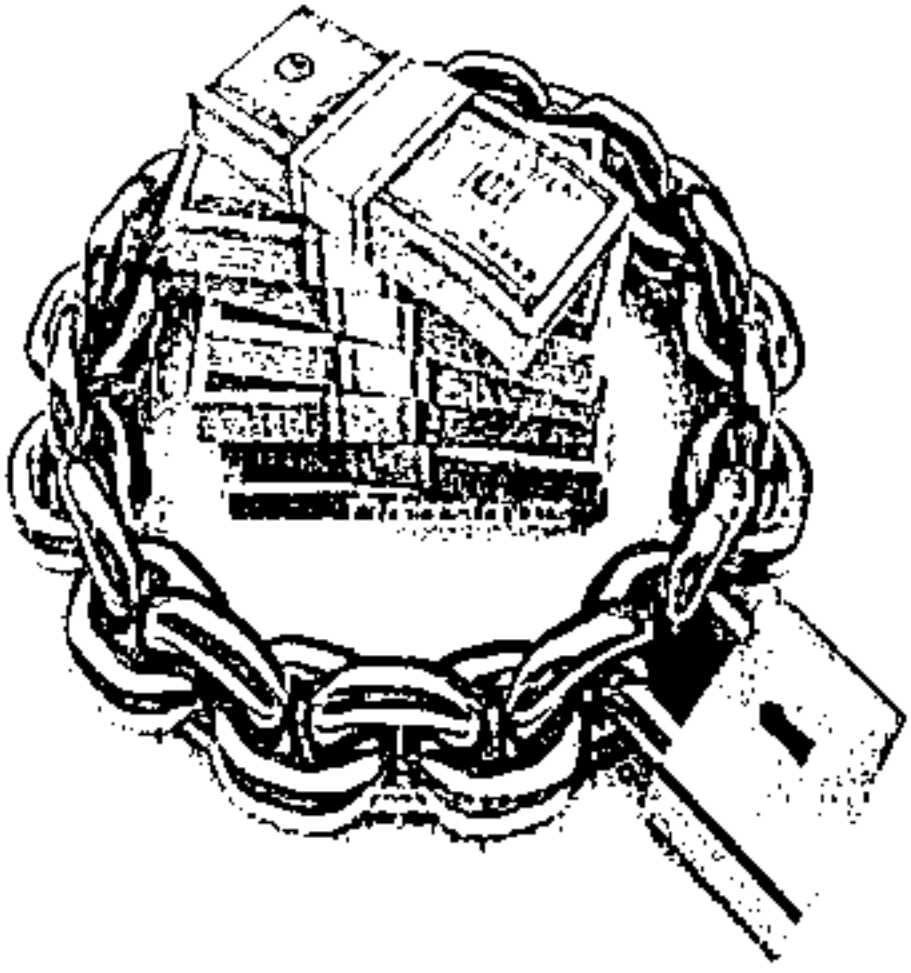
تنگی کے ساتھ آسانی اور مشکل کے ساتھ خلاصی ہونے کے بہت دلچسپ رازوں میں سے ایک یہ ہے...... کہ جب مشکل ناقابل برداشت ہو جائے اور انسان مخلوق کی طرف سے اس کی خلاصی سے مایوس ہو جائے...... تو اس کا دل ایک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے...... اور یہی اللہ پر توکل کی حقیقت ہے...... اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ضروریات طلب کرتا ہے...... اور ان پر بھروسہ کرتا ہے...... اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے......

(سکون دل کے راستے 253 تا 257)

محمد بن ابی رجا مولیٰ بنی ہاشم کہتے ہیں...... کہ ایک مرتبہ مجھے ایک معاملہ میں سخت...... رنج و غم پہنچا...... اتفاقاً میں نے اپنے بیٹے کا گدا اٹھایا تو اس کے نیچے سے ایک رقعہ نکلا...... جس میں یہ شعر لکھا ہوا تھا......

یَا صَاحِبَ الْهَمِّ اِنَّ الْهَمَّ مُنْقَطِعٌ
لَا تَیْأَسَنَّ کَاَنْ قَدْ فَرَجَ اللّٰهُ

''اکثر اوقات انسان ایسی چیزوں کو بھی مصیبت میں شمار کرتا ہے...... جن کا حل کرنا اس قدر آسان ہوتا ہے...... جیسے بندھی ہوئی رسی کا کھولنا''......

جو چلا گیا اس پر غم نہ کرو

حضرت سعد اسدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ......

فَمَا نُوَبُ الْحَوَادِثِ بَاقِیَاتٌ
وَلَا الْبُوْسِیٰ تَدُوْمُ وَالنَّعِیْمُ

''کسی بھی حال کے اثرات باقی نہیں رہتے...... نہ فقر و فاقہ باقی رہتا ہے...... اور نہ خوشحالی...... جیسے خوشیاں وافر مقدار میں ہونے کے باوجود ختم ہو جاتی ہیں...... اسی طرح وہ حالات بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے...... جو تمہیں غمگین کرتے ہیں...... سو جو کچھ تمہارے ہاتھ سے چلا گیا...... اس کے پیچھے خود کو تباہ مت کرو...... اور نہ ہی غموں کے سبب افسوس و ملامت کے ساتھ بیٹھو''......

کتاب الحیوان کے مصنف لکھتے ہیں...... کہ میں نے تنوخی کی کتاب ''الفرج بعد الشدۃ'' کا کئی بار مطالعہ کیا...... اس سے تین خاص فائدے حاصل ہوئے...... 1 ایک اس بات کا یقین کہ تکلیف کے بعد فراخی کا ہونا سنت الٰہی ہے...... یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے...... جیسے رات کے بعد صبح کا آنا یقینی ہے 2 دوسرے مصائب زیادہ تر بندے کے دین و دنیا میں فائدوں کا باعث ہوتے ہیں...... جب کہ راحتیں برعکس ہوتی ہیں 3 تیسری بات نقصان کو دفع کرنے والا فائدہ پہنچانے والا حقیقت میں اللہ تعالیٰ جو پریشانی ہمیں لاحق ہوتی وہ چوک نہیں سکتی اور جو چوک وہ لاحق نہیں ہو سکتی تھی......

لوگو! مطمئن رہو: کتاب ''الفرج بعد الشدۃ'' میں 30 سے زیادہ ابواب یہ بتاتے ہیں کہ جب شدائد اور بحران عروج کو پہنچ جاتی ہیں تو آسانی و فراخی مل جاتی ہے اور یہ کہ بندہ جتنا زیادہ مصیبت میں ڈوبا ہوگا اور جتنے غم والم سے دوچار ہوگا اتنا ہی قریب تر آسانی، سہولت اور خلاصی ہوگی۔ بس صبر اور اللہ سے مانگنے کی دیر ہے

مسلمان کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہوتا
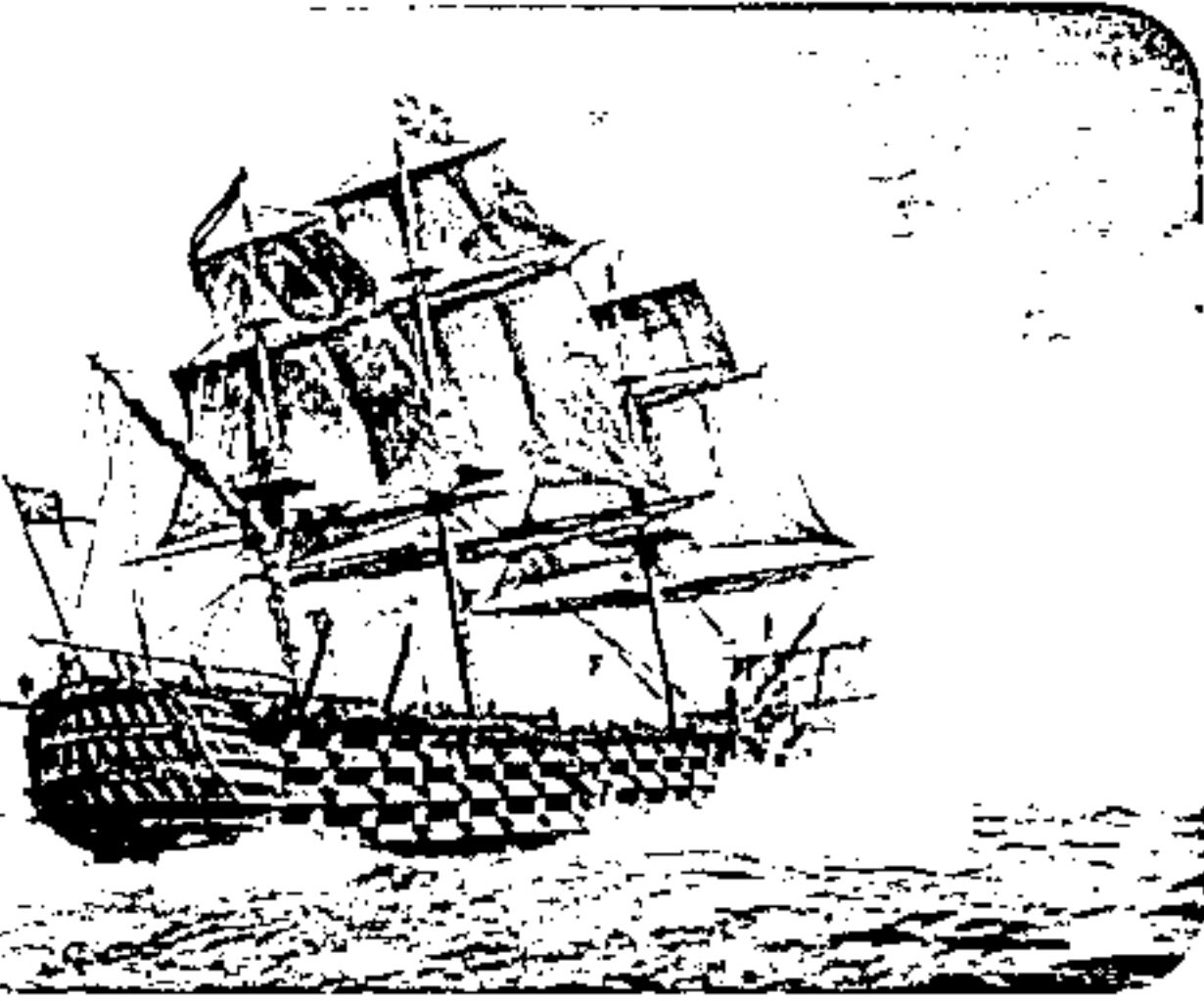
میرے بھائیو!......

اسلام کی تعلیم یہ ہے...... کہ انسان کو کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے......

* ...... وہ ملاح جس کی کشتی طوفانی موجوں میں پھنس چکی ہو......

* ...... وہ مریض جو کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہو......اور اسے ڈاکٹروں اور حکیموں نے جواب دے دیا ہو......

* ...... وہ غریب اور بے روزگار انسان...... جسے چاروں جانب روزگار کے دروازے بند ہوتے محسوس ہوں......

* ...... وہ بے اولاد جوڑا......جس کی شادی کو کئی برس گزر گئے ہوں مگر تمنا کے بارآور ہونے کی کوئی صورت دکھائی نہ دے......

* ...... وہ سپہ سالار جسے طاقت ور حریف کا سامنا ہو......اور اسے فتح کوسوں دور دکھائی دیتی ہو......

* ...... وہ گناہ گار بوڑھا جس کے شب و روز گناہوں میں بسر ہوئے ہوں اور اب موت کی آہٹ بہت قریب سنائی دیتی ہو......
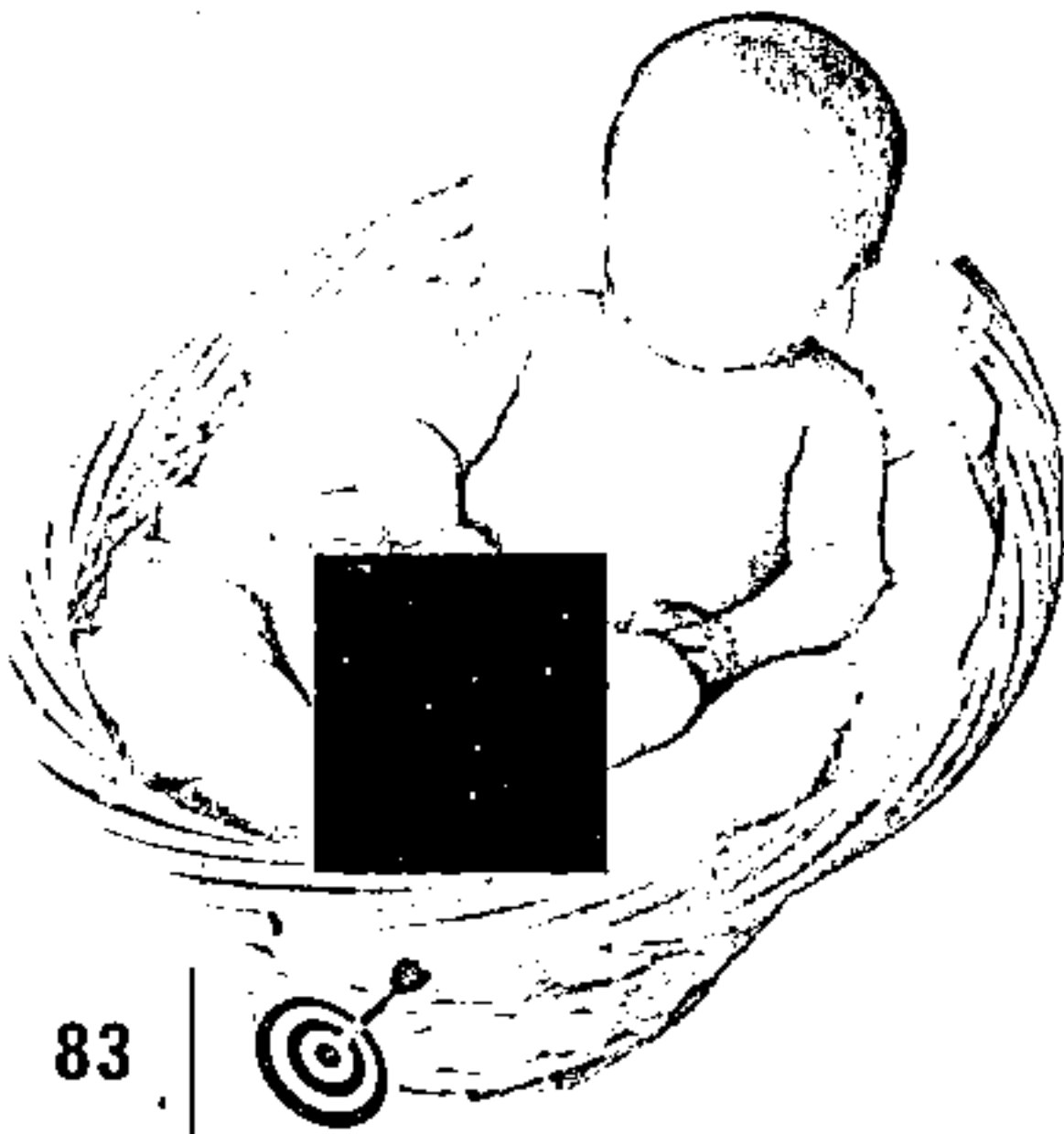
اسلام ان سب کے دل میں امید کا چراغ روشن کرتا ہے......اور انہیں مایوسی سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتا ہے......

(سکون دل کے راستے 264)

دعاؤں کے ذریعہ تم عنقریب مشکلات سے نکل جاؤ گے

التنوخی نے اپنی دلچسپ اور طویل کتاب میں پریشان حالوں اور مصیبت زدوں کے قصے بیان کئے ہیں جن میں سے بعض قید ہوئے تھے، بعض کو معزول اور جلاوطن کر دیا گیا تھا، بعض کو کوڑے لگائے گئے تھے اور بعض مفلس و قلاش بنا دیئے گئے تھے۔ چند دن گزرے تھے کہ عین یاس اور غفلت کے وقت نصرت و امداد کے فرشتے نازل ہوگئے، اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی، تنوخی آفت کے ماروں اور مصیبت زدوں سے کہتے تھے مطمئن رہو، اس راستہ میں تم سے پہلے بھی لوگ گزرے ہیں۔

مایوسی سے پناہ مانگنے کی نبوی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ

''اے اللہ!...... میں تیری پناہ چاہتا ہوں کمزوری اور کاہلی سے ...... کنجوسی اور بزدلی سے''......

اللہ تعالیٰ خیر کو پسند کرتے ہیں

ایک شخص زمانہ کے مصائب پر آہ و بکا کر رہا تھا کہ اس کے کانوں میں کسی شعر پڑھنے والے کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا:

1. اگر تجھے آج تنگی کا سامنا ہے تو روتا چلاتا کیوں ہے؟ کیا اس رب نے ایک طویل عرصہ تک تجھے خوشیوں میں نہیں رکھا؟

2. مایوس مت ہو کہ مایوسی تو کفر ہے، شاید اللہ کچھ ہی عرصہ بعد ان پریشانیوں کو ختم کر دے۔

3. اپنے رب سے صرف بھلائی اور خیر کی امید رکھ، کیونکہ وہ بھلائی کرنے کو اور خیر کو پسند کرتا ہے۔

اس آدمی کا کہنا ہے کہ یہ اشعار سن کر میں سارے غم بھول گیا۔

مشکلات کے بعد آسانی ضرور آتی ہے

ایک شاعر کہتے ہیں:

[1] قریب ہے کہ اللہ تجھے کشادگی عطا فرما دیں، کیونکہ اپنی مخلوقات کے معاملہ میں روز اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔

[2] جب کوئی پریشانی تجھے تنگ کرے تو آسانی کی توقع رکھ، کیونکہ اللہ نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ تنگی کے بعد ہمیشہ آسانی آئے گی۔

جب زمین تم پر تنگ ہو جائے......!

مشہور شاعر مرزدق کہتے ہیں:

[1] جب تجھے زمین کی پشت اپنے اوپر تنگ ہوتی نظر آئے اور تجھے قبر کے علاوہ اپنا کوئی ٹھکانہ سمجھ نہ آئے۔

[2] تو اس ذات کو دل کی گہرائیوں سے پکارنا جس کو یونس (علیہ السلام) نے تین اندھیروں میں پھنس جانے کے بعد پکارا تھا اور اس نے یونس علیہ السلام کو نجات دی تھی۔

[3] تو تم اس مصیبت سے نجات حاصل کر لو گے، اس کے باوجود بھی وہ ذات تم پر کوئی احسان نہیں جتلائے گی بلکہ مزید اپنے نافرمان بندوں کے بیچ میں سے تمہیں کھینچ کر اپنے سے قریب کر لے گی۔

[4] جس وقت صبح کی کرن پھوٹتی ہے اور کرنیں پھیلتی ہیں تو پوری کائنات کے رگ و ریشے میں پیوست ہو جانے والی رات کا نام و نشان بھی کہیں نظر نہیں آتا۔

پانی اور تیل کی گفتگو

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ میں ایک
مزیدار حکایت بیان کرتے ہیں:

جب بھی پانی اور تیل ایک برتن
میں جمع ہوجاتے تیل پانی کی سطح پر تیرنے
لگتا، پانی کو تیل کی یہ عادت بہت بری لگتی
ایک دن اس نے تیل کو کہا:

لِمَ تَرْتَفِعُ عَلَيَّ وَقَدْ أَنْبَتُّ شَجَرَتَكَ أَيْنَ الْأَدَبُ

''تو ہمیشہ میرے اوپر کیوں آجاتا ہے، بڑا احسان فراموش ہے، تیرے درخت کو
جس سے تو نکلا ہے میں نے پال پوس کر بڑا کیا تھا، ادب بھی کوئی چیز ہے۔''

تیل نے جواب دیا:

''اس لیے کہ میں نے دبنے اور پسنے کی تکلیف برداشت کی ہے، اس وقت تو
نہروں کے جھرنوں میں آزادی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔''

وَبِالصَّبْرِ يَرْتَفِعُ الْقَدْرُ

''اور قدر و منزلت تو صبر کے بقدر ہی بلند ہوتی ہے۔''

خشک زمین کو سرسبز کرنے والے سے مایوس مت ہو

قرآن کریم کی کتنی ہی آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ بسا اوقات ابتداء ہی اس مقام سے ہوتی ہے کہ مایوس لوگ جسے انتہا سمجھ رہے ہوتے ہیں جیسا کہ عربی کا ایک مقولہ بھی ہے:

اِنَّ الحَیَاۃَ تَنبَعُ مِنْ قَلْبِ الْمَوْت

''زندگی کے چشمے موت کے دل سے پھوٹتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا

''اور جان لو کہ اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندگی دیتے ہیں۔''

لہٰذا اگر آپ غور کریں تو اپنی ارد گرد تمام مخلوق میں آپ کو ہمیشہ زندگی موت کے دل سے نکلتی نظر آئے گی۔

خشک و بنجر زمین بظاہر بالکل بے جان مردار معلوم ہوتی ہے لیکن بارش ہوتے ہی وہ لہلہانے لگتی ہے اور اپنی زندگی کے نئے نئے رنگ دکھاتی ہے۔

اسی طرح پرندوں کے انڈوں کو دیکھو، پوٹوں سے باہر آنے کے بعد وہ بالکل پتھر کی طرح بے حس و حرکت ہوتے ہیں، ماں کے جسم کی حرارت پاتے ہی زندگی ان کے اندر انگڑائی لینے لگتی ہے اور پھر کچھ ہی دنوں بعد ان سے زندگی اور نشاط سے بھرپور خوبصورت چوزے برآمد ہوتے ہیں۔

رات کی تاریکی اور اس کے اندھیروں پر غور کریں، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، لیکن جیسے ہی سورج مشرق سے سر ابھارتا ہے، اندھیرے اپنے آپ ختم ہوجاتے ہیں اور ہر سو روشنی ہی روشنی پھیل جاتی ہے۔

اسی طرح ناکامی کے اندھیرے ہوتے ہیں، اگر انسان ثابت قدمی سے انہیں عبور کر جائے اور صبر سے کام لے تو اللہ رب العزت ان اندھیروں کو کامیابی کے اجالوں سے بدل دیتا ہے اور انسان خوشی اور مستی سے بھرپور زندگی گزارتا ہے۔ (ھکذا ھزموا الیاس 82)
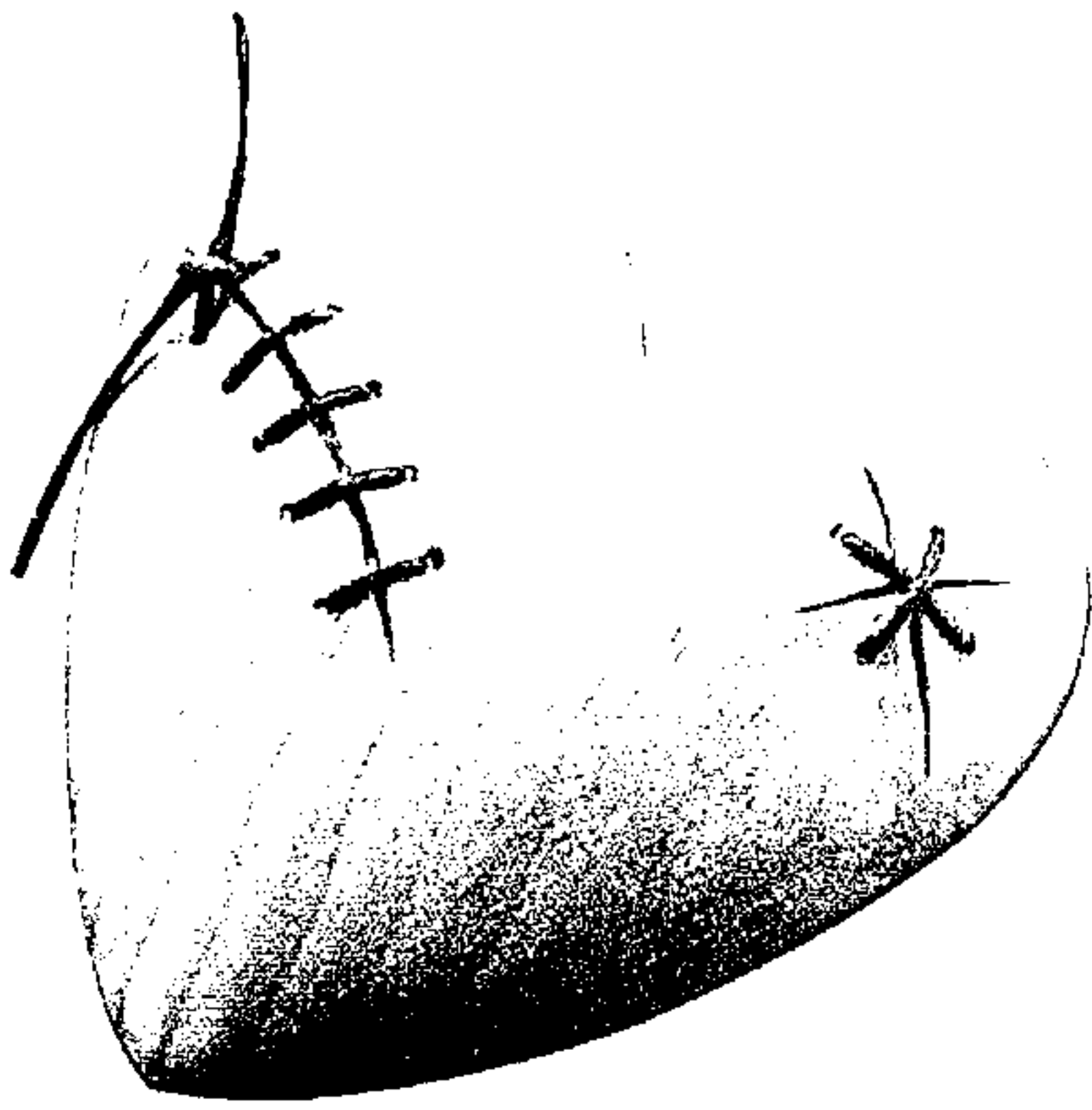
جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اس بات کے منتظر نہ رہو کہ کوئی دوسرا تمہاری طرف مدد کے لیے ہاتھ بڑھائے گا۔ اپنے کپڑے جھاڑو، اپنا بکھرا ہوا سامان سمیٹو، جوتیاں پہن لو اور اپنے رستہ پر چل پڑو کیونکہ...... ابھی سفر ختم نہیں ہوا ہے۔

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اور مایوسی کی ان تمام شمعوں کو بجھا دو جن کے سائے تمہاری زندگی کی دیواروں پر بھوت پریت کی طرح رقص کر رہے ہیں اور......

اُمید کی لالٹینوں میں خاموشی سے تیل بھر دو۔

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اور قدیم تاریخ کے اوراق پلٹنا شروع کر دو اور اپنے غموں سے بوجھل دل کو حادثات کی ان موجوں کے طوفان میں غوطہ لگانے دو جنھوں نے تاریخ کی عظیم شخصیات کو ناکامی سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی تھی اور ذرا غور سے سنو......

اس مایوسی کے رونے کو جو تمہارے مضبوط ارادے سے ڈر کر الٹے پاؤں بھاگ رہی ہے۔

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اور غم کے ان بلوں کو توڑ ڈالو جو مایوسی کی رسیوں نے تمہارے دل کے گرد کسے ہوئے ہیں اور اس بات پر یقین رکھو...... کہ تمہاری امید کے ہاتھ ہی ان رسیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے ہیں۔

منزل تک پہنچے سے پہلے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھو

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اور اپنے گرما گرم آنسوؤں کی لڑیوں کو رخساروں پر خوب بہنے دو، شکست کے احساس کو اپنے اندر جگہ نہ دو، اسے اپنی زندگی کے باغوں سے دور پھینک دو، اس لیے کہ رونا کوئی بری بات نہیں...... البتہ اپنی زندگی کے درختوں کو جلتا جھلتا دیکھ کر روتے رہنا بہت بری بات ہے۔

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اور وہموں کی ان تمام مورتیوں کو چکنا چور کر دو جنہیں تم نے اپنے دل میں تراش رکھا ہے، اس لیے کہ یہ بے جان ہیں، ان کے سینے میں دل نہیں دھڑکتا، نہ رگوں میں خون گردش کرتا ہے، ان کی کرچیوں کے درمیان سے اپنی ایک ایک آرزو کو سمیٹ لو اور پھر روانہ ہو جاؤ اور یاد رکھو......

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اور اپنے اردگرد کھلے گلاب کے پھولوں کو غور سے دیکھو...... ان کی مہکتی خوشبوؤں کو سونگھو...... اور یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو...... کہ اپنے اردگرد سر اٹھائے کانٹوں کے درمیان بھی وہ کس قدر خوبصورتی سے مسکرا رہے ہیں۔

جب گر پڑو تو اٹھ جاؤ...... اس لیے کہ یہ اٹھنا تمہیں جیت سے ہمکنار کر دے گا اور تمہیں اس بات کو یاد دلائے گا کہ......

جب بھی تم گرتے تھے تو اٹھ جاتے تھے۔
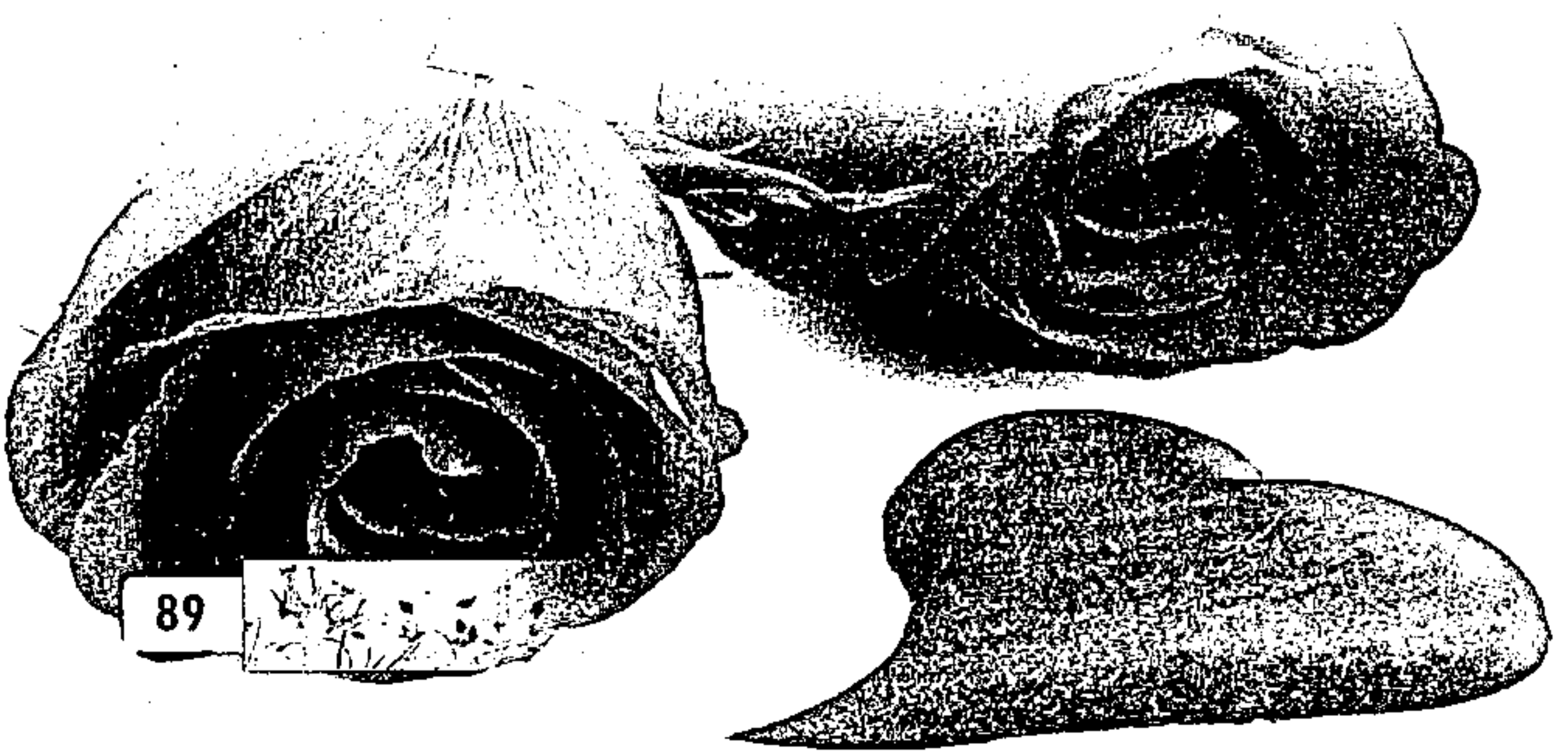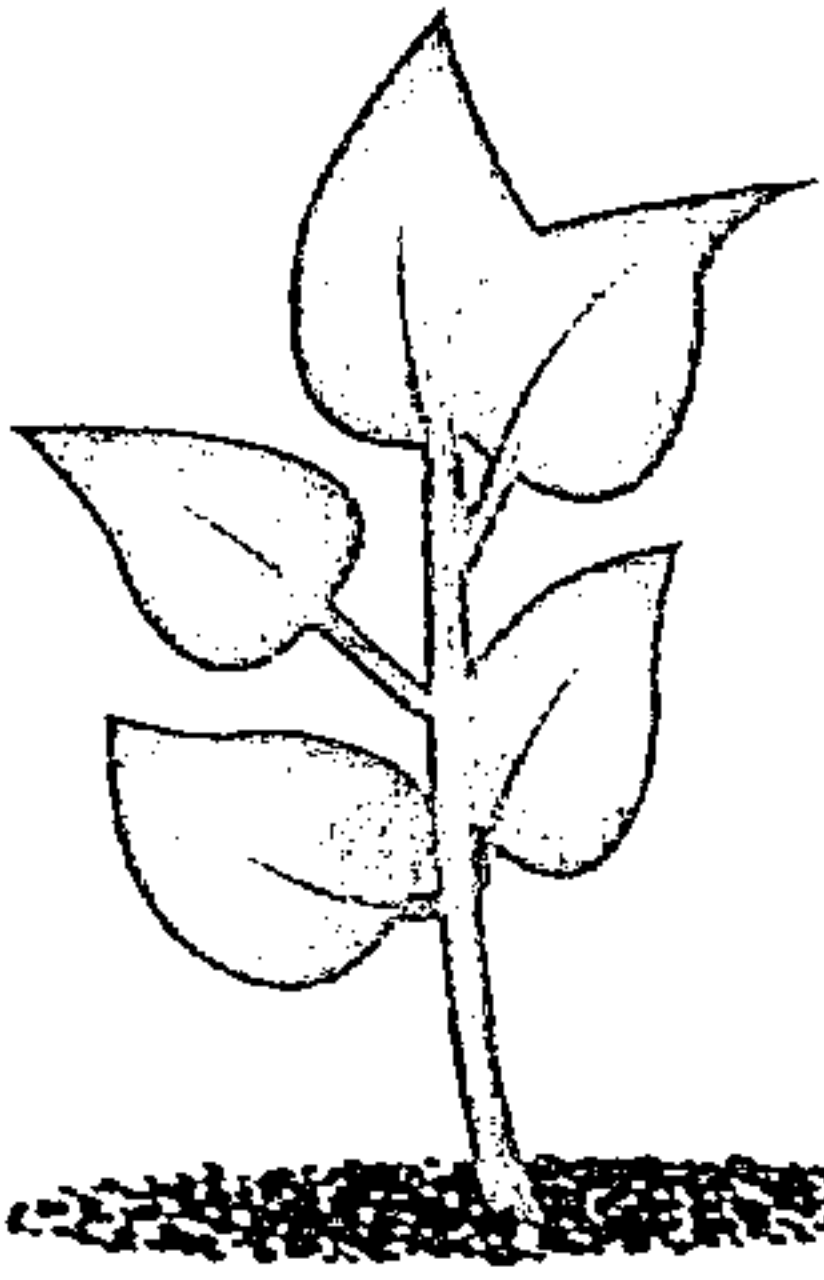
آزمائش کے بغیر آگے ترقی ناممکن ہے

نفس کی آزمائش آزمائے بغیر نہیں ہوسکتی اور حادثات ہی قوموں میں ہیرو کو جنم دیتے ہیں۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

مَنْ أرادَ أنْ تَدُوْمَ لَهُ السَّلَامَةَ وَالْعَافِيَةَ مِنْ غَيْرِ بَلَاءٍ فَمَا عَرَفَ التَّكْلِيْفَ وَلَا اَدْرَكَ التَّسْلِيْمَ

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے بغیر وہ ہمیشہ چین اور سکون کی زندگی گزارتا رہے تو یہ شخص اللہ کی چاہت کو سمجھا ہی نہیں اور نہ ہی اس نے ایک غلام کی طرح سر جھکانا سیکھا۔''

ہر انسان کو تکلیفیں پہنچتی ہیں، پھر چاہے وہ ان کا سامنا کرے یا راہِ فرار اختیار کرے۔ محنت اور مشقت جھیلنا بھی زندگی ہی کا ایک حصہ ہے۔ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کبھی تو آرام و آسائش میں ہوتا ہے اور کبھی آزمائشوں اور مصیبتوں میں۔ زندگی کی کسی ایک کیفیت کو کبھی دوام نہیں ہوتا۔

آدم علیہ السلام ہی کو دیکھ لیں، کبھی تو فرشتے ان کو سجدہ کرتے ہیں اور کبھی وہ جنت ہی سے نکالے جاتے ہیں اور آزمائش تو نام ہے تمناؤں کے بکھرنے کا، راحتوں کے چھوٹ جانے کا اور مقاصد تلف ہوجانے کا۔

ہر ایک کو یقینی طور پر ان کا کڑوا گھونٹ پینا پڑتا ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ ایمان والوں کو ان کی اصلاح کے لیے آزمایا جاتا ہے، عذاب دینے کے لیے نہیں۔

خوشیاں بھی اللہ کی طرف سے آزمائش ہیں اور تکلیفیں بھی۔

وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الأعراف:168)

''اور ہم نے ان کو خوشیوں اور غموں دونوں سے آزمایا تاکہ وہ لوٹ آئیں۔''

بسا اوقات ناپسندیدہ بات من پسند بات کو جنم دیتی ہے اور کبھی من چاہی بات بھی مصیبت کا پہاڑ لاکر کھڑا کر دیتی ہے۔

لہٰذا خوشیوں میں پھلتے پھولتے انسان کو مصیبتوں سے بے پرواہ نہیں رہنا چاہیے اور نہ ہی مصیبتوں میں گھرے ہوئے انسان کو خوشیوں سے ناامید ہونا چاہیے: قرآن مجید میں ہے:

وَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئاً وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ

''ممکن ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناپسند کرو لیکن وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو لیکن وہ تمہارے حق میں نقصان دہ ہو۔ اور اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔'' (البقرة: 216)

لہٰذا اے آزمائش میں مبتلا انسان! یاد رکھ کہ:

تیرا پروردگار تجھے محروم نہیں کرتا مگر نوازنے کے لیے۔

تجھ پر مصیبت نہیں بھیجتا مگر عافیت اتارنے کے لیے۔

تجھے آزمائش میں مبتلا نہیں کرتا مگر منتخب کرنے کے لیے۔

کبھی وہ نعمتوں میں بھی آزمالیتا ہے، کبھی تکلیفوں میں بھی نواز دیتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے نزدیک اس دنیا کے ذلیل اور بے وقعت ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کی ہر نافرمانی اس دنیا ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس کی ہر نعمت اس سے منہ موڑ ہی کر حاصل ہوتی ہے۔''

لہٰذا جو ہوگیا اس پر افسوس کے بجائے جو نہیں ہوسکتا اس کے حاصل کرنے کی کوشش کریں، خامیوں کو دور کریں، غلطیوں پر معذرت کریں اور اس بادشاہوں کے بادشاہ کے در پر جا کھڑے ہوں اور پھر پلک جھپکتے اپنی مصیبتوں کے بھاگنے کا نظارا کریں۔

اگر شدت غم نہ ہوتا تو آرام کی امید کون لگاتا؟

* رات کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے، صبح نے نمودار ہونا ہی ہے!
* اورغم کے طوفان کی آخری موج ہی کشتیوں کے جزیروں کے ساحل پر پھینکتی ہے۔
* وقت کبھی تھمتا نہیں، ہر پل ختم ہوتے ہی دوسرا جنم لیتا ہے، اگر آج آپ مصیبتوں کی آندھیوں کے تھپیڑے کھا رہے ہوتو شاید کل ہی خوشگوار ہواؤں کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوگے۔

بس جب تھک جاؤ تو اللہ سے لو لگالو، خوشیاں تمہاری طرف لپک کر آئیں گی۔

جب تقدیر میں یہی لکھا تھا تو غم کا کیا فائدہ

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہر چیز تقدیر میں لکھی جاچکی ہے اور اس کائنات میں کوئی واقعہ حادثہ بھی اللہ کے علم اس کی اجازت کے بغیر اور تقدیر کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

1. مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (القرآن)

زمین میں اور تمہارے نفسوں پر کوئی آفت مصیبت ایسی نازل نہیں ہوتی جو ہم تمہیں پیدا کرنے سے پہلے لکھ نہ چکے ہوں، بے شک اللہ کے لیے یہ بڑا آسان ہے۔

2. إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القرآن)

اور ہم نے ہر شئے کو تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔

3. وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (القرآن)

اور ہم ضرور بالضرور خوف اور بھوک اور تمہارے مالوں، جانوں اور پیداوار میں کمی کے ذریعے تمہیں آزمائش میں مبتلا کریں گے اور صبر کرنے والے کو خوشخبری سنا دیں۔

مومن ہر حال میں اللہ کے حکم پر راضی رہتا ہے

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُومِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءَ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءَ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَلَيْسَ ذٰلِكَ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ

''مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے! ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو کوئی نعمت راحت حاصل ہوتی ہے تو شکر کرنے کی وجہ سے وہ اس کے لیے خیر بن جاتی ہے اور اگر کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی ہے تو صبر کرنے کی وجہ سے وہ بھی اس کے لیے سراسر خیر ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ معاملہ صرف ایمان والے کے ساتھ خاص ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ
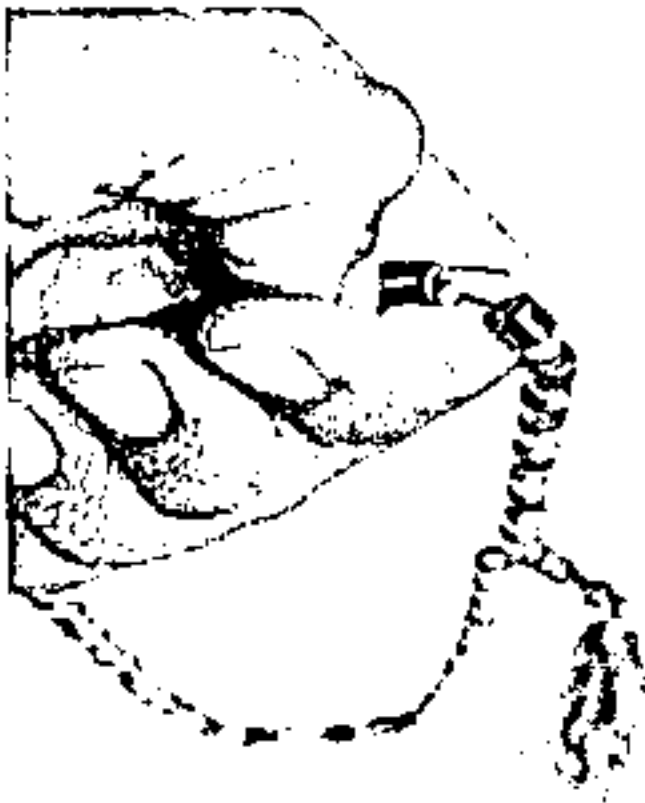
''اس بات پر یقین رکھو کہ جو مصیبت تم پر آن پڑی ہے۔ تم اس سے بھاگ نہیں سکتے تھے اور جو مصیبت تم سے دور ہوگئی ہے وہ تم پر آ نہیں سکتی تھی۔'' اور یہ بھی حدیث میں ہے:

جُفَّ الْقَلَمُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ

''اے ابو ہریرہ! جو تمہیں پیش آنے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکے ہیں۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجِزْ وَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّىْ فَعَلْتُ كَذَا لَكَانَ كَذَا وَ كَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ

''نفع دینے والے اعمال کی حرص اور طلب میں لگے رہو، اور اللہ سے مدد طلب کرو، مصیبت کا مقابلہ کرنے سے عاجز نہ بنو، اور یوں نہ کہو: اگر میں یوں کرتا تو یوں یوں ہو جاتا۔ بلکہ یہ کہو: یہ سب اللہ کی تقدیر ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

لَا يَقْضِي اللّٰهُ قَضَاءً لِلْعَبْدِ إِلَّا إِذَا كَانَ خَيْرًا لَهُ

''اللہ اپنے بندے کے حق میں وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''

گناہ بھی بندہ کے حق میں خیر ہے مگر......

ایک بزرگ سے گناہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ بھی بندے کے لیے خیر ہوتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

نَعَمْ بِشَرْطِهَا مِنَ النَّدَمِ وَالْاِسْتِغْفَارِ وَالْاِنْكِسَارِ

''ہاں وہ بھی خیر ہوتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے بعد ندامت، توبہ و استغفار اور عاجزی حاصل ہو۔'' (ھکذا ھزموا الیأس 55 تا 57)

انسان کو پیدا کرنے کا مقصد آزمائش و امتحان ہے

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کچھ نہ کچھ غم و پریشانی، تکلیف و مصیبت تو رہتی ہی ہے کیوں کہ پیدا کرنے والے نے خود ہی فرمایا ہے:

1 لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (سورۃ بلد)

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی) مشقت میں پیدا کیا ہے۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''کَبَدْ'' کے لفظی معنیٰ محنت و مشقت کے ہیں، معنیٰ یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔

جس سے اللہ محبت کرتا ہے اس کو آزماتا ہے

حدیث میں آتا ہے:

''اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہے انہیں آزمائش میں ڈالتا ہے۔ جو اس پر راضی ہوجائے اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا جو اس پر ناراض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ (ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ حدیث 2516)

جیسا ایمان ویسی ہی اسکی آزمائش

ترمذی کتاب الزھد حدیث 2396، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث 4031

ارشاد نبوی ﷺ ہے: سب سیسخت امتحان انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے پھر ان کے بعد جو افضل ہو پھر ان کے بعد والوں کا۔ جس کا دینی حال جیسا ہوتا ہے ویسی ہی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ جو دینی طور پر مضبوط ہوتا ہے اس کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے۔ جو کمزور ہوتا ہے اس کی آزمائش اسی حساب سے ہوتی ہے۔ بندہ مصیبت پر صبر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ گناہوں سے بالکل پاک ہوجاتا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب ازھد حدیث 4023)

جو تقدیر میں لکھا ہیں وہ ہوکر رہتا ہے

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مومن کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے کہ وہ خیر ہی میں رہتا ہے اگر اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے یہ اس کے لیے خیر ہوتی ہے اور اگر اسے آسانی ملے تو شکر کرتا ہے تو شکر بھی اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الزھد حدیث 2999)

جان لو کہ ساری مخلوق مل کر تم کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو وہی فائدے دے سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر سب مل کر بھی تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔

(ترمذی کتاب صفة ابقیامة حدیث 2515)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صالحین کی درجہ بدرجہ آزمائش ہوتی ہے۔ المرض والکفارات لابن ابی الدنیا(5)

صحیح بخاری میں ہے:

مومن کچی کھیتی کی طرح ہوتا ہے جسے ہوا دائیں بائیں بکھیرتی رہتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المرضی 5643، 5644، صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث 2809؛ 2810 (لاتحزن 152)

باب نمبر 7
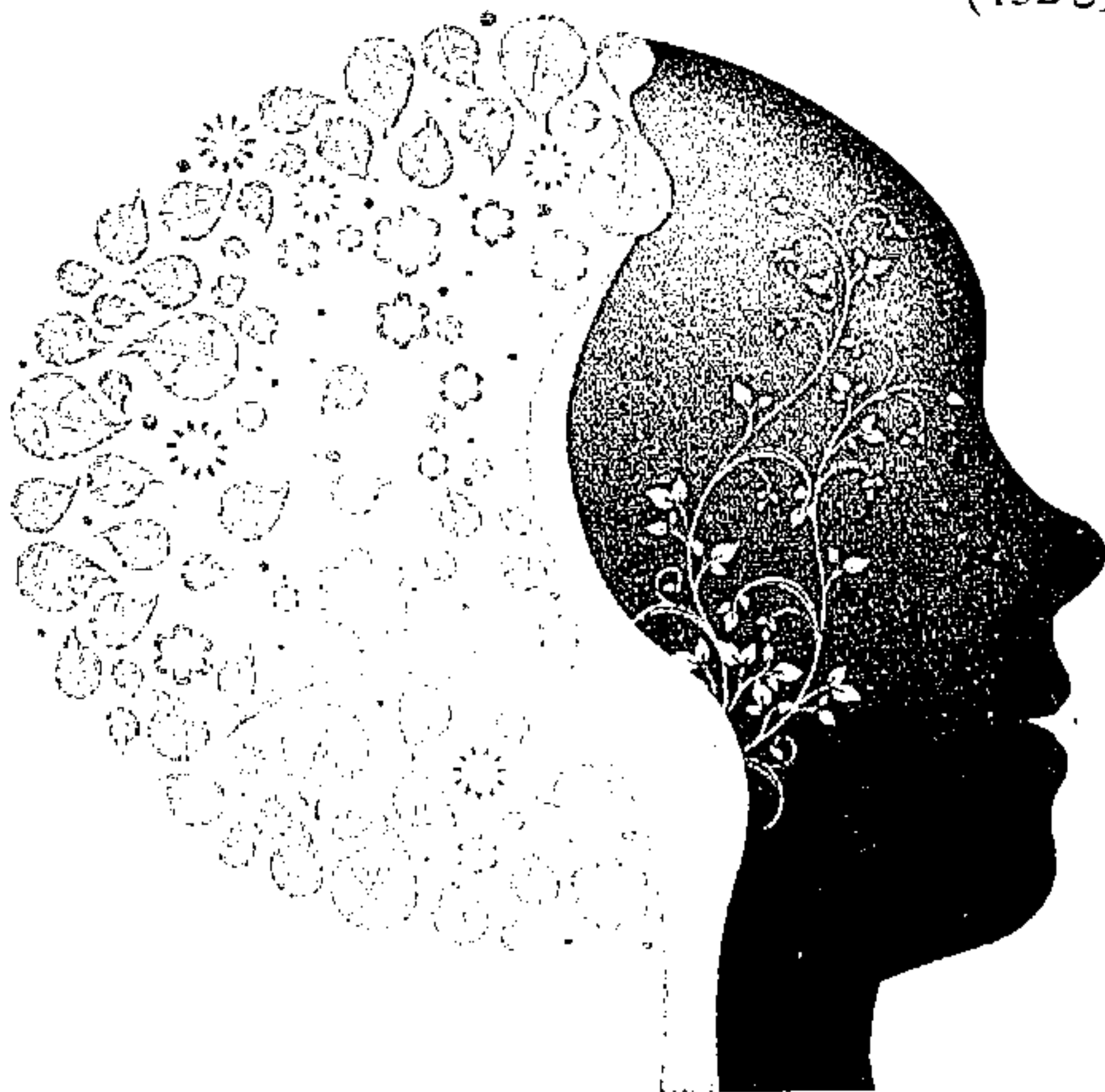
مصائب کے فوائد!!!

ایک مسلمان کو اپنے زندگی میں جتنی بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے چاہے وہ جس قسم کی بھی ہوں ان کے بیش بہا فوائد ہوتے ہیں۔ ان پر صبر کرنا یقیناً ایک کڑوا گھونٹ پینا ہوتا ہے لیکن......ان فائدوں میں یہ ہے کہ

[1] دعا میں بندگی کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔ کسی کا قول ہے کہ کتنی عظیم ہے وہ ذات جس نے مصیبت میں دعا کی توفیق دی۔

ایک اثر یوں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نیک بندے کو مصیبت میں مبتلا کیا اور ملائکہ سے فرمایا میں اس کی دعا اور آہ وزاری سن رہا ہوں۔"

[2] نفس کی سرکشی ٹوٹ جاتی ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَلَّا اِنَّ الْاِنسَانَ لَيَطْغٰىo اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰىo (العلق 6-7)

"ہرگز نہیں یقیناً انسان سرکشی کر بیٹھتا ہے جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔"

[3] ایک فائدہ یہ ہے کہ حصول محبت، مصیبت زدہ سے لوگ اظہار ہمدردی کرتے ہیں، اس سے ان کو محبت ہوجاتی ہے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

اللہ کی محبت

[4] گناہوں کا کفارہ ان فائدوں میں یہ ہے کہ اس مصیبت سے کوئی بڑی بلاٹل جاتی ہے پھر یہ کہ وہ بہت سے گناہوں اور غلطیوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر اجر ملتا ہے۔

اگر انسان کو غم یا پریشانی لاحق ہوجائے تو یہ صورت حال اس کے لیے بہت تکلیف دہ ہے لیکن اگر انہی غموں کے مثبت پہلوؤں پر غور کیا جائے تو شاید ان کو برداشت کرنا آسان ہوجائے۔ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا غموں کے بھی مثبت پہلو ہوسکتے ہیں؟ جی ہاں! یہ بات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں غموں کے بدلے مسلمان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ غم اور مصیبت کا مثبت پہلو فوراً انسان کے سامنے آجاتا ہے مثلاً اس کے مخلص اور لالچی دوستوں میں فرق واضح ہوجاتا ہے کیونکہ مصیبت میں صرف مخلص دوست ہی کام آتے ہیں۔ اسی طرح اسے کئی اصلاحی پہلوؤں پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ شاید اسی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''کوئی مؤمن (خاوند) کسی مؤمن عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اسے اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو (شاید) دوسری پسند آجائے۔'' (صحیح مسلم :1469)

پریشانیاں آپ کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں گی

ابن المعتز شاعر کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہا کرتا تھا جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اس سے اچھی سواری کسی کی نہیں ہوتی اور اس سے تیز سفر کسی کا نہیں ہوتا!!

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مومن کو جو بھی رنج فکر، پریشانی، تکان اور دکھ تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ کوئی کانٹا بھی اسے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اُس کے گناہوں کا کفارہ کر دے گا۔ (صحیح بخاری کتاب المرضی حدیث 5641)

5. اللہ رب العزت ان کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں۔ (کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے)
6. مصیبت میں مبتلا انسان کے درجات بلند کر دیتے ہیں۔
7. انسان کی اپنے گناہوں کی طرف نظر ہوتی ہے اور توبہ کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے۔
8. عاجزی، تواضع اور انکساری پیدا ہوتی ہے اور یہ انکساری اللہ کو بہت سی عبادات سے زیادہ محبوب ہے۔
9. مخلوق خدا سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ان کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور پھر انسان ان کے ساتھ رحم دلی کے ساتھ پیش آتا ہے۔
10. اپنے سے بڑی مصیبت میں مبتلا شخص کو دیکھ کر شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
11. اگر مصیبتوں پر صبر کرنے کی توفیق نصیب ہوجائے تو صبر پر اللہ رب العزت کی طرف سے جو انعامات اور ثواب کے وعدے ہیں وہ سب حاصل ہوجاتے ہیں۔
12. چھوٹی مصیبتوں کی وجہ سے بڑی آفتیں ٹل جاتی ہیں۔
13. انسان کو اپنی حیثیت اور محتاجی کا ادراک ہوجاتا ہے، اس کا تعلق مخلوق سے کٹ کر خالق کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور اس مرحلہ کے بعد ہی انسان کو توحید کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے۔
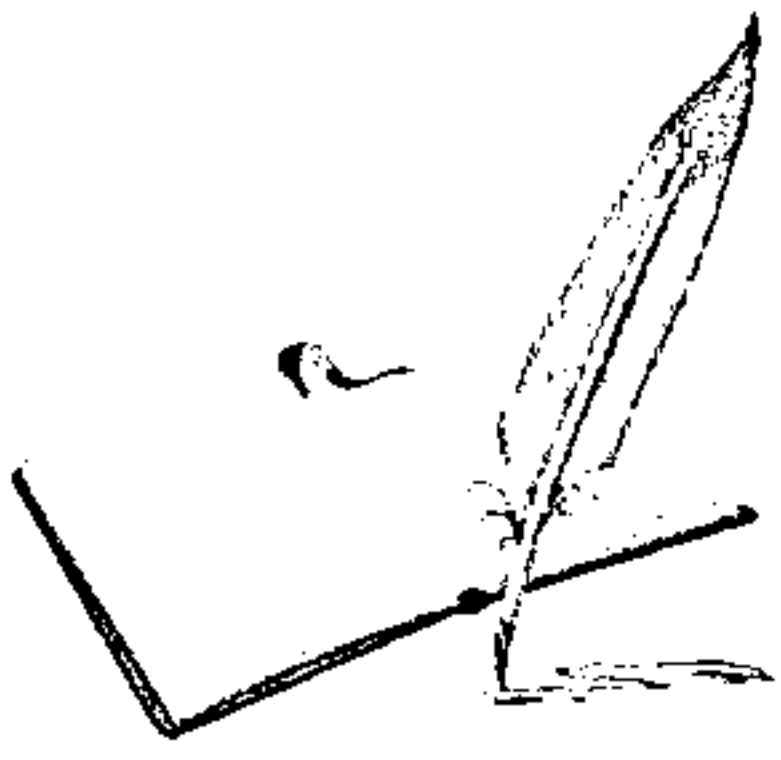
مصائب کے بارے میں اسلاف کیا کہتے ہیں؟

14 ایک بزرگ کا مقولہ ہے:

لَوْلَا مَصَائِبُ الدُّنْیَا لَنَکُوْنَنَّا الْآخِرَۃَ مَفَالِیْسُ

''اگر دنیا کی مصیبتیں نہ ہوتیں تو آخرت میں ہم بالکل قلاش، تہی دامن ہوتے۔''

(یعنی نیکیاں تو پاس ہیں نہیں، جو مصیبتیں پیش آئی ہیں انہی پر اجر وثواب کی امید ہے، اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو آخرت میں ہمارا دامن نیکیوں سے بالکل خالی ہوتا۔)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ رب العزت مؤمن کو بیماریوں اور تکلیفوں سے آزماتے ہیں، پھر اگر وہ شکوہ شکایت کرتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں:

بِعِزَّتِیْ وَ بِجَلَالِیْ مَا ابْتَلَیْتُكَ بِھٰذِہِ الْأَوْجَاعِ إِلَّا لَأَغْسِلَكَ مِنَ الذُّنُوْبِ فَلَا تَشْکُنِیْ

''میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں نے تجھ پر یہ تکلیفیں صرف اس لیے مسلط کی تھیں کہ تیرے گناہوں کو دھو دوں، لہٰذا مجھ سے شکوہ کیوں کرتا ہے؟''

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''آدمی اس وقت تک کامل فقیہ (دین کی سمجھ رکھنے والا) نہیں بن سکتا جب تک اللہ کی نعمتوں کو آزمائش نہ سمجھنے لگے اور اس کی طرف سے آسانی اور کشادگی کو مصیبت نہ شمار کرے، کیونکہ جب اہل مصیبت اور آزمائش میں پھنسا ہوا انسان کشادگی اور وسعت کا منتظر رہتا ہے تو عافیت میں زندگی گزارنے والے کو بھی مصیبت سے ڈرنا چاہیے۔''

(یاد رہے! آسانی کو مصیبت شمار کرنا اور نعمتوں میں بھی مصیبت سے ڈرنا یا اس کا انتظار کرنا، اس سے مراد مصیبت طلب کرنا یا حقیقت میں اس کا منتظر رہنا نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نعمتوں کے بعد مصیبت آجائے تو رونا دھونا شروع نہ کردے۔)

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ بہترین لوگ کون ہیں؟ تو جواب دیا:

اَلَّذِیْ یَرْضٰی بِمَا اُوْتِیَ

یعنی ''جو ملا اس پر راضی وخوش رہنے والے بہترین لوگ ہیں۔''

ڈاکٹر صموئیل جانسن کہتا ہے: ہر حادثہ میں مثبت پہلو ڈھونڈ نکالنا سال بھر میں ہزاروں سے زیادہ قیمتی ہے۔

باب نمبر 8

ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کے 35 اصول

کامیاب اور ناکام آدمی کی پہچان

[1] ایک کامیاب شخص ہر مسئلے کا حل سوچتا ہے جب کہ ناکام آدمی ہر مسئلہ کی مشکلات کے بارے میں سوچتا ہے۔

[2] کامیاب آدمی اپنے افکار اور خیالات میں نکھار لانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ ناکام آدمی اپنی مجبوریوں کا رونا روتا رہتا ہے۔
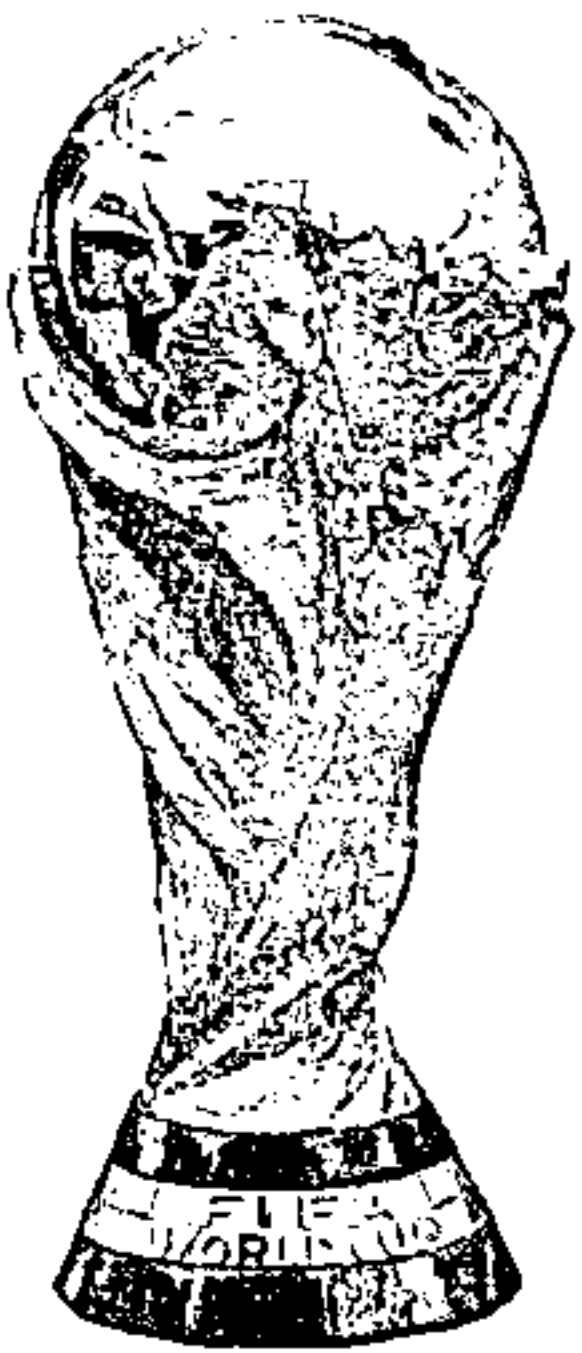
[3] کامیاب آدمی ہمیشہ دوسروں کی مدد کرتا ہے جبکہ ناکام آدمی ہمیشہ دوسروں سے مدد کی توقع رکھتا اور امید کے سہارے پر رہتا ہے۔

[4] کامیاب آدمی ہر مشکل کا حل ڈھونڈتا ہے جبکہ ناکام آدمی ہر حل میں مشکلات ڈھونڈتا رہتا ہے۔

[5] کامیاب آدمی کہتا ہے کہ مسئلہ کا حل مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں جبکہ ناکام آدمی کہتا ہے کہ مسئلہ کا حل ممکن ضرور ہے لیکن مشکل ہے۔

[6] کامیاب آدمی اپنے خوابوں کی تعبیر حاصل کرنے میں جت جاتا ہے جبکہ ناکام آدمی وہم اور خدشات کا شکار ہو جاتا ہے۔

[7] کامیاب آدمی کہتا ہے کہ لوگوں سے ایسا سلوک کرو جس طرح اپنے ساتھ پسند کرو جب کہ ناکام آدمی کہتا ہے کہ لوگوں کے دھوکہ دینے سے پہلے انہیں دھوکہ دیدو۔

[8] کامیاب آدمی کو ہر کام میں امید نظر آتی ہے جبکہ ناکام آدمی کو ہر کام میں تھکاوٹ اور درد محسوس ہوتا ہے۔

[9] کامیاب آدمی کی نظر مستقبل پر ہوتی ہے اور ممکن کی تلاش میں ہوتا ہے جبکہ ناکام کی نظر ماضی پر ہوتی ہے اور ہر کام کو ناممکن سمجھتا رہتا ہے۔

[10] کامیاب آدمی سوچ سمجھ کر بولتا ہے جبکہ ناکام آدمی بغیر سوچے سمجھے بولتا ہے۔

[11] کامیاب آدمی باخبر، تجربہ کار اور ماہر سے مشورہ کرتا ہے جبکہ ناکام آدمی خود کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے۔

آپ مانیں یا نہ مانیں

12 ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ ایک عربی بچہ بچپن سے جوانی تک 18000 سے زیادہ منفی پیغام وصول کرتا ہے جو اس کے ذہن اور تحت الشعور میں محفوظ ہو جاتے ہیں، مثلاً تم نالائق ہو، تم سست ہو، تم شرارتی ہو، تم گھٹیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ پیغام اس کے ماں باپ، خاندان کے دوسرے بڑوں، اساتذہ وغیرہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان محفوظ شدہ اور ذخیرہ شدہ پیغامات کے اثرات یقیناً منفی ہوتے ہیں اور اس کی عملی زندگی میں داخل ہوتے وقت سامنے آنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی سوچ، کردار، جذبات اور عادات کچھ غیر مربوط اور غیر متوازن سی نظر آنے لگتی ہیں۔

یہ سب کچھ ان منفی اسباق یا منفی پیغامات کا نتیجہ ہوتا ہے جو اس کے شعور یا تحت الشعور میں اس کے بچپن کے پورے عرصے میں راسخ کرتے رہے، اس لئے بہت سے عظیم صلاحیتوں والے بچے ایسے منفی سوچ کے ماحول میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا سکتے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہو جاتا ہے جیسے ایک شیر کے بچے کو ابتدائی عرصے میں بکریوں کے ساتھ رکھا گیا۔ اور اس نے ان کے ساتھ پرورش پائی ہو اور وہ اپنی اصل طاقت اور صلاحیتوں کو بھول گیا ہو۔

لہٰذا اگر بچوں کو معمولی معمولی بات پر تنقید کا نشانہ بنایا جائے تو ان کی ابھرنے والی صلاحیتیں دب کر رہ جاتی ہیں ایسی صورت میں ان کی دبی ہوئی اور خفیہ صلاحیتیں کیسے ابھریں گی اور ان کی نشو ونما کیسے ہوگی؟ اس لئے بچوں پر منفی تنقید نہ صرف ان بچوں کیلئے بلکہ قوم کے لئے بھی مضر ہے جن کے مستقبل کے معمار صرف مزدور ہی رہ پائیں گے اور جب عمارت کی تعمیر معماروں کے بجائے عام مزدوروں کے سپرد ہو، تو پھر اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔

گلاس کا وزن

زندگی کی تنگی اور مشکلات کا سامنا کرنے اور ان سے نمٹنے کا طریقہ سکھانے کے لیے ایک مرتبہ استاد محترم نے کلاس میں طلبہ کے سامنے پانی سے بھرا ہوا گلاس اٹھایا اور طلبہ سے پوچھا: تمہارے خیال میں اس گلاس کا وزن کتنا ہے؟

طلباء کا جواب تھا: ۵۰ سے ۵۰۰ گرام تک۔

استاد نے کہا: صرف اس گلاس کا وزن مراد نہیں ہے بلکہ وزن سے مراد اس کے وقت اور مدت کا وزن ہے جتنی دیر گلاس کو ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے۔ اگر ایک منٹ کے لیے گلاس کو ہاتھ میں اٹھایا ہے تو اس کا کوئی وزن نہیں اور اگر زیادہ دیر کے لیے اٹھایا ہے تو اب اس کا وزن ہوگا اور ہاتھ میں درد بھی محسوس ہوگا۔ لیکن اگر آپ اس کو ایک دن تک ہاتھ میں اٹھائیں گے تو پھر آپ کو ہسپتال پہنچانے کے لیے ایمبولینس کی ضرورت پڑے گی۔ گلاس کا وزن اپنی جگہ پر مگر جتنی دیر میں اس گلاس کو اٹھاؤں گا اتنا ہی اس کا وزن زیادہ ہوگا۔
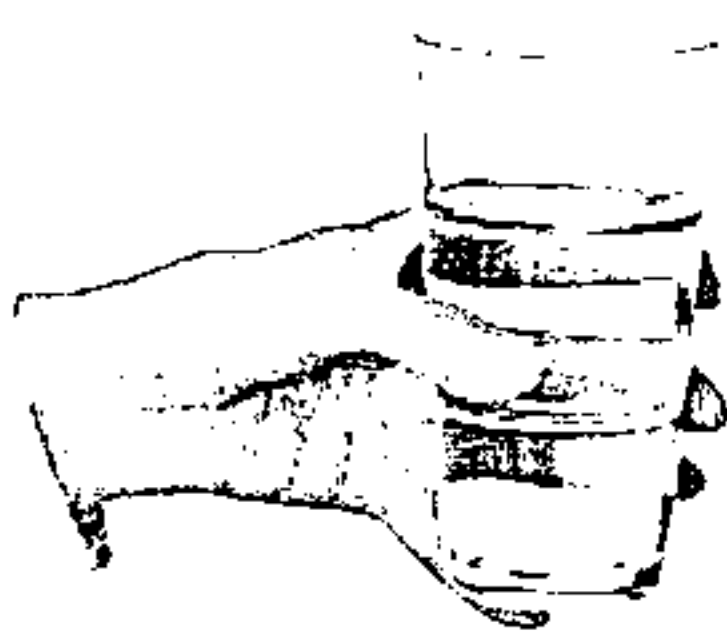
بالکل اسی طرح اگر ہم زندگی کے مشکلات اور تنگیوں کو اپنی اوپر سوار کریں اور انہیں اٹھائے رکھیں تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان مشکلات کو سہارنا ہمارے بس میں نہیں ہوگا اور ان تنگیوں کا بوجھ بڑھ جائے گا۔ لہٰذا اس کا حل یہ ہے کہ ہم گلاس کو کچھ وقت کے لیے رکھ دیں اور اپنے ہاتھ کو آرام پہنچائیں اور پھر دوبارہ اٹھائیں تو گلاس کا اتنا وزن محسوس نہ ہوگا۔ اسی طرح زندگی کی تنگی اور مشکلات کو تھوڑی دیر کے لیے اپنے ذہن سے نکال دیں اور اس بوجھ کو اپنے سر سے اتار کر رکھ دیں تاکہ دوسرے وقت میں اس کے اٹھانے میں مشقت اور تھکاوٹ نہ ہو۔

لہٰذا جب آپ کام سے واپس آئیں تو کام کی مشکلات کو ہٹادیں۔ اسے گھر تک اپنے ساتھ مت لے جائیں کیونکہ یہی مشکلات کل آپ کا پھر انتظار کریں گی اور آپ میں اسے اٹھانے کی طاقت پیدا ہو جائے گی۔

مومن کبھی بھی ناامید نہیں ہوتا

14 آپ نے زندگی کے میدان میں کتنے ہی معذوروں، بیماروں اور شدید زخمیوں کو دیکھا ہوگا جو محض قوتِ ارادی اور ''امیدِ فردا'' (کل کی امید) کے بل پر باعزت اور طویل زندگی گزار گئے...... اور کتنے ہی گناہ گار ہیں جو توبہ کرنے کے بعد منصبِ ولایت وہدایت پر فائز ہوگئے...... کتنے ہی ناممکن معرکے تھے جو انسان نے چراغِ امید کی روشنی میں سر کر لئے۔

ان سارے کارناموں کا سہرا اس مذہب کے ماتھے پر بندھتا ہے جس نے محض ناامیدی سے بچنے کی ترغیب پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے۔
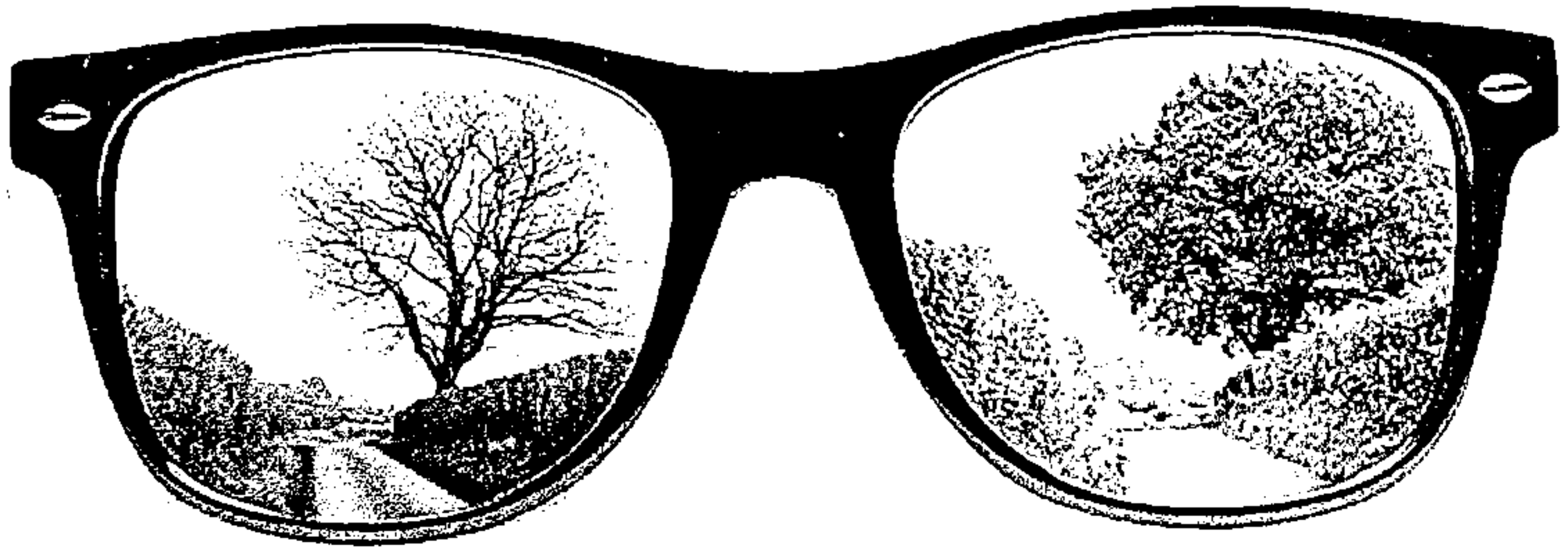
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
ایک شخص نے سوال کیا یارسول اللہ! کبائر گناہ کون سے ہیں؟
آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا۔''

مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ، كِتَابُ الإِيمَانِ، بَابٌ فِي الْكَبَائِرِ 137/1

حالات جو بھی پیش آئیں حقیقی مسلمان کبھی دل برداشتہ ہوکر نہ زندگی سے بیزار ہوتا ہے اور نہ ہی احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں کیسی ہی ناکامیاں کیوں نہ آئیں اور ظاہری اسباب کیسے ہی موافق کیوں نہ ہوں...... وہ کبھی بھی ناامید نہیں ہوتا...... وہ اجاڑ موسم میں بہار دیکھتا ہے...... تپتے صحرا میں آبشار کا تصور رکھتا ہے...... سوکھی ہوئی شاخ میں شجر سایہ دار دیکھتا ہے۔

ماہ نامہ آبِ حیات: صفحہ 61، ستمبر 2005ء(پریشان رہنا چھوڑ دیجئے 133 تا 135)

کیا آپ چیونٹی سے بھی گئے گزرے ہیں؟

کبھی آپ نے چیونٹی کے بارے میں غور کیا ہے۔ یہ اپنے وزن سے کئی گنا زائد وزن اٹھا کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتی ہے اور پھر راستے میں رکتی ہے اور نہ ہی آرام کرتی ہے، اگر اس کے راستے میں چٹانیں اور پہاڑ بھی آجائیں تو وہ اسی بوجھ سمیت پتھروں پر چڑھتی، اترتی، لڑھکتی، پھسلتی مگر مستقل مزاجی سے آگے ہی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے، اگر ایک راستہ بند ہو تو وہاں رک کر سوچتی نہیں بلکہ فوراً دوسرا راستہ اختیار کر لیتی ہے۔ چیونٹی رکنا تو جانتی ہی نہیں، اس کی زبان میں رکنے کا مطلب ناکامی ہے اور ناکامی کا مطلب موت ہے یعنی چیونٹی کی زبان میں رکنے کا مطلب اس کی موت ہے اس لئے وہ ہمیشہ کامیاب اور سرخرو ہونے کی کوشش کرتی ہے

تو کیا انسان ایک چیونٹی سے بھی گیا گزرا ہے؟
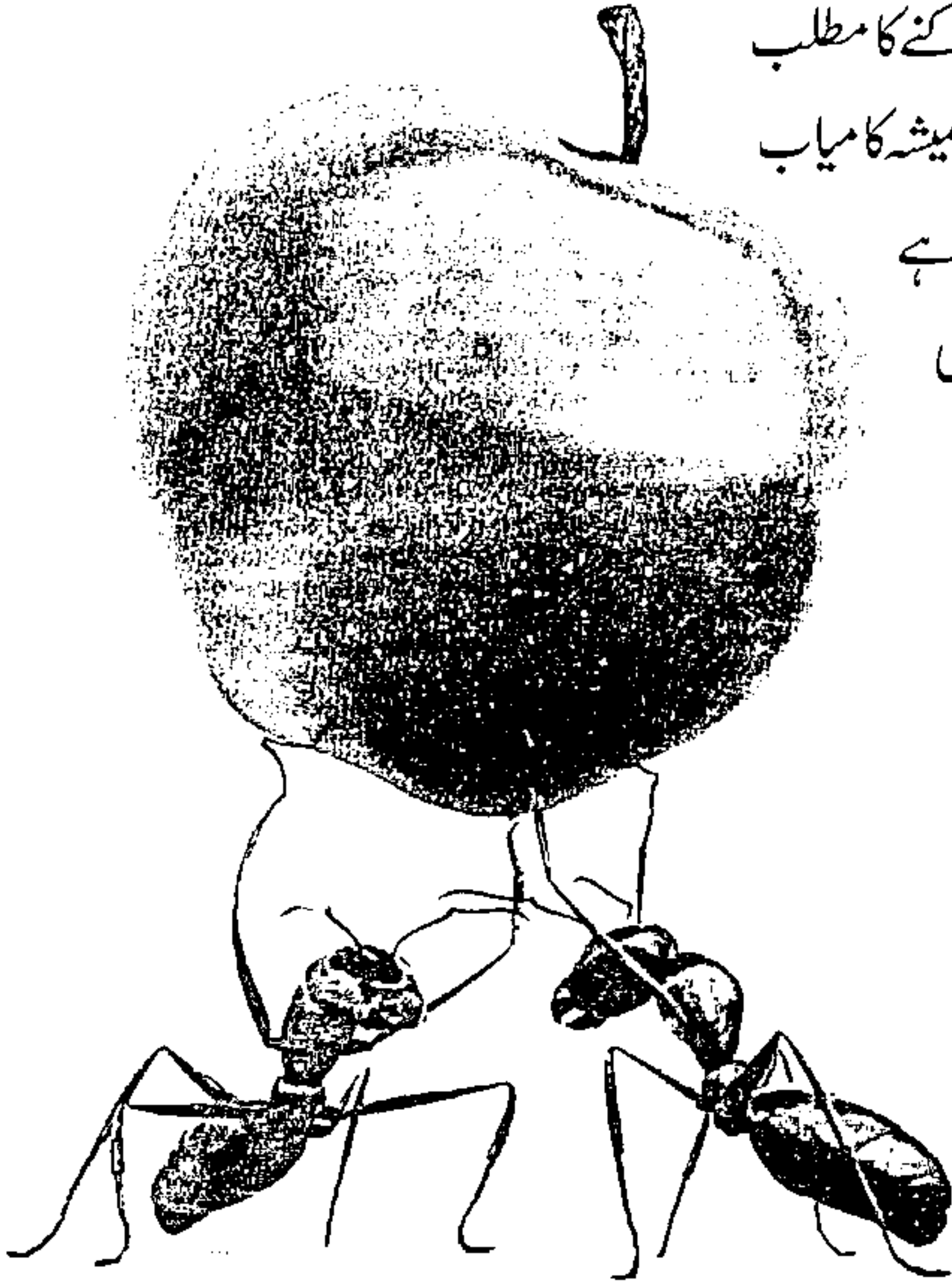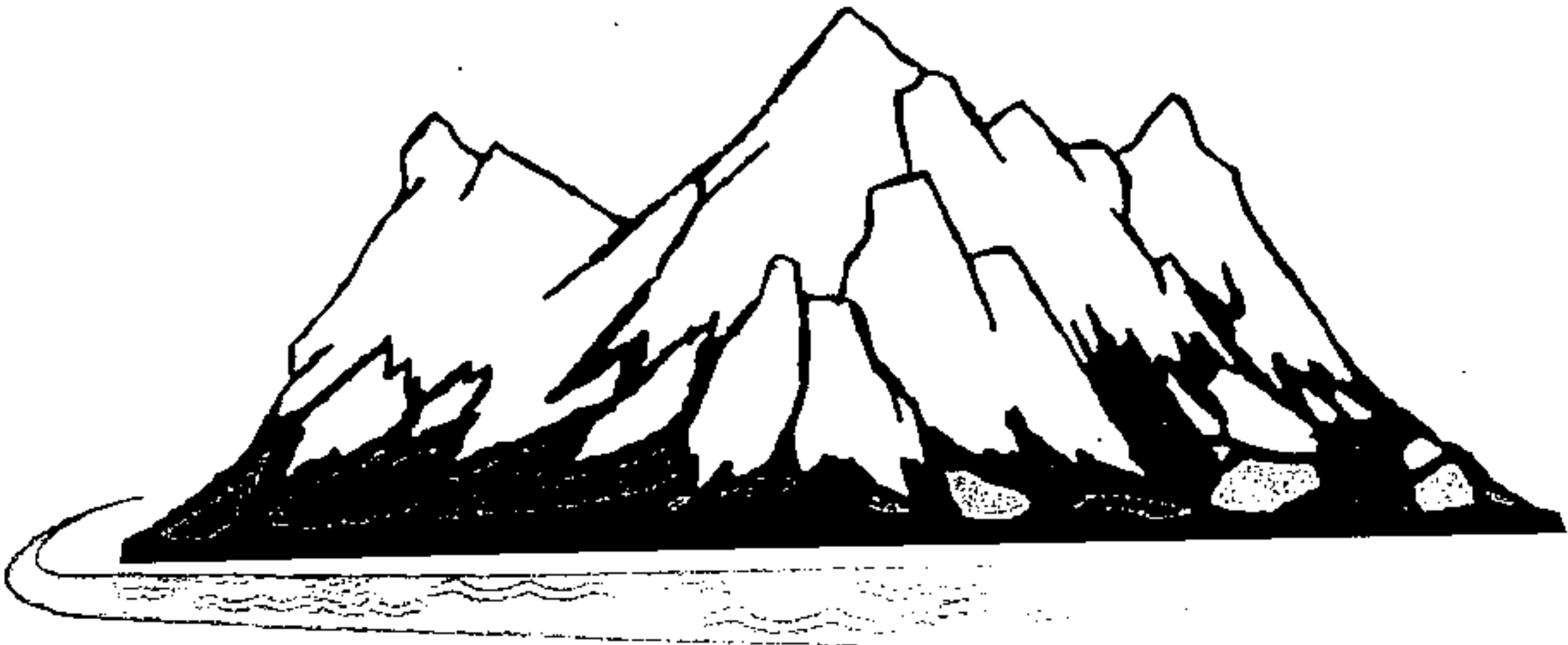
پہاڑ سے زیادہ مضبوط انسانی عزم ہوتا ہے

13 علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّ رَجُلاً وَقَفَ أَمَامَ جَبَلٍ وَ عَزَمَ عَلَىٰ إِزَالَتِهِ لَأَزَالَهُ

''اگر کوئی شخص پہاڑ کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اسے وہاں سے ہٹانے کا عزم کرلے تو وہ ضرور اپنے مقصد کامیاب ہو جائے گا جبکہ حضرت علیؓ کا فرمان ہے:

جس کام کا بھی کوئی شخص تہیہ اور عزم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے عطا فرما دیتے ہیں یا اس کے قریب پہنچا دیتے ہیں۔
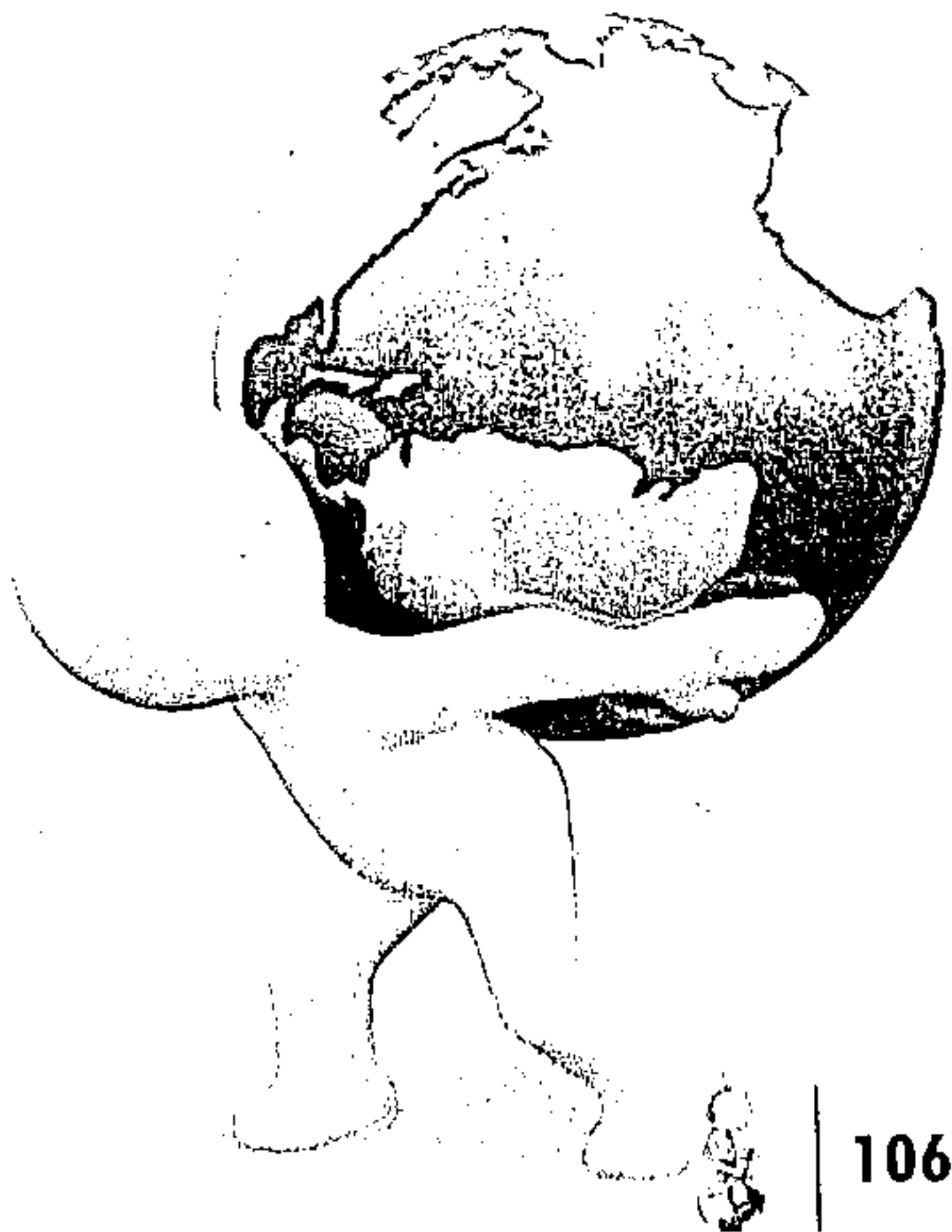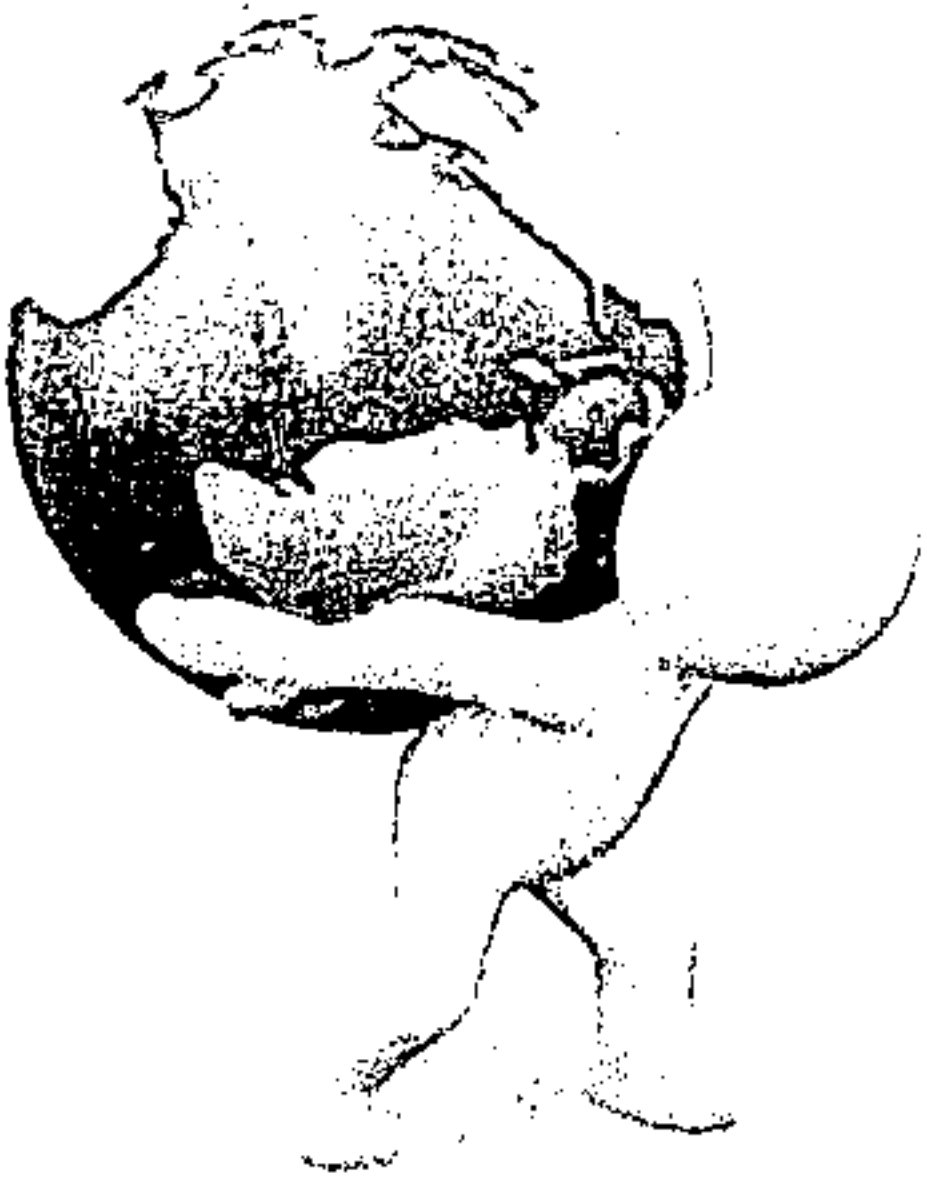
معذوری میری ٹانگوں میں ہے دماغ میں نہیں

16 ”میں ٹوکیو میں ایک امریکی سے ملا جسے فالج نے دونوں ٹانگوں سے معذور کر دیا تھا لیکن وہ اس معذوری کے باوجود وہیل چیئر پر ساری دنیا گھومنے کو نکل پڑا تھا وہ میرے لیے ایک متاثر کن آدمی تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کوئی بھی شے اُسے مات نہیں دے سکی۔ اس کا جواب شاندار تھا وہ بولا:

”معذوری میری ٹانگوں میں ہے دماغ میں نہیں“ (بحوالہ کامیابی 51)
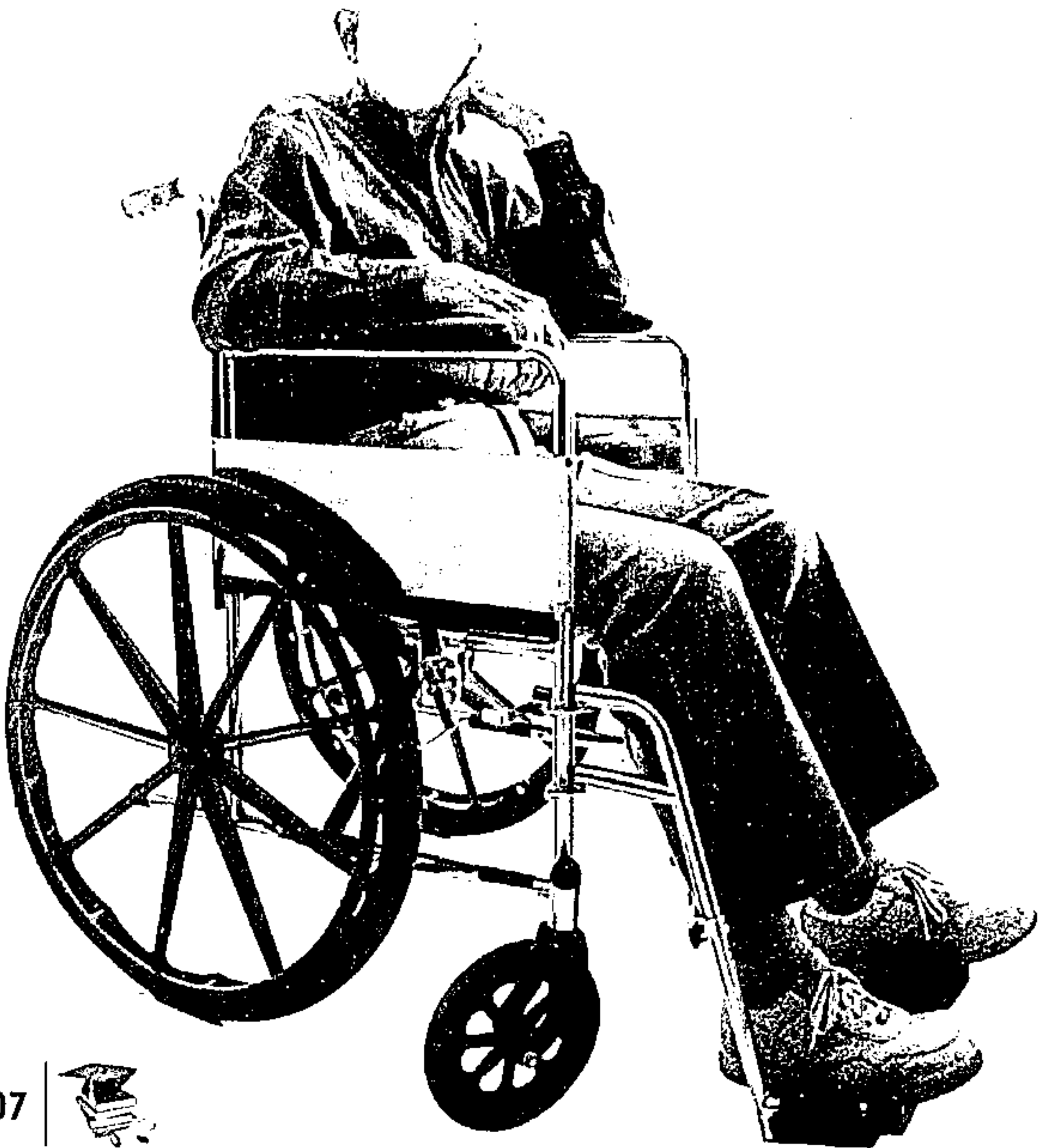
مثبت سوچ کا پھل ضرور ملتا ہے
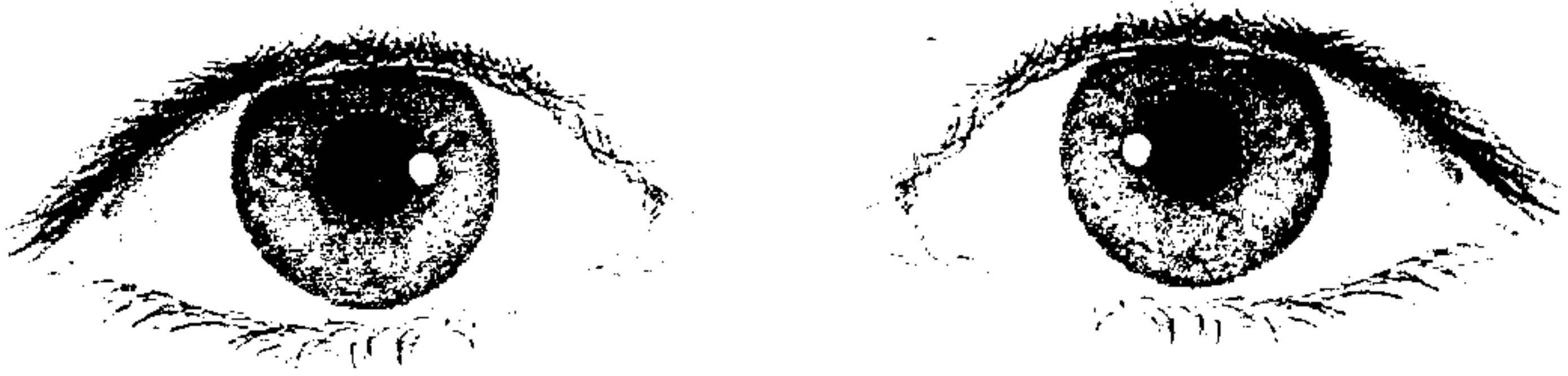
17 ایک اندھے آدمی نے کہا ''جب میں آنکھوں سے محروم ہوا تو میں نے سوچا کہ میں دکھوں کی تاریکی میں ڈوب جاؤں گا۔ لیکن اب میں آنکھوں کے بغیر بھی خوش ہوں کیونکہ بہت سے دکھ آنکھوں کے راستے میرے دل میں داخل ہوتے تھے میں لوگوں کے خوبصورت چہرے دیکھ کر اپنی شکل وصورت پر کڑھتا تھا۔

بہت سے مسحور کن خیالات لوگوں کے دماغ میں اندھیرے میں آتے ہیں کیا آپ دعا مانگتے ہوئے اپنی آنکھیں بند نہیں کرتے''۔ اس اندھے آدمی نے بینائی کے بغیر زندگی کی تصویر کو عکس کرنا سیکھا۔ آپ اس وقت تک اپاہج نہیں ہیں جب تک آپ خود کو ایسا محسوس نہ کریں۔

(بحوالہ کامیابی 77)

زندگی تصور سے بھی زیادہ چھوٹی ہے، اس لیے غم نہ کیجئے

18 ڈیل کارنیگی نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے جس کی آنتوں میں زخم ہوگئے تھے، اس کی خطرناک حالت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ ڈاکٹروں نے اس کی موت کا وقت متعین کر کے اس کے کفن دفن کے انتظام کے لیے کہہ دیا تھا۔ کارنیگی لکھتا ہے کہ "اس نے اچانک ایک عجیب و غریب فیصلہ کیا اس نے اپنے دل میں کہا کہ دنیا میں تھوڑی سی مدت باقی ہے، لہٰذا مجھے بہر صورت اس زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہیے، میں نے کتنی بار تمنا کی کہ مرنے سے پہلے دنیا کا چکر لگا لوں تو یہی وہ وقت ہے جب میری یہ خواہش پوری ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس نے ٹکٹ خریدا، ڈاکٹروں کو بے چینی ہوئی انہوں نے کہا کہ ایسا اقدام مت کرو ورنہ سمندر میں ہی تمہیں دفن کرنا پڑے گا، لیکن اس نے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے عزیزوں کو وصیت کر دی ہے کہ میرا جسم فیملی قبرستان میں ہی رکھا جائے۔ ہیزی نے جہاز پر بیٹھ کر سفر شروع کر دیا۔

اس آدمی نے ہنسی خوشی اپنا سفر شروع کیا، جہاز سے اپنی بیوی کے نام خط میں لکھا کہ جہاز پر جو کچھ بھی لذیذ اور خوشگوار کھانے پینے کو مل رہا ہے وہ لے رہا ہوں حتیٰ کہ ممنوعہ چکنائی بھی خوب کھائی اور پوری زندگی میں اتنا لطف نہیں آیا جتنا اب آ رہا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ ڈیل کارنیگی بتاتا ہے کہ آدمی کی بیماری ختم ہوگئی، آلام و امراض پر غلبہ پانے اور کنٹرول کرنے کے لیے کارنیگی نے اسی طریقہ کو کامیاب قرار دیا ہے!! مقصود قصہ کا یہ ہے کہ خوشی و مسرت بہت سی جڑی بوٹیوں سے زیادہ کارگر اور سود مند ہوتی ہے۔

(لاتحذن 147)

کامیابی کیسے حاصل ہوتی ہے؟

19 کامیابی حاصل کرنے والا ہر آدمی بہت دفعہ ناکامی کا سامنا کر چکا ہوتا ہے مگر اس نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی ہوتی، اس لئے آخر کار وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ جسٹن (Justin)

20 کامیابی کے مسئلہ کا مستقل مزاجی سے بڑا گہرا تعلق ہے جبکہ عام طور پر لوگ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ (ولیم میزر)

21 ارادے سے ہر ناممکن چیز بھی وجود میں آ جاتی ہے۔ عظیم لوگوں اور معمولی لوگوں میں فرق اور پہچان بھی یہی ہے۔ (تھامس ملر)

22 اپنی ناکامیوں کو اپنی ترقی اور بلندی پر چڑھنے کا زینے اور بنا ڈالو۔ (جیک بین)

23 جو لوگ اپنے مشن پر ڈٹ جاتے ہیں، انہیں وہیں سے کامیابی مل جاتی ہے جہاں سے دوسروں کو ناکامی ملی تھی۔ (ایڈورڈ گلسٹن)
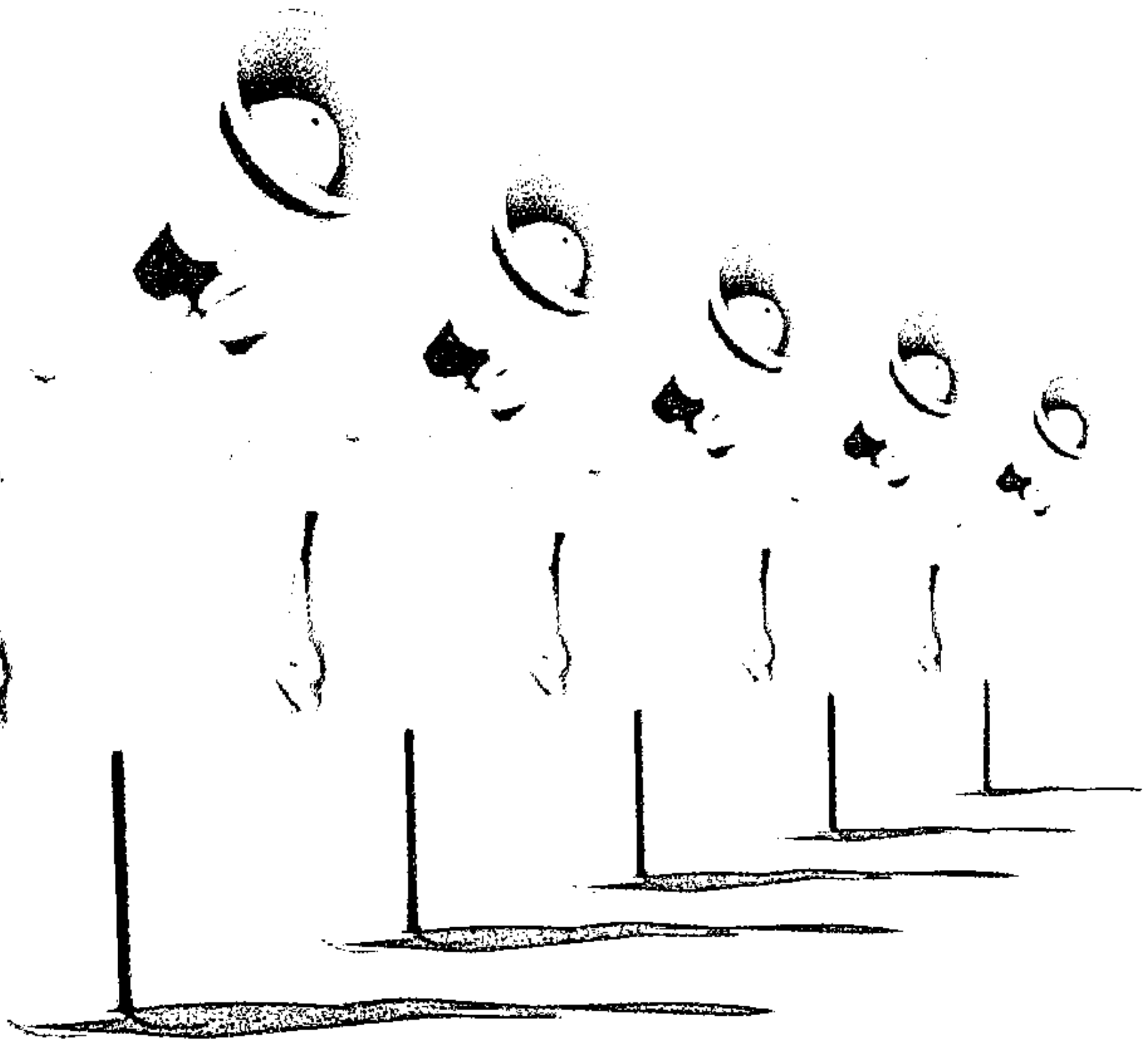
27 مائیکروسافٹ کے سربراہ بل گیٹس کو صرف ایک دن میں سات ملین ڈالر کا خسارہ ہوا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی کوششیں جاری رکھیں، جس کی وجہ سے نہ صرف اس نے اپنا خسارہ پورا کرلیا بلکہ آج دنیا کا امیر ترین آدمی بن چکا ہے۔

28 ذرا ابراھام لنکن کو دیکھئے، اسے 17 بار انتخابات میں شکست ہوئی مگر وہ نجانے کس مٹی کا بنا تھا، اس نے پھر بھی محنت اور اپنی کوشش جاری رکھی اور امریکہ کا مشہور اور نمایاں ترین صدر بن گیا، اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال ہوچکی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ جب آدمی کو کامیابی مل جائے تو ساری ناکامیاں خودبخود مٹ جاتی ہیں۔ اس طرح گنتی کے لوگوں کو چھوڑ کر ہر آدمی کو ناکامی کے بعد ہی کامیابی ملتی ہے تو آپ بھی اٹھئے اور کمر کس لیجئے۔
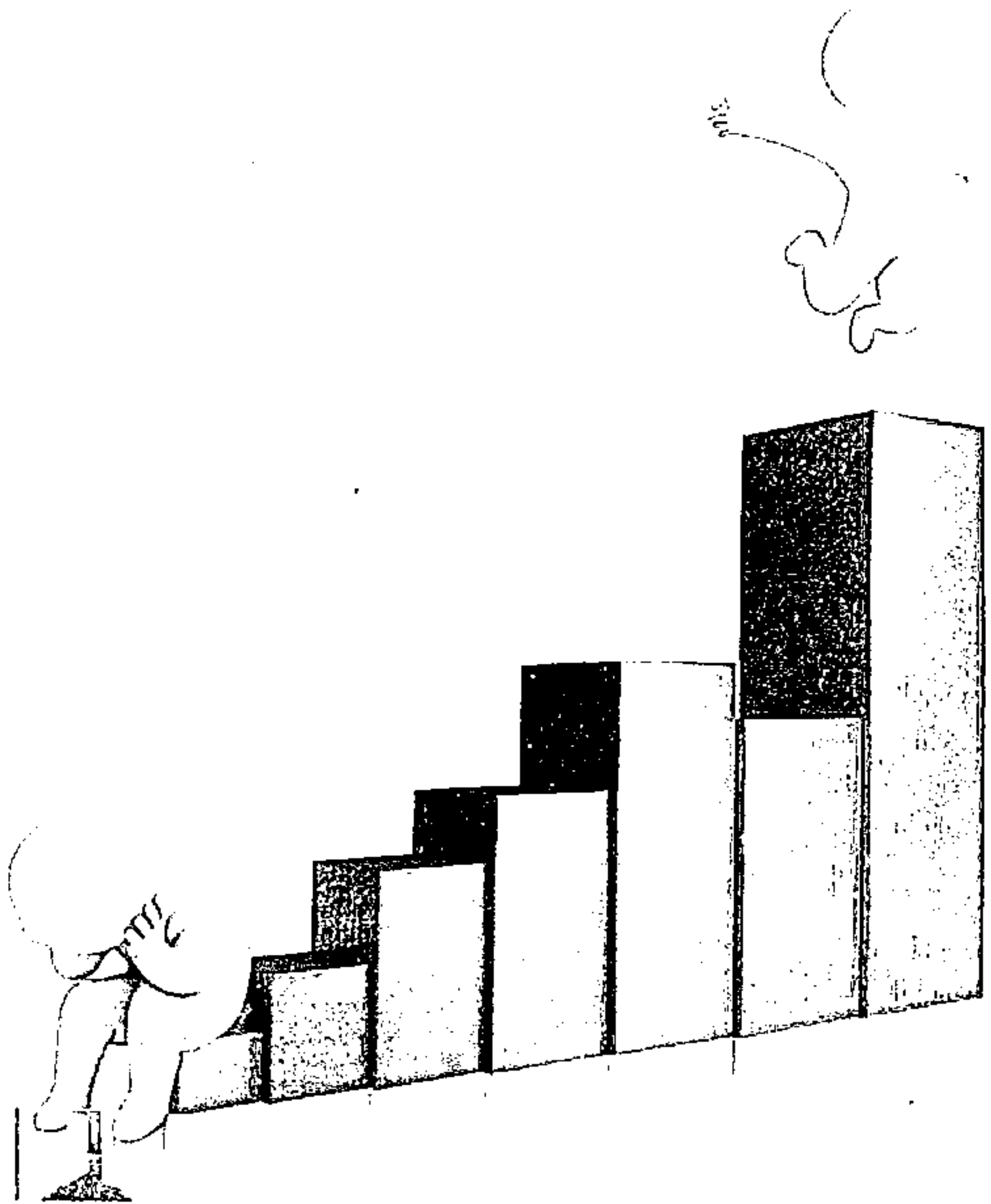
ٹیم ورک کام کر کے آپ تیزی سے ترقی کر سکتے ہیں

ایڈیسن کی ورکشاپ میں 80 سے زیادہ محققین تھے جو اس کے تحقیقی کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتے تھے۔تب ہی یہ شخص 1097 ایجادات کرنے میں کامیاب ہوسکا۔اسی طرح مشہور مصری نژاد امریکی سائنسدان احمد زویل جسے 1999ء میں نوبل انعام ملا، کی ورکشاپ میں 150 محقق اور ریسرچر کام کرتے تھے اگر اس کے پاس یہ مددگار نہ ہوتے تو شاید وہ اپنے عظیم کارنامے سرانجام نہ دے سکتا۔اسی لئے یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ایک اکیلا ہوتا ہے اور ایک اور ایک گیارہ بھی ہوتے ہیں۔ٹیم ورک کی بدولت کوئی بھی کارنامہ سرانجام دینے میں سہولت اور آسانی رہتی ہے۔

TEAM
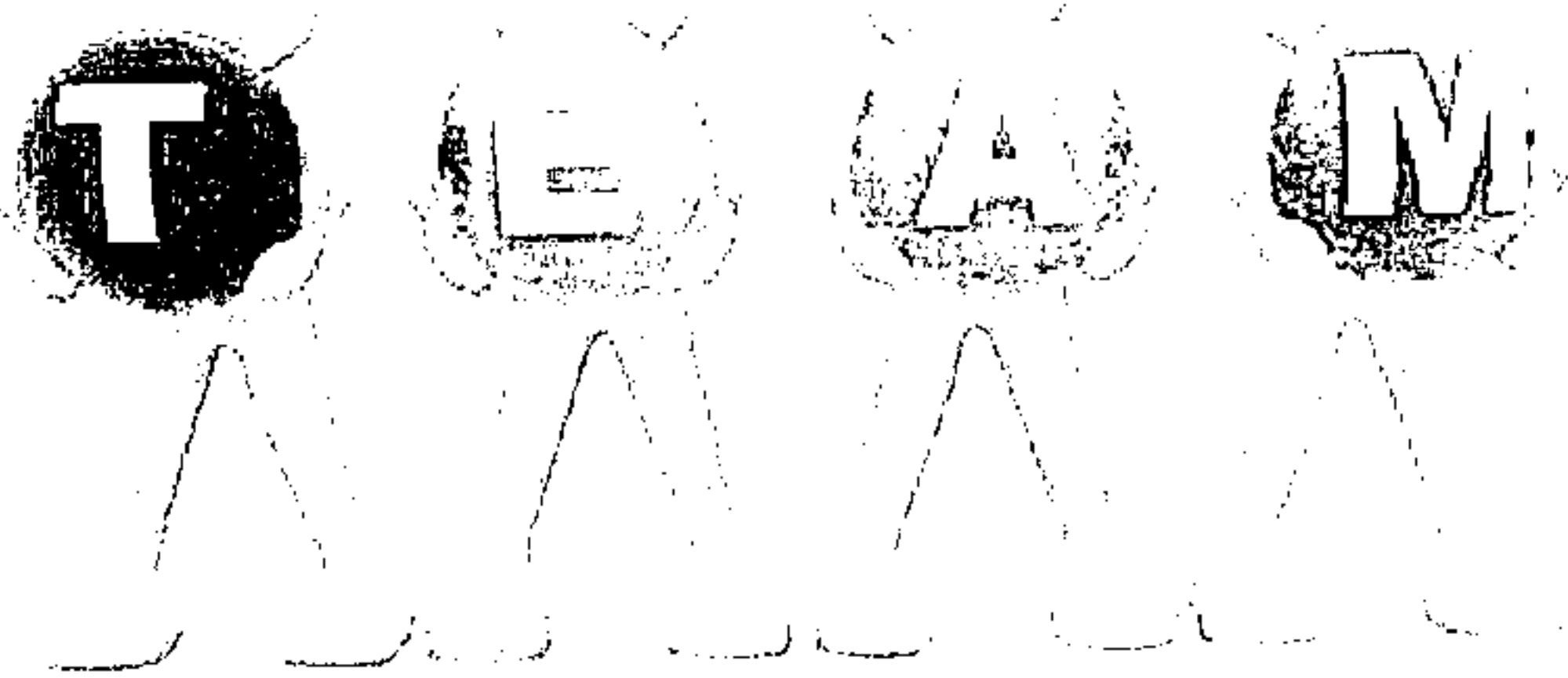
اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھیے!

27 ذیل میں ہم ان چند لوگوں کے اقوال اور حالات ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد اور یقین سے کام لیا اور کامیابی کے اعلیٰ مراتب کو حاصل کرلیا۔

غریب گھرانے کے لڑکے نے ڈاکٹر بن کر نوبل پرائز کیسے جیتا؟
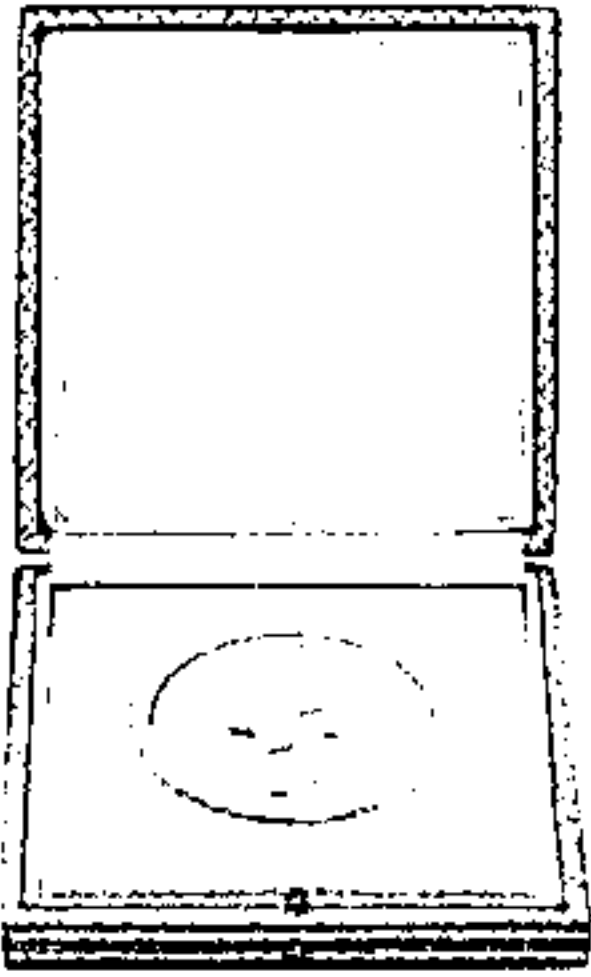
ڈاکٹر احمد زویل جنہوں نے 1999ء میں کیمسٹری میں نوبل انعام حاصل کیا، وہ بچپن ہی سے جب وہ اسکول میں پڑھتے تھے اپنی کاپیوں اور اپنے کمرے کے دروازے پر ''ڈاکٹر'' لکھا کرتے تھے۔ ان کے والد بھی انہیں ''ڈاکٹر احمد'' کہہ کر پکارتے تھے۔آخر ایک دن وہ مشہور نوبل یافتہ ڈاکٹر بن گیا۔

بچپن میں وزیروں سے ملاقات رکھنے کا شوق پورا ہوا

28 مشہور عالم مصور ''لیونارڈ ڈیفنشی'' جب بارہ سال کا تھا تو اس نے خود سے مخاطب ہوکر اس بات کا پختہ عزم کیا تھا کہ ایک دن وہ ضرور دنیا کے عظیم مصوروں میں سے ایک عظیم مصور بنے گا، اور وہ دن ضرور آئے گا جب وہ بادشاہوں کے درمیان چلے گا اور وزیروں کے ساتھ بیٹھے گا۔پھر دنیا نے دیکھا کہ وزیر اس سے ملنے کیلئے آتے ہر جگہ اس کی عزت ہوتی

29 مشہور سائنس دان ''پیسٹر'' کہتا ہے:

''مجھے اجازت دو کہ میں وہ راز افشا کر دوں جس نے مجھے اپنی منزل تک پہنچا دیا ہے، وہ راز بس میری وہ طاقت ہے جو میری سخت جان طبیعت اور میری لگاتار کوششوں میں پوشیدہ ہے۔''
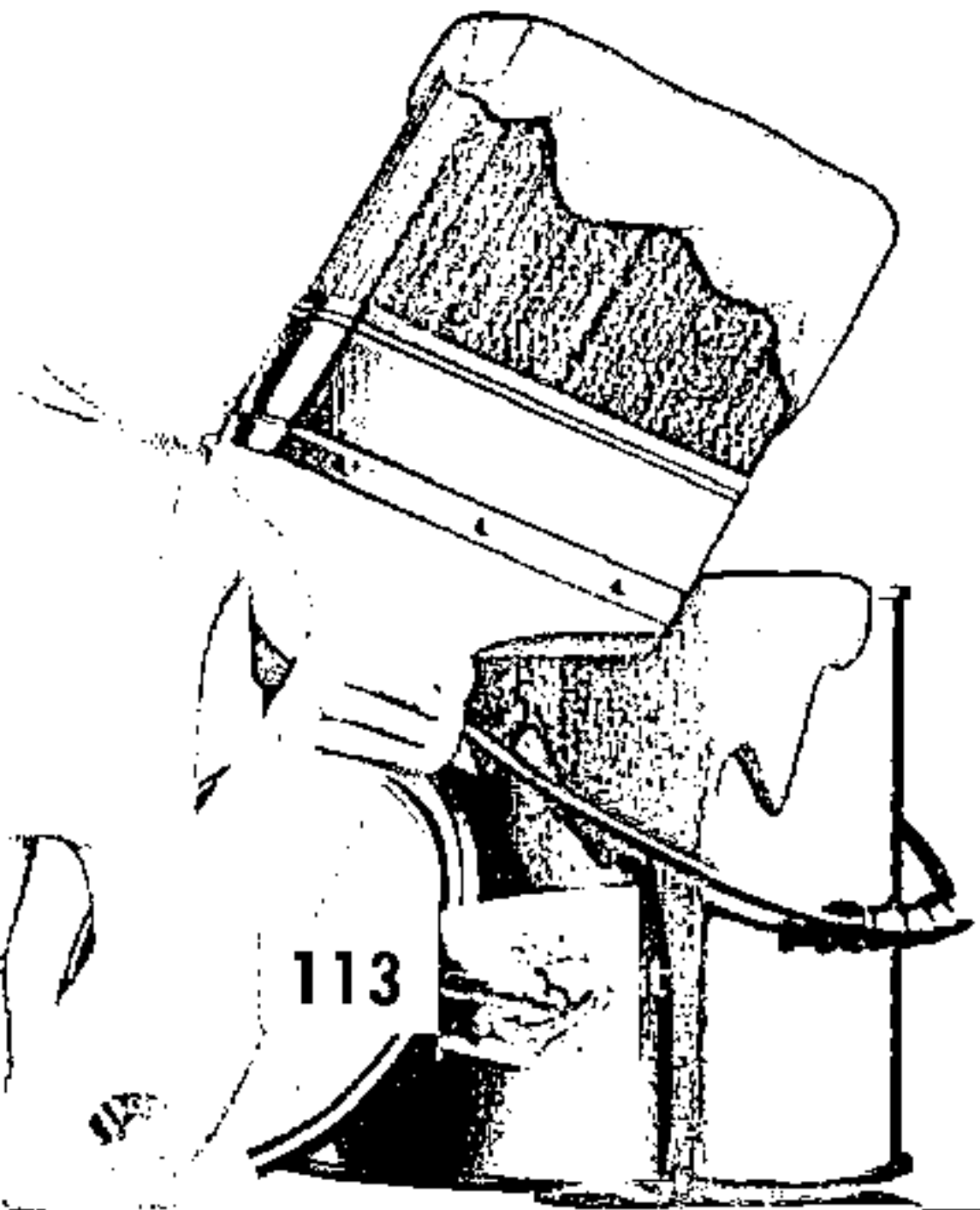
ہمت کر کے ناکامی کے تالے کو کامیابی کی چابی سے کھولئے

30 ونسٹن چرچل کہتا ہے:

''خبردار! ہرگز ہرگز کبھی بھی راہِ فرار اختیار نہیں کرنا۔''

یاد رہے! یہ وہی ''ونسٹن چرچل'' ہے جو اسکول کی چھٹی کلاس میں فیل ہوگیا تھا اور اپنی کلاس کے سب سے سست ترین بچوں میں شمار ہوتا تھا۔

31 ''ولیم جیمس'' جسے جدید علم نفسیات کا بانی سمجھا جاتا ہے کہتے ہیں:

''دنیا کے عظیم ترین انسانوں اور عام لوگوں کے درمیان فرق اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ عظیم انسان کسی اضافی انوکھی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں یا وہ غیر معمولی فطری ذہانت کے مالک ہوتے ہیں، بلکہ یہ فرق ان کے بلند اہداف اور اعلیٰ مقاصد کی وجہ سے ہوتا ہے جن میں وہ اپنی صلاحیتیں کھپاتے ہیں اور ان کی اس درجہ کی یکسوئی کی بنیاد پر ہوتا ہے جو اہداف اور مقاصد کے حصول پر مرکوز رہتی ہے۔''

32 ''محمد فاتح'' کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جب ''قسطنطنیہ'' پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے تو اکثر اوقات ان کی نیند اپنے بنائے ہوئے جنگی نقشوں ہی پر ہوجاتی تھی۔

شاید اب آپ نے جان لیا ہوگا کہ یہ لوگ عظیم کیسے بنے؟

کامیاب بننے کے لئے زبان سے میٹھے بول کی عادت ڈالیں

33 مشکلات کی سختی اور مصیبتوں کی شدت کم کرنے کے لئے ایک مخلص دوست کی ضرورت ہوگی جو ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔ایسے دوست کا ساتھ ہی دل کو کافی ڈھارس بندھا دیتا ہے۔فرض کریں کہ آپ سمندر میں کشتی پر سوار ہیں۔اگر آپ اکیلے سفر کر رہے ہیں تو جلد ہی آپ وحشت کا شکار ہو جائیں گے اور سفر سے اکتا جائیں گے۔

طبیعت پریشان سی ہو جائے گی لیکن اگر اس وقت آپ کے ساتھ ایک مخلص دوست ہے وہ اگر چہ آپ کی کشتی چلانا نہ بھی جانتا ہو مگر آپ کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرے تو دل کو ڈھارس بندھی رہتی ہے اگر وہ آپ سے چند میٹھے بول بولتا ہے کہ آپ بہت اچھی کشتی چلا رہے ہیں تو وہ صرف یہ لفظ ہی نہیں بول رہا بلکہ آپ پر جادو کر رہا ہے۔ان الفاظ میں جادوئی تاثیر سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ایک ہنستے مسکراتے آدمی کو دو چار گالیاں دے دی جائیں وہ فوراً آگ بگولہ ہو جائے گا۔آخر کیوں؟اس لئے کہ الفاظ اور بول میں جادو ہوتا ہے جس طرح یہ آگ لگا سکتے ہیں، آگ بجھا بھی سکتے ہیں۔

خون گرما بھی سکتے ہیں، جذبات بھڑکا بھی سکتے ہیں اور ٹھنڈے اور بے قرار بھی کر سکتے ہیں تو جب غموں اور فکروں سے دل ڈوبا جا رہا ہو تو ایسے وقت میں دوست کے چند بول اور جملے بھی باد نسیم کا کام کر جاتے ہیں جس سے روح تک کھل اٹھتی ہے، زندگی نام ہی مشکلات اور غموں کا ہے۔جبکہ کامیابی ان کا مقابلہ کرنے کا نام ہے۔
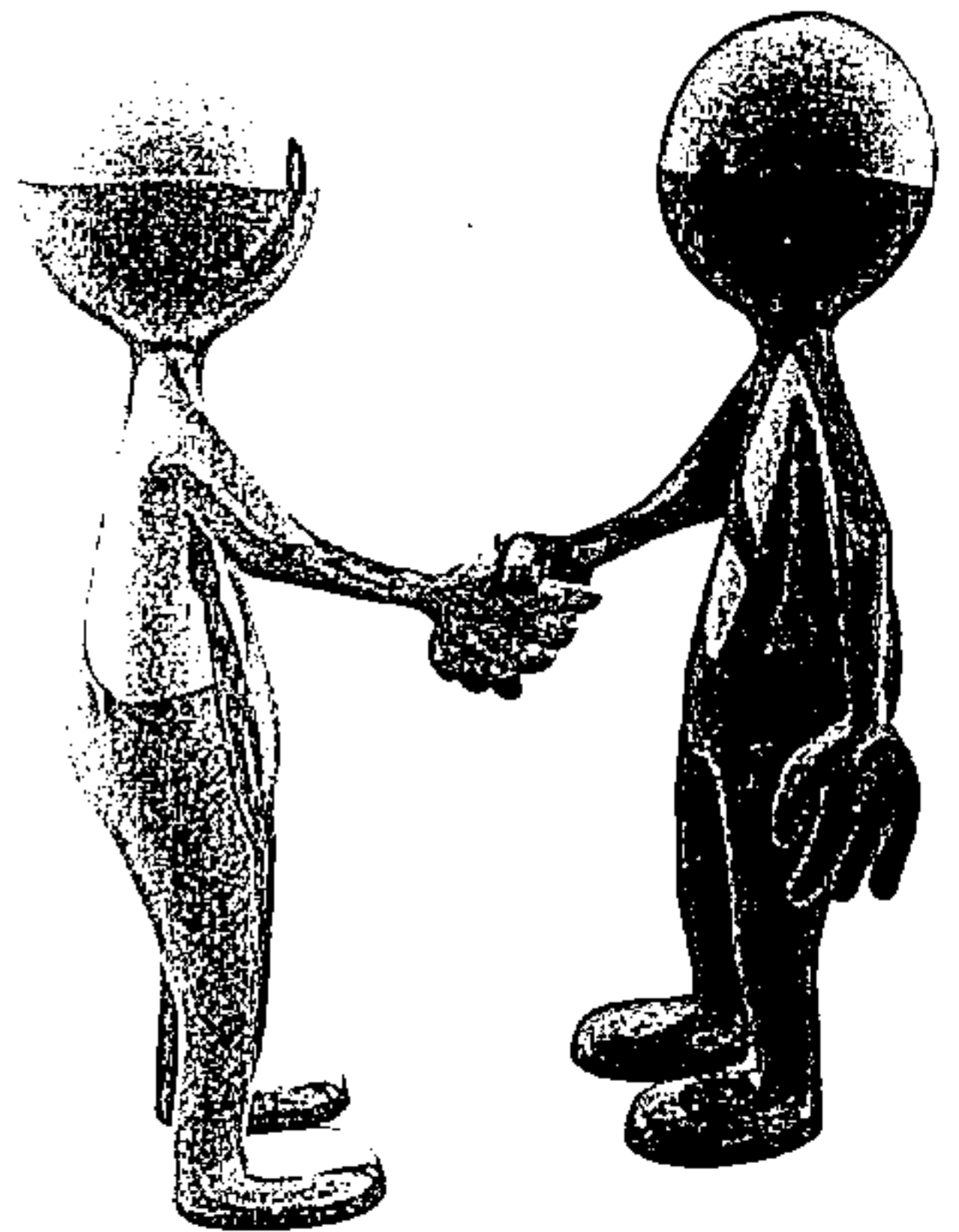
زندگی کے اس سفر میں اپنا کوئی خیر خواہ چننا چاہئے جو مشکل وقت میں آپ کا ساتھی بن سکے۔ ذرا فخر کائنات اور سرور انبیاء ﷺ کی زندگی کو ملاحظہ کریں۔ جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید قسم کی گھبراہٹ طاری ہوئی، دل کانپنے لگا تو حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمانے لگے۔

زَمِّلُوْنِيْ، زَمِّلُوْنِيْ "مجھے کمبل اوڑھادو مجھے کمبل اوڑھادو"

اور پھر اس موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس بے مثال انداز اور الفاظ میں انہیں تسلی دی وہ بھی تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں ان الفاظ کا فوری نفسیاتی اثر ہوا اور حضور ﷺ سے گھبراہٹ ختم ہونے لگی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

كَلَّا، أَبْشِرْ، فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا؛ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ

"ہرگز نہیں خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بے سہارا نہیں ہونے دے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بات بولتے ہیں، لوگوں کی مدد کرتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور مشکلات میں مدد فرماتے ہیں"

حضرت خدیجہؓ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس بھی لے گئیں۔ کہتے ہیں کہ اکیلی ذات خدا کی اچھی ہے۔ باقی اکیلا کوئی بھی اچھا نہیں۔ اس لئے مخلص دوست کا انتخاب ضرور کرنا چاہئے مگر یاد رہے کہ ہر مسکرا کر بات کرنے والا دوستی کے قابل نہیں ہوتا۔ دوست کی پہچان اس وقت ہوگی جب اس کو غصے کے وقت پرکھا جائے۔
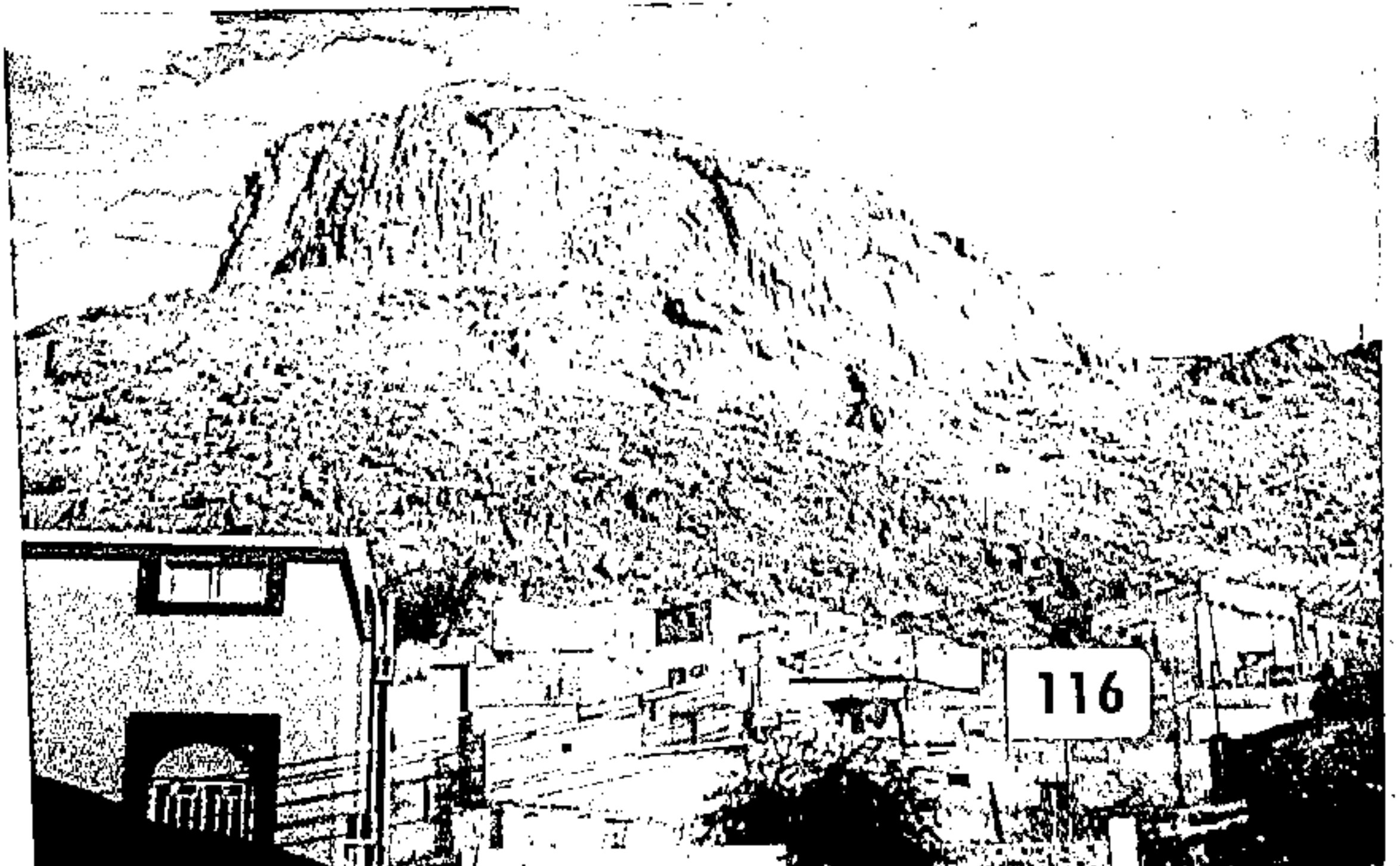
کم ہمت لوگوں سے دور رہیں

34 ایک دانش مند کا مقولہ ہے: ''لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک لنگر کی مانند لوگ، دوسرے انجن کی مانند۔ آپ کو چاہیے کہ آپ پہلی قسم کے لوگوں سے دور رہیں اور دوسری قسم کے لوگوں سے تعلق استوار کریں، کیونکہ دوسری قسم کے لوگ اپنے ہدف کی طرف رواں دواں رہتے ہیں اور زندگی کے خوب مزے لوٹتے ہیں جبکہ پہلی قسم کے لوگ آپ کو ہمیشہ نیچے دھکیلیں گے۔''

یہ بات یاد رکھیں کہ ''نہیں'' کا لفظ آپ کے مقصد کے حصول کی راہ میں ہمیشہ ''ہاں'' کا انجام دے، آپ کسی کی بھی حوصلہ شکن بات کو آسانی سے ہرگز تسلیم نہ کریں، آپ کے بہت سے قریبی عزیز اور دوست آپ سے کہیں گے: ''اُحْصُلْ عَلٰی وَظِیْفَۃ حَقِیْقِیَۃ'' بس اپنے واجبی کام کو انجام دو، حقیقت پسندی سے کام لو، اپنی موجودہ ذمہ داریوں پر توجہ دو۔ اس وقت آپ یہ سوچ لینا کہ میرے خوابوں کی تعبیر ہی میری حقیقی ذمہ داری ہے۔

اب آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے ارد گرد کس قسم کے دوست ہیں؟ انہیں اچھی طرح پہچانیئے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کیجیے کہ آیا وہ لنگر کی طرح ہیں یا انجن کی طرح؟
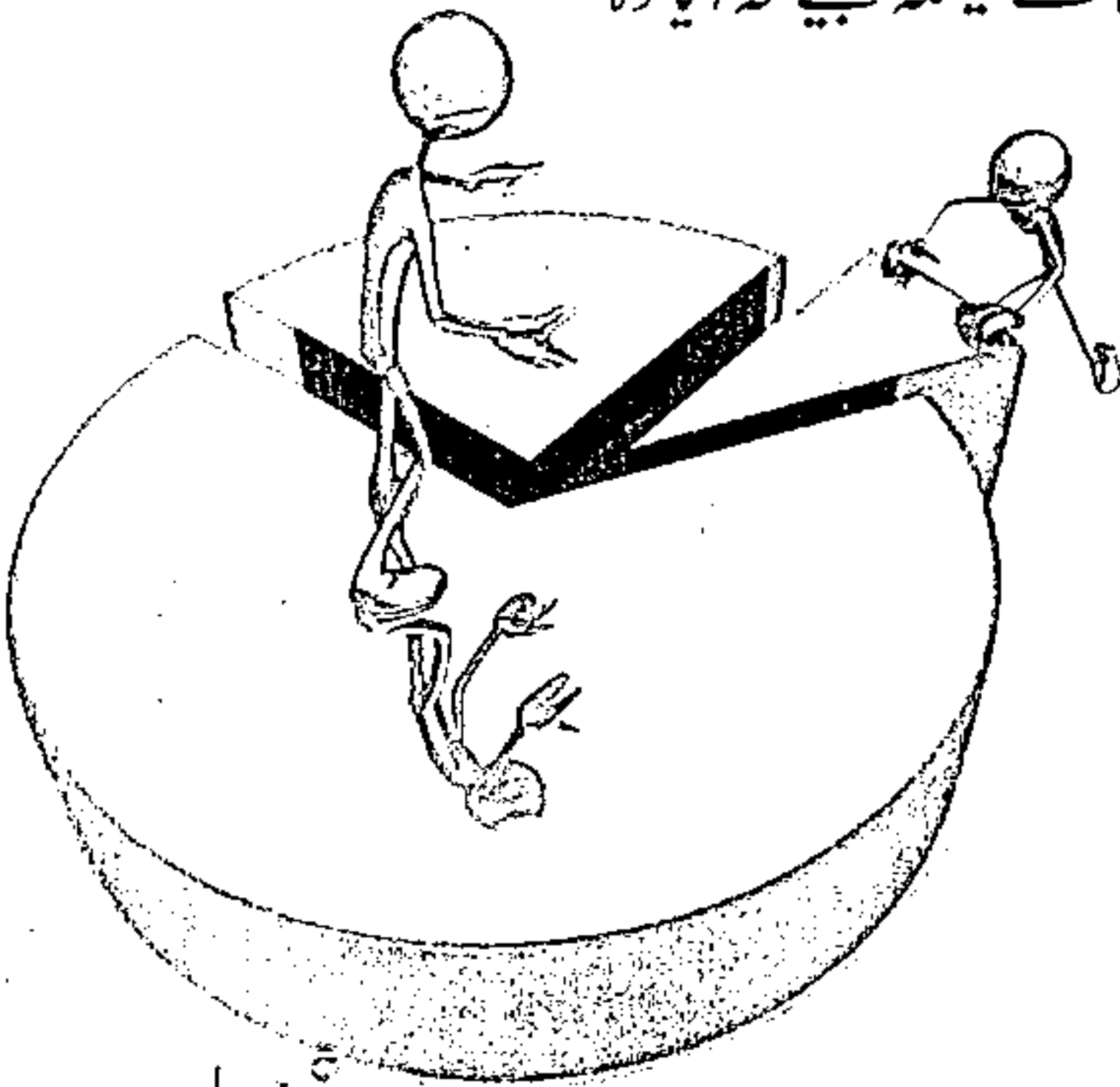
ناکامی ایجاد کی ماں ہے

35 چارلز اسٹرائٹ کے کارخانے میں واقع کینٹین میں مسلسل کئی دن تک روٹی جل جانے پر چارلز کو بہت غصہ آیا اور اس کا حل سوچنے لگا۔
چند ناکامیوں کے بعد آخر کار وہ الیکٹرونک ٹوسٹر بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ مشہور کمپنی ہملٹن کریڈٹ کارپوریشن (Hamilton Credit Corporation) کے سربراہ مک نمارا (Mc Namara) نے ایک بار ایک ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد جب بل ادا کرنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو پتہ چلا کہ وہ اپنا بٹوہ گھر بھول گئے ہیں، اس پر انہوں نے پلاسٹک منی (کریڈٹ کارڈ) کا طریقہ ایجاد کرلیا۔ انسان کو ناکامیوں پر مایوس ہونے کے بجائے ان سے سیکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک دن ایڈیسن گھر سے اپنی ورکشاپ جا رہا تھا کہ اسے پتہ چلا کہ اس کی ساری ورکشاپ مکمل طور پر جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکی ہے۔ اس کا ایک شاگرد دوڑتا ہوا آیا اور اس کو اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع دی اور پوچھنے لگا کہ "اب ہم کیا کریں گے، ہماری ساری محنت اور سارا سرمایہ تو ضائع ہوگیا ہے۔" ایڈیسن انتہائی پرسکون انداز میں بولا، اپنی ورکشاپ کو جدید انداز سے بنانے کا کیا خوب صورت موقع ہاتھ آیا ہے، اب ہم پہلے سے بہتر انداز میں اپنی ورکشاپ بنائیں گے۔
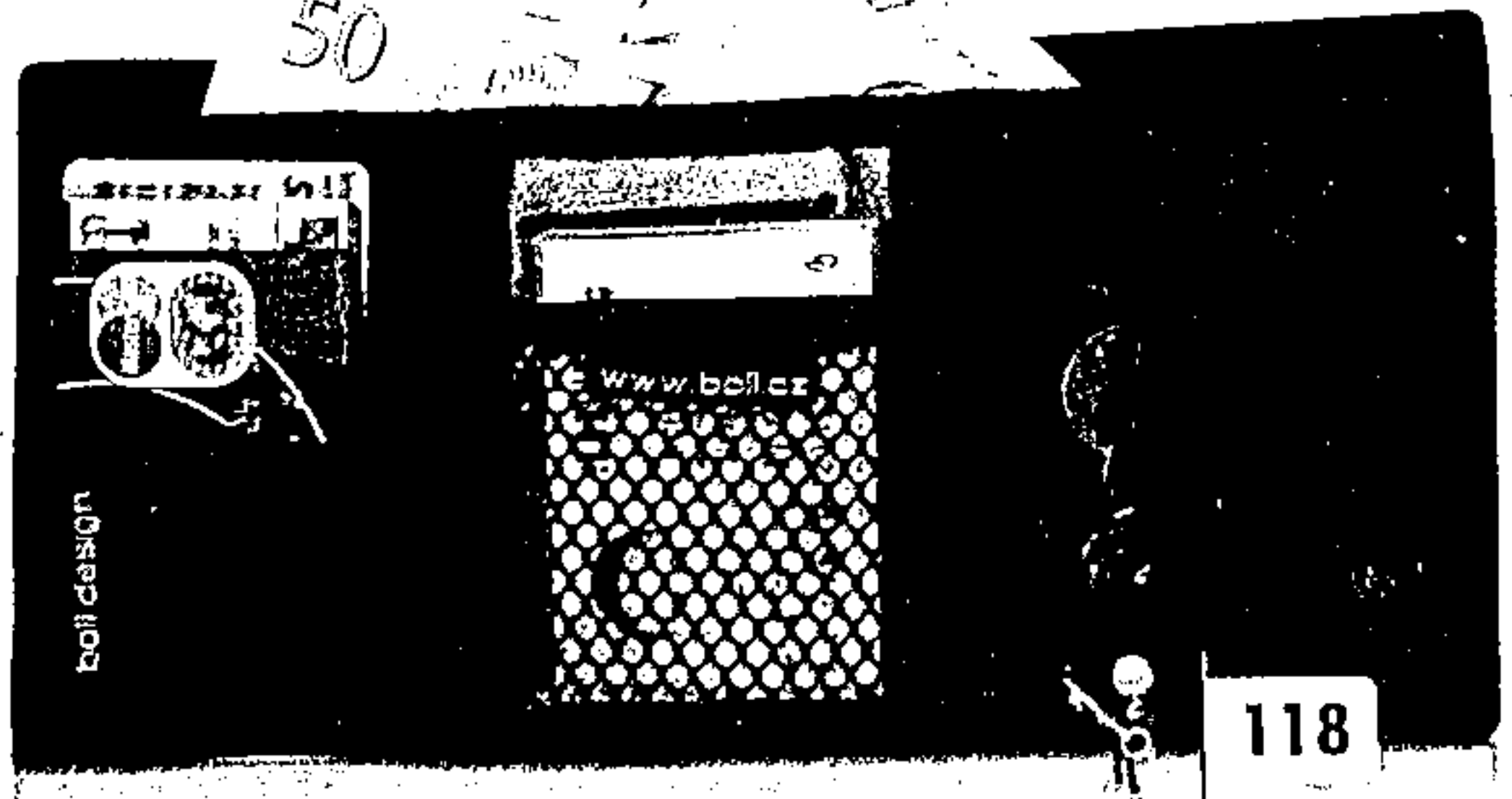
باب نمبر 9

بُلند ہمتی اختیار کیجئے

انسان اگر یہ خیال کرے کہ میں تو چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے پیدا ہوا ہوں تو وہ چھوٹے کام ہی کرے گا، لیکن اگر انسان یہ سوچے کہ میں بڑے بڑے کاموں کے لیے پیدا ہوا ہوں تو اپنے اندر اسی قدر ہمت اور حوصلہ محسوس کرے گا۔

جیسا کہ سو میٹر کی دوڑ میں حصہ لینے والا کھلاڑی سو میٹر دوڑنے کے بعد تھک جاتا ہے اور وہ کھلاڑی جو چار سو میٹر کی دوڑ میں حصہ لے، وہ سو میٹر پر نہیں تھکتا بل کہ دو سو یا تین سو میٹر پر تھکتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کے اندر کم ہمتی یا بلند ہمتی اس کے عزم و ارادہ کے بقدر ہوتی ہے۔انسان کا ارادہ اگر مضبوط ہو اور نیت سچی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی طاقت رکھی ہے، کسی دانا کا قول ہے:

اِرَادَةٌ تُكَسِّرُ الْحَدِيْدَ:

ترجمہ: ''مضبوط ارادہ لوہے کو بھی توڑ دیتا ہے۔''

یعنی انسان اگر مضبوط اور پختہ ارادہ سے کام لے تو وہ اللہ کے حکم سے لوہے کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا ہے، لیکن اس کے لئے پہلے بلند ہمتی کو اختیار کرنا ہوگا، تب ہی انسان ایسا ارادہ کرسکے گا جو لوہے کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

1 2 3 4 5 6 7 8
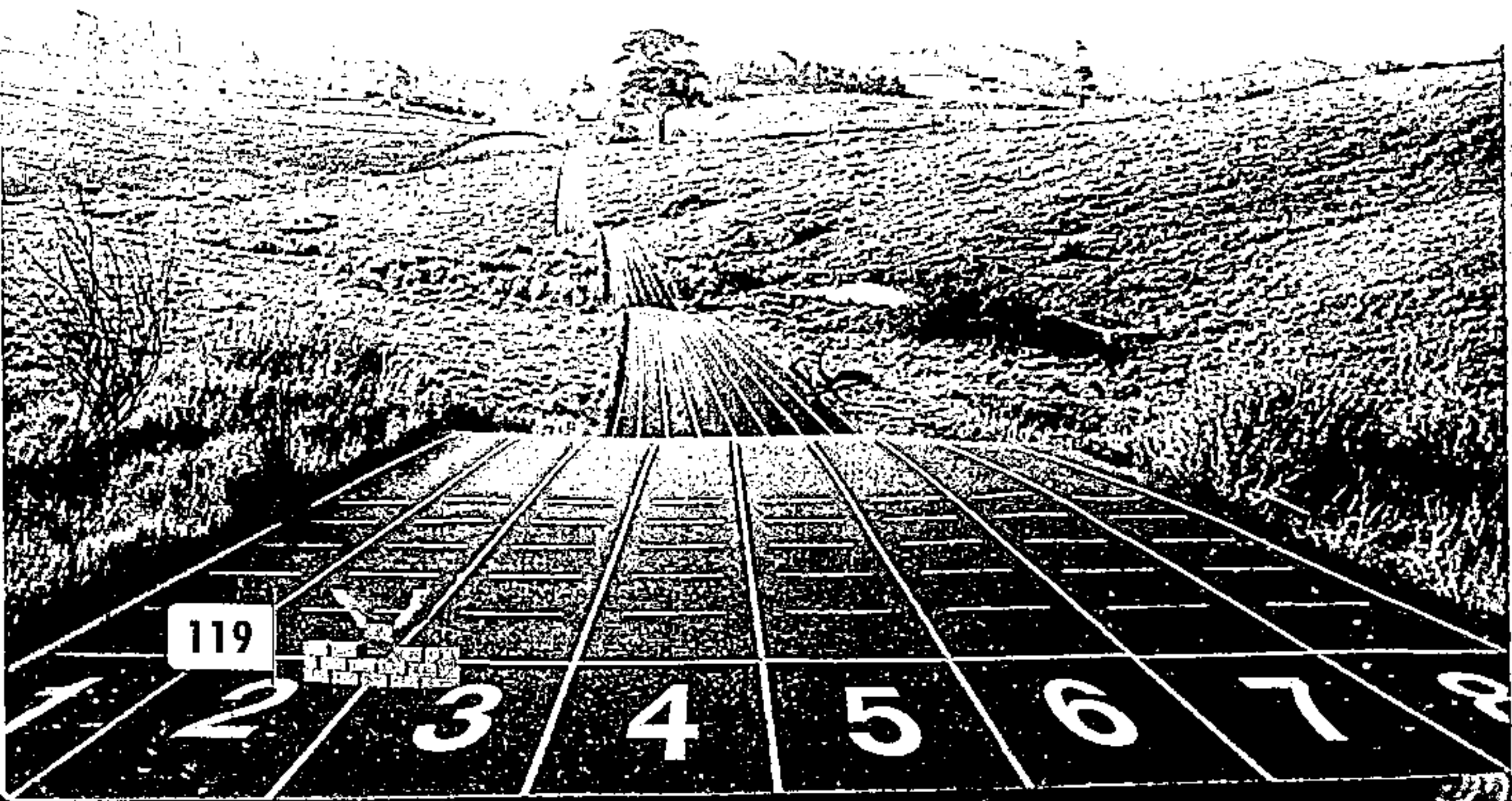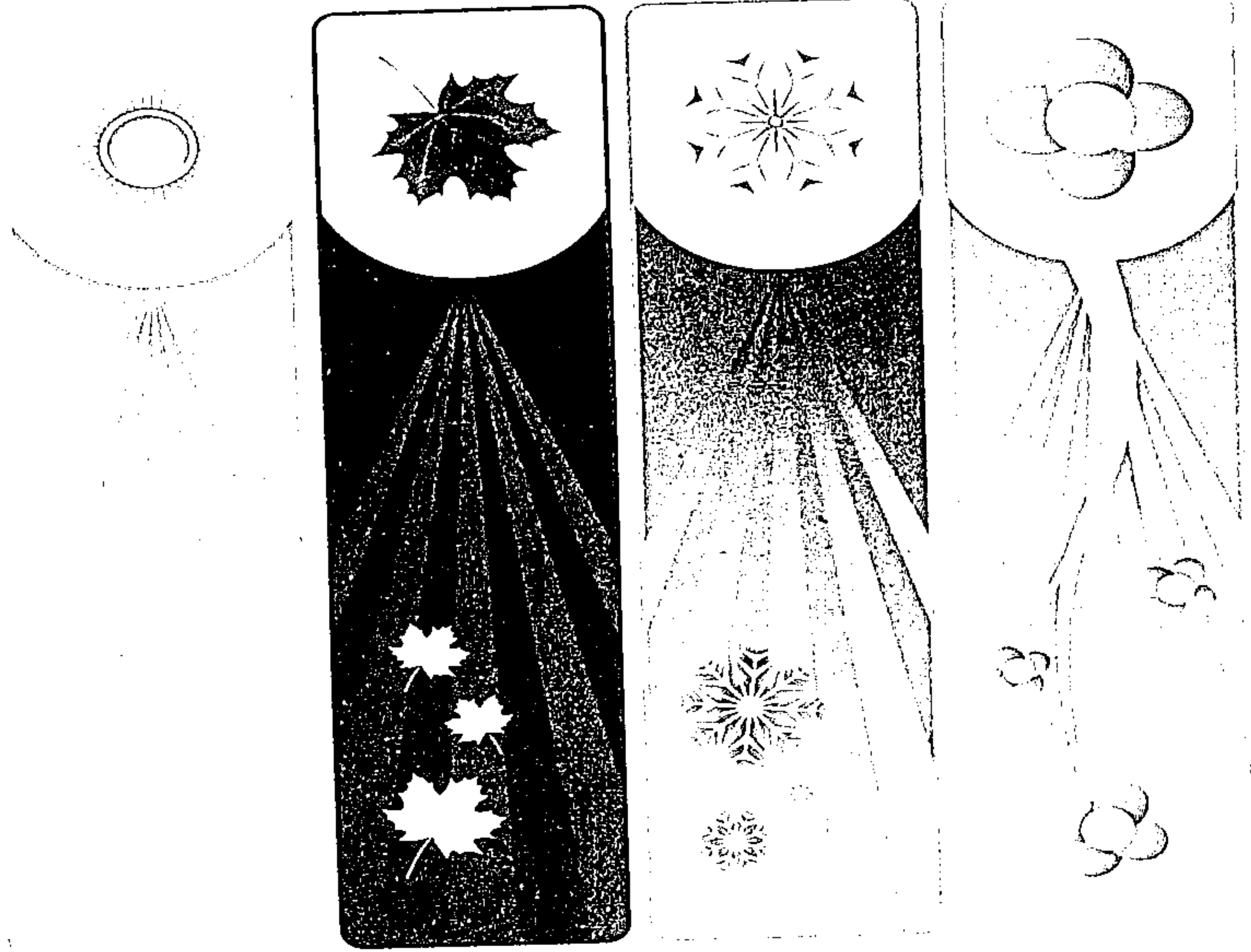
ہنری فورڈ کا مشہور مقولہ

دنیا میں پہلی فورڈ گاڑی بنانے والے ہنری فورڈ (Henryford) کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے:

لَوِ اعْتَقَدْتَ أَنَّكَ قَادِرٌ عَلَى فِعْلِ شَيْءٍ مَا أَوْ اِعْتَقَدْتَ أَنَّكَ غَيْرُ قَادِرٍ عَلَى الخ

''اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ یہ کام کر سکتے ہیں یا آپ کا یہ یقین ہے کہ آپ یہ کام سرانجام نہیں دے سکتے تو دونوں صورتوں میں آپ درست اور سچے ہیں''۔

یہ صرف ایک دانشمند کا قول ہی نہیں بلکہ اصول قدرت اور قانون بھی ہے، اسے بار بار دہرائیں اور غور وفکر کرتے جائیں تو آپ حیران ہوں گے کہ واقعی یہ قانون سو فیصد درست اور سچا ہے۔
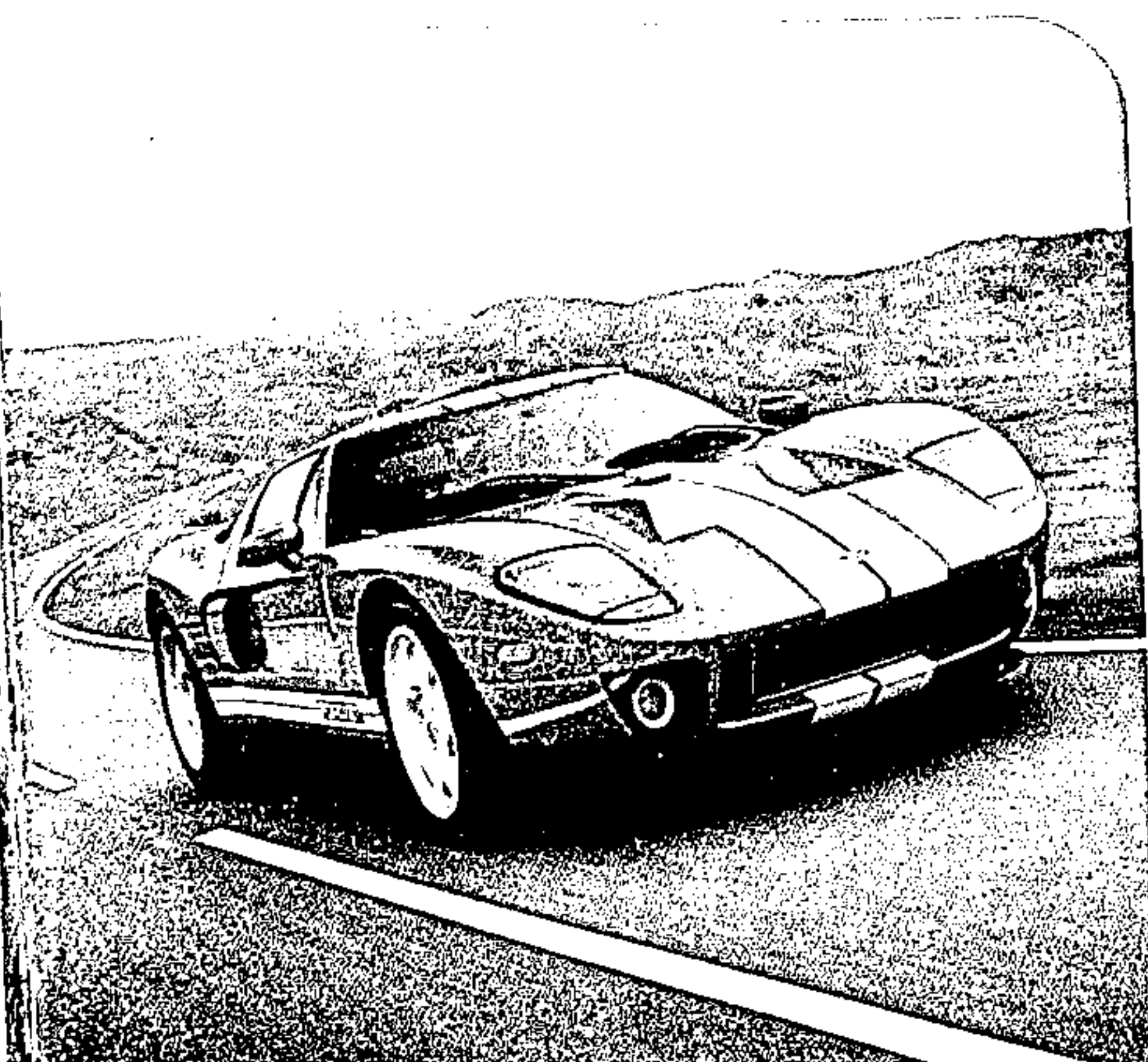
اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتے ہیں

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا:

حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

ترجمہ: ''مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کام بنانے والا ہے۔''

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس لاؤ پھر فرمایا:
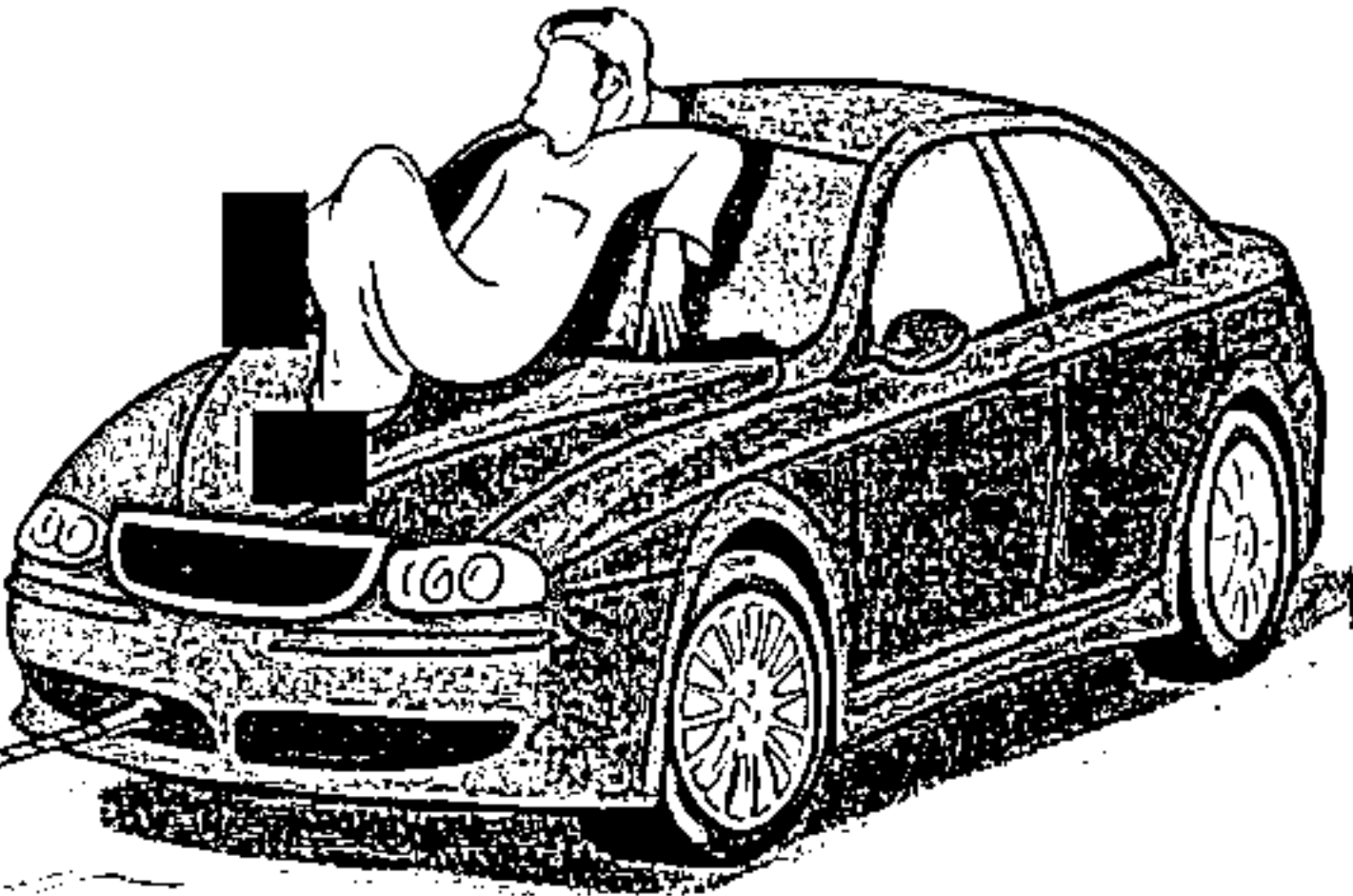
إِنَّ اللّٰہَ یَلُوْمُ عَلَی الْعِجزِ وَلٰکِنْ عَلَیْكَ بِالْکَیْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

ترجمہ: ''یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے بل کہ تم کو چاہیے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر بھی عاجز ہوجاؤ تو اس وقت کہو:

حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (معارف القرآن:243/2)

لہٰذا ہمیں بھی بلند ہمتی اور حوصلہ کے ساتھ کام کرنا چاہیے اور گھبرانا نہیں چاہیے، کسی شاعر نے بلند ہمتی کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں آپ بھی پڑھیے:

اِذَا ھَمَّ اَلْقٰی بَیْنَ ھَمَّیِہٖ عَیْنَہٗ

وَمَا أَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِ الْعَوَاقِبِ جَانِبًا (لاتحزن،ص:453)

ترجمہ: ''جب وہ بلند ہمت شخص کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اپنی نظر کو اس کی طرف لگا دیتا ہے اور برے انجام کے ڈر سے کام سے پیچھے نہیں ہٹتا۔'' (پریشان رہنا چھوڑ دیجئے 149)
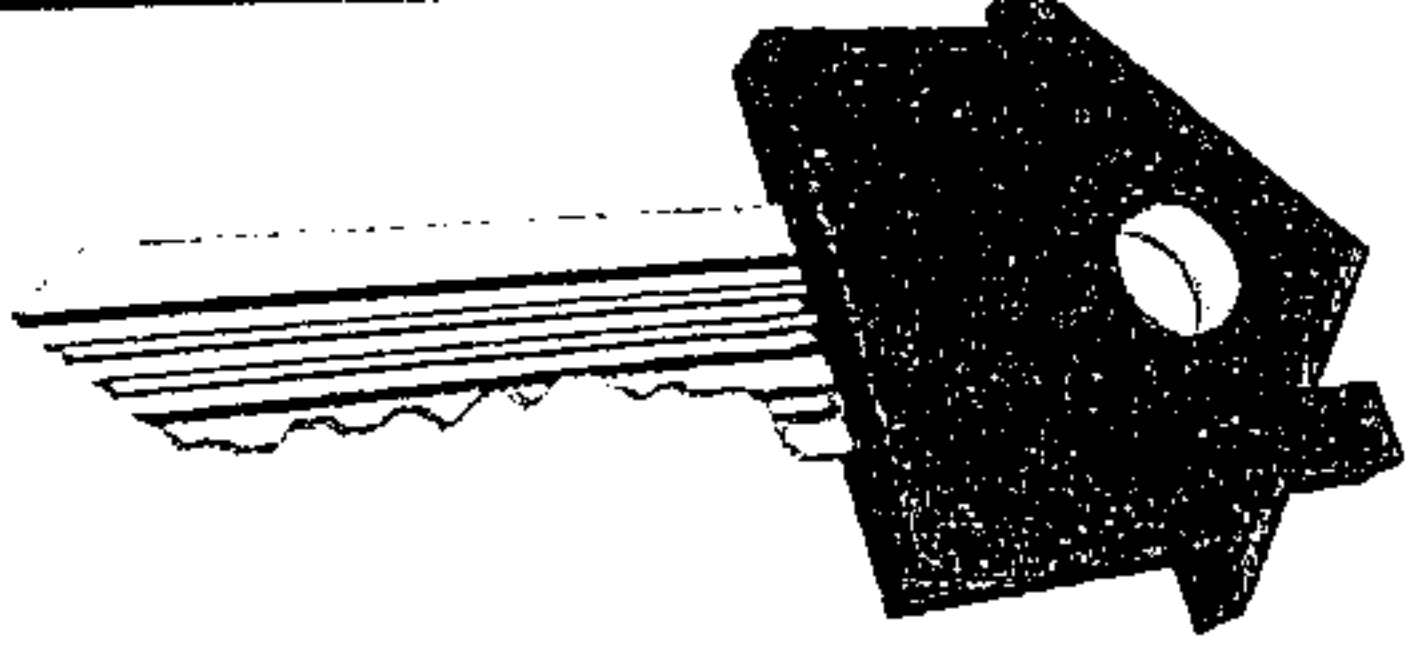
بے ہمتی ناکامی کی چابی ہے

* اکثر اوقات کامیابی انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو بہادری سے کام لیتے ہیں، اور بہت ہی کم ان لوگوں کا منہ دیکھتی ہے جو حالات اور نتائج سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔
* ہم گر جاتے ہیں تاکہ پھر کھڑے ہو جائیں، ہم زندگی کی جنگ میں کئی مرتبہ شکست سے دوچار ہوتے ہیں تاکہ بہترین فتح ہمارا مقدر بنے، بالکل اسی طرح جس طرح ہم سو جاتے ہیں تاکہ صبح بھرپور چستی اور نشاط کے ساتھ کریں۔
* ناکام ہونے والوں کی دو قسمیں ہیں: جو صرف سوچتے ہی رہتے ہیں، کچھ کام نہیں کرتے اور دوسرے جو صرف کام کرتے ہیں لیکن سوچتے نہیں۔
* ناکامی کے خوف کا شکار ہونے کی ہمیں بڑی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے، یہ انسان کی ترقی کے لیے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے جو اس کی شخصیت کی بلندی کو سکیڑ دیتی ہے اور اسے جستجو اور تلاش سے دور لے جاتی ہے، اس دنیا میں واقفیت اور پہچان بغیر دشواری اور صحیح غلط کی جانچ پڑتال کے حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر آپ اپنے علم کے سلسلے کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو ہر وقت ناکامی کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں۔
* لوگ ان حالات کو برا بھلا کہتے ہیں جن کا وہ شکار بن جاتے ہیں، لیکن میں برے حالات پر یقین نہیں رکھتا، اس دنیا میں کامیاب لوگ وہی ہیں جو اپنے موافق اور من پسند حالات ڈھونڈ لیتے ہیں، اگر وہ میسر نہ ہوں تو انہیں خود اپنی چاہت اور مرضی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔
* آپ کے لیے ضروری ہے خود پر اعتماد کریں، اگر آپ خود پر اعتماد نہیں کریں گے تو دوسرے کیسے آپ پر اعتماد کریں گے؟
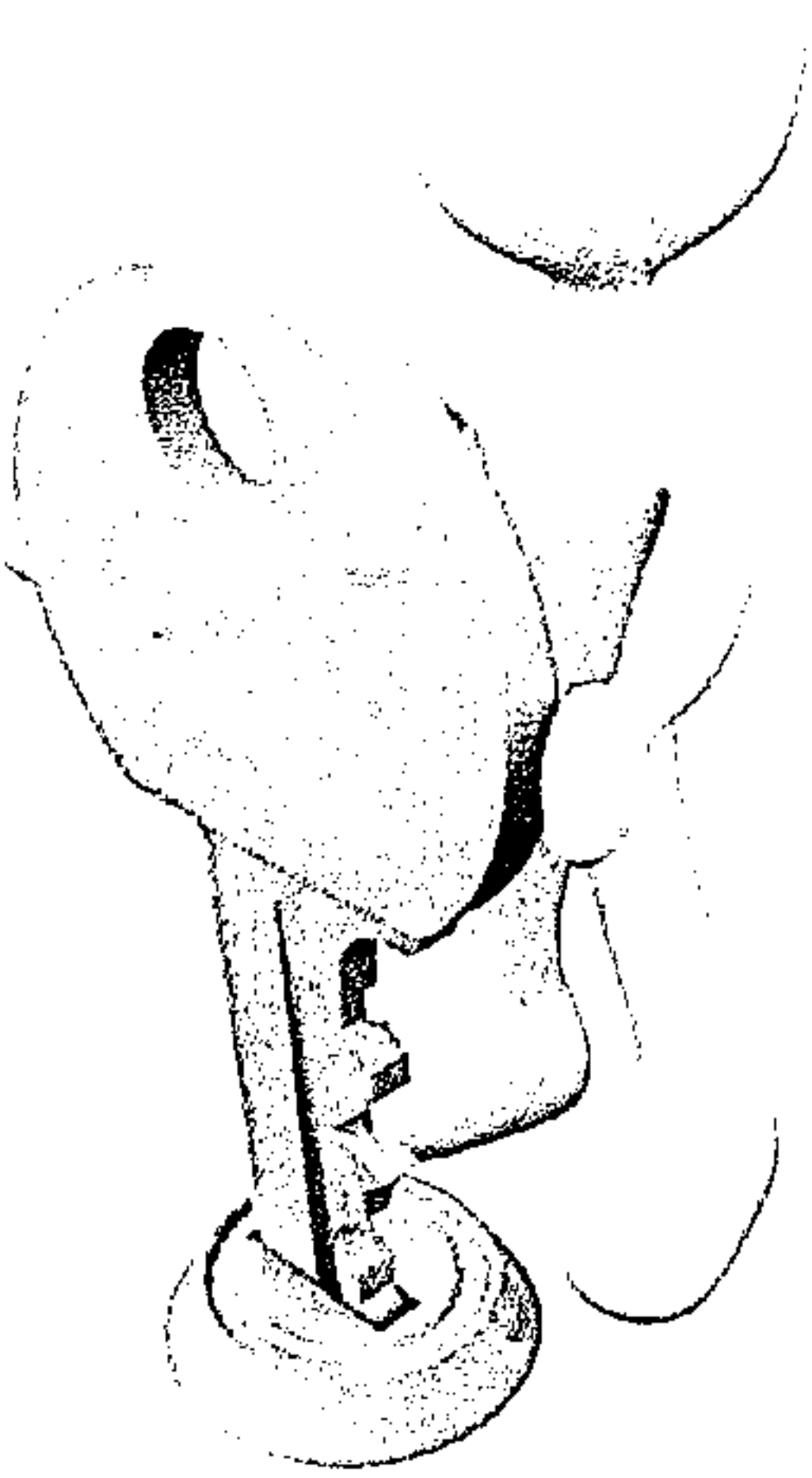
ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کی چابی

* ناکامی ایک وقتی شکست ہوتی ہے جس سے کامیابی کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔
* محنت میں تسلسل سانس کی مانند ہے، دونوں ہی زندہ رہنے کے لیے ضروری ہیں۔
* دلچسپی اور شوق جس کی ابتداء سیکھنے سے ہوتی ہے یہ مستقبل میں انسان کی زندگی میں راہیں متعین کر دیتی ہے۔
* سات گھنٹے اپنے سوچوں اور مقاصد کی منصوبہ بندی میں خرچ کرنا یہ سات دن بغیر اپنی سمت اور ہدف مقرر کیے کام کرنے سے بہتر ہے۔
* جستجو اور محنت انسان کو اپنی غلطی کا اعتراف سکھاتی ہے اور یہ عادت نہایت قابل فخر ہے بنسبت اس عادت کے کہ انسان اپنی کمزوری کی اعتراف کے خوف سے ایک غیر معقول چیز کا پوری قوت سے دفاع کرتے رہے، کیونکہ کمزوری کا اعتراف تو طاقت وقوت کی نشانی ہے۔
* مشکل حالات اور پریشانیوں کے بیچوں بیچ اپنے توازن کو برقرار رکھنا اور خوفزدہ نہ ہوجانا انسان کے قائد ہونے کی علامات میں سے ہیں۔
* آپ اپنی ذمہ داری کو تین گھنٹے پہلے انجام دے دیں، تا کہ غلطی ہونے پر آپ وقت سے پہلے اس کی اصلاح کر سکیں۔
* یہ زندگی کے عجائبات میں سے ہے کہ اگر آپ کامیابی کی چوٹی کے راستے میں حائل ہر رکاوٹ سے صرف نظر کر لیں گے تو یقینی طور پر اس چوٹی تک پہنچ جائیں گے۔
* ثابت قدمی سے بڑھ کر کامیابی کے حصول کے لیے کوئی چیز ضروری نہیں ہے، ثابت قدمی کے ذریعہ انسان ہر مصیبت کی دیوار کو پھلانگ لیتا ہے۔
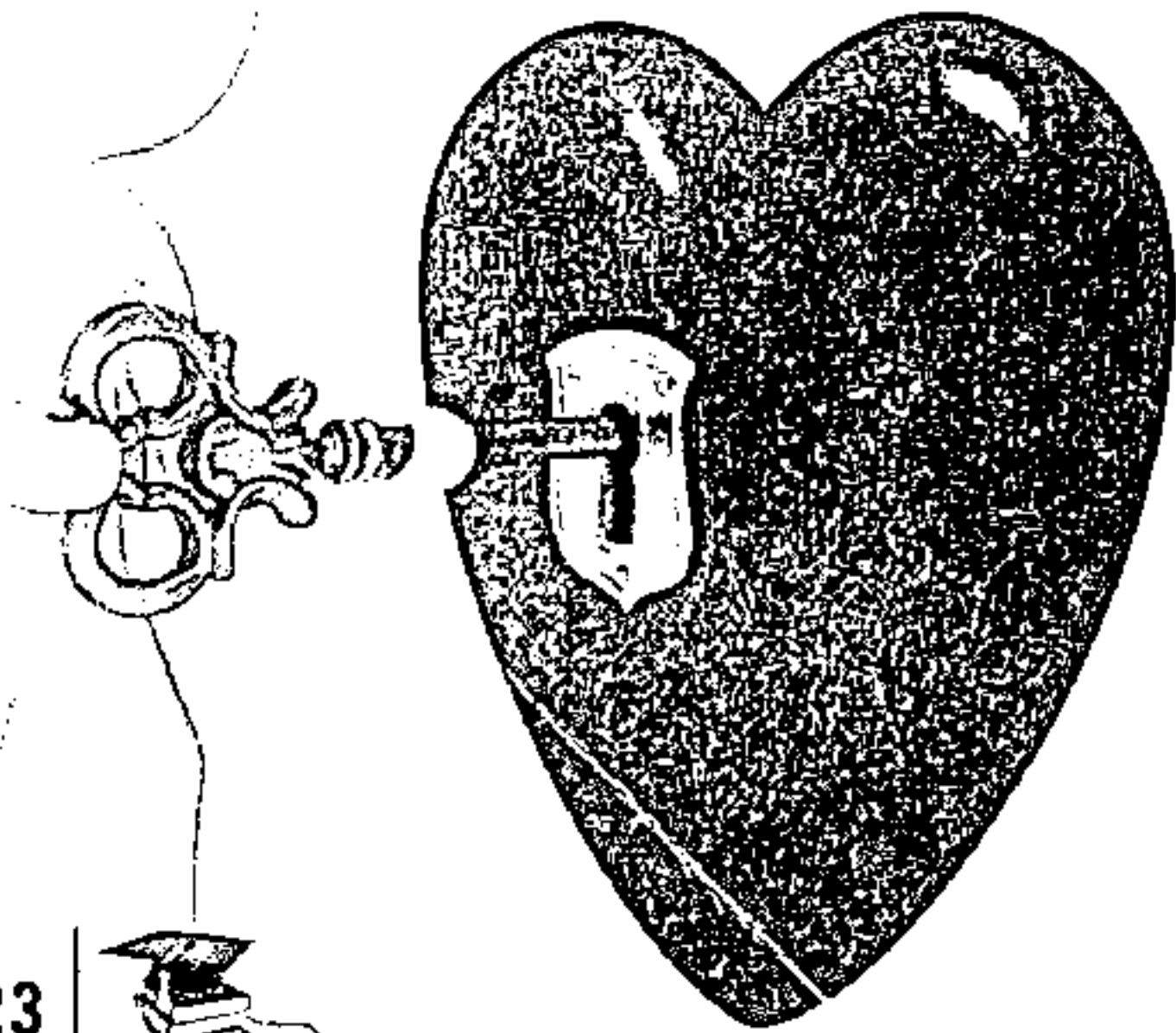
ہمت مت ہاریں ورنہ دنیا آپ پر ہنسے گی

* عقل کھیت کی مانند ہے اور سوچیں آپ اس کے بیج ہیں۔ آپ جو بھی سوچتے ہیں اس کو پنپنے کے لیے فطری طور پر کچھ وقت درکار ہوتا ہے، بیج زمین میں بوتے ہی تناور درخت نہیں بن جاتا، لہٰذا آج جو سوچیں گے کل اس سوچ کی شاخیں آپ کے سر پر لہرائیں گی۔
* کسی شخص کو عام لوگوں سے نمایاں کرنے والی چیز اس کی اشیاء کو جانچنے پرکھنے کی درست صلاحیت ہے۔
* ناکامی کی کنجی اس بات کی کوشش کرنا ہے کہ آپ کا ہر جاننے والا آپ سے خوش رہے۔
* کامیابی سب کچھ نہیں ہے، کامیابی کا شوق اور لگن سب کچھ ہے۔
* آج ہم دنیا میں جس چیز کو بھی بڑا دیکھ رہے ہیں اس کی ابتداء ایک سادی سی سوچ اور واضح مقصد سے ہوئی تھی۔
* کسی بھی کام کرنے کا ایک مثالی طریقہ کار ہوتا ہے، ہمیں ہمیشہ اس کی تلاش میں رہنا چاہیے۔
* اچھا کام بہت بہتر ہے اچھی اور عمدہ گفتگو سے۔
* دنیا کا سب سے بہترین مقابلہ اپنی ذات سے مقابلہ کرنا ہے، انسان جس قدر اپنی ذات سے لڑتا ہے اتنی ہی ترقی کرتا ہے، آج کا دن کل کے دن جیسا نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی کل کا دن آج کے دن جیسا۔
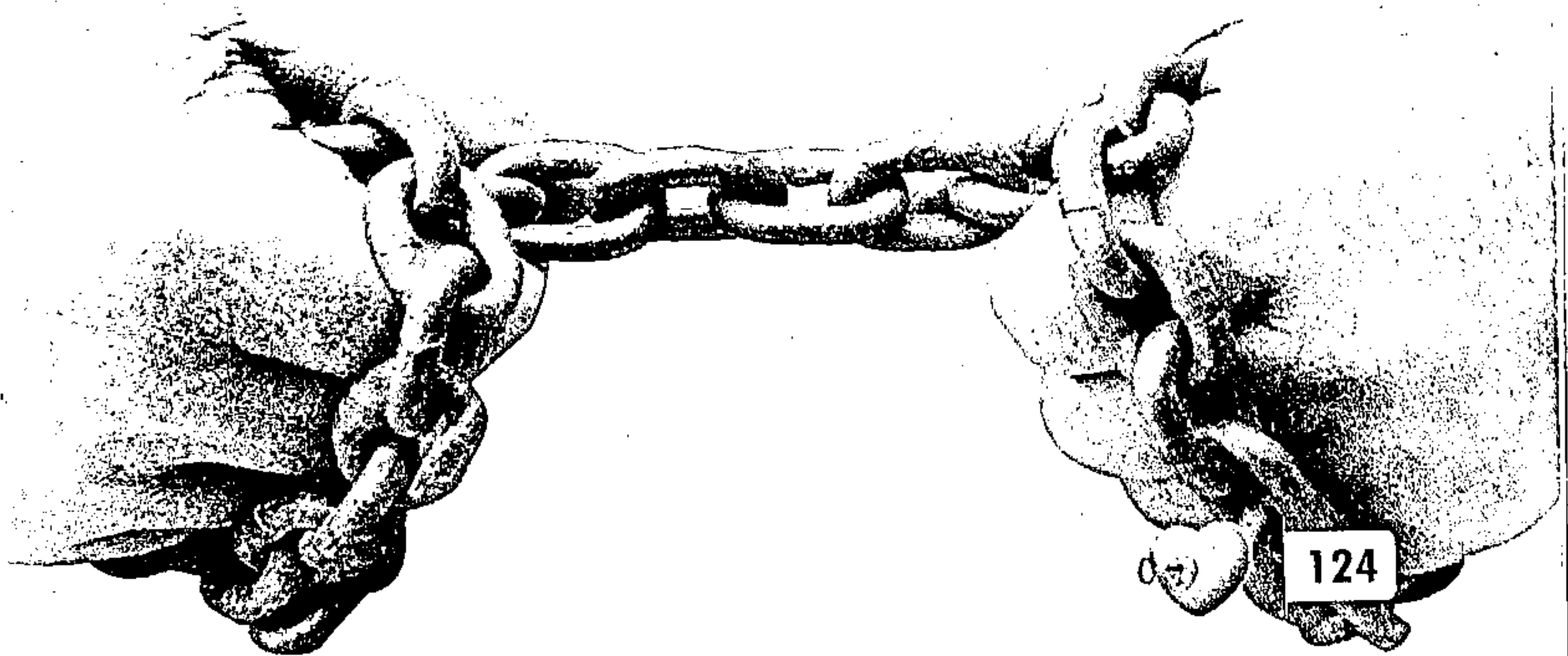
٭ زندگی کا خوش قسمت ترین لمحہ وہ ہوتا ہے جب انسان ان اہداف کو حاصل کر لے جن کے بارے میں لوگوں کی رائے تھی کہ وہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتے۔

٭ مقاصد مصائب کے بغیر حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

٭ ایک کامیاب کوہ پیما کی نظر ہمیشہ پہاڑ کی چوٹی پر ہوتی ہے، وہ نیچے نہیں دیکھتا جہاں کی خوفناک کھائیاں اس کی توجہ کو ہٹا دے۔

٭ دنیا کی سب سے بری چیز ناکامی نہیں ہے، بلکہ بری چیز نہ آزمانا ہے۔

٭ خوبصورت عمارت تعمیر کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، یا تو اردگرد کی باقی ساری عمارتیں منہدم کردی جائیں یا صرف اپنی عمارت بنانے پر توجہ کی جائے، آپ ہمیشہ دوسرے طریقہ کار کا انتخاب کریں۔

٭ وہ تمام ایجادات اور دریافتیں جدید دنیا جس کا مشاہدہ کر رہی ہے، ان سب کے بارے میں شروع سے اسی خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ ان کا وجود میں آنا محال ناممکن ہے۔ مگر جب کوشش کی گئی تو وہ ناممکن چیزیں وجود میں آ گئیں تو معلوم ہوا کہ تو مایوس ہو جاتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

٭ انسان کا سب سے کامیاب اسلحہ وقت اور صبر ہے۔

٭ کبھی بھی کامیاب انسان بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ایسا انسان بننے کی کوشش کرنی چاہیے جس کی کچھ قدر و قیمت ہو، کامیابی خود ہی مل جائے گی۔

٭ ستاروں پر کمند ڈالنے کا خواب ضرور دیکھنا چاہیے لیکن اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہمارے پیر زمین ہی پر رہیں گے۔

٭ کامیابی کی لغت میں ''اگر'' اور ''لیکن'' کا لفظ نہیں ہے۔

٭ کامیاب بننے کے لیے اس بات کا یقین ضروری ہے کہ آپ کامیاب ہونے کی ہمت رکھتے ہیں۔
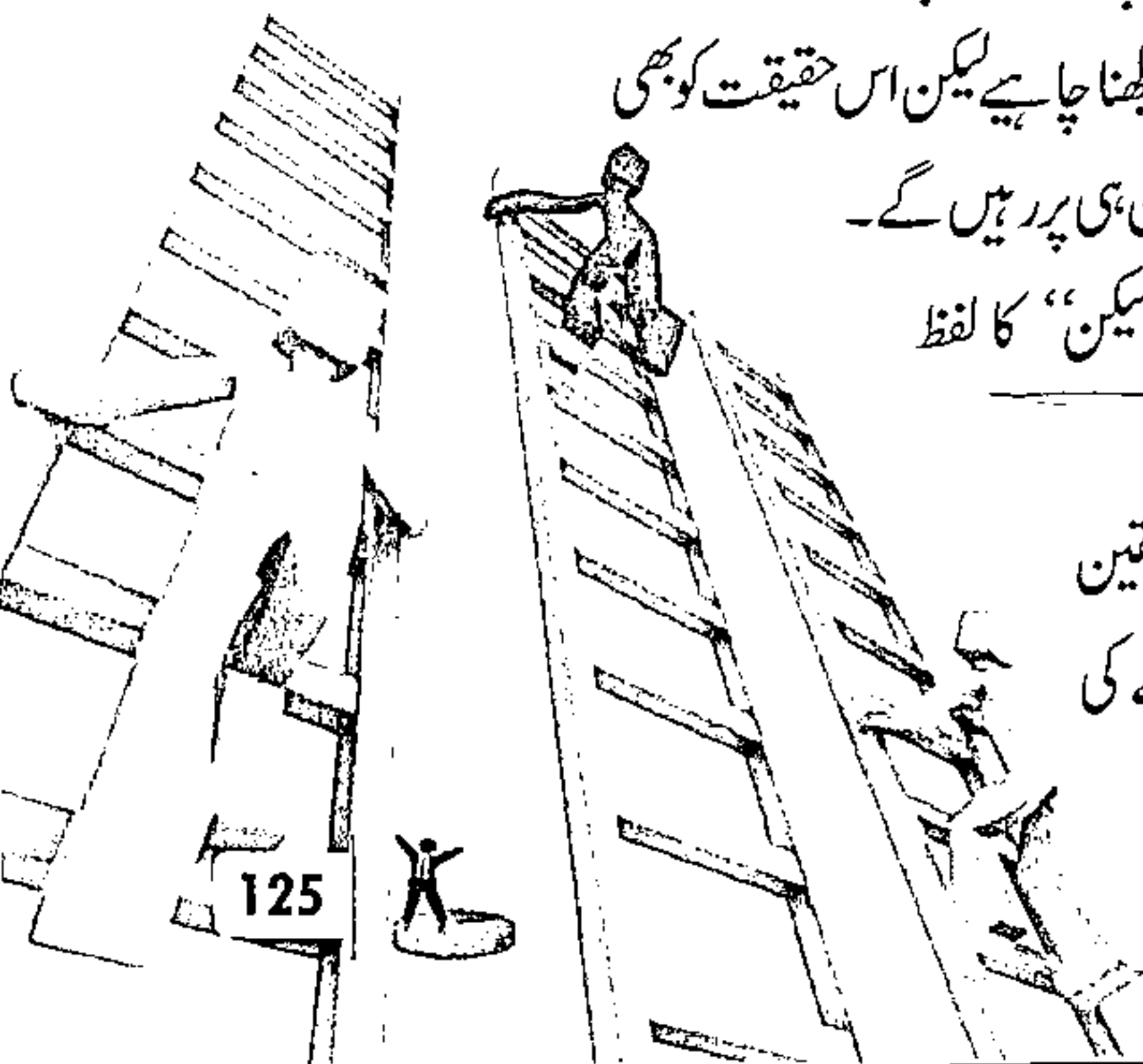
منفی سوچ آپ کو ناکام انسان بنا سکتی ہے

ایڈمرل ڈیوڈ فارگوٹ (Devid Fargot) نے کیا خوب کہا ہے جو شخص شکست قبول کرنے کے بارے میں سوچتا ہے وہ معرکہ شروع ہونے سے پہلے ہی آدھی شکست کھا جاتا ہے، جب آپ نے کام شروع ہی نہیں کیا تو آدھی شکست کھانے پر کیوں اصرار کر رہے ہیں۔'' جبکہ تھامس ایڈیسن کہتا ہے ''ہماری سب سے بڑی ناکامی اور کمزوری دست بردار ہو جانے میں چھپی ہوئی ہے جبکہ کامیابی کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے کہ ناکامی کے بعد دوبارہ کوشش کی جائے۔

اس لئے اپنے بارے میں دوسروں کی منفی رائے پر توجہ دیں اور نہ ہی قدم اٹھانے کے بعد مڑ کر پیچھے دیکھیں اور نہ ہی دستبردار ہوں بلکہ آگے بڑھتے ہی چلے جائیں۔ راستے میں گر جائیں تو کپڑوں کو مٹی اور گرد و غبار تو ضرور لگے مگر کپڑے جھاڑ کر پھر چل دیجئے۔ سونا مٹی میں یا گرد و غبار میں گر کر اپنی حیثیت نہیں کھوتا وہ جہاں بھی ہو سونا ہی ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ مناسب وقت اور موقع کا انتظار بھی نہ کریں بلکہ اپنے لئے مواقع خود بنائیں۔
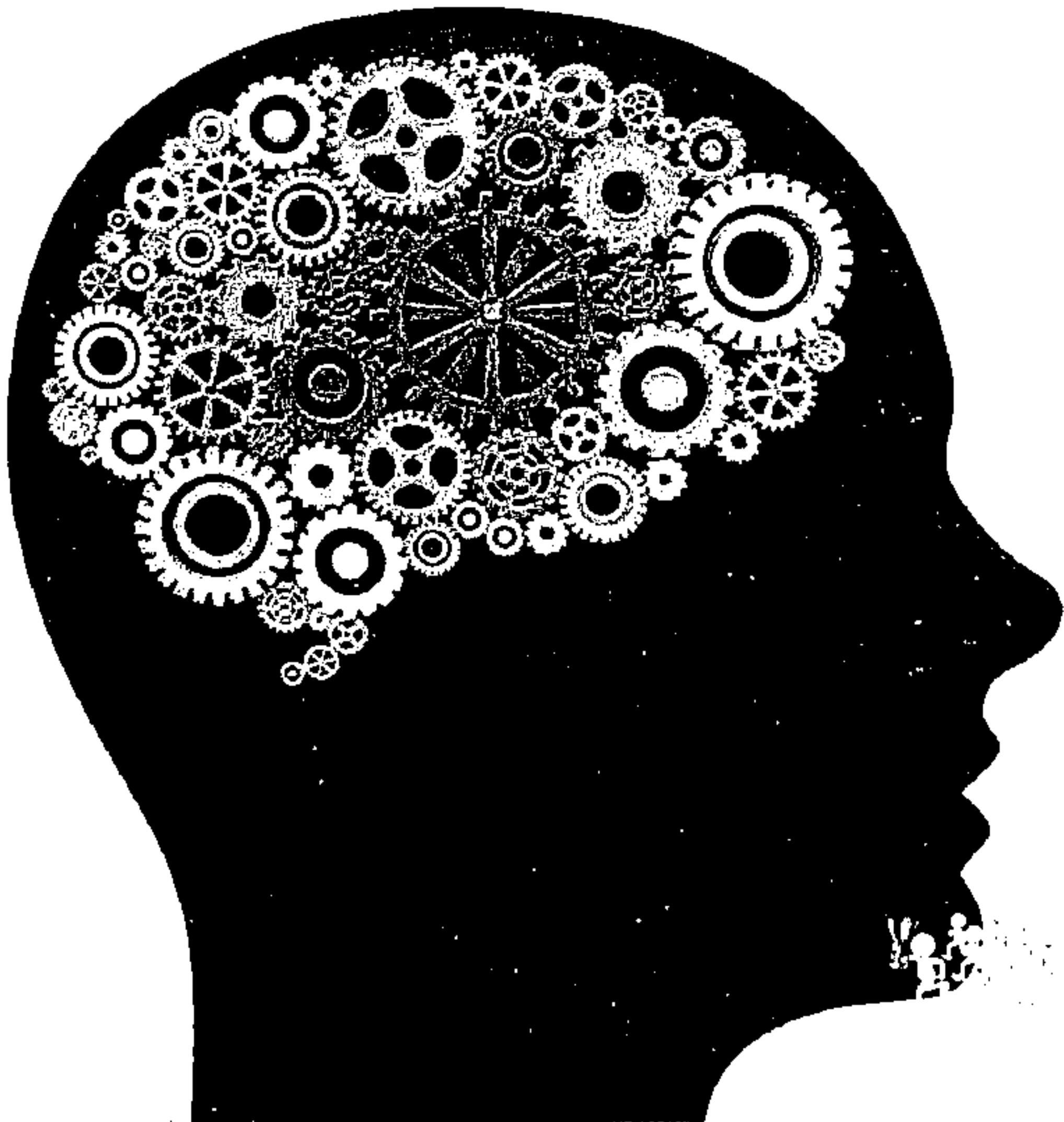
باہمت لوگوں کے حیران کن کمالات
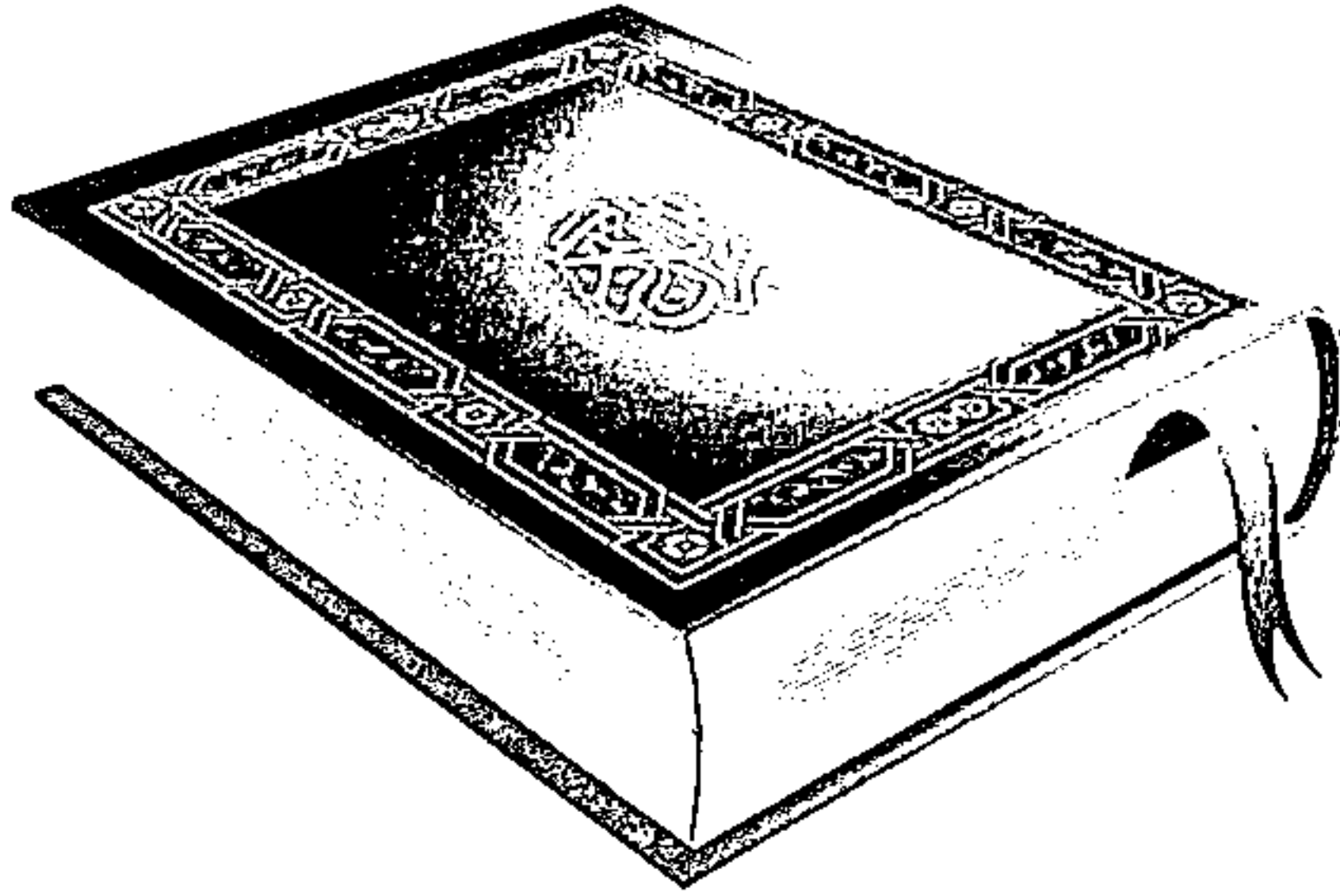
1. امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو 500 مرتبہ پڑھا۔
2. ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سبق کو 100 مرتبہ دہراتے۔
3. ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے فنون میں 800 تصنیفات کیں، وہ روٹی پر مکھن رکھ کر کھا لیتے تھے، سالن کا اہتمام نہ کرتے تاکہ انہیں 50 آیتیں تلاوت کرنے کا موقع مل جائے۔
4. ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن میں 4 کاپیاں لکھ دیتے تھے، وہ کبھی کبھار ایک ہی نشست میں مکمل تصنیف اور کتاب لکھ دیتے، ان کی ہزار سے زائد تصنیفات ہیں۔
5. ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں صفحات تحریر کیے۔
6. ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہزار تصنیفات کیں۔
7. ابن الأنباری رحمۃ اللہ علیہ نے 400 تفسیر کی کتابوں کو یاد کیا۔
8. عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کے لیے 30 سال مسجد میں مقیم رہے۔
9. امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی ساٹھ سال تک ایک تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہوئی۔
10. ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر میں 4 ہزار قرآن کریم ختم کیے۔
11. امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں 60 مرتبہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ 30 مرتبہ قرآن کریم کا ختم فرماتے۔
12. امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک دن میں 300 رکعات نوافل ادا کرتے۔

13 ابن سینا ایک دن میں 25 صفحات لکھتے۔

14 ''کتاب الغریب'' ابوعبید نے 40 سال میں لکھی۔

15 ''کتاب الأغانی'' امام اصفہانی نے 50 سال میں لکھی۔

16 امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے قید خانہ میں 30 جلدوں پر مشتمل مبسوط لکھ ڈالی۔

17 ابن الدنیا نے ''کتاب الہجرۃ'' 4 مرتبہ لکھی۔

18 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''صحیح بخاری'' 16 سال میں مکمل کی اور ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔

19 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے طلب علم کے لیے اپنے گھر کا سامان بھی بیچ ڈالا۔

20 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ 12 ہزار دانوں پر تسبیح پڑھتے۔

21 ابن بطوطہ نے دنیا کے 30 سفر کیے اور اپنے اسفار کے عجیب وغریب واقعات اور حالات قلم بند کیے رہتی دنیا اس کے سفرناموں کو فراموش نہیں کر سکتی۔

22 ابو منصور الثعالبی رحمۃ اللہ علیہ'' لومڑیوں کی کھال کا کام کرتے تھے، اب دنیا کے بڑی ادیبوں کی فہرست میں ان کا نام لیا جاتا ہے۔ (هكذا هزموا اليأس 155)

نابینا مصنف کا عظیم کارنامہ

23 ابن سیدہ رحمۃ اللہ علیہ ایک نابینا شخص تھا مگر اس نے سترہ جلدوں میں ایک کتاب ''المخصص'' لکھی ہر جلد تقریباً 300 صفحات پر مشتمل ہے جس میں اس نے عربی زبان وادب کے اصول و قواعد لکھے اور مختلف ادوار کے اثرات عربی زبان پر جائزہ لیا گیا۔
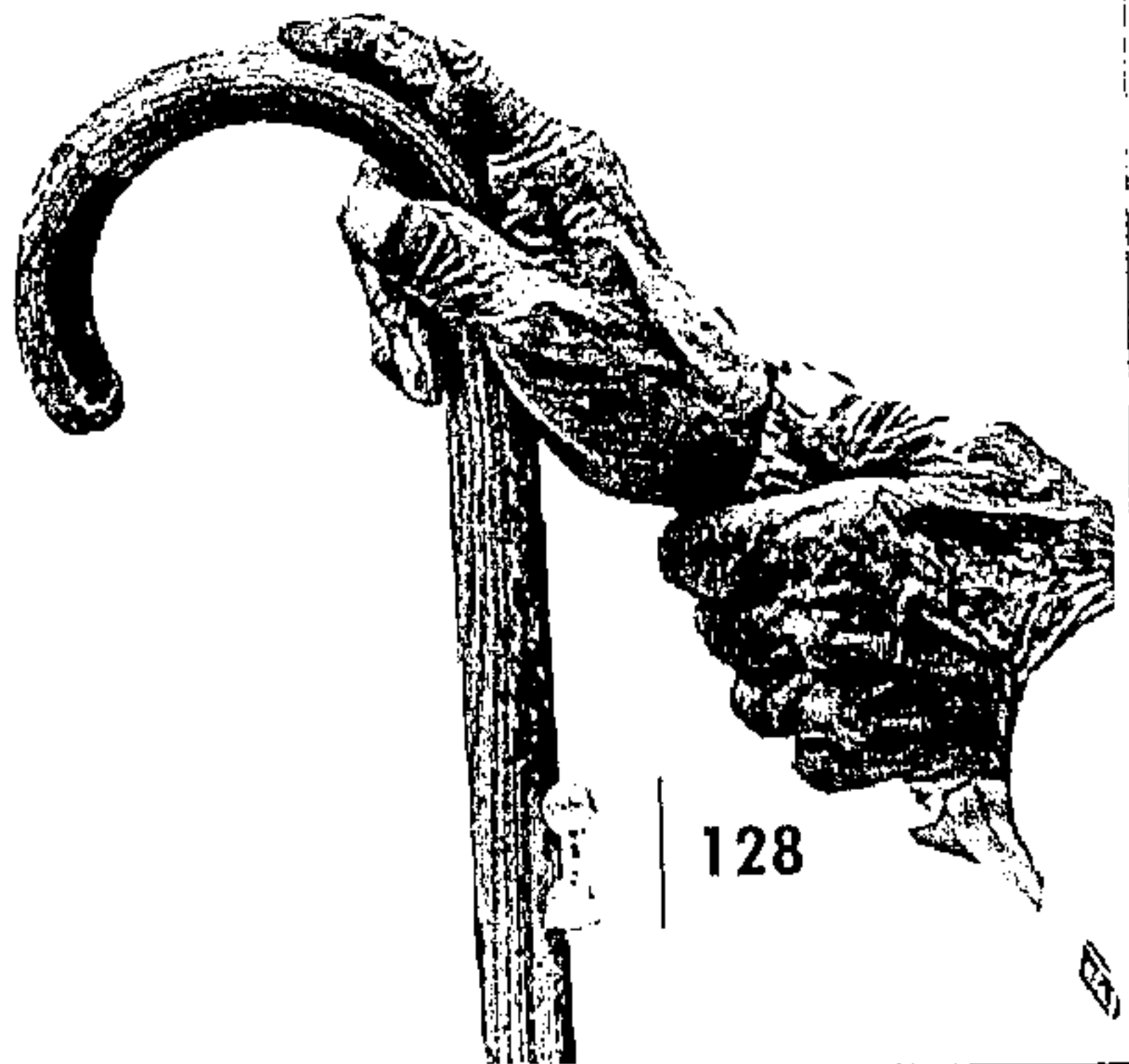
خود اعتماد والے لوگ ہی کامیاب ہوتے ہیں

امریکی ادیب ایمرسن نے ایک بڑی عمدہ حقیقت کا انکشاف کیا ہے......
''ہمیشہ وہی لوگ فتح یاب ہوتے ہیں...... جنہیں یقین ہوتا ہے...... کہ وہ فتح یاب ہوسکتے ہیں...... جو کام آپ کو ڈراتے ہیں...... انہیں کرگزرنے سے ڈر آپ کے اندر سے جاتا رہے گا''......

ایک دفعہ جب سکندر ایک ملک پر حملہ آور ہوا تو اس کا ایک جرنیل آکر کہنے لگا......
''مجھے اس حملے سے خوف سا محسوس ہو رہا ہے''......

سکندر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ذرا مسکرا کر کہا...... ''جرنیل!...... اپنے خوف کا کہنا نہ مانو''...... (سکون دل کے راستے)

جو کوشش کرے گا وہ پالے گا:

...... 1886ء کے ایک امریکن اخبار نے ایسے بلند ہمت لوگوں کی ایک مختصر سی فہرست جاری کی...... جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے...... کہ یہ محنت آدمی کو ترقی کے کن منزلوں پر جا اتارتی ہے...... اخبار کے ایڈیٹر نے کہا......

جتنے بڑے بڑے مشہور لوگ گزرے ہیں...... ان میں سے اکثر کے باپ ادنیٰ درجے کے کام کرتے تھے......

* ...... حکیم ''دیا تھنس'' کا باپ...... لوہار تھا...... * ...... سقراط کا باپ...... عطار تھا...... * ...... اٹیکوس کا باپ...... گڈریا تھا...... * ...... ورجن کا باپ...... بھٹیارا تھا......

* ...... کولمبس کا باپ...... دھنیا یعنی اون صاف کرنے والا تھا...... * ...... شیکسپیئر کا باپ...... بوچر یعنی قصاب تھا...... * ...... لوتھر کا باپ...... کان کھودنے والا تھا......

* ...... کرانول کا باپ...... شراب کی ایک معمولی بھٹی چلاتا تھا...... * ...... سکیٹس کا باپ...... سور چراتا تھا...... * ...... اور فرینکلس کا باپ...... صابن بناتا تھا......

اگر اسلام کی علمی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو وہاں بھی بڑے بڑے مفسرین محدثین اور فقہاء نہایت معمولی خاندان کے نظر آتے ہیں...... مگر ان لوگوں کی جانفشانی اور محنتوں نے انہیں بلند کیا...... ان لوگوں نے بکمال محنت و مشقت اور جستجو سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا...... اور اس میں مکمل مہارت پیدا کر کے اس کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر کے رہتی دنیا تک قرآن اور علوم القرآن کو محفوظ کیا......

ایک کچوکے نے ماہر فن بنا دیا:

...... دنیا کے مشہور سائنسداں آئن اسٹائن کے بارے میں لکھا ہے...... کہ بچپن میں جب اسکول پڑھنے جاتا تھا تو اس کو پیسوں کا حساب نہیں آتا تھا...... وہ اکثر اوقات کنڈیکٹر سے لڑتا تھا...... کہ تم کو اتنے پیسے لینے تھے...... اور اتنے واپس کرنے تھے...... جب حساب کیا جاتا تو کنڈیکٹر ٹھیک ہوتا...... جب دو چار مرتبہ ایسا ہوا...... تو ایک مرتبہ کنڈیکٹر نے کہہ دیا تو بھی کیا زندگی گزارے گا...... تجھے تو جمع تفریق نہیں آتی......
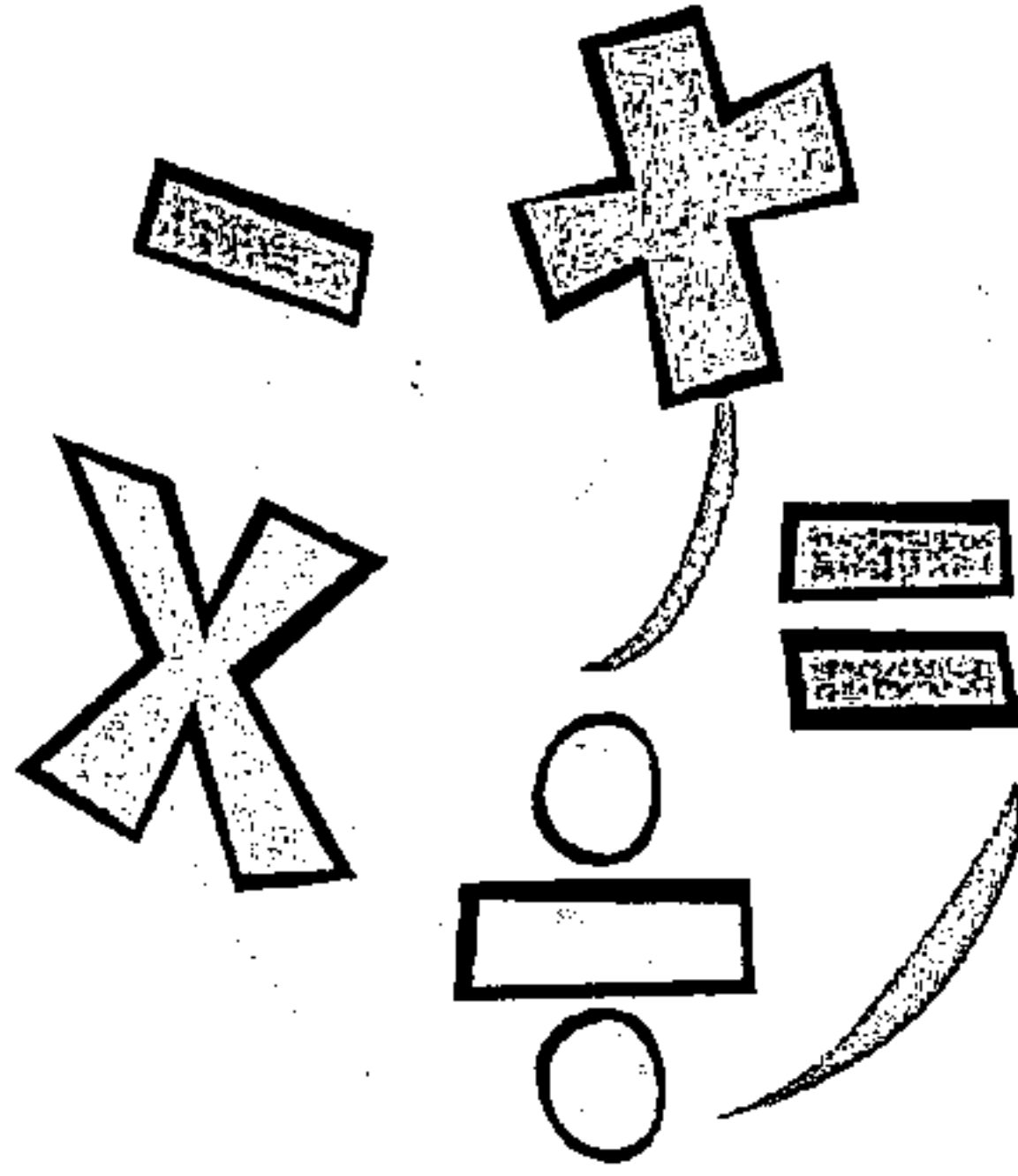
یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی...... تو کہنے لگا...... اچھا میں حساب پڑھوں گا......
اب اس نے Mathematics پر محنت کرنا شروع کر دی...... محنت کرتے کرتے ایک وہ وقت آیا...... کہ اس نے Theoryfrelativiti کا نظریہ پیش کر کے دنیا کی سائنس میں ایک انقلاب پیدا کر دیا...... سچ ہے...... کہ محنت کا پھل ضرور ملتا ہے......

باب نمبر 10

منفی سوچ سے بچیئے

حالات سے گھبرا جانا، خوف زدہ ہو کر مایوسیوں کے اندھیروں میں بھٹکتے رہنا، زمانے حوادثات، برے حالات اور دکھ درد میں ہمت و جدوجہد کا دامن چھوڑ کر ناامیدی اور بے صبری انسان کو ذہنی مریض بنا دیتی ہے اور انسان بجائے مشکلات سے نکلنے کے مزید مشکلات میں گھر جاتا ہے۔

منفی سوچ کے نقصانات

1. منفی سوچ کی وجہ سے حاصل ہونے والی ذہنی تشویش کی بناء پر معدہ کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور اس سے صحت بھی خراب ہوجاتی ہے۔
2. منفی سوچ سے شخصیت کی تعمیر ہونے کے بجائے شخصیت تباہ ہوجاتی ہے۔
3. منفی سوچ کی وجہ سے لوگ کترانے لگیں کہ اور ذہنی مریض سمجھ کر ہماری طرف توجہ نہیں کریں گے۔
4. منفی سوچ کی وجہ سے ہماری لوگوں میں قدر و منزلت ختم ہوجائے گی اور ہم لوگوں کی نگاہ میں غیر محترم ہوجائیں گے۔

منفی سوچ سے بچنے کا طریقہ

منفی سوچ یہ ایک شیطان کا حربہ ہوتا ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دشمن کے حربوں کو پہچانے اور جب بھی منفی سوچ کے تجھ پر شیطان حملہ کرے تو:

''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه'' پڑھ کر اس شیطانی حملہ کو دور کرے اور مثبت سوچ اپناتے ہوئے اَلرَّحْمٰن اَلرَّحِیْم جَلاَّجَلَالُهٗ کی وسیع رحمت کو سوچے اور منفی سوچ کے نقصانات کو سوچے۔

اور اپنے اندر تعمیری اور مثبت سوچ پیدا کرے اور اس کے سہارے آگے قدم اٹھائے۔ اپنی قوتِ ارادی کو مضبوط بنائے اور اپنے ذہن کو ترقی و تعمیر کے لئے تیار کرے۔

مثبت سوچ رکھنے والا انسان کبھی نا اُمیدی کا شکار نہیں ہوتا، اس کا ذہنی توازن درست رہتا ہے۔ ایک مثبت سوچ بے شمار منفی سوچوں کو ختم کر دیتی ہے، جو لوگ سوچتے ہی مثبت انداز میں ہیں وہ کبھی مایوسی کے اندھیرے میں نہیں جاتے اور انہیں کوئی منفی سوچ پریشان نہیں کرتی اور وہ اپنی مثبت سوچ سے کام لے کر اپنے لئے ایک راستہ متعین کر لیتے ہیں۔

اور ایسے لوگ ہر حال میں اپنی تعمیری جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ اپنی تعمیری جدوجہد اور مثبت سوچ کی بدولت اللہ رب العزت کے حکم سے کامیابی کی منزل حاصل کر لیتے ہیں۔ (ماخوذ از ''تعمیر شخصیت کے راہنما اصول'' صفحہ 724 تا 735)

باب نمبر 11

مایوسی کو شکست دینے والوں کے 100 واقعات

بسا اوقات ظاہر میں تو آپ حالات کو اپنے خلاف محسوس کر رہے ہوتے ہیں لیکن آخرکار ان سے بہتر نتائج سامنے آتے ہیں، آج اگر ہم مشکل حالات میں گھرے ہوئے ہیں تو ہمیں نیک فالی سے کام لینا چاہیے اور بظاہر حالات کی خرابی اور مشکلات کی کثرت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ لہٰذا میرے مایوس اور پریشان بھائی! اپنی زندگی کو اندھیری کال کوٹھڑی نہ بناؤ، اس کی کھڑکیاں کھول دو، کامیابیوں کے اجالے اس کے غم میں ڈوبے ہوئے گوشوں کو اپنی امید بھری کرنوں سے روشن اور منور کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ ذیل میں باہمت لوگوں کے واقعات لکھے گئے ہیں جو مایوسی کی دلدل میں ڈوبے ہوئے تھے مگر وہ مایوس نہ ہوئے، انہوں نے ہمت نہ ہاری اور کوشش کرتے رہے ان کی لگن کو دیکھ کر اللہ تعالٰی نے انہیں مایوسی اور غم سے نجات عطا فرمائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نجات پانا

[1] حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ایک امید کا ایک عظیم مظہر ہے جہاں ہر مشکل کے بعد امید کا نہ صرف دروازہ کھلتا ہے بلکہ آسانی ملتی رہی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا اور وہاں سے ایک قافلے والے نکال کر بازارِ مصر میں فروخت کے لیے لے جانے لگے تو یہ وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے انتہائی اذیت اور تکلیف کا تھا۔ اس اذیت سے بڑھ کر شاید ہی کوئی اذیت ہو سکے۔ مگر اس کے بعد عزیز مصر نے جب انہیں خرید کر اپنا بیٹا بنا لیا تو پھر آسانی کے دن آ گئے۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد زلیخا نے انہیں اپنے جال میں ایسا جکڑا کہ محل کے تمام دروازے بند ہو گئے بظاہر کوئی راستہ نہیں بچا تھا مگر یوسف علیہ السلام پر امید تھے کہ ضرور اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکالیں گے آخر کار وہی ہوا اس طرح دروازے کھلتے گئے جن کا تصور بھی مشکل تھا اور اس امید اور نجات کا عروج اس وقت ہوتا ہے جب ایک بچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی گواہی دیتا ہے۔
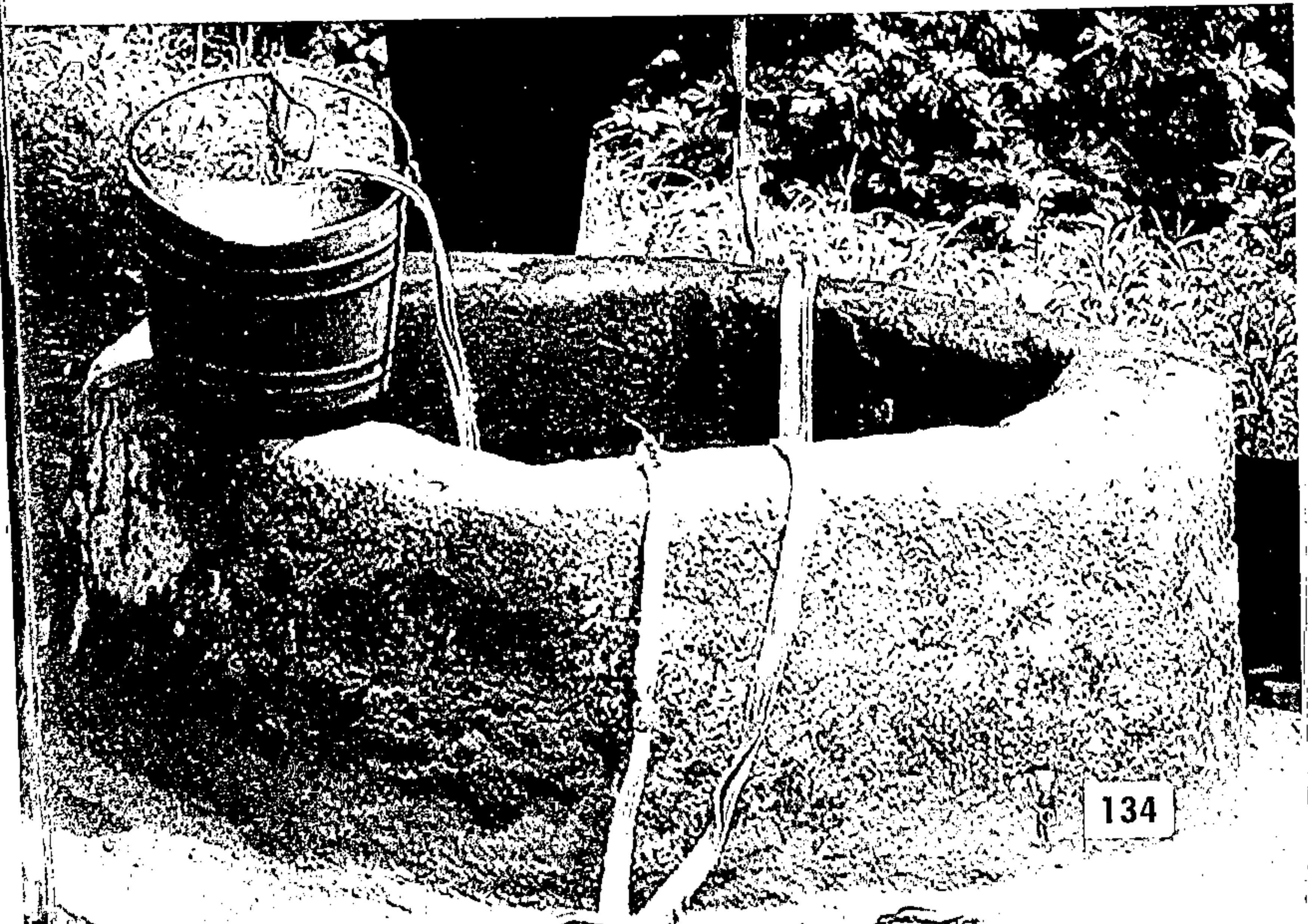
لیکن اس کے بعد پھر ایک اور آزمائش آجاتی ہے اور یوسف علیہ السلام جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مگر اب بھی یوسف علیہ السلام اپنی رہائی اور نجات کے بارے میں پرامید ہیں اور اپنے ایک ساتھی کو اپنی رہائی میں مدد کرنے کے بارے میں کہتے ہیں ایک دن یہ امید بھی پوری ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں یوسف علیہ السلام کی جدائی میں رو رو کر روشنی سے محروم ہوجاتی ہیں مگر پھر بھی امید کو تھامے رہتے ہیں اور فرماتے ہیں:

إِنَّمَآ أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِيٓ إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (سورہ یوسف)

میں تو اپنے غم اور پریشانی کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں میں اللہ سے وہ امید رکھتا ہوں جن کی تمہیں خبر ہی نہیں۔

حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اپنے والد سے یہاں تک کہہ بیٹھے تھے:

تَاللَّهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ

اللہ تعالیٰ کی قسم آپ یوسف علیہ السلام کا ذکر کرتے کرتے اپنے آپ کو گھلا دیں گے یا تباہ کر ڈالیں گے۔ (سورہ یوسف)

مگر حضرت یعقوب علیہ السلام اس کے باوجود انتہائی پرامید ہیں اور اپنا شکوہ اللہ کو بتا کر تو حد ہی کر دی:

اے میرے بیٹو! ذرا دیکھو تو سہی یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش تو کرو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔

(سورہ یوسف)
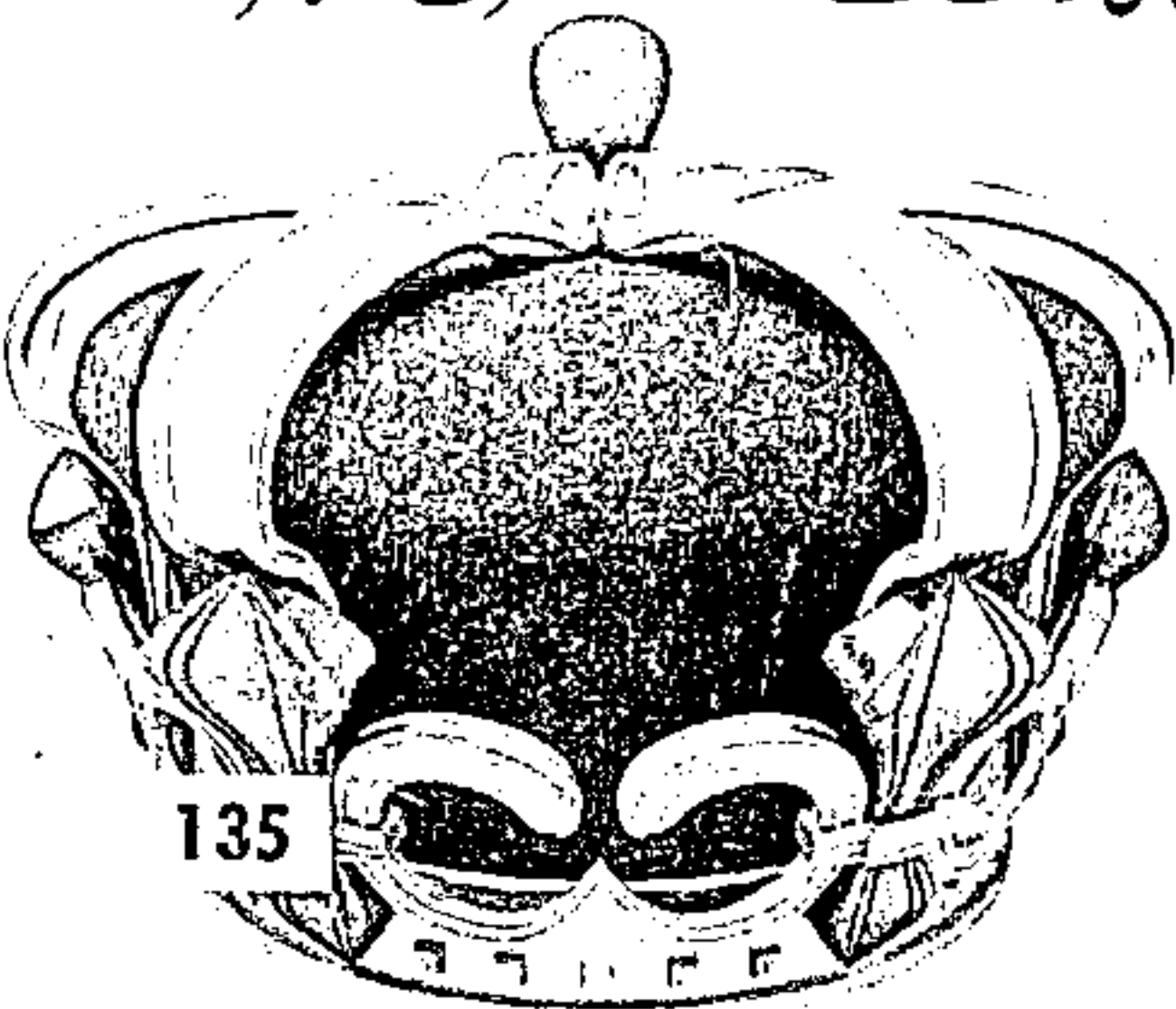
اندازہ لگائیے کس مرحلے اور کس قدر حضرت یعقوب علیہ السلام نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا 18 سالہ بیماری سے نجات

2 حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر تو ایک بے مثال اور ضرب المثل قصہ بن چکا ہے جو پہلے کافی خوش حال اور امیر تھے مگر اللہ تعالیٰ کی آزمائش آ گئی تمام اولاد مرگئی ہر قسم کی بیماریاں لاحق ہوگئیں صرف ایک زبان اور دل سالم بچے تھے اور ان کا صرف ایک بیوی نے ساتھ دیا سب لوگوں نے ساتھ چھوڑ دیا اٹھارہ برس تک اسی آزمائش میں ہے مگر اس کے باوجود انتہائی صابر اور اللہ تعالےٰ کی رحمت کے بارے میں پرامید تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں فریاد کردی:

أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِمِيْنَ (القرآن)

اے میرے رب مجھے سخت تکلیف پہنچ چکی ہے اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً دعا کو قبول فرما لیا اور وحی بھیجی

أُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَ شَرَابٌ

اپنا پاؤں زمین پر مارو اس جگہ سے نکلنے والے پانی سے غسل کرو اور خود بھی پیئو اتنی سی دیر میں ان کی یہ حالت ہوگئی کہ جب ان کی بیوی آئی تو ان سے پوچھنے لگی کہ یہاں کچھ دیر پہلے میرے بیمار خاوند حضرت ایوب علیہ السلام تھے کیا آپ نے انہیں کہیں دیکھا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا جی ہاں میں ہی ہوں اور اللہ نے اتنی جلدی شفاء بھی دے دی ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَوَهَبْنَا لَهٗ أَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔

(القرآن)

ہم نے ان کا خاندان واپس بخش دیا اور اتنا ہی مزید بھی عطا فرمایا یہ ہماری رحمت ہے اور عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے۔

ان کے لئے ان کی دولت اور اہل وعیال میں خوب برکت ہوئی اور دن دوگنی رات چگنی ترقی ہوئی۔

بارش سے پہلے حضرت نوحؑ نے کشتی بنائی اس سے سبق لیں

[3] تھامس ایڈیسن کا کہنا ہے کہ:

مَنِ الْمُفِيْدِ أَنْ تُخَطِّطَ لِلْأُمُوْرِ مُقَدِّماً فَلَمْ يَكُنِ الْمَطَرُ قَدْ نَزَلَ بَعْدَ حِيْنِ قَامَ نُوْحٌ بِبِنَاءِ سَفِيْنَةٍ

''ہر کام کا وقت سے پہلے انتظام بہت مفید ہوتا ہے ابھی بارش نازل نہیں ہوئی تھی کہ حضرت نوحؑ نے کشتی بنالی تھی''

اس لئے مشکلات اور برے وقت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، کس وقت آن پہنچے اور آدمی کو جھنجھوڑ کر رکھ دے، اس لئے اس سے ڈرنے کے بجائے اس کا مقابلہ کرنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ بھاگنا تو فضول ہے کیونکہ کہاں تک اور کب تک بھاگیں گے اس سے مشکل اور مصیبت کا حجم بڑھتا ہی چلا جائے گا کم نہیں ہوگا۔
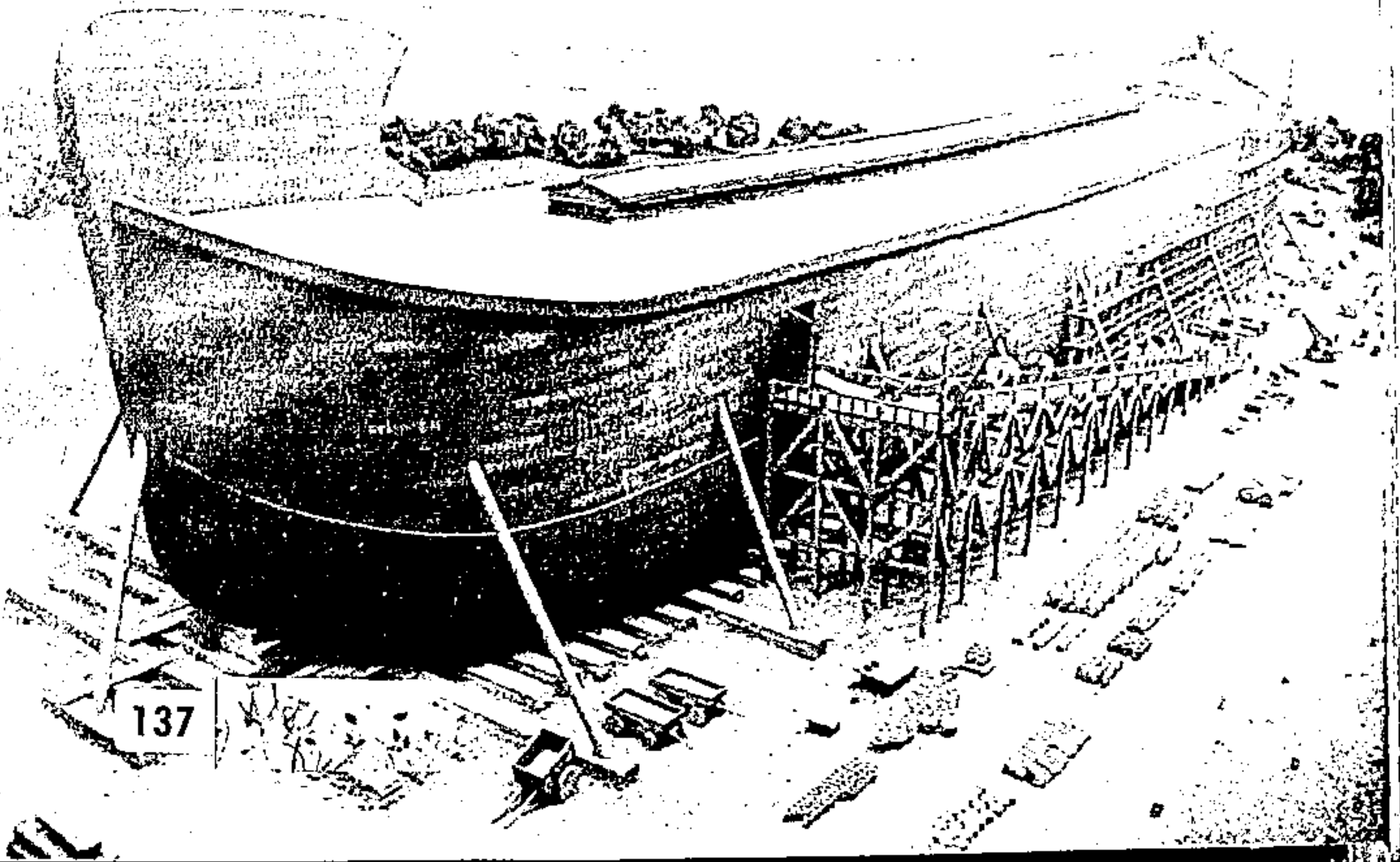
یونس علیہ السلام کا سمندر سے نجات پانا

4 عراق کے شہر میں ایک علاقہ نینوا تھا جس کے باشندے کفر اور شرک میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو انہیں تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا مگر اس قوم نے اپنی حرکات چھوڑنے اور حضرت یونس علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں عذاب کی اطلاع دے دو اور خود یونس علیہ السلام علاقہ چھوڑ کر نکل گئے راستے میں دریا میں کشتی پر سوار ہوئے جو آگے چل کر ڈگمگانے لگی تو ایک آدمی کو کشتی سے نکال پھینکنے کا پروگرام بنایا۔

اور قرعہ اندازی کی تینوں بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا جس پر انہیں دریا میں پھینک دیا گیا جہاں فوراً ایک مچھلی نے نگل لیا۔ جب ایک آدمی کو مچھلی مکمل طور پر نگل جائے تو ساری امیدیں ختم ہوجاتی ہیں مگر حضرت یونس علیہ السلام اس موقع پر نا امید نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھی اور فریاد کرنے لگے اور مسلسل آیت کریمہ کا ورد جاری رکھا۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان اور اس کی سوچ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے

مچھلی کے پیٹ میں بھی جا کر امید زندہ رکھی اور نجات پانے اور بچ جانے کا سوچتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ سے واپس زندہ نکال دیا اور یہی نہیں بلکہ قیامت تک کی انسانیت کو ایک سبق بھی دے دیا اور فرمایا کہ:

اِنَّا کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْن

''ہم ان کی طرح دوسرے مومنوں کو بھی نجات دیں گے''۔

یعنی جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے امید قائم رکھے اور اس کو یاد کرے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اللہ تعالیٰ اسے بھی بے پناہ عنایت فرمائیں گے اور یہ کام مالک کائنات اور خالق کائنات کے لیے مشکل نہیں ہے اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے:

فَاِنَّہٗ لَمْ یَدْعُ بِھَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیٍٔ قَطُّ اِلَّا اِسْتَجَابَ اللّٰہُ

جو مسلمان بھی اپنی کسی مصیبت میں یہ دعا آیت کریمہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی دُعا ضرور قبول کریں گے۔

90 سال کی عمر میں زکریا عَلَیہِ السَّلام کے گھر اولاد کا پیدا ہونا

5 حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام نے جب اپنے گم شدہ بیٹے کے بارے میں اپنے دوسرے بیٹوں کو مایوسی کی باتیں کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

''اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ...... بیشک اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی نااُمید ہوتے ہیں۔''

حضرت زکریا عَلَیہِ السَّلام کی عمر 95 سال ہو چکی تھی۔ داڑھی اور سر کے بال سفید ہو گئے۔ جسم میں طاقت باقی نہ رہی تھی۔ اہلیہ بھی بوڑھی اور بانجھ تھیں۔ خود انہیں بھی بڑھاپے نے آگھیرا تھا۔ مگر اس کے باوجود مایوس نہ ہوئے۔ اور ربّ العالمین کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے عرض کیا:

''اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں۔ اور سر شعلہ مارنے لگا ہے (سر کے بال سفید ہو چکے ہیں) اور اے میرے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔''

چنانچہ اس بار بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں محروم نہ کیا۔ اور انہیں بیٹے کی خوشخبری سنادی۔ اس خوش خبری نے خود انہیں تعجب میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے شدید خوشی کے عالم میں سوال کیا۔

''اے میرے پروردگار! میرے ہاں کس طرح لڑکا ہوگا۔ جب کہ میری بیوی بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔''

مقصد یہ تھا کہ کیا جوانی لوٹا کر بیٹا عطا کیا جائے گا۔ یا بڑھاپے ہی کی حالت میں جھولی بھر دی جائے گی۔

جواب آیا:

''اسی طرح ہوگا۔ تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے۔ کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے۔ اور تو خود جب کہ کچھ نہ تھا۔ میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔ پھر کیا میں بڑھاپے میں تجھے اولاد نہیں دے سکتا۔''

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی دوبارہ اپنے خاوند سے ملاقات

6 حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ خاوند اور چھوٹے بیٹے کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے کے لیے روانہ ہوئیں تو راستہ میں ان کی قوم بنو مغیرہ کے کچھ آدمی آ گئے اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے تم جو مرضی کرو مگر ہم اپنے قبیلے کی کسی عورت کو مدینہ نہیں جانے دیں گے یہ کہہ کر انہوں نے میرے اونٹ کی لگام حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین لی اس پر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے ہم بھی اپنا بچہ اس عورت کے پاس نہ چھوڑیں گے وہ بنو اسد نے چھین لیا۔ اب ہم تینوں کو الگ الگ کر دیا گیا۔ حضرت ابوسلمہ تو مدینہ چلے آئے اور بیٹا سلمہ رضی اللہ عنہ بنو اسد کے پاس اور میں اپنے قبیلے بنو مغیرہ کے پاس گرفتار تھی۔

میں روزانہ گھر سے باہر نکل کر ایک وادی میں بیٹھ کر روتی رہتی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتی رہتی تھی مگر اس عالم میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایک دن میرے ہی خاندان کے ایک آدمی نے مجھے روتا دیکھا اور میری حالت دیکھ کر اسے ترس آ گیا اس نے جا کر خاندان اور قبیلے میں کہا کہ اس مظلوم عورت کو کیوں اتنا تنگ کر دیا گیا ہے اس کے حال پر ترس کھاؤ۔

جس پر میرے قبیلے نے مجھے آزاد کر دیا قبیلہ عبدالاسد نے میرا بیٹا بھی واپس کر دیا اور میں اکیلی مدینہ کی طرف چل پڑی میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہ تھا۔ اس سفر میں بڑی تکالیف اٹھانا پڑیں مگر میں برداشت کرتی گئی ایک عورت جس کی گود میں بچہ ہو اور اتنا طویل سفر کیسے طے کر سکتی ہے دن کی گرمی اور رات کی وحشت کا تصور بھی بھیانک ہوتا ہے چہ جائیکہ ایک اکیلی عورت کو اس سے تنہا واسطہ پڑ جائے۔ جب مقام تنعیم میں پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اس تنہائی کو بھی ختم فرما دیا۔

وہاں قبیلہ بنو عبدالدار کے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انہوں نے یہ حالت اور سفر کے بارے میں پوچھا۔ میں نے انہیں ساری بات بتا دی تو انہیں بڑا ترس آیا اور میرے اونٹ کی لگام پکڑ کر چلنے لگ گئے۔ خدا تعالیٰ کی قسم ان جیسا عظیم کردار کا آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا جب راستے میں پڑاؤ آتا وہ اونٹ بٹھا کر دور جا کر کسی درخت کے سامنے بیٹھ جاتے اور روانگی کے وقت پھر اونٹ میرے پاس بٹھا کر دور چلے جاتے جب میں اونٹ پر بیٹھ جاتی تو پھر آ کر اونٹ کی لگام پکڑ کر منزل کی طرف چل پڑتے سارے راستے میں اسی طرح کرتے رہے جب قباء کی بستی آئی تو کہنے لگے کہ آپ کے خاوند یہاں ہیں اور انہیں ان سے ملا دیا۔ اتنے کٹھن اور مشکل حالات میں بھی امید کا دامن نہ چھوڑا آخر ایک دن مشکلات کا خاتمہ ہوگیا۔ اسی طرح آپ کو بھی خواہ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ ایک دن ضرور اللہ تعالیٰ حالات کو بدل کر رکھ دیں گے۔
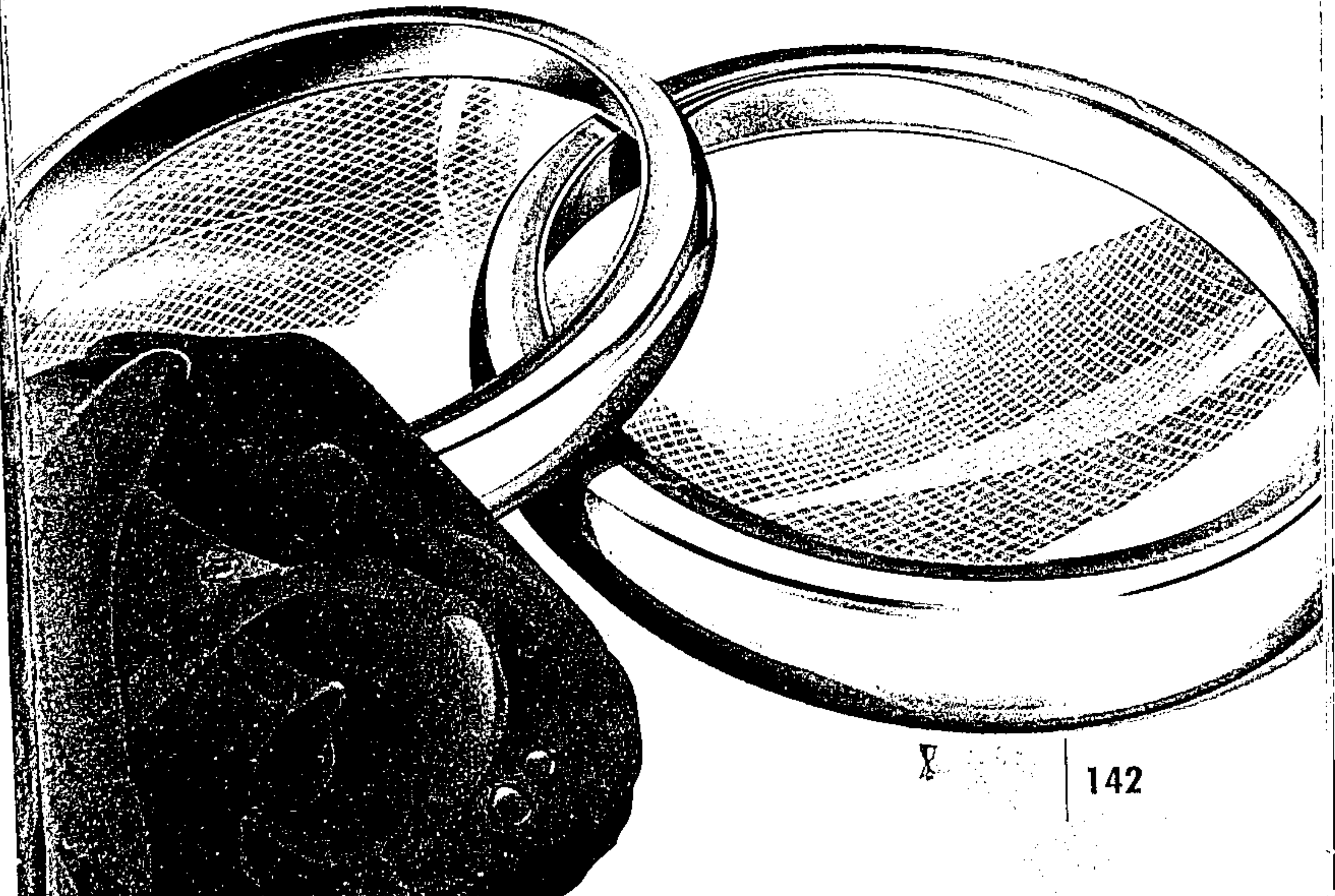
غزوۂ خندق: اعصاب شکن معرکہ

7 بنونضیر کے یہودیوں نے اپنی مدینہ سے جلاوطنی کا انتقام لینے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کرنے کی ٹھان لی۔ ان کے بڑے کے پاس گئے اور ان کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ پھر بنو غطفان کو بھی لالچ دی کہ اگر تم ہمارے اور قریش کے ساتھ مل جاؤ تو خیبر کی ایک سال کی کھجوریں تمہیں دے دیں گے۔ بنوغطفان بھی لالچ میں تیار ہوگئے۔

اس طرح ایک طاقت ور لشکر جو ہزاروں جنگ جوؤں پر مشتمل تھا، سن 5 ہجری شوال کے مہینے میں ابوسفیان کی زیرِقیادت مدینہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔

دشمنوں کی تیاری کی اطلاع ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سب کو پسند آئی کہ مدینہ کے اطراف میں ایک بڑی خندق کھود لی جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب خندق کی کھدائی میں لگ گئے۔ یہ وہی وقت تھا جب دشمن لشکر تیار کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

ایک موقع پر ایک بہت بڑی چٹان سامنے آگئی جس کو لاکھ کوشش کے باوجود صحابہ نہ توڑ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر چند ضربیں لگائیں ہر ضرب کے ساتھ چنگاریاں نکلتیں اور چٹان کا کچھ حصہ ٹوٹ جاتا۔ اس دوران آپ کو فارس اور روم کے محلات دکھائے گئے اور فتح کی بشارت دی گئی۔ بہرحال رات کی ٹھنڈک اور سردی اور دن کی تپتی دھوپ برداشت کرتے ہوئے مسلمانوں نے ایک ماہ کی مدت میں خندق کی کھدائی کا کام مکمل کرلیا۔

قریش نے جبل احد کے راستہ کا انتخاب کیا، لیکن اس کے پہلے دستے جیسے ہی جبل احد سے اترے تو گہری خندق کو اپنا استقبال کرتے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان کے لیے جنگ کا یہ انداز بالکل اجنبی تھا۔ لاکھ تدبیریں سوچنے کے باوجود وہ اس کا کوئی حل تلاش نہ کرپائے۔ تنگ آکر انھوں نے خندق کے پار ہی ڈیرا ڈال دیا۔

آخر ان کے لشکر میں پھوٹ پڑگئی اور آپس ہی میں لڑنے لگے۔ بہت سے لوگ

بے حس وحرکت پڑے رہنے کو بے وقوفی خیال کر رہے تھے۔ واپسی پر اصرار کر رہے تھے لیکن کچھ لوگ مزید انتظار کرنے پر مصر تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور تیز ٹھنڈی ہواؤں کے جھکڑ ان پر چلا دیئے۔ جس نے ان کے خیموں کو اُڑا دیا، ان کی دیگوں کو الٹ دیا، ان کی آگ کو بجھا دیا۔ اب دشمنوں کے دل میں رعب پیدا ہوگیا اور سروں پر خوف سوار ہوگیا۔ بالآخر وہ الٹے قدموں بھاگ کھڑے ہوئے۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کو ایک دشمن بھی نظر نہ آیا سوائے بکھرے ہوئے خیموں، اوندھے برتنوں اور دھواں اڑاتے کوئلوں کے۔ کل خندق کے پار دشمنوں کا جو لشکر ٹھاٹھیں مار رہا تھا آج وہاں ان کے بکھرے ہوئے سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ مسلمانوں کے دل اپنے اس پروردگار کے شکر کے جذبات سے بھر گئے جو اپنے اوپر اعتماد کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔

یہ جنگ صرف میدان کی جنگ نہیں تھی بلکہ اعصاب کو چٹخا دینے والا اور دلوں کو ہلا دینے والا ایک خوفناک معرکہ تھا۔ یہ مسلمانوں کے ایمان کی آزمائش اور ان کے توکل کا امتحان تھا۔ مسلمان جس میں کامیاب ہوئے اپنے پروردگار سے حسن ظن اور اس پر یقین کامل کی بنیاد پر۔ اور مشرکین و منافقین کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ (حوالہ سیرت مصطفی ﷺ)
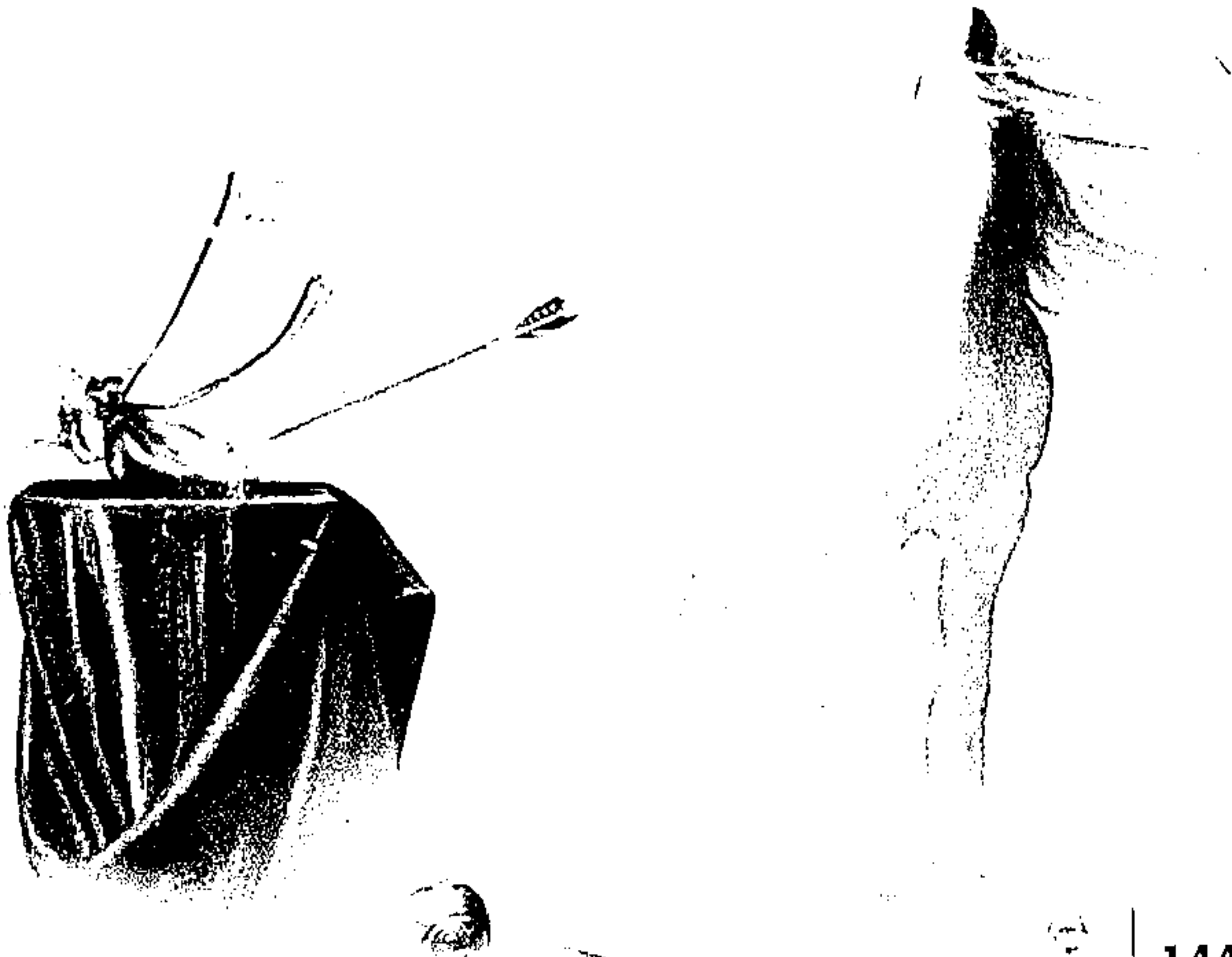
چیونٹی کامیاب ہو سکتی ہے تو میں کیوں نہیں؟

[8] ''یحییٰ نحوی'' ایک عام ملاح تھے جو اپنی کشتی میں لوگوں کو نہر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے چھوڑتے اور ان سے کرایہ لیتے۔ جزیرۂ اسکندریہ کے اہل علم جب نہر عبور کرنے ان کی کشتی میں سوار ہوتے تو اپنے علمی مباحث میں مشغول ہو جاتے اور اس میں خوب بحث و مباحثہ کرتے۔ یحییٰ کو ان کی گفتگو سن کر علم کا شوق ہو گیا تھا۔ ایک دن اس پر اس سوچ کا غلبہ ہو گیا کہ وہ ملاحی چھوڑ کر علم کی راہ اختیار کر لے، لیکن اسے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ پینتالیس (45) سال تو ملاحی میں گزار دیئے، بھلا اب اس عمر میں میں کیا علم حاصل کروں گا؟
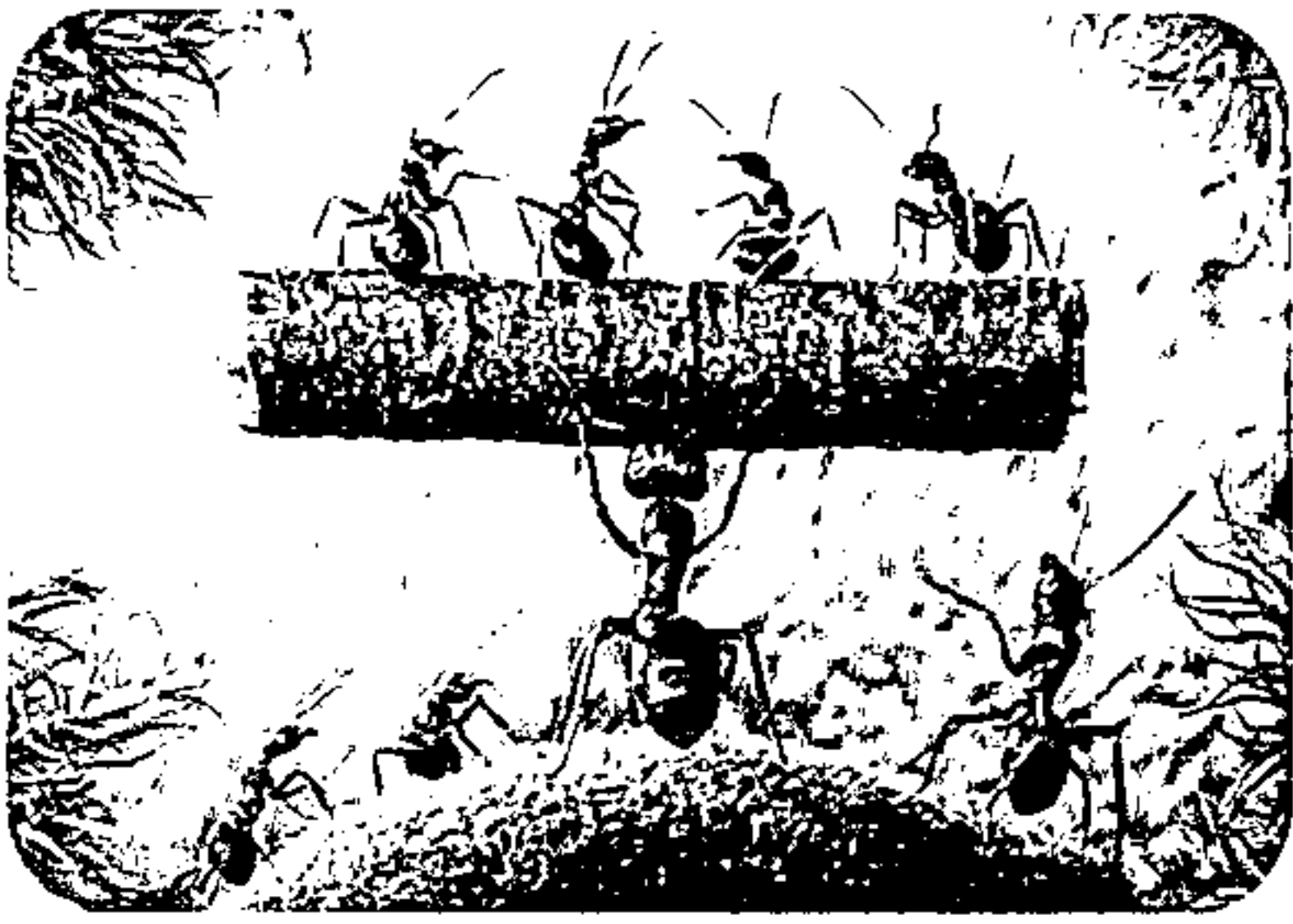
وہ اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس کی نظر ایک چیونٹی پر پڑی جو اناج کا ایک دانہ لے کر درخت پر چڑھ رہی تھی، لیکن دانہ بڑا تھا، چھوٹ کر گر گیا۔ وہ دوبارہ درخت سے اتری اور پھر لے کر چڑھی۔ ایسا کئی بار ہوا۔ آخر کار وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں تک کہ اسے لے کر اپنے بل تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

بس اس منظر نے اس کی زندگی بدل دی۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ کمزور سی مخلوق اپنے وزن سے کئی گنا بڑا دانہ کوشش کر کے اپنے بل میں لے جا سکتی ہے تو میں بھی اس عمر میں اگر محنت اور کوشش سے کام لوں تو ضرور علم سیکھ سکتا ہوں۔ بس وہ اسی وقت اٹھا، اپنی کشتی بیچی اور مدرسہ جا کر طلبہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ عربی نحو، صرف، بلاغت و دیگر علوم میں محنت کرنے لگا۔ خاص طور پر علم نحو اس کی توجہ کا مرکز تھا۔ اسے اپنی محنت کا ثمرہ ملا اور کشتی کا ملاح نحو کا امام بن گیا۔ اب دنیا اسے علم نحو کے اولین ترتیب دینے والوں میں سے شمار کرتی ہے۔
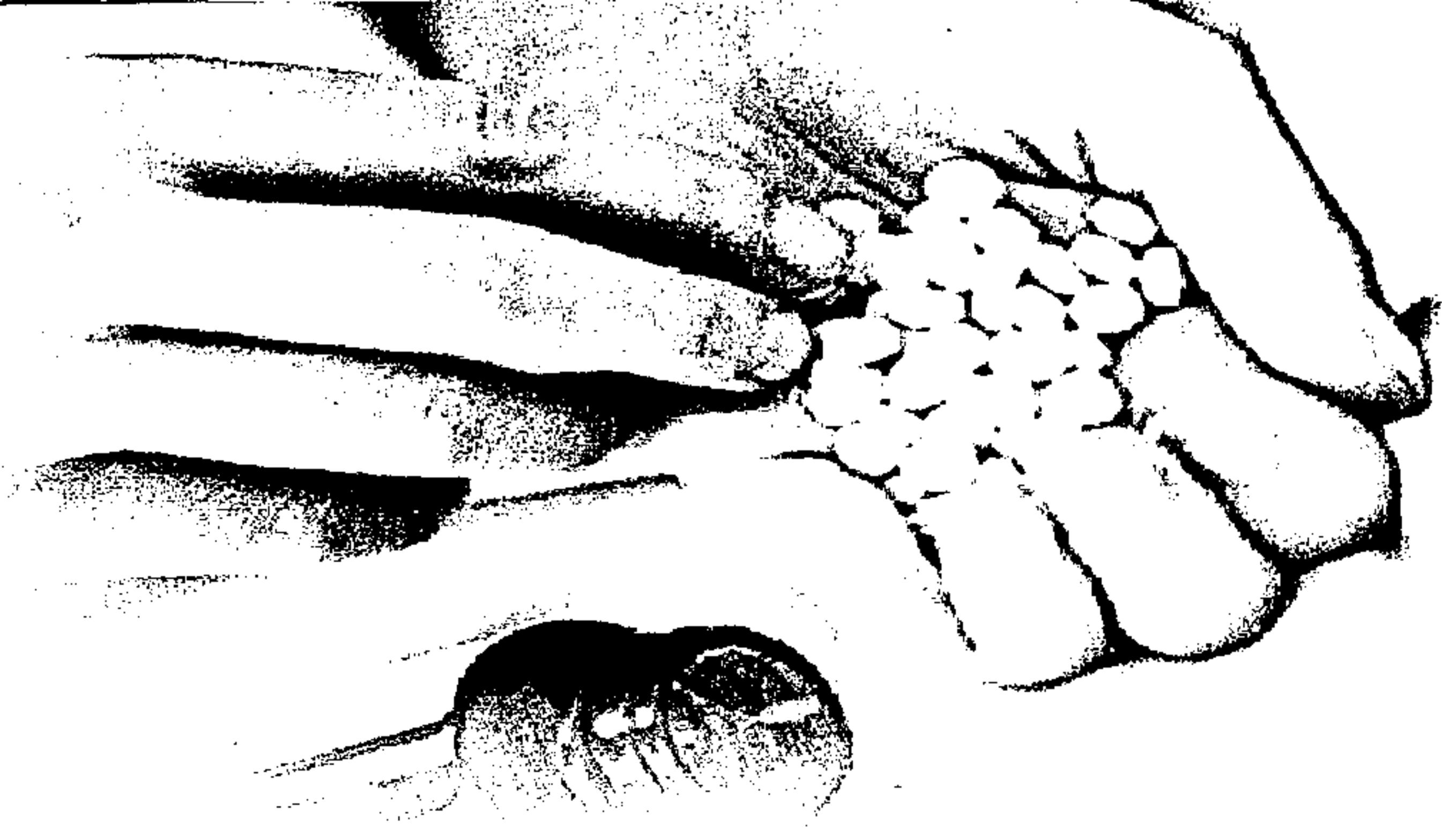
کامیابی کا ایک گُر

9 اگر کسی مقام پر آگے بڑھنے اور ترقی کے امکانات نہ ہوں تو پھر جگہ بدل کر کوشش کریں تاریخ ایسی ہستیوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اس گر کے ذریعے عروج حاصل کیا۔

بعض ایسے غریب لوگ تھے جو دوسرے ملکوں میں گئے پہلے انہیں عام مزدور بن کر کام کرنا پڑا پھر انہوں نے اپنی ہمت اور عقل کو استعمال کیا محنت مستقل مزاجی اور جان لیوا صبر کے بل بوتے پر وہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد کو پیچھے چھوڑ گئے اور تاریخ میں اپنا نام ریکارڈ کروا دیا۔

ایک لڑکی اپنے باپ سے کہنے لگی میں تو زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ ایک پریشانی ختم ہوتی ہے تو دوسری مصیبت سر پر آ کھڑی ہوتی ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں۔

اس کے والد نے اس کی بات سنی اور اسے کچن میں لے گیا جہاں اس کے والد نے تین الگ الگ برتنوں میں پانی ڈال کر ایک میں گوشت ایک میں انڈا اور ایک میں کافی ڈال کر آگ جلا کر چولہے پر چڑھا دیئے۔ کافی دیر بعد جب پانی خوب کھولنے لگا تو اس کے والد نے تینوں برتن اتار کر ٹھنڈا ہونے پر بیٹی سے کہا ہر ایک کو چیک کرو اور بتاؤ کہ ان میں کیا تبدیلی ہوئی ہے تو بیٹی نے گوشت کو چیک کر کے بتایا کہ یہ پہلے سخت تھا مگر اب گھل کر نرم ہوگیا ہے جب کہ دوسرے میں انڈا ہے جس پر اگرچہ پہلے کی طرح چھلکا ہے مگر چھلکے کے اندر پانی کی طرح سیال مادہ تھا مگر اب اس میں سخت اور ٹھوس مواد بن گیا ہے جبکہ کافی تو پانی میں حل ہو کر یک جان و یک جسم ہو چکے ہیں۔

تو اس کا باپ کہنے لگا بالکل یہی حال ہر آدمی کا ہے مشکلات، پریشانیاں دکھ آفتیں سب ایک ہی جیسی آتی ہیں مگر کچھ لوگ گوشت کی طرح کمزور اور پگھل جاتے ہیں کچھ لوگ کافی کی طرح اپنا وجود ہی کھو بیٹھتے ہیں مگر کچھ لوگ انڈے کی طرح ان مشکلات کے آنے کے بعد گرم پانی میں ڈالے گئے۔ انڈے کی طرح پہلے سے زیادہ سخت مضبوط پکے اور جاں گسل ہوجاتے ہیں۔ اب تو یہ تم پر ہے کہ تم کافی بنو، گوشت کی طرح ہوجاؤ یا پھر انڈے کی طرح رہو مشکلات مشکلات ہی ہوتی ہیں ہر آدمی کا اپنا پختہ عزم اور مستقل مزاجی ان کی شدت کوکم یا زیادہ کرتی ہے۔

اس لڑکی کا کہنا ہے کہ میں نے والد کی نصیحت کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ دوران انٹرویو کہا کہ پہلے میں مشکلات کو پہاڑ کی طرح سمجھ کر اس کا غم اپنے دل میں لئے ٹینشن میں مبتلا رہتی تھی مگر جب سے میں نے مشکل کو مشکل سمجھنا چھوڑ دیا بلکہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تو مشکلات حل ہوتی چلی گئیں۔ میری آپ کو یہ نصیحت ہے کہ اگر آپ بھی پریشانیوں کا حل تلاش کریں اور جو ہو چکا اس پر غم نہ کریں ورنہ یہ غم آپ کو کامیابی سے دور لے جائے گا اور مزید پریشانیوں اور بیماریوں میں دھکیل دے گا۔

چیونٹی کی 100 ویں کوشش کامیاب ہوگئی

10 ایک جنگ میں مشہور بادشاہ تیمور کو شکست ہوگئی جس سے وہ انتہائی غمگین اور افسردہ تھا اپنے لشکر سے دور ہٹ کر تنہائی میں پریشان بیٹھا تھا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک چیونٹی گندم کا دانہ لے کر چڑھنے کی کوشش کرتی ہے مگر پھر گر جاتی ہے، دوسری تیسری غرضیکہ متعدد بار کوشش کرتی ہے مگر پھر گر جاتی ہے۔ اب تیمور لنگ کی اس چیونٹی پر نظر جم گئی جو اتنی دفعہ گرنے کے باوجود ہمت نہیں ہار رہی تھی۔

وہ بدستور کوشش میں لگی رہی تیمور اس چیونٹی کا دیوار پر چڑھنے اور گرنے کو گنتا رہا آخر کافی دیر بعد انتہائی کوشش سے کامیاب ہوگئی اور دیوار پر چڑھ گئی۔ اسے دیکھ کر بادشاہ تیمور لنگ کو جوش آ گیا اس واقعہ نے اس کے ذہن کو ہلا کر رکھ دیا اور کہنے لگا کہ ایک چھوٹی سے چیونٹی اگر امید کا دامن نہیں چھوڑتی تو میں کیوں امید کو چھوڑ بیٹھا ہوں۔ اب کی بار تیمور لنگ نے پھر ایک بڑا لشکر تیار کیا اور دشمن پر حملہ کر دیا اور حیرت انگیز طور پر اس بار اسے کامیابی مل گئی۔

اس کوشش نے تیمور کو ہندوستان پر حکومت کرنے والا مغل بادشاہ بنا دیا جس نے 150 سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔
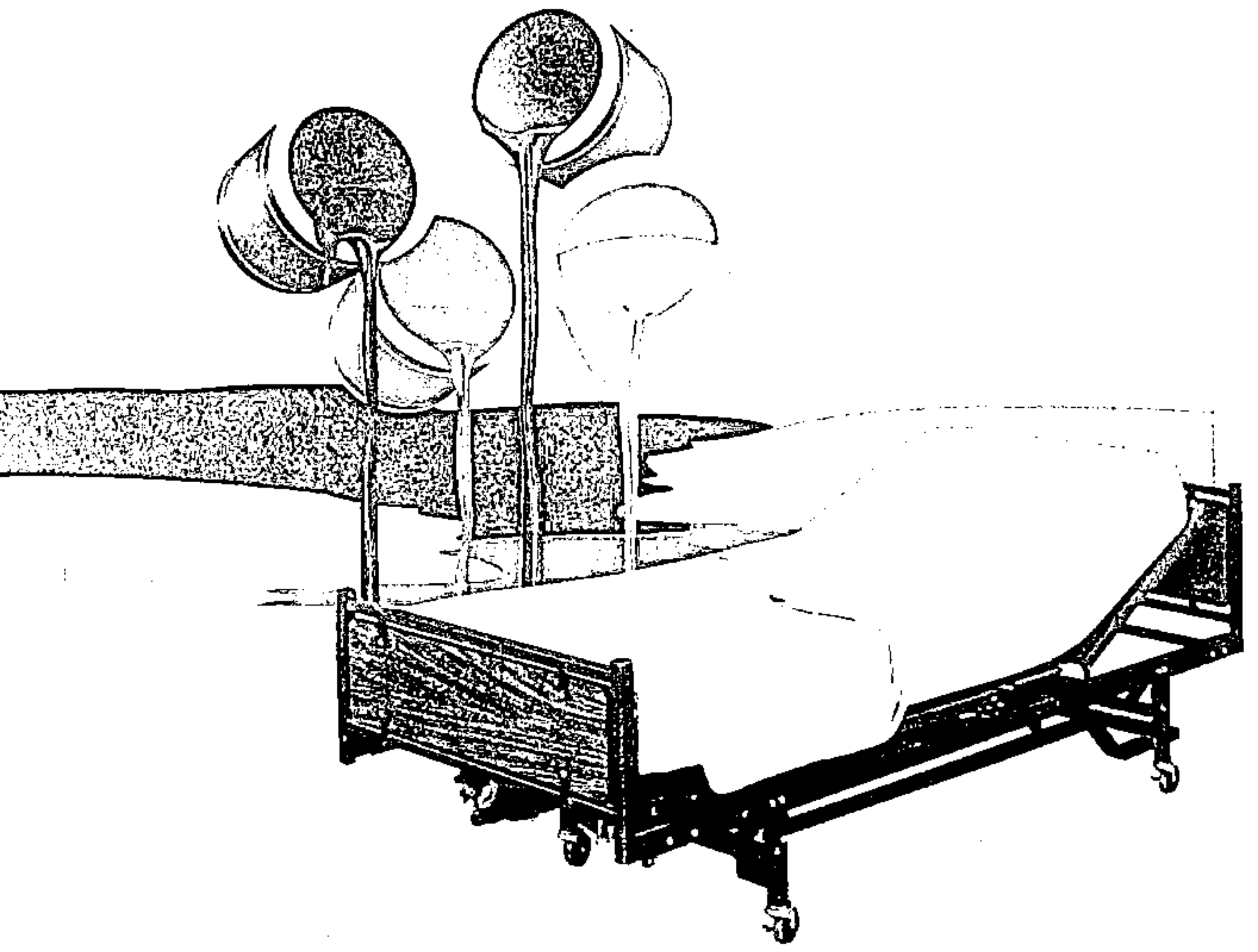
فالج زدہ پینٹر

11 ایران کا مشہور پینٹر ''صادقی'' فالج کے حملے کے بعد چل پھر نہیں سکتا تھا ہر وقت چار پائی پر پڑا رہتا تھا اس پر یہ حملہ سولہ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور اس نے برش سے وہ کارنامہ سرانجام دیا کہ ملکی سطح کا مشہور پینٹر بن گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس فالج کے حملے سے پہلے میرے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ میں ایک ملکی سطح کی مشہور شخصیت بن سکوں گا۔

3- مشہور انگریزی نظریاتی طبیعات دان اسٹیفن ولیم ہوکنگ جس نے Abrief History of Time (وقت کی ایک مختصر تاریخ) لکھی جس کا ایک چوتھائی جسم مفلوج تھا مگر اس کی تحقیقات نے اسے نہ صرف ملکی بلکہ عالمی سطح پر مشہور کر دیا تھا۔

بھوک کی وجہ سے پتے کھانے والا امام بخاری بن گیا

12 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ رات کو جب بستر پر لیٹتے کوئی علمی بات یاد آتی تو اٹھ کر چراغ جلاتے پھر اسے لکھ لیتے تھے پھر چراغ بجھا کر سو جاتے تھے۔ پھر کوئی اور بات یاد آنے پر ایک بار پھر چراغ جلا کر بات لکھ کر چراغ بجھا کر سو جاتے۔ بعض دفعہ تو ایک ایک رات میں بیس دفعہ بھی ایسی نوبت آتی تھی مگر کبھی زندگی بھر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا بعض دفعہ بھوک کی وجہ سے درختوں کے پتے اور گھاس بھی کھانا پڑا مگر مایوس نہیں ہوئے اور آج ان کی کتاب تمام احادیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ اہم تسلیم کی جاتی ہے۔ (لاتائیس 184)

4- یمن کا مشہور شاعر عبداللہ البردونی اندھا تھا مگر اپنے تمام ہم عصر شعراء سے بھی بڑھ گیا اور اسے دورِ حاضر کا معرّی کا خطاب دیا گیا۔

5- ہیلین کیلر امریکی پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہے مگر آنکھوں سے محروم تھا اس نے فلسفہ میں گرانقدر تحقیقی کام کیا۔
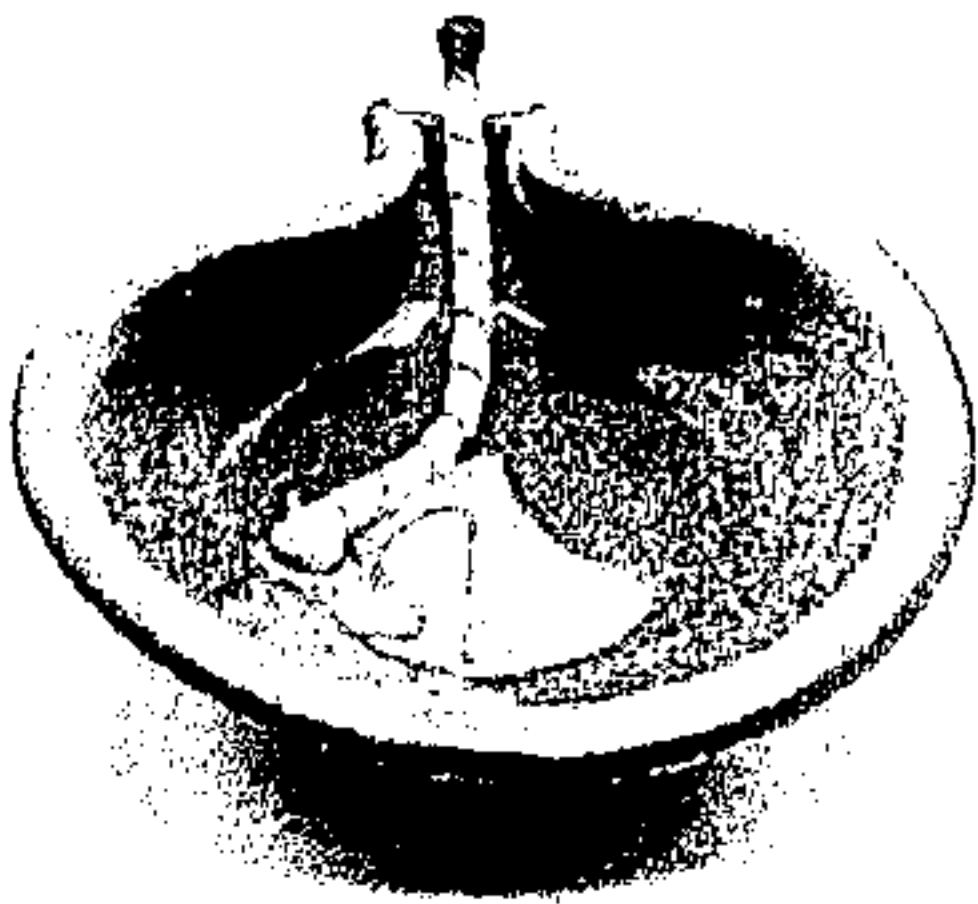
بچپن کے مضبوط ارادے حقیقت کیسے بنے؟

13 ڈاکٹر احمد زویل جنہوں نے 1999ء میں کیمسٹری کا نوبل انعام حاصل کیا بچپن سے ہی اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا سابقہ لگا دیا تھا جب کہ ابھی ابتدائی تعلیم بھی مکمل نہ کی تھی اور ان کے والد انہیں بچپن ہی سے ڈاکٹر احمد کہہ کر پکارتے تھے گویا انہوں نے بچپن ہی سے ڈاکٹر بننے کا مضبوط ارادہ کرلیا تھا اسی کا ثمرہ یہ نکلا کہ انہوں نے دنیا کا عظیم ترین ایوارڈ بھی حاصل کرلیا۔

14 مشہور عالمی پینٹر لیونارڈ نے بارہ سال کی عمر میں پختہ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ دنیا کا ایک مشہور آدمی بنے گا جو مختلف ملکی سربراہوں اور دنیا کے امیر ترین لوگوں کی طرح زندگی گزارے گا۔

15 مشہور پروفیسر باستو کہتے ہیں کہ میں آپ کو اپنے اس عظیم مقام تک پہنچنے اور کامیاب ہونے کا اصل راز بتاتا ہوں اور وہ ہے صرف اور صرف ''میرا پختہ فیصلہ کن عزم''۔
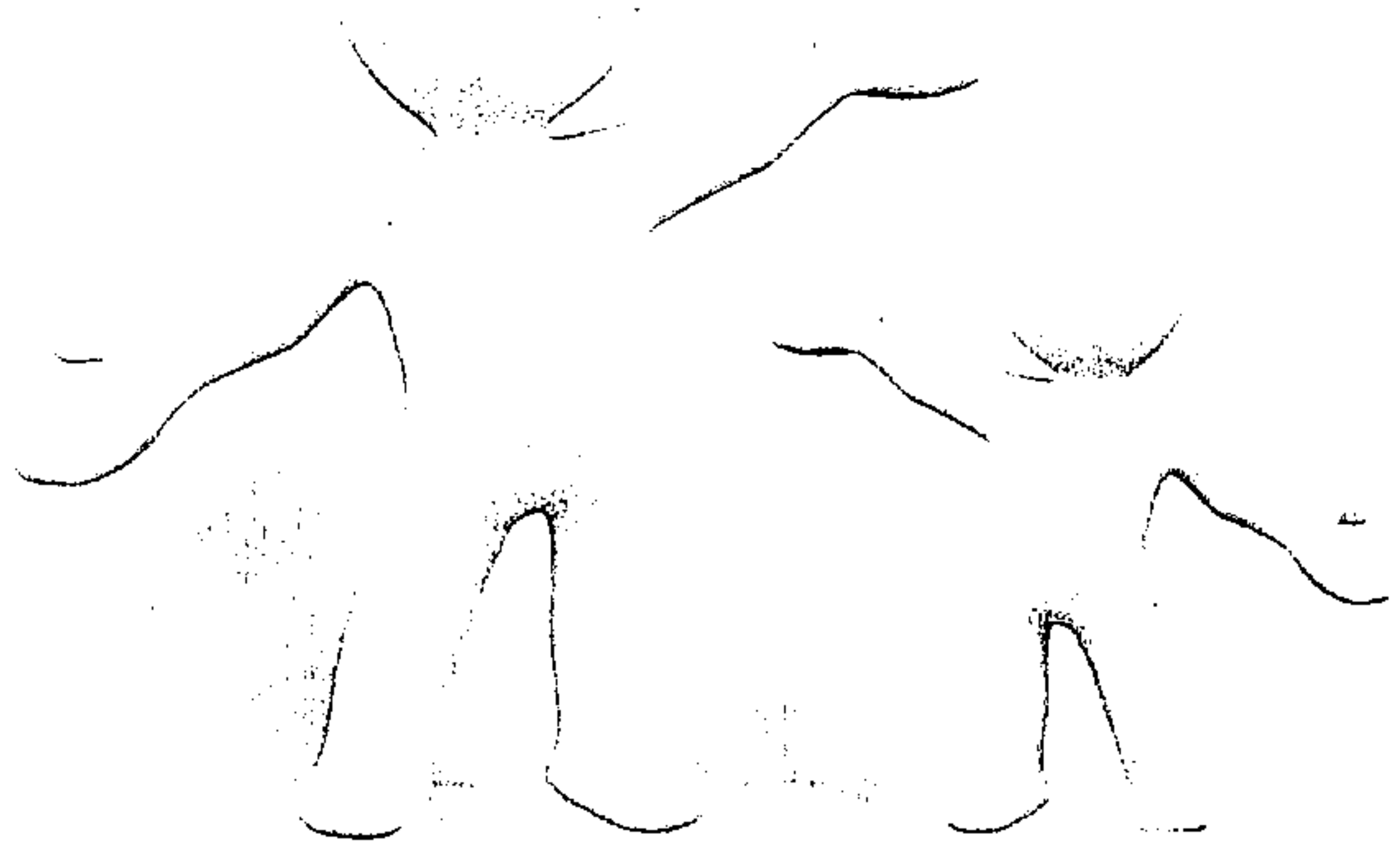
چھٹی جماعت میں فیل ہونے والا انگلینڈ کا وزیر بن گیا

16 ونسٹن چرچل جو انگلینڈ کے مشہور وزیر رہ چکا ہے کہا کرتا تھا کہ خبردار ہمت نہ ہارنا اور میدان چھوڑ کر نہ بھاگنا ایک دن ضرور کامیابی ملے گی۔ یہ خود بھی چھٹی جماعت میں فیل ہوگیا تھا اور اپنی پوری کلاس میں کند ذہن اور کم ذہن طالب علم تھا۔

17 جدید نفسیات کے مشہور پروفیسر ولیم جیمز لکھتے ہیں کہ عام لوگوں اور انتہائی قابل اور عظیم لوگوں میں فرق پیدائشی خصوصیات اور صلاحیتوں کا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ یہ فرق صرف ان کے پختہ ارادوں اور کوشش کا ہوتا ہے۔ جو پختہ ارادہ اور عزم کر کے کوشش شروع کر دے وہ ضرور مقام پر پہنچ جائے گا۔

18 محمد فاتح کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ قسطنطینہ کی جنگ کے دوران بستر پر نیند کے بجائے اپنے دفتر میں جنگی نقشوں پر ہی لیٹ کر کچھ آرام کرلیا کرتا تھا۔

19 امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا آپ نے اتنا زیادہ علم کیسے حاصل کرلیا تو فرمانے لگے یہ علم پختہ ارادے، دور دراز علاقوں تک علمی سفر، جان لیوا صبر اور نیند کی قربانی سے حاصل کیا ہے۔

20 مشہور فلسفی عالم محمد الفارابی نے ارسطو کی کتاب ''النفس'' سو بار پڑھی جب تک کہ انہیں اس پر عبور نہ ہوگیا۔ اسی طرح انہوں نے ارسطو ہی کی ایک دوسری کتاب ''السماع الطبیعی'' چالیس بار پڑھی۔

(لاتایئس 190)

حضرت داؤد علیہ السلام کی باہمتی کا دلچسپ واقعہ

21 ...... بائبل میں ایک واقعہ لکھا ہے......اور قرآن پاک میں بھی اس کا مختصر ذکر ہے......
کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت طالوت علیہ السلام وقت کے بادشاہ جالوت کے مقابلے کے لئے
گئے...... جالوت بڑا لحیم و شحیم جسیم اور طاقتور تھا......اس کی شکل و صورت ہی ایسی تھی...... کہ دیکھنے
سے ہیبت طاری ہو جاتی تھی...... طالوت علیہ السلام ضعیف العمر تھے...... اور حضرت داؤد علیہ السلام......
جوان تھے......اور ماشاء اللہ چڑھتی جوانی تھی...... جب دونوں حضرات نے جالوت کو دیکھا تو
حضرت طالوت علیہ السلام نے فرمایا:

''اسے مارنا تو بہت مشکل ہے......کیونکہ یہ تو بہت بڑا ہے''......

ادھر حضرت داؤد علیہ السلام فرمانے
لگے......
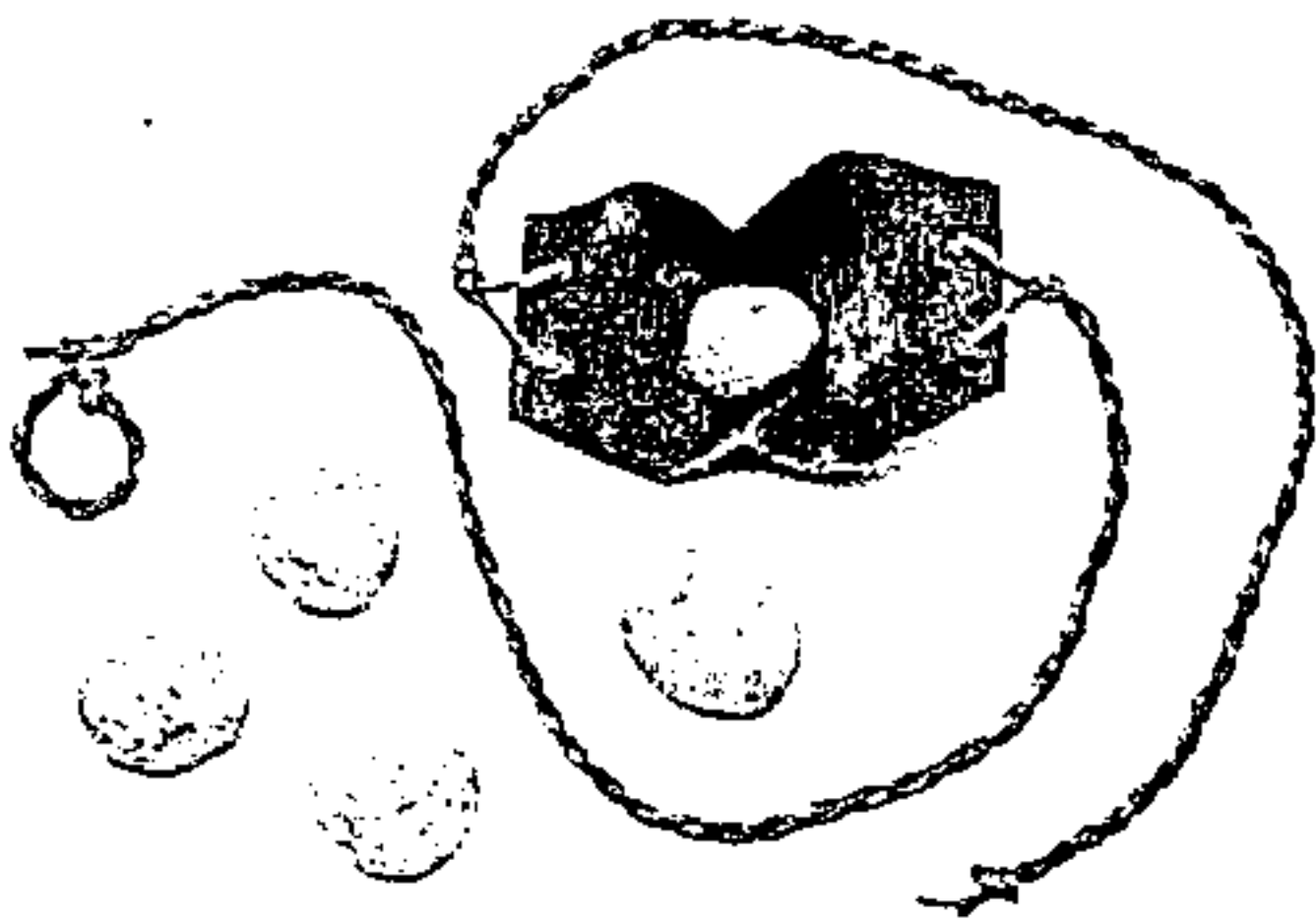
''اسے مارنا تو بہت آسان
ہے...... کیونکہ یہ تو بہت بڑا ہے......
میرا نشانہ کبھی خطا نہ ہوگا''......اور ایسے
ہی ہوا...... کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے
پتھر جالوت کی پیشانی پر مار اور ختم کر
کے جالوت کو شکست دے دی تو جو بھی آدمی مضبوط قوت ارادی سے کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی
مدد کرتے ہیں۔

مثبت سوچ رکھنے والا آدمی دنیا میں کچھ کر کے جاتا ہے......ذکر کرنے والا ہمیشہ مثبت سوچ کا حامل
ہوتا ہے......آپ بھی دل میں پختہ ارادہ کر لیں کہ دنیا میں کچھ کر کے مرنا ہے...... پختہ عزم کرنے کے
لیے کوئی مقصد متعین کریں...... کہ میں نے اس مقام تک پہنچنا ہے......مقصد متعین کر لینے سے آدمی کو
کام کرنے کا ایک میدان مل جاتا ہے...... جب تک انسان کے سامنے کوئی مقصد نہ ہو......تو زندگی میں
کامیابی مشکل ہے......اس طرح تو جیسے دنیا میں آئے تھے......ویسے ہی گزر جائیں گے......

لیکن یاد رکھیں کہ مقصد متعین کرنے کے لیے سوچ کا مثبت ہونا اور مضبوط قوت ارادی
بنیادی شرط ہے......اگر منفی سوچ کے ذریعے مقصد کا تعین کیا جائے گا......تو بجائے فائدہ کے الٹا
نقصان ہوگا......مثبت سوچ اور Will Power (قوت ارادی) کے ذریعے ناممکن کام بھی ممکن
بن جایا کرتے ہیں۔ (حوالہ: احقر کی کتاب سکون دل کے راستے 288)

باراک اوباما (سیاہ فام) امریکہ کا صدر کیسے بنا؟

22 ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم کامیابی پر یقین تو رکھتے ہیں لیکن اس راستے پر نہیں چلنا چاہتے جو ہمیں اس تک لے جاتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ہم جنت بھی جانا چاہتے ہیں لیکن مرنے کے لیے تیار بھی نہیں۔ شیخ عائض قرنی اپنی کتاب لاتحذن میں لکھتے ہیں کہ امریکی صدر باراک حسین اوباما سے جب صدر منتخب ہونے کے بعد پہلی بار انٹرویو لیا گیا تو اس نے ٹی وی اینکر پرسن کے اس سوال پر کہ ''ایک مڈل کلاس گھرانے کا سیاہ فام لڑکا امریکی صدر کیسے بن گیا؟'' کا بہت خوبصورت جواب دیا۔ اس نے کہا ''اس لیے کہ منزل کو پہچاننے کے بعد اس مڈل کلاس کے سیاہ فام لڑکے نے محنت اور جدوجہد سے دوستی کرلی تھی''۔

ہر کامیاب آدمی کی پہلی محبت جدوجہد ہے۔ وہ اسے اپنے خوابوں کو سچ کر دکھانے کا بہترین نسخہ سمجھتا ہے اور اس نسخے کو ساری زندگی سینے سے لگائے رکھتا ہے۔

آپ کے پاس صلاحیت، قابلیت، ذہانت اور اہلیت ہونا قسمت کی بات ہے لیکن محنت اور کوشش کی عادت آپ کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔

مالکم ایس فوربز کے بقول

''صلاحیت کارتوس ہے اور محنت بندوق''۔ صلاحیت کو صحیح ٹارگٹ اور سمت پر داغنے کے لیے ہمیں جدوجہد اور محنت کی بندوق چاہیے ورنہ یہ صلاحیت اور طاقت ہماری جیب میں پڑے کھوٹے سکوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

(لاتحزن)
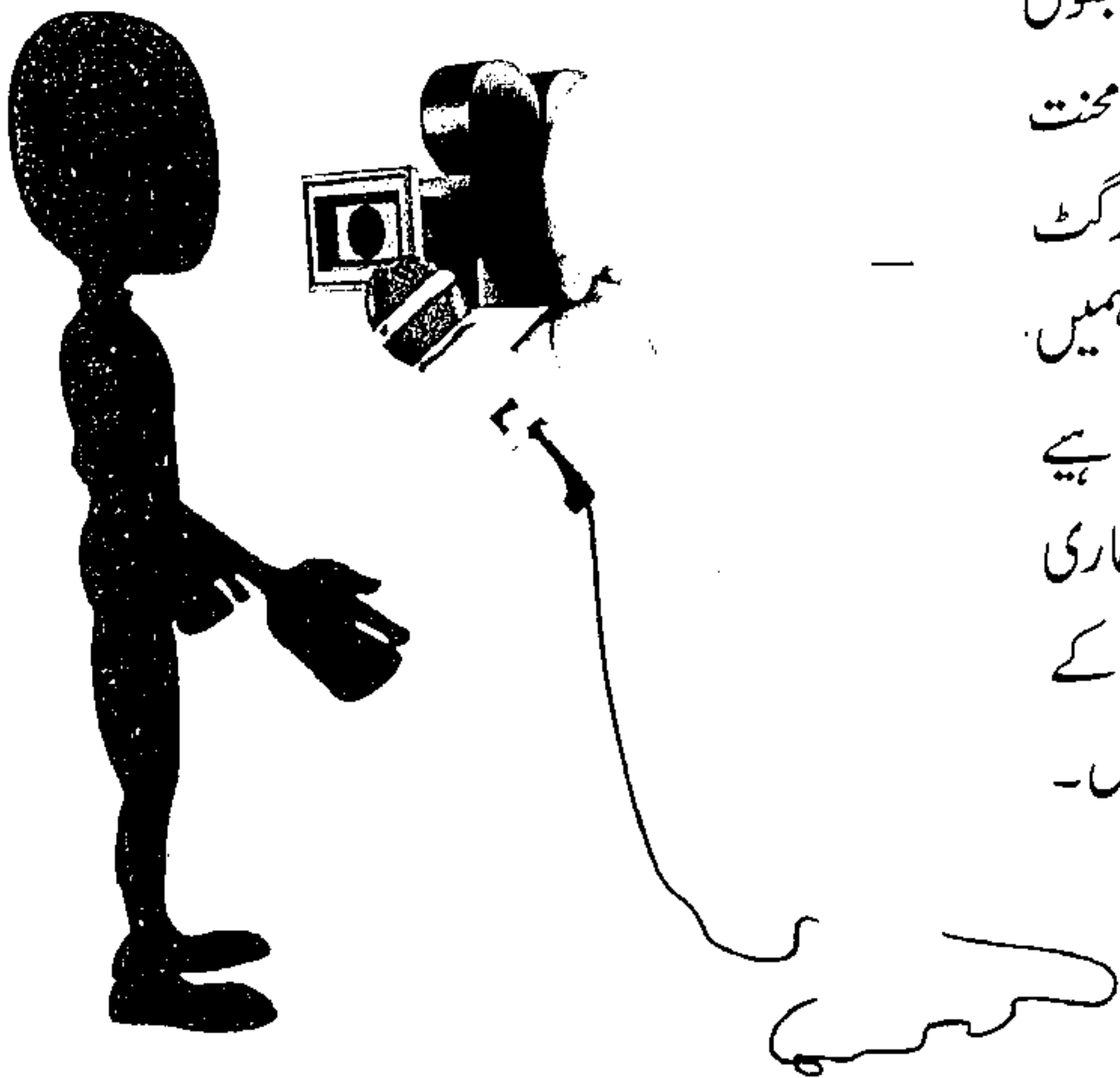
ذہین لڑکے کا ملازمت کیلئے بے مثال کوشش کرنا

23 ایک چالاک آدمی نے ایک ملازم لڑکے کی ضرورت کا اشتہار ایک اخبار میں دیا۔ جس کے جواب میں تیس لڑکوں کی درخواستیں وصول ہوئیں۔ جن کو امتحان کے لیے طلب کیا گیا۔ جب سب لڑکے اس آدمی کے پاس پہنچے تو اس نے ایک ایک گولہ ہر لڑکے کے سامنے رکھا اور انہیں کہا کہ وہ نشان زدہ جگہ پر سات سات مرتبہ اپنا اپنا گولہ پھینکیں۔ جس لڑکے کا گولہ اپنے نشانے پر زیادہ بار لگے گا۔ اس کو ملازم رکھ لیا جائے گا۔

سب لڑکوں نے کوشش کی۔ لیکن کوئی بھی اپنے نشانے پر گولہ نہ پھینک سکا۔ اس شخص نے انہیں آئندہ روز پھر آنے کو کہا۔ آپ یہ سن کر ضرور حیران ہوں گے کہ اگلے روز صرف ایک چھوٹا سا لڑکا حاضر ہوا اور اس نے آتے ہی یہ کہا کہ میں کل والے امتحان کے لیے حاضر ہوا ہوں جب اس کا امتحان لیا گیا تو اس لڑکے نے ہر بار اپنا گولہ ٹھیک پھینکا افسر نے کہا کہ کل تم گولہ نشانے پر نہ پھینک سکے تھے، جبکہ آج تمہارا نشانہ بھی غلط نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔

اس لڑکے نے جواب دیا میں گزشتہ رات گولہ پھینکنے کی مشق تمام شب کرتا رہا ہوں اور دوسرے مجھے اپنی ماں کی مدد کرنے کے لیے ملازمت کی ضرورت بھی تھی اس آدمی نے اس چھوٹے لڑکے کو اپنی دکان کے لیے ملازم رکھ لیا۔ (حوالہ زندگی کا سفر صفحہ 52)
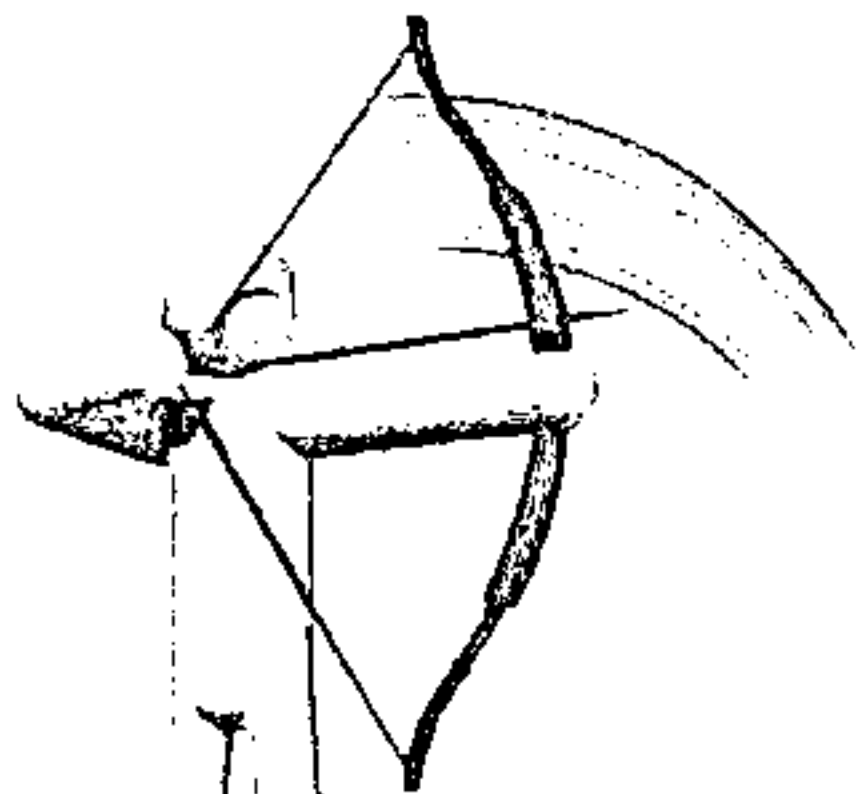
ناممکن کو ممکن کیسے بنایا؟

24 دنیا کے مشہور موجد جس کا نام ایڈیسن تھامسن ہے ہر ایجاد کی تکمیل کے بعد کہا کرتا تھا ''جب میں کسی ایجاد کو مکمل کر لیتا ہوں تو مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے لیے اب اس میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی ہے'' کیا کوئی شخص یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ کام سے محبت کرنے والے انسان کے لیے کسی ایجاد کا بدلہ یا انعام رنج بھی ہوسکتا ہے۔ جو اس ایجاد سے حاصل ہوتا ہے اس کے باوجود ایڈیسن تھامسن یہ کہتا تھا کہ ''میں اپنی ذات سے متعلق یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں۔''
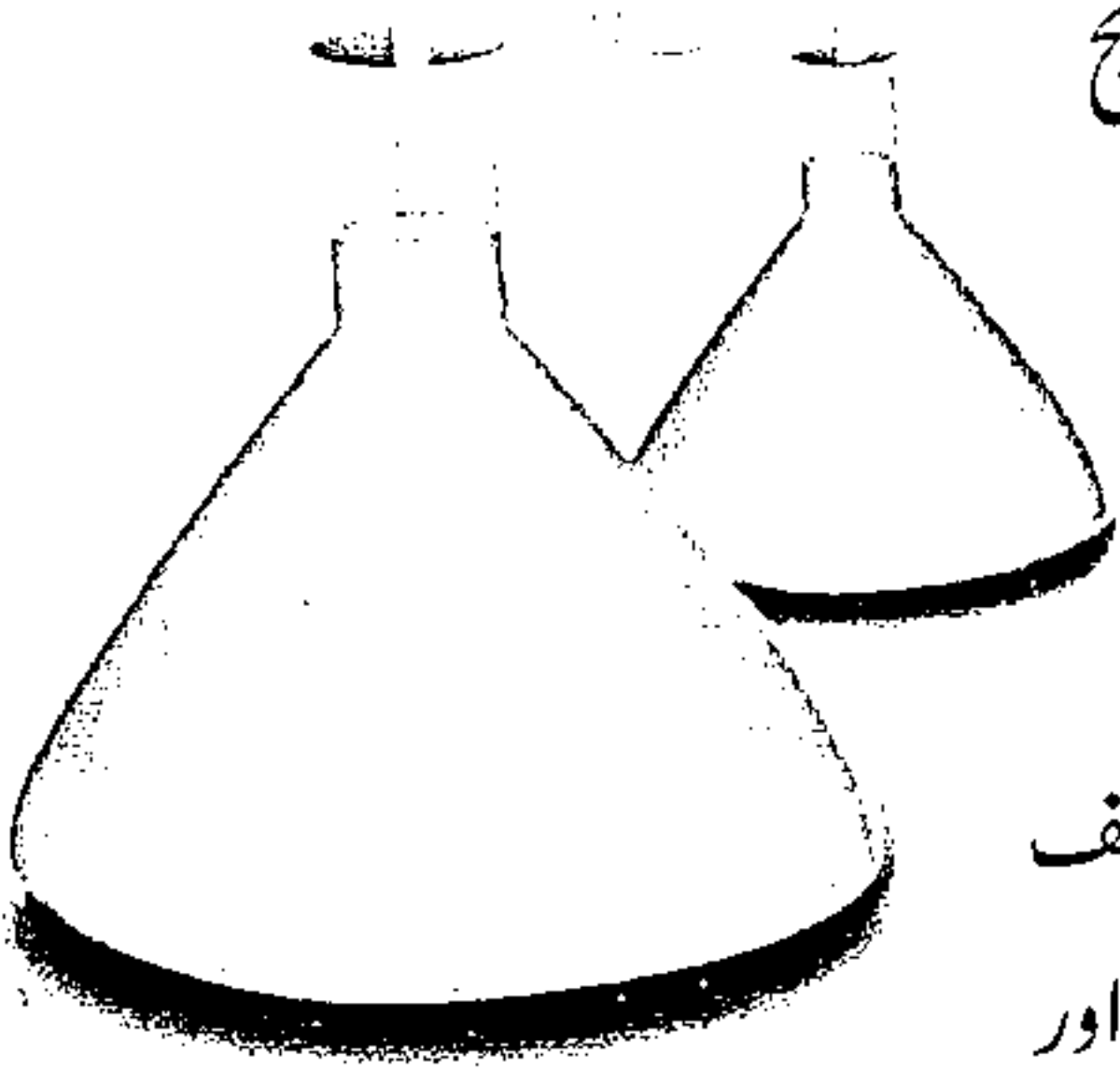
اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ اسے اپنی پوری زندگی میں جو لطف اور خوشی ان دنوں حاصل ہوئی تھی جب وہ ایک غریب لڑکا تھا اور تار برقی کی ترقی کے لیے کوششیں شروع کیں تھیں اور بہت معمولی آلات اور اوزاروں کی مدد سے یہ کام شروع کیا تھا میری تمام ایجادیں میری انتھک مسلسل اور پرخلوص محنت کا صلہ ہیں۔

(زندگی سفر)

اور جھونپڑی جل گئی

25 سمندر کے منہ زور طوفان نے اپنے سینہ پر ڈولتی کشتی کو غرق کر دیا۔ کشتی میں سوار لوگوں میں سے ایک کے ساتھ سمندر کی موجیں کچھ عرصہ کھیلتی رہیں پھر اسے ایک دور گم نام جزیرہ پر پھینک دیا۔ اس آدمی کو جیسے ہی ہوش آیا اور سانسیں بحال ہوئیں وہ گڑگڑا کر اللہ سے مدد طلب کرنے لگا، اس کے سامنے عاجزی اور انکساری کے آنسو بہانے لگا اور دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھے اس بے آباد جزیرے سے نجات دے کر دوبارہ گھر پہنچادے۔
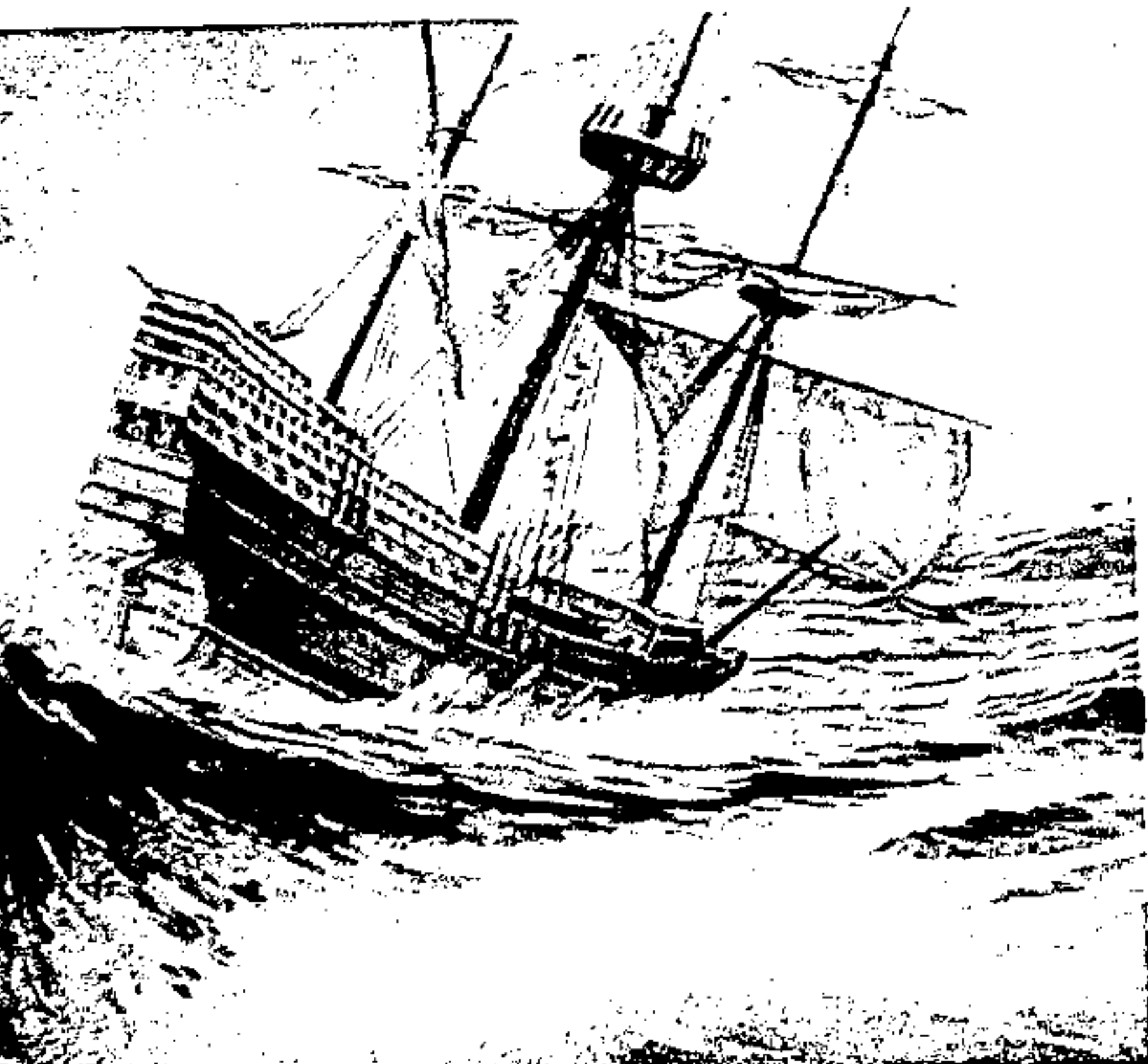
کافی دن گزر گئے، وہ درخت کے پتے، کڑوے پھل اور خرگوش شکار کرکے اپنے پیٹ کی آگ بجھاتا رہا اور دن کی گرمی اور رات کی ٹھنڈک سے بچنے کے لیے اس نے کئی دن کی محنت سے درخت کی شاخیں توڑ توڑ کر ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا لی۔ وہ خرگوش شکار کرتا، خشک لکڑیاں جمع کرکے جھونپڑی میں چقماق سے آگ جلاتا اور پھر خرگوش کے بھنے ہوئے گوشت سے پیٹ بھرتا۔ ایک مرتبہ اسی طرح وہ خرگوش کے بھننے کا انتظار کرتے ہوئے ساحل پر ٹہل رہا تھا کہ اچانک اس کو اپنی جھونپڑی سے آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر آئے، جب تک وہ جھونپڑی تک پہنچتا آگ نے سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

اب وہ ہمت ہار گیا اور اللہ کی ذات سے ناامید اور بدگمان ہونے لگا اور کہنے لگا:

''اے میرے پروردگار! تو نے میری جھونپڑی کیوں جلائی، مجھے اس دور دراز جزیرے میں لا پھینکا اور پھر جس جھونپڑی میں میں آرام کرتا تھا اس کو بھی جلا دیا، اے اللہ! تو نے مجھ سے آخری پناہ گاہ بھی چھین لی۔ اے اللہ! تجھے پوری کائنات میں جلانے کے لیے میری یہ جھونپڑی ہی ملی؟

رو رو کر نڈھال ہو گیا اور پھر تھک ہار کر بھوکا سو گیا۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک جہاز ساحل سے کچھ دور کھڑا ہے اور ایک چھوٹی سی کشتی جزیرے کے قریب آ رہی ہے۔ پھر وہ ان لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر جہاز پر پہنچ جاتا ہے، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، وہ جہاز والوں سے پوچھتا ہے کہ تمہیں اس جزیرے میں میری موجودگی کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہتے ہیں:

لَقَدْ رَأَیْنَا دُخَانًا فَعَرَفْنَا أَنَّ شَخْصاً مَا یَطْلُبُ الْاِنْقَاذ

''ہم نے دور سے جزیرے سے اٹھتا ہوا دھواں دیکھا ہم سمجھ گئے کہ ضرور کوئی شخص وہاں ہے جو ہمیں مدد کے لیے بلانا چاہ رہا ہے!''

وہ شخص بلک بلک کر رونے لگا اور بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

سُبْحَانَ مَنْ عَلِمَ بِحَالِیْ وَرَأیٰ مَکَانِیْ سُبْحَانَہٗ مُدَبِّرَ الْاُمُوْرِ کُلِّهَا مِنْ حَیْثُ لَانَدْرِیْ وَلَا نَعْلَمُ

''پاک ہے وہ ذات جو میری حالت سے بخوبی واقف تھی، اسے میری جگہ کی بھی خبر تھی، پاک ہے وہ ذات، وہ سارے معاملات کو اسی طرح چلاتی ہے کہ ہم اس کو نہ تو جان سکتے ہیں نہ ہی ادراک کر سکتے ہیں۔''

لہٰذا! جب حالات بگڑ جائیں اور آخری سہارا بھی ہاتھ سے چھن جائے تو بھی ہمت نہ ہارنا، بس اللہ پر بھروسا کرنا، اس کی حکمت کے راز سے ہم واقف نہیں ہو سکتے، اس سے اچھی امید لگائے رکھنا اور جب تمہاری جھونپڑی یعنی آخری پناہ گاہ بھی جل جائے تو سمجھ لینا اور یقین کر لینا کہ اللہ کی مدد اب آنے ہی والی ہے۔

البیرونی ایک باہمت انسان

26 ابو ریحان البیرونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی 78 سالہ زندگی علم حاصل کرنے اور علم پھیلانے میں گزاری بہت ہی کم وقت اس کے ہاتھ میں قلم آنکھوں کے سامنے کتاب نہ ہوتی تھی۔ اس کی پوری زندگی علمی تحقیق میں گزری۔ فقیہہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابو ریحان البیرونی کے پاس اس کے آخر وقت یعنی سکرات الموت میں گیا اس وقت جب کہ شدید گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے مجھ سے کہنے لگا کہ نانی کو وراثت میں حصہ ملنے کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے۔

میں حیران ہوگیا کہ اس کو اس مرحلے پر مسائل کی تحقیق کی سوجھی ہے۔ میں نے اس پر ترس کرتے ہوئے کہا کہ اس حالت میں بھی آپ باز نہیں آتے تو البیرونی فرمانے لگے کہ ایک مزید مسئلہ میں تحقیق کے بعد مرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس مسئلے سے بے خبر ہو کر مروں۔ پھر میں نے ان کو ان کی اس حالت میں پوری تفصیل اور تحقیق سے آگاہ کیا۔ انہوں نے ساری تفصیل یاد کرلی جس کے بعد میں وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دور ہی نکلا تھا ان کے گھر سے رونے کی آواز آنے لگی پتہ چلا کہ ابو ریحان البیرونی رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوگئے ہیں۔
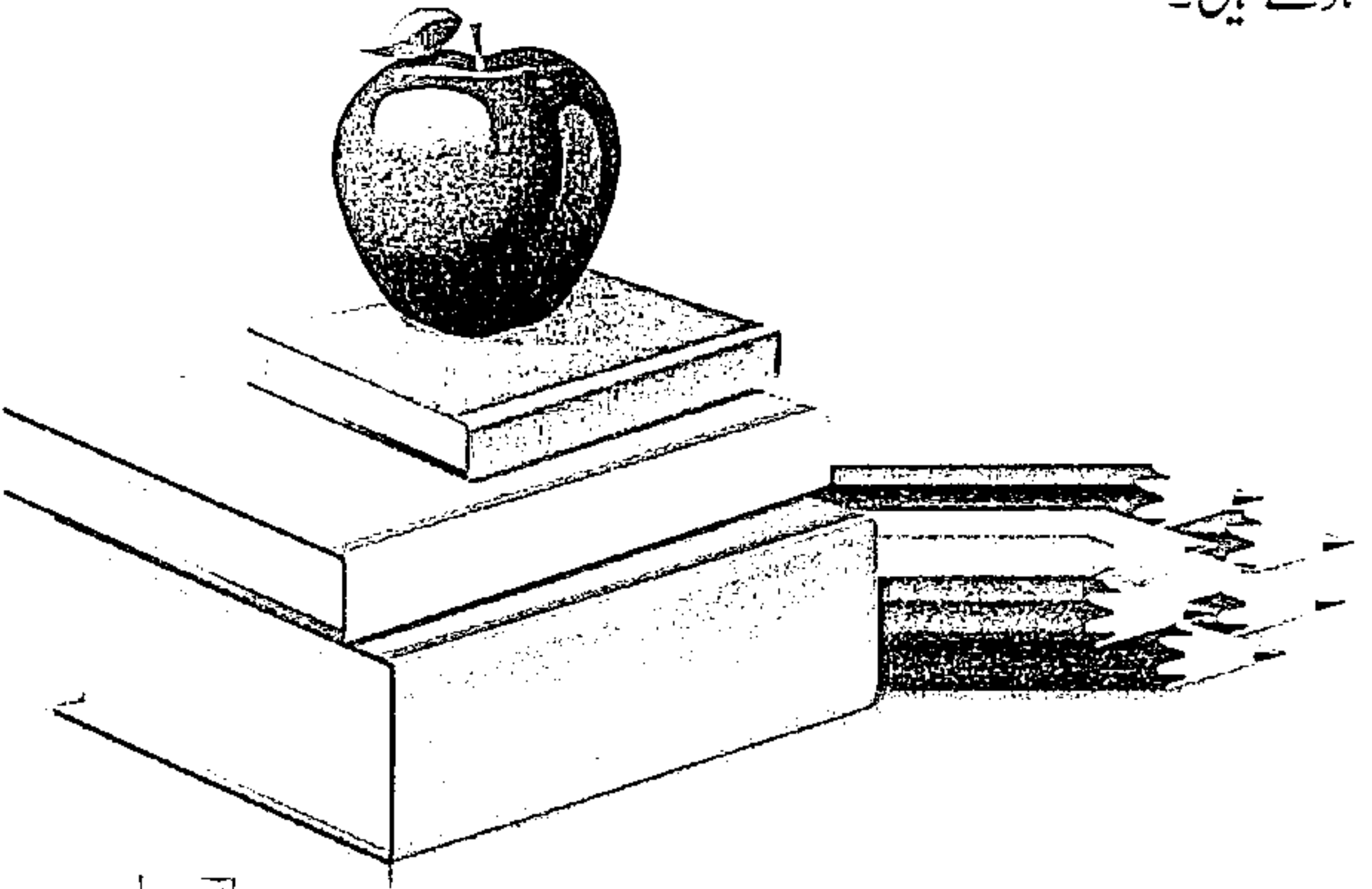
ابراہم لنکن امریکہ کا صدر کیسے بنا؟

27 ابراہم لنکن نے 32 سال کی عمر میں انتخابات میں حصہ لیا اور ناکام ہوگیا اس سے پہلے وہ کاروبار میں بھی نقصان اٹھا چکا تھا۔ 34 سال کی عمر میں ایک بار پھر ناکام ہوگیا 35 سال کی عمر میں اس کی منگیتر فوت ہوگئی 36 سال کی عمر میں اعصابی امراض کا شکار ہوگیا 38 سال کی عمر میں انتخابات میں ایک بار پھر حصہ لیا اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ 43 سال کی عمر میں کانگریس کا الیکشن لڑا اور ناکام ہوگیا 46 سال کی عمر میں دوسری بار اور 48 سال کی عمر میں تیسری بار امریکی ایوان کانگریس کا الیکشن لڑا مگر ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔
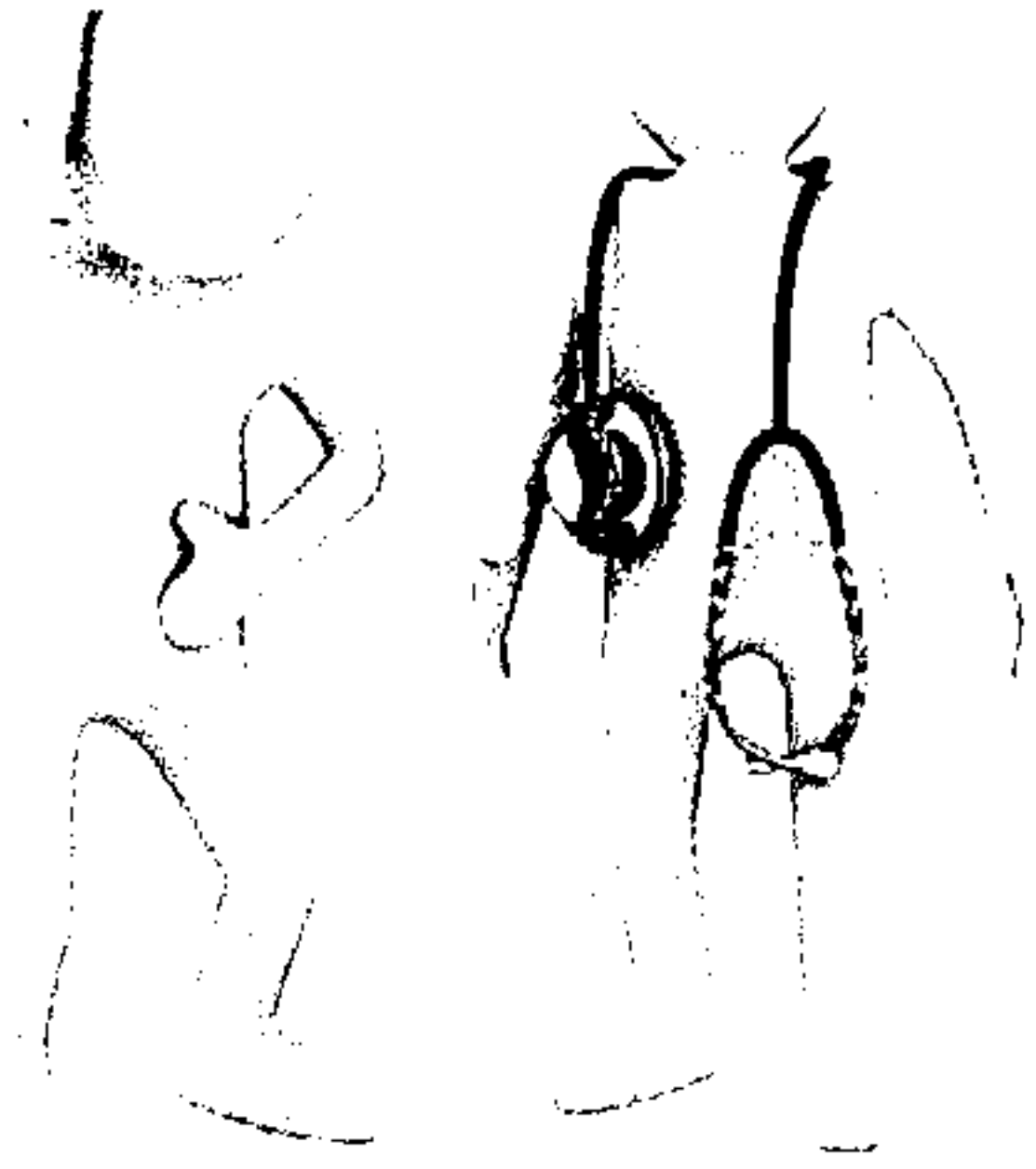
55 سال کی عمر میں امریکی سینٹ کا ممبر بننے میں ایک بار پھر ناکامی ہوئی۔ 56 سال کی عمر میں امریکی نائب صدر بننے میں بھی ناکامی ہوگئی مگر پھر کیا ہوا اس عظیم بہادر اور حوصلہ مند شخص نے ہمت نہ ہاری مایوسی کو قریب نہ آنے دیا مسلسل محنت اور جدوجہد کرتا رہا آخر کار

1960ء میں امریکا کا صدر اور نمایاں ترین قومی راہنما بن گیا۔
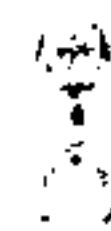
ہنری نیسلے! نیسلے کمپنی کا مالک کیسے بنا؟

28 ایک آدمی کھڑا اپنے پڑوسی کے دودھ پیتے بچے کو ماں کا دودھ نہ ہونے کی وجہ سے موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر انتہائی غم زدہ اور افسردہ دیکھ رہا تھا اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ انگلیاں دانتوں میں دبائے پریشان تھے جو ایک معصوم بچے کو محض دودھ نہ ملنے سے موت کے منہ میں جاتا دیکھ رہے تھے۔

اگلے چند دن اس کی آنکھوں کے سامنے وہی غمناک منظر گھومتا رہا اس واقعہ نے اس آدمی کی سوچ اور فکر ہی کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ آج اس کی کمپنی دنیا میں کروڑوں بچوں کی غذائی ضروریات کی پیداوار میں نمایاں مقام کی حامل ہے جی ہاں یہ نوجوان ہنری نیسلے تھا جس کی ابتدائی زندگی ایک عام آدمی کی طرح گزری مگر اس ایک بچے کے واقعہ سے اس کی فکر اور سوچ کا رخ تبدیل ہوگیا اس نے سوچا کہ کچھ ایسا کارنامہ سرانجام دیا جائے جس سے نوزائیدہ اور دودھ پیتے بچے اپنی خوراک نہ ملنے کے سبب مشکلات کا شکار نہ ہوں۔

Nestlé
NIDO
Leche Entera En Polvo Instantánea
Instant Dry Whole Milk
NET WT / PESO NETO 12.6 OZ (360 g)
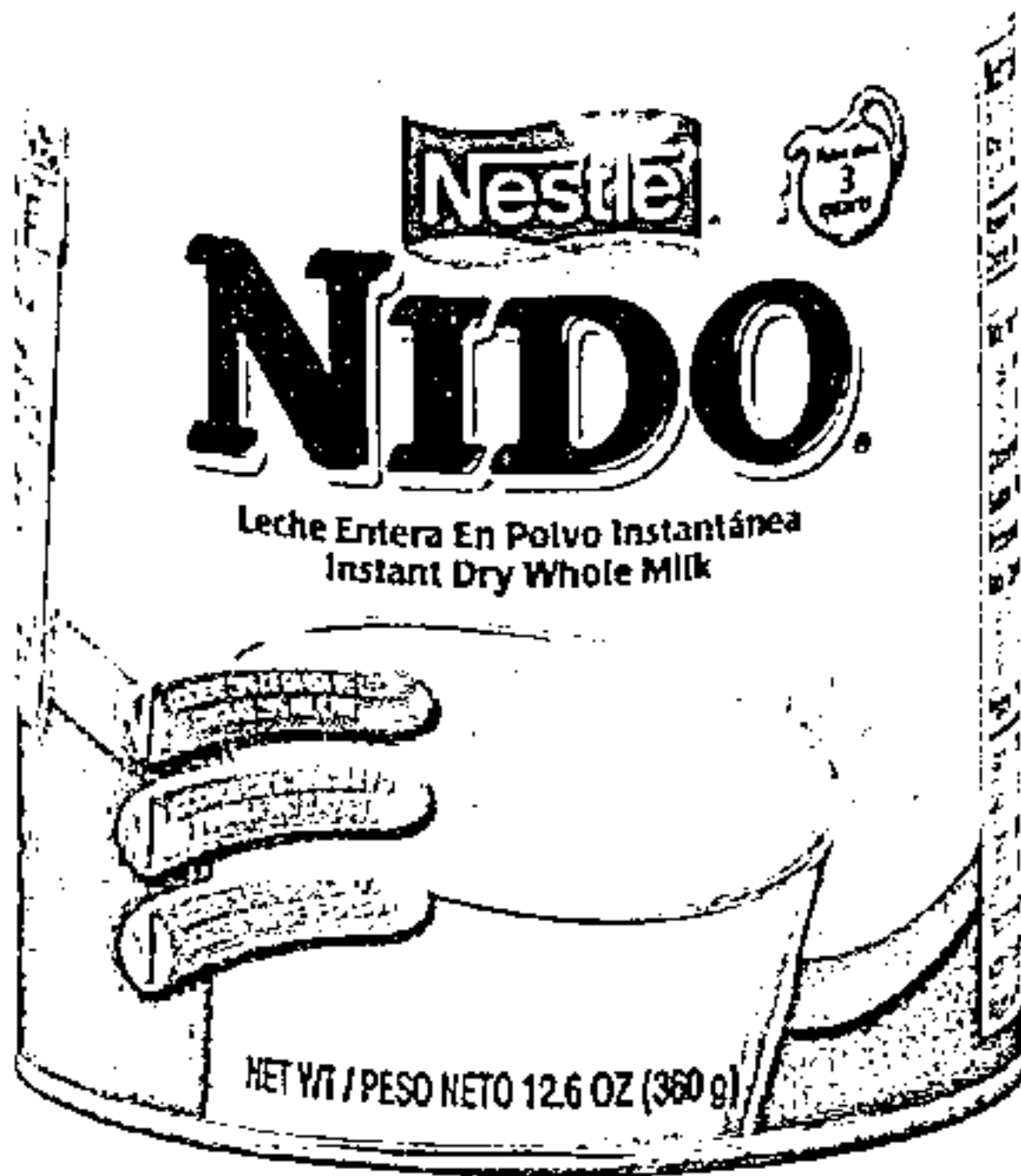
آخرکار گائے کا دودھ خشک پاؤڈر کی شکل میں تبدیل کر کے ایک طویل عرصہ تک رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی طرح اس نے دودھ اور گندم کے آٹے کو ملا کر بچوں کے لیے جلد تیار ہونے والی زود ہضم خوراک بھی تیار کرلی۔ اس وقت دودھ اور اس سے تیار ہونے والی اشیاء کے میدان میں نیسلے ایک مشہور نام ہے ایک سوچ ایک فکر اور پھر اس پر مسلسل محنت نے ہنری نیسلے کو ایک طویل عرصے تک کروڑوں لوگوں سے متعارف کروا دیا۔

وارنر وون براؤن نے میزائل کیسے بنایا:

29 وارنر وون براؤن امریکی راکٹ انجینئر ہیں جو جرمنی میں پیدا ہوئے اور میزائل ایجاد کیا۔ یہ جنگ عظیم دوم کا زمانہ تھا جرمنی کا پروگرام تھا کہ لندن پر میزائل سے حملہ کیا جائے مگر ابھی تک یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچا تھا۔ اس کے ابھی تک کے تمام تجربے ناکام ہو چکے تھے۔ ان تجربوں کی تعداد جو ابھی تک ناکام ہو چکے تھے 65121 تھی جرمن حکومت نے اس کو بلا کر پوچھا کہ ابھی کتنے مزید ناکام تجربے برداشت کرنا پڑیں گے۔

وارنر وون ہمت ہارنے والا شخص نہیں تھا اس نے حکومت کو بتایا مزید پانچ ہزار ناکام تجربوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ تب ہی جا کر ایک میزائل وجود میں آئے گا۔ مسٹر براؤن نے اپنی محنت کوشش اور جدوجہد کو ترک نہیں کیا وہ بار بار بلکہ ہزاروں بار اپنی محنت کو ضائع ہوتے اور ناکام ہوتے دیکھ کر پھر اگلے قدم کے لیے فوراً اٹھ کھڑا ہوتا۔ آخر کار دوسری جنگ عظیم کے خاتمے سے پہلے ہی وہ اپنے پروگرام میں کامیاب ہو گیا اور تاریخ میں پہلی بار جرمنی نے میزائل سے حملہ کیا اس وقت تک دنیا کے کسی ملک کے پاس میزائل نہیں تھا۔

مسٹر براؤن کو اس کامیابی سے پہلے تقریباً 70 ہزار ناکام تجربوں کی بھٹی سے گزرنا پڑا مگر یہ عزم و ہمت کا پہاڑ کہیے یا لوہے کا انسان کہیے مایوس نہیں ہوا تنگ نہیں ہوا قدم نہیں لڑکھڑائے مسٹر براؤن کہا کرتا تھا کہ ناکامیاں تو کامیابی کا ٹیکس ہوتی ہیں جو ایڈوانس دینا پڑتی ہیں۔ اور اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ ناکامیاں ہی کامیابی کا اصل اور پائیدار زینہ ہوتی ہیں۔

ایک دروازہ بند تو دوسرا کھلا ہوتا ہے!

30 کیلوی پیٹرک ہالینڈ کا کسان تھا جہاں اس کا گزر بسر اچھا نہ تھا اس نے اپنی ساری جائیداد بیچ کر افریقہ کا وسیع رقبہ خرید لیا مگر ناواقفی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اسے یہاں بھی نقصان اٹھانا پڑ گیا وہ یوں کہ اس علاقے میں ہر طرف سانپ ہی سانپ ہیں اتنے کثرت سے سانپ ہیں کہ انہیں ختم کرنے کے لیے اس کی ساری زندگی صرف ہوسکتی تھی مگر اب وہ تو سب کشتیاں جلا کر آیا تھا اور اب آگے بھی اندھیرا ہی اندھیرا تھا آگے کو کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ اس کی ساری جمع پونجی ضائع ہوچکی تھی۔

اچانک اسے خیال آیا کہ یہاں زہر کا تریاق کیا جائے۔ جس کا اہم حصہ سانپوں ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ بس پھر کیا تھا اس نے علاج بالمثل کے تحت زہریلے جانوروں سے ڈسے جانے کا تریاق اور دوائی بنانا شروع کر دی اور دنیا بھر میں اس کا تریاق مشہور ہوگیا اور وہ خود امیر ہونے کے ساتھ شہرت کی بلندیوں کو بھی چھونے لگ گیا۔

اس کا واقعہ یہ سبق دیتا ہے کہ ہر آدمی اپنی ناکامی میں سے کامیابی حاصل کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کے پاس حوصلہ، جدوجہد اور خبر اور مستقل مزاجی کا وافر ذخیرہ موجود ہو۔ اگر اس وقت دنیا کے کامیاب ترین لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو چند ایک کے سوا اکثریت اپنی محنت اور تھکا دینے والی جدوجہد کے بل بوتے پر اپنا نام کمانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

نیلسن منڈیلا کی بے مثال جدوجہد کی داستان

31 نسلی امتیازات کے خلاف جدوجہد پر نیلسن منڈیلا نے اپنی زندگی کے قیمتی 27 سال جنوبی افریقا کی جیلوں میں گزار دیئے اس پورے عرصے میں حکومت کی جانب سے جسمانی، ذہنی اذیتیں دیئے جانے کے باوجود کبھی بھی گورے نسل پرست قوم کے بارے میں شکوہ اور تلخی کا اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ نیلسن منڈیلا کو جیل میں ڈالتے وقت بتا دیا گیا تھا کہ اب تم یہاں سے زندہ نہ نکل پاؤ گے۔ مگر اس کے باوجود یہ پتھر جیسا آدمی کبھی مایوس نہیں ہوا۔ مسلسل نسلی امتیاز کے خاتمے کی کوشش کرتا رہا نہ ہی وہ اپنی رہائی اور آزادی کے بارے میں کبھی مایوس ہوا۔

نیلسن منڈیلا اپنی یادداشت لکھتے ہیں کہ اسے یہ امید تھی کہ ایک دن وہ ضرور سبز گھاس پر قدم رکھے گا اور ایک آزاد انسان کی طرح سورج کی شعاعوں سے لطف اندوز ہوگا۔ مزید لکھتے ہیں کہ ان 27 سالوں میں بہت دفعہ تکلیف دہ اور صبر آزما مراحل سے نبرد آزما ہونا پڑا مگر ایک لمحہ کے لیے مایوس نہ ہوا۔ ہزاروں دن جیل میں گزارنے کے بعد جب اسے رہا کیا گیا تو اس کی عمر 71 برس سے تجاوز کر چکی تھی اب وہ جنوبی افریقہ کو ایک حقیقی جمہوری ملک بنانے میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔

اور اس کے باوجود سفید فام اقلیت جس نے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے تھے کسی قسم کا انتقام کا نشانہ نہیں بنایا۔ حالاں کہ سفید فام اقلیت اپنی جگہ ضرور خائف تھی کہ اسے اپنے کرتوتوں کا حساب دینا پڑے گا۔

بالآخر نیلسن منڈیلا 43 ملین کی آبادی والے ملک کا سربراہ بن گیا اور اس کی انکساری دیکھیے کہ اپنے پہلے خطاب میں کہنے لگا کہ جنوبی افریقہ کے تمام لوگوں نے اس ملک کو ایک جمہوری سلطنت بنانے میں گراں قدر کردار ادا کیا ہے۔

نیلسن منڈیلا کی پوری زندگی امید کے محور پر ہی گھومتی رہی ہے وہ ہر لمحہ امید پر اپنی نظریں گاڑے رکھتا حتیٰ کہ اس کی گرفتاری کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پیدا ہونے والی بیٹی کا نام بھی ''امید'' ہی رکھ دیا۔ واقعی اتنے عظیم حوصلے اور جدوجہد والے لوگ ہی آسمان دنیا پر ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔
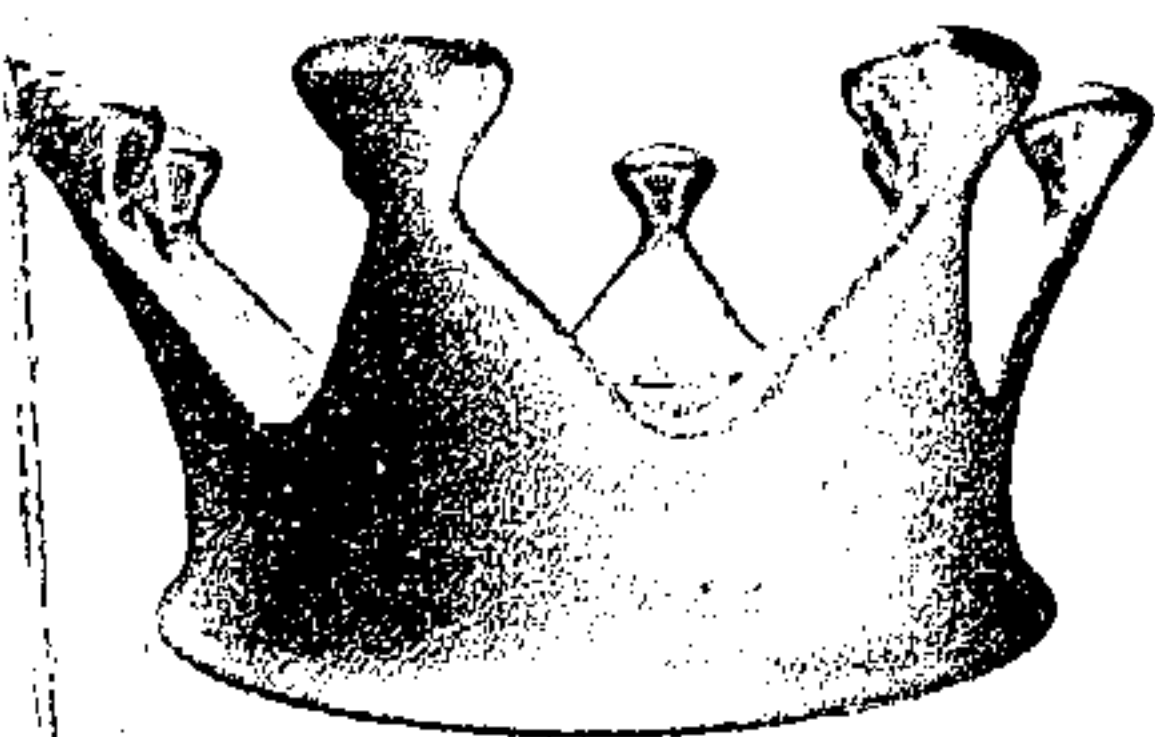
غربت سے امیری کا سفر میں نے کیسے طے کیا؟

32 ایک سیلف میڈ (Self made) اور جدوجہد کرنے والے شخص کی بھی داستان ملاحظہ کیجئے جس نے مشکل ترین حالات میں بھی مایوسی اور ناامیدی کو اپنے قریب پھٹکنے تک نہ دیا آخرکار رکاوٹوں کو روند کر ایک عظیم آدمی بننے میں کامیاب ہوگیا۔

جی ہاں محمد ابراہیم التویجری سعودیہ میں 1946ء میں پیدا ہوا اسے تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا مگر گھریلو حالات انتہائی ناموافق تھے جس کی وجہ سے اسے چودہ سال کی عمر میں ہی تعلیم کو خیرباد کہہ کر ریلوے کے گودام میں ملازمت اختیار کرنا پڑی پھر چند اور جگہ ملازمت کرنے کے بعد ایک بینک میں نائب قاصد (ایلچی یا دفتر کا معمولی کام کرنے والا) بن گیا اس دوران اس نے شام کے وقت میں تعلیم دینے والے اسکول میں تعلیم شروع کر دی اور مڈل پاس کرلیا اس پر اسے نائب قاصد سے ڈسپیچ رائٹر کی پوسٹ پر ترقی مل گئی۔ اس کے بعد پھر ٹائپ رائٹر بنا دیا گیا مزید تعلیم جاری رکھی اس میں کامیابی پر اسی بینک میں 1965ء کو ترقی ہوگئی۔

اس دوران اس نے کچھ بچت کر کے بیرون ملک سے 1967ء میں اکاؤنٹ میں بی اے کی ڈگری لے لی اور 1969ء میں ماسٹر کی ڈگری لے لی۔ اور 1982ء میں امریکہ کی ریاست اریزونا کی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرلی۔ واپسی پر اسے بزنس ایڈمنسٹریشن میں پہلے معاون (اسسٹنٹ) استاد اور بعد میں پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ بعدازاں عرب ممالک کی تنظیم برائے ترقی کا سربراہ بنا دیا گیا جس کا ہیڈ آفس مصر میں تھا۔ یہ تنظیم تمام عرب ممالک کی ترقی کے امور کا جائزہ لیتی ہے اور تجاویز پیش کرتی ہے۔
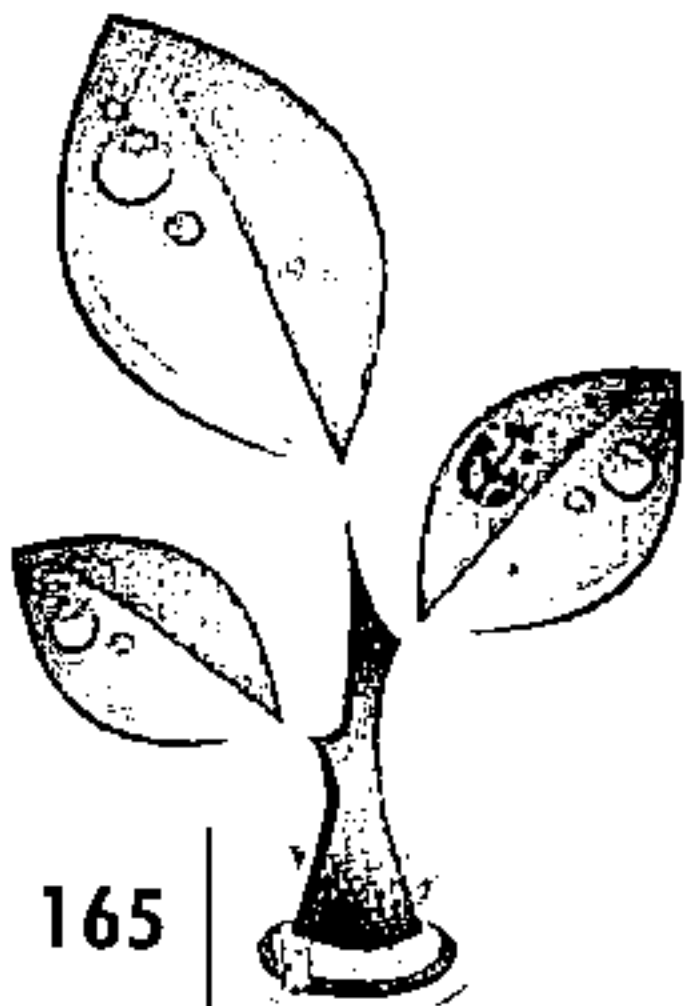
یہ ایک ایسے شخص کی داستان ہے جس کو چودہ سال کی عمر میں تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا تھا مگر اس نے امید کو خیرباد نہ کہا آہستہ آہستہ محنت و جدوجہد سے آگے بڑھتا رہا اور نہ صرف سعودیہ بلکہ عرب ممالک کی ایک اہم مشترکہ تنظیم کا سربراہ بن گیا۔

تھامس ایڈیسن ...... کند ذہن عظیم سائنس دان کیسے بنا؟

33 تھامس ایڈیسن 1847ء میں امریکا کی ریاست ''اوہایو'' کے شہر ''میلان'' میں پیدا ہوا، وہ مامی پرائمری اسکول میں 3 ماہ بھی نہ پڑھ سکا، کیونکہ اسکول کے پرنسپل کا خیال تھا کہ یہ ایک کند ذہن اور عقلی طور پر پسماندہ بچہ ہے، لہٰذا اسے اسکول سے نکال دیا گیا اور تعلیم جاری رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ لیکن یہی کند ذہن بچہ جسے غبی اور ذہنی طور پر پسماندہ سمجھ کر اسکول سے نکال دیا گیا تھا اپنے کھاتے میں ایک ہزار ترانوے (1093) ایجادات کا اندراج کرواتا ہے جن کا مؤجد صرف وہ کہلاتا ہے، رہتی دنیا اس کی ایجادات سے فائدہ اٹھاتی رہے گی، اس کی ایجادات کی یہ تعداد بھی ایک محتاط اندازہ ہے ورنہ حقیقت میں وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

جب اسے اسکول سے نکال دیا گیا تو اس کی ماں اس فیصلہ پر ہرگز مطمئن نہ تھی، وہ اپنے بچے کی ذہانت سے بخوبی واقف تھی، اس کے نزدیک یہ ایک ظالمانہ فیصلہ تھا، لہٰذا اس نے اپنے بچے کو گھر میں پڑھانے کا فیصلہ کرلیا، ایڈیسن نے حیرت انگیز طور پر گھر میں پڑھنے میں نہایت رغبت اور شوق کا مظاہرہ کیا اور بہت زیادہ سمجھ داری پر مشتمل ٹھوس باتیں کرنے لگا، جس نے اس کی ماں کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔

دراصل گھر میں اسے اپنے ہر سوال کا تسلی بخش جواب مل جاتا تھا لہٰذا وہ بے دھڑک سوال کرتا رہتا تھا۔ اس کے اسی طرح بکثرت پوچھنے کی وجہ سے اسکول کے اساتذہ نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ کم فہم اور نکما ہے جبکہ زیادہ سوال کرنا تو ذہنی بیداری اور فکری پختگی پر دلالت کرتا ہے۔

اس کو ''علم کیمیا'' سے عشق تھا، روز نت نئے قسم کے تجربات نے اس کی جان کو خطرے میں ڈال دیا تھا، ایک مرتبہ تو تجربہ گاہ میں آگ بھڑک اٹھی اور قریب تھا کہ آگ کے شعلے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے، بس بال بال بچ گیا، لیکن آتش زدگی کے اس حادثہ کی وجہ سے اس کی قوتِ سماعت قدرے متاثر ہوئی تھی۔

گراموفون کی ایجاد اس کی پہلی ایجاد تھی جسے اس نے چالیس ہزار ڈالر (40,000) میں فروخت کیا، اس وقت یہ بہت بڑی رقم شمار ہوتی تھی، اب اس کے فاقوں کے دن ختم ہوگئے اب اسے گندی گلیوں میں کچرے کے ڈھیر کے قریب سونے کی ضرورت نہیں تھی، اب وہ آزادی کے ساتھ اپنی ریسرچ جاری رکھ سکتا تھا، اس نے ''نیویارک'' میں ایک بہت بڑا کارخانہ بنایا جو دنیا میں بڑی بڑی کمپنیوں، فیکٹریوں اور تجربہ گاہوں کی بنیاد بنا۔

''گراہم بیل'' ایک دوسرا سائنس دان تھا جو برقی رو کے ذریعے گفتگو کی منتقلی کا کامیاب تجربہ کر چکا تھا لیکن وہ کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں کر پا رہا تھا جو اس اہم ایجاد کو ایسے فون میں تبدیل کر دے جو تجارتی سطح پر رابطوں کے لیے استعمال ہوسکے۔ اس کی ناکامی کے بعد ویسٹرن یونین (مغربی اتحاد) کی کمپنی نے ایڈیسن سے رابطہ کیا۔ ایڈیسن نے چند ہی مہینوں میں انہیں فون ایجاد کر کے ایک لاکھ ڈالر میں فروخت کیا۔

کمپنی کا اشارہ تو یہ تھا کہ وہ اسے یک مشت اتنی بڑی رقم ادا کردے، لیکن اس نے ایڈیسن پر یہ احسان کیا کہ اس رقم کو سترہ سالوں پر تقسیم کر دیا تاکہ وہ اطمینان سے اپنی ریسرچ جاری رکھ سکے اور اس کا مستقبل محفوظ ہوجائے، اسے خطرہ تھا کہ اتنی بڑی رقم کو تجارتی منصوبوں میں لگا کر اسے خسارہ نہ اٹھانا پڑے۔
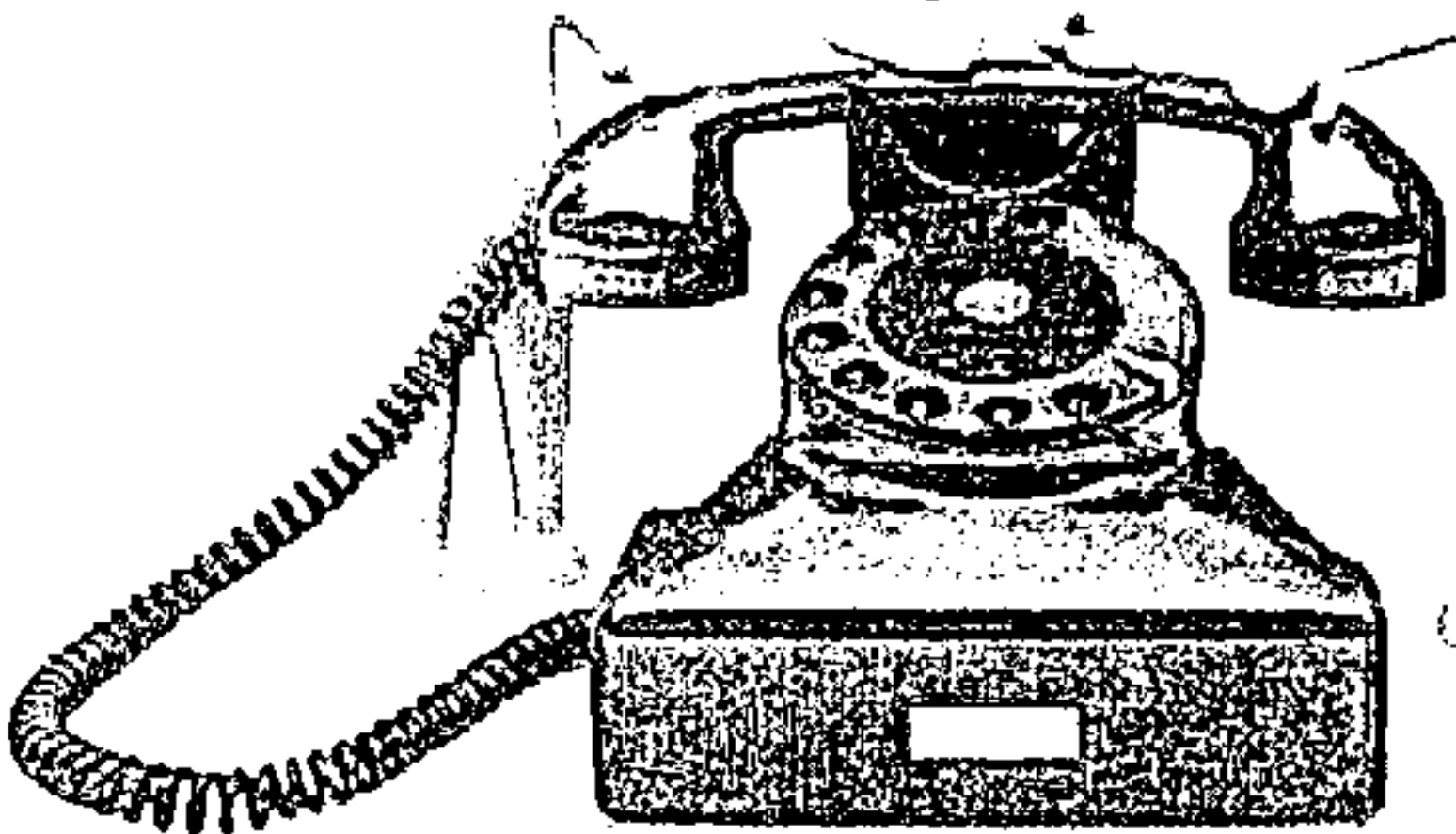
اس کی ایجادات کی تعداد کے بارے میں ایک ہزار بھی محض ایک تخمینی اندازہ ہے لیکن پھر بھی نہ اس سے پہلے کسی نے اتنی ایجادات کیں نہ اس کے بعد۔ برقی قمقمے اس کی سب سے بڑی اور اہم ایجاد شمار کیے جاتے ہیں، اسی طرح بجلی پیدا کرنے والے اسٹیشن، پھر اس بجلی کو گھروں محلوں تک پہنچانے والے مربوط نظام کی تشکیل سب اس کی ایجادات ہیں۔ اس سے پہلے پوری دنیا میں بسنے والے لوگ رات گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چراغوں کی ٹمٹماتی روشنی کے سہارے بسر کیا کرتے تھے، برقی قمقموں کی ایجاد کے بعد شہروں کے شہر چکاچوند کر دینی والی روشنیوں سے جھلملانے لگے۔

تھامس ایڈیسن اپنے زمانے کی سوچ سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا لہٰذا جب اس نے ابتداء میں بجلی کے دور کے آغاز اور چراغوں اور تاریکیوں کے دور کے اختتام کی بات کی تو اسے لوگوں کی طرف سے شدید تمسخر اور استہزاء کا سامنا کرنا پڑا۔
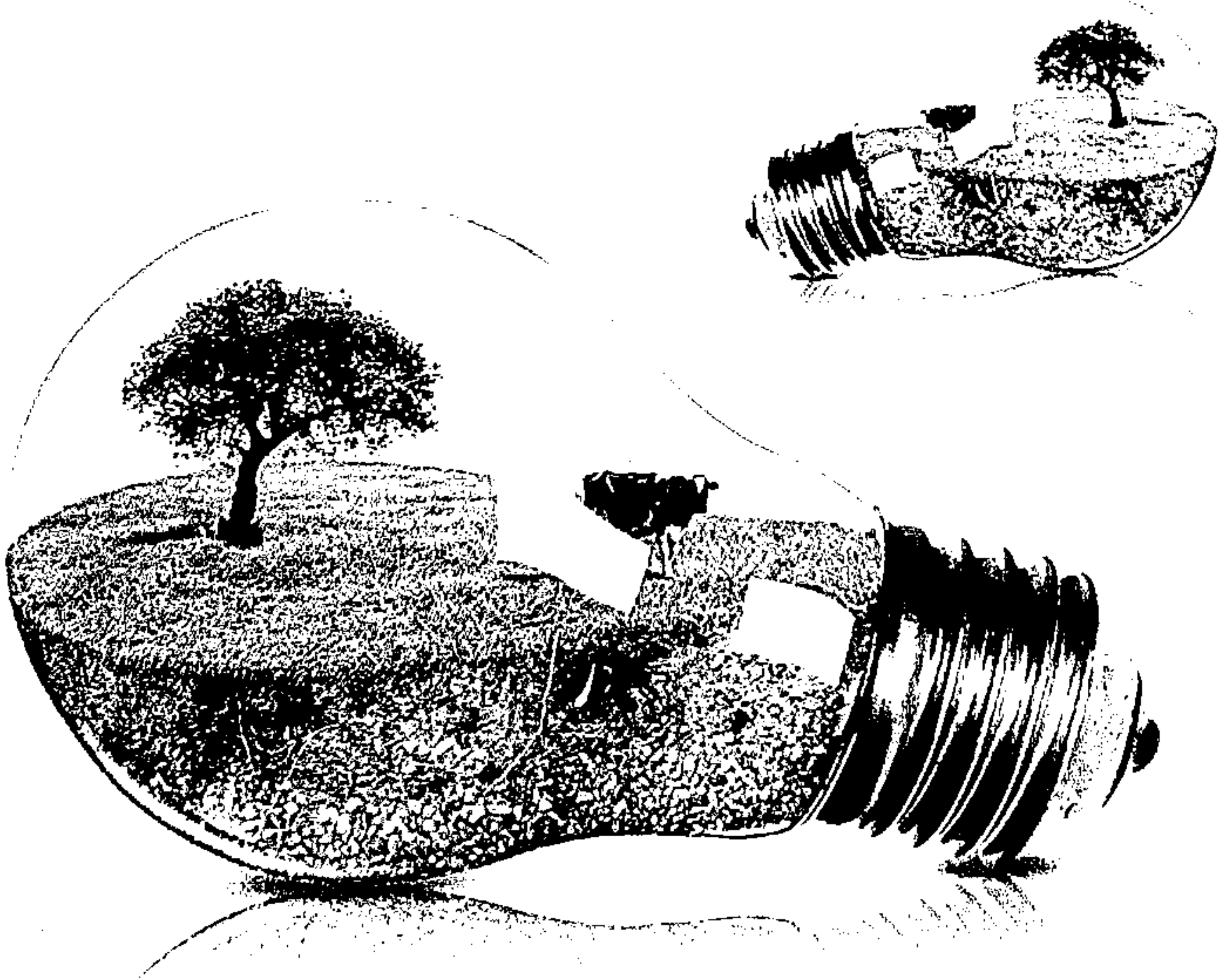
تھامس ایڈیسن کی ہنگامہ خیز زندگی ذاتی محنت اور مشکلات کا پوری طاقت سے مقابلہ کرنے کی داستانوں میں ایک اہم اضافہ کرتی ہے، جس میں ہمارے لیے بے شمار سبق اور رہنمائیاں ہیں، جو اس بات کو ثابت کر دیتی ہیں کہ اگر کوئی عقل مند آدمی اپنی ہمت کی آگ کو بھڑکا دے تو وہ خود اپنی ذات کے لیے سب سے بڑا استاد بن سکتا ہے اور علم و دریافت کی اعلیٰ بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔

ایڈیسن اپنی کامیابی کا راز یوں بیان کرتا تھا: ''خوش قسمتی صرف دو فیصد انسان کا ساتھ دیتی ہے صرف دو قدم اسے چلا سکتی ہے، باقی اٹھانوے فیصد وہ اپنی ذاتی محنت اور قابلیت کی بنیاد پر ترقی کرتا ہے۔''

اپنی اسی انتھک محنت اور بے پناہ جدوجہد کی بنیاد پر وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کا نام تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ رہنے والوں میں سرفہرست لکھا جائے۔ اس لیے اس نے کبھی بھی مایوسی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور نہ ہی ان فضول لوگوں کی باتوں پر کان دھرے جو اس کے غربت زدہ چہرے کو تک رہے تھے۔ جب وہ اندھیروں کی دہلیز پر کھڑا تھا اور نہ ہی کسی کے کند ذہن اور غبی کہنے کی طرف توجہ کی۔ کیا اس عظیم سائنس دان کی زندگی میں ہمارے لیے بہت سے سبق پوشیدہ نہیں ہیں جس نے مایوسی کی تیز و تند آندھیوں کے سامنے کبھی بھی سر نہیں جھکایا جن کی شدت اس کی زندگی کے درخت کو جڑ سے اکھیڑنے پر تلی ہوئی تھیں۔

خواب کو حقیقت میں بدلنے والا بچہ

34 بہت سارے لوگ آپ کو زندگی میں ایسے ٹکرائیں گے جو پوری کوشش کریں گے کہ آپ سے آپ کے خوابوں کو چھین لیں، وہ آپ کو کہیں گے ''تم پاگل ہو، تمہارا یہ خواب کبھی حقیقت کا جامہ نہیں پہن سکتا، تمہاری یہ بات کسی دیوانے کی بڑ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔'' کچھ دوسرے لوگ آپ پر ہنسیں گے آپ کا مذاق اڑائیں گے، ان کی یہ خواہش ہوگی کہ آپ بھی ان کی طرح نکمی اور ناکارہ زندگی گزاریں۔ ''مونٹی روبرٹس'' ایسے لوگوں کو ''خوابوں کا چور'' کہتا ہے۔ وہ غریب لڑکا تھا جو کہ معمولی سی جھونپڑے نما گھر میں رہتا تھا۔

مونٹی جب اسکول میں زیر تعلیم تھا تو ایک دن ٹیچر نے کلاس کے تمام طلبہ کو کہا کہ وہ ایک مضمون میں اپنی اس خواہش کا اظہار تحریر کریں جس کو عملی زندگی میں جا کر پورا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

مونٹی نے لکھا کہ وہ مستقبل میں بے پناہ وسعت والی سرسبز و شاداب زمین کا مالک بننا چاہتا ہے جہاں وہ گھڑ دوڑ (ریس کورس) کے گھوڑوں کو تربیت دے سکے۔

مدرس نے اس کو بہت کم نمبر دیئے، اس کا گمان تھا کہ اس بچہ کے لیے عملی زندگی میں یہ ہدف پورا کرنا ممکن نہیں ہے، بھلا جھونپڑی میں رہنے والے ایک غریب فقیر لڑکے کے لیے اتنی دولت جمع کرنا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ زندگی کی کسی موڑ پر بھی وہ اس سے وسیع و عریض چراگاہ خرید سکے، گھوڑے اور ان کی ضروریات کا بندوبست کر سکے، ٹریننگ اور تربیت کی ذمہ داری کو بھی نبھا سکے، پھر اس چراگاہ میں کام کرنے والے ملازمین کی تنخواہ کا بوجھ بھی برداشت کر سکے۔

جب مدرس نے مزید نمبر حاصل کرنے اور نظرثانی کے لئے مونٹی کو اس کی تحریر واپس کی تو مونٹی نے اس سے کہا ''آپ اپنے نمبر سنبھال کے رکھنا، میں اپنے خوابوں کو محفوظ کر لیتا ہوں۔''

آج مونٹی ''کیلی فورنیا'' کی مہنگی ترین سرزمین پر ایک بہت وسیع و عریض پارک کا مالک ہے، جہاں وہ ریس کورس کے گھوڑوں کو ٹریننگ دیتا ہے اور ان کے مالکان سے سیکڑوں ڈالر وصول کرتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اس نے کسی کو اپنے خواب چرانے کی اجازت نہیں دی۔

عمر مختار...... بوڑھا مجاہد (صحرا کا شیر)

35 عمر مختار 1858ء کو ''برقۃ'' کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''بٹنان'' میں پیدا ہوئے، ان کے والدین بہت نیک اور دین دار تھے۔ ان کے والد کا انتقال حج کے سفر کے دوران ہوا تھا۔ جب اٹلی کی درندہ صفت فوجیں ''لیبیا'' میں اپنے استعماری عزائم کی تکمیل کے لیے داخل ہوئیں تو اس دن سے لے کر ان کے شکست فاش کھا کر نکلنے تک لیبیا کی عوام نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے لیکن اٹلی کی افواج کو لیبیا پر قبضہ کرنے نہیں دیں گے۔

لیبیا کی عوام کی یکے بعد دیگرے قربانیوں نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ جو قومیں اپنے عقیدے اور تاریخ سے مضبوط طور پر وابستہ ہوں اور انہیں اپنے عقائد اور تاریخ پر فخر ہو انہیں صفحۂ ہستی سے مٹایا نہیں جاسکتا چاہے ان کے مقابلے میں بندوق اور توپوں اور جدید جنگی سامان پر بھروسہ کرنے والی کتنی ہی طاقتیں جمع ہوجائیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں۔ لیکن وہ ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ عقیدۂ ایمان کی طاقت ہوتی ہے جو دنیا کی ہر طاقت پر برتری رکھتی ہے۔

لیبیا کے طول و عرض میں یہ افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ اٹلی کی افواج نے ''طرابلس'' اور ''برقۃ'' پر دھاوا بول دیا ہے اور وہ تیزی سے آگے بڑھتی چلی جا رہی ہیں تو مجاہدین جو ''برقۃ'' میں اٹلی افواج سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے پر اور خلافتِ عثمانیہ کی طرف سے مدد پہنچنے کے انتظار میں بیٹھے رہنے پر لوگوں کو ابھار رہے تھے۔
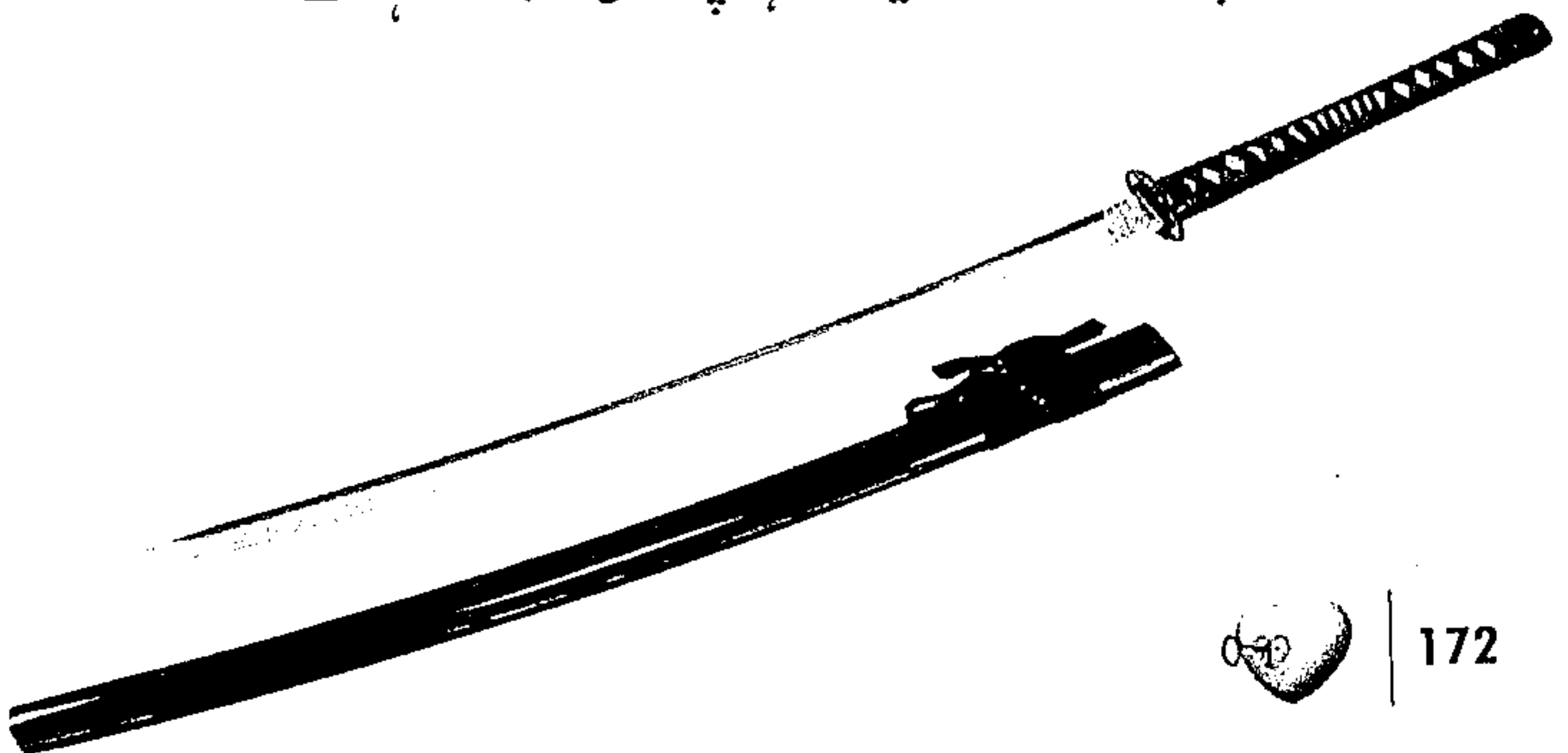
شدت سے مخالفت کر رہے تھے ان میں سرفہرست اور پیش پیش ''عمر مختار، تھے وہ شروع میں ''الجبل الأخضر (سرسبز پہا)'' نامی عسکری تنظیم کی قیادت کرتے رہے، پھر وہ پورے لیبیا کے مجاہدین کے قائد بنا لیے گئے، لیکن اس جنگجو مجاہد نے صرف اس پر بس نہیں کیا بلکہ قومی سطح پر ایک فوج تشکیل دے دی جس کا منصب وطن کا دفاع اور اٹلی افواج کی کارروائیوں پر کڑی نظر رکھنا تھا۔

عمر مختار کو ''صحرا کا شیر'' کہا جاتا تھا کیونکہ وہ گوریلا جنگ کے ماہر ترین کمانڈر تھے، مقامی محل وقوع سے وہ بخوبی واقف تھے جس کا وہ بھرپور فائدہ بھی اٹھاتے تھے۔ انہوں نے اپنی عسکری مہارت کی دھاک اٹلی فوج کے دل میں بٹھا دی۔ اٹلی فوج جیسے ہی اپنے بیرکوں سے روانہ ہوتی وہ اپنے بے سرو سامان مجاہدین کو لے کر گھوڑوں پر سوار بھوکے شیروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑتے اور ان کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچا کر ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی ان کا جدید ترین اسلحہ اور سامان سمیٹ کر جنگلوں میں روپوش ہوجاتے اور اٹلی کی افواج ان کے تعاقب میں لکیریں پیٹتی رہ جاتی۔ اور عمر مختار ان سے چھینے گئے اسلحہ کو ان ہی کے خلاف لمبے عرصے تک استعمال کرتے رہے۔
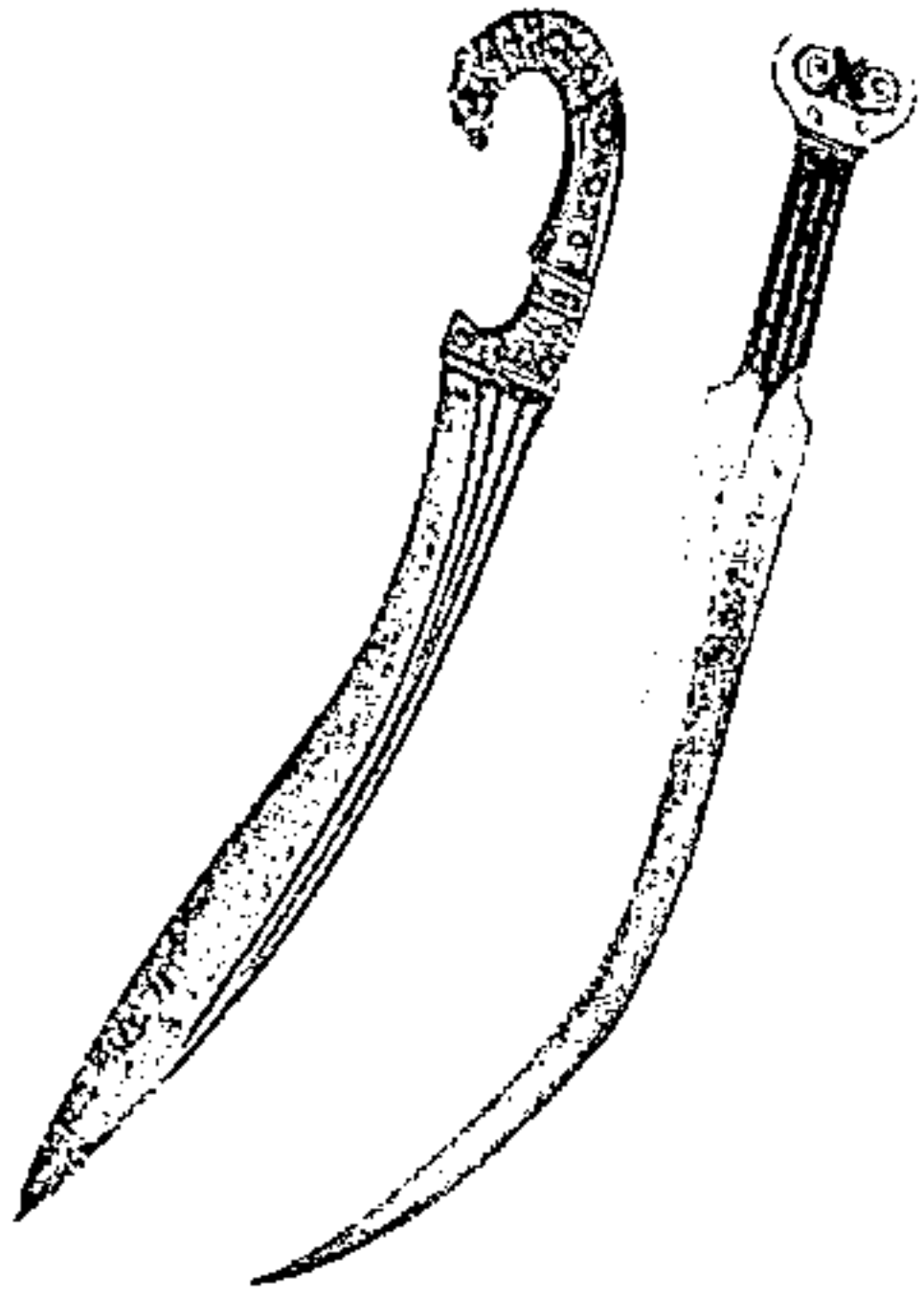
آخرکار اٹلی کی افواج جب جنگی محاذ میں ان کے خلاف لڑنے سے عاجز آ گئی تو اس نے اپنا پرانا حربہ آزمایا اور مجاہدین کی صفوں میں غلط فہمیوں کے بیج بونا شروع کر دیئے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرنے لگے دوسری طرف عمر مختار کو بھی مال و دولت، زر و زمین اور زندگی بھر عیش و آرام کی پیشکش بھی کرنے لگے لیکن ان کو منہ کی کھانا پڑی اور وہ اس میں بھی ناکام اور نامراد ہوئے۔ اور عمر مختار کی جنگ پہلے سے زیادہ شدید ہوگئی۔

''جغبوب'' میں اٹلی 1928ء میں قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی جغبوب کے اہم ترین جغرافیائی محل وقوع کا انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور مشرقی جانب میں ''جبل اخضر'' اور ''برقۃ'' کے مجاہدین اور مصر کے درمیان راستے بند کردیئے اور جنوبی جانب سنوسی مجاہدین سے رابطہ بھی منقطع کردیا جس کی وجہ سے عمر مختار اور ان کی فوج لیبیا کے شمال میں بند ہو کر رہ گئی۔

لیکن کیا اس خطرناک صورت حال میں ''عمر مختار'' کمزور پڑ گئے؟ کیا مایوسی اور ناامیدی نے ان کو دل برداشتہ کر دیا؟ ہرگز نہیں! ان پریشانیوں کا ان پر ذرّہ بھر بھی اثر نہ ہوا بلکہ اس وقت بھی اپنے رب کی رحمت اور وعدوں پر کامل ایمان رکھنے والے مسلمان کی طرح ان کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آتی تھی، حالات اور نتائج کی پروا کیے بغیر وہ جہاد میں مصروف رہے اور بدترین حالات میں بھی وہ اپنے اطراف کے علاقوں میں اٹلی کی افواج پر یکے بعد دیگرے شب خون مارتے رہے، تنگ آکر اٹلی افواج نے فیصلہ کن جنگ کی ٹھان لی اور اپنی پوری فوج کے ہمراہ مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔
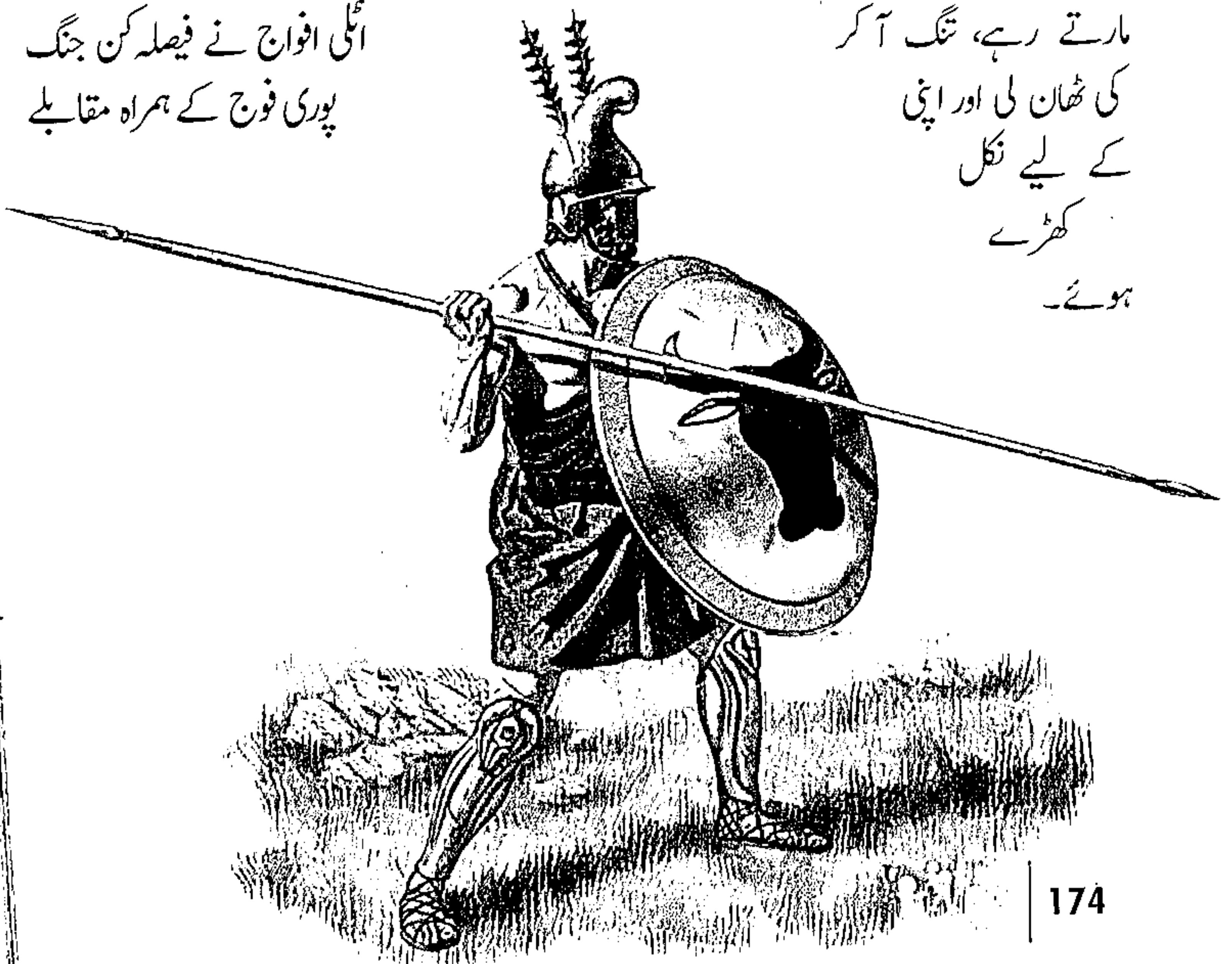
عمر مختار نے بھی آمنے سامنے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا۔ یہ گھمسان کی جنگ مسلسل دو دن جاری رہی، آخر کار فتح نے عمر مختار ہی کے قدم چومے اور اٹلی افواج کو ایک مرتبہ پھر شکست فاش کھا کر میدانِ جنگ سے بھاگنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے عمر مختار کی قربانیاں قبول کر لیں اور انہیں شہادت کے مرتبے پر فائز کرنا چاہا تو ایک دن وہ حسب معمول اپنے چالیس ساتھیوں کو لے کر دشمن کے مورچوں کا جائزہ لینے اور مجاہدین کے مراکز کے احوال جاننے کی غرض سے گھوڑوں پر سوار روانہ ہوئے، درمیان میں ایک مشکل گزرگاہ پہاڑی درہ عبور کرنا پڑا جو چاروں طرف سے گھنے جنگلات میں گھرا ہوا تھا، اٹلی فوج کے آفیسران کو اپنے جاسوسوں کی بدولت مجاہدین کی اس نقل و حرکت کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔

انہوں نے فوراً اس وادی کا محاصرہ کر لینے کی ہدایات جاری کر دیں، عمر مختار خطرہ کو نہ بھانپ سکے مگر اس وقت جب وہ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں پھنس چکے تھے اور جنگ شروع ہو گئی۔ دشمن کی کثرت اور انتہائی محتاط انداز کے باوجود مجاہدین نے ان کی صفوں میں دراڑ ڈال دی اور ان کے کمانڈر کے قریب پہنچ گئے، اچانک اٹلی فوج کی کمک کے لیے نئے تازہ دم دستے آ گئے اور مجاہدین کو ایک جنگ کی فتح کے بعد دوسری جنگ لڑنا پڑی، ان کے پاس کارتوس ختم ہو چکے تھے، آخر کار ان کے تمام ساتھی بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔

عمر مختار نے پھر بھی ہتھیار نہ ڈالے، وہ اب بھی لڑ رہے تھے، یہاں تک کہ ان کا گھوڑا زخموں کی تاب نہ لا کر ان کو لے کر گر پڑا اور عمر مختار گھوڑے کے نیچے پھنس گئے، انہوں نے بڑی مشکل سے خود کو گھوڑے کے نیچے سے نکالا اور پھر دشمن کا مقابلہ شروع کر دیا اچانک ان کا ہاتھ شدید زخمی ہو گیا، اس وقت دشمنوں نے انہیں پکڑ کر گرفتار کر لیا، لیکن دشمن اس وقت عمر مختار کو نہیں جانتے تھے۔

لیکن ان کی شخصیت چھپی نہیں رہ سکتی تھی، انہیں جلد ہی پہچان لیا گیا اور فوراً محاذ سے ''سوسہ'' روانہ کر دیا گیا اور پھر وہاں سے ''بن غازی'' منتقل کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔

اٹلی کی حکومت نے انہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عدالت کے سامنے پیش کیا، انہیں چاروں طرف سے پہرے داروں نے گھیرا ہوا تھا یہ عدالتی کارروائی محض ایک ڈھکوسلہ اور مصنوعی کارروائی تھی، کیونکہ انہوں نے ایک دن پہلے ہی پھانسی کا پھندا اور دیگر سارے انتظامات پورے کر لیے تھے، عدالتی کارروائی ایک گھنٹہ پندرہ منٹ جاری رہی اور ان کی پھانسی کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔ عمر مختار نے سن کر صرف اتنا کہا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

''ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اس عظیم مجاہد کی جدوجہد سے بھرپور زندگی میں ہمارے لیے کیا سبق ہے؟ مسلسل اور انتھک محنت اور مشکلات کے سامنے کبھی ہمت نہ ہارنا۔ اگر عمر مختار بھی مایوس ہو جاتے اور مشکلات کے سامنے شروع ہی میں ہتھیار ڈال دیتے تو ان کا بویا ہوا ''جہاد'' کا بیج کبھی بھی تناور درخت کی شکل اختیار نہ کرتا، نہ ہی لیبیا کبھی آزادی حاصل کر پاتا اور نہ ہی اپنی سرزمین سے اٹلی کے استعمار کو ختم کر پاتا۔ عظیم لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، ان کے دل خالقِ حقیقی کی ذات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں لہٰذا زندگی کے مشکل ترین مرحلے اور نازک ترین موڑ پر بھی کبھی مایوسی اور ناامیدیں ان کے قریب نہیں آتیں۔
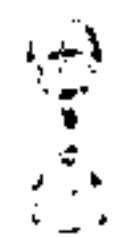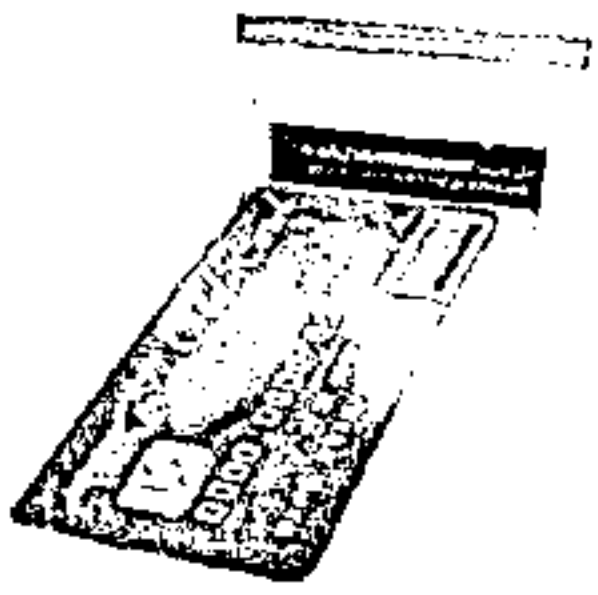
بل گیٹس دنیا کا مالدار ترین آدمی کیسے بنا؟

36 ''مائیکروسافٹ'' کمپنی کا مالک ''بل گیٹس'' دنیا کا سب سے مشہور اور مالدار ترین انسان ہے، کمپیوٹر پروگرام تیار کرنے والی کمپنیوں میں سب سے مشہور کمپنی اسی کی ہے، دیگر کمپنیوں کی طرح ''مائیکروسافٹ'' بھی ایک منفرد سوچ کے تحت قائم کی گئی، لیکن یہ سوچ ایک خواب کی تعبیر ہے یا یوں کہہ لیں کہ ایک طویل المیعاد منصوبہ کی ترجمان ہے۔

ستر کی دہائی میں کمپیوٹر کا استعمال اس قدر معروف نہ تھا ''بل گیٹس'' نے امریکہ کے شہر ''Seattle'' میں ایک کھاتے پیتے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی، لیکن اس نے اپنی ذات کی تعمیر اور ترقی میں اپنے مالدار گھرانے کا ایک ڈالر بھی خرچ نہیں کیا، اسے ریاضی اور حساب کا بہت شوق تھا، اس کے گھر والوں نے اسے ''Lakeside School'' اسکول میں داخل کروا دیا جو صرف لڑکوں کا اسکول تھا۔

1968ء میں جب ''بل گیٹس'' صرف 13 سال کا تھا، اسکول انتظامیہ نے ایک قرارداد پاس کی جس میں تمام بچوں کے والدین سے چندہ کی اپیل تھی، تاکہ اسکول ایک کمپیوٹر اور اس کا آپریٹنگ سافٹ ویئر خرید سکے اور اسے بچوں کی تعلیمی ترقی میں استعمال کیا جائے۔ بل گیٹس اور اس کے دو دوست جو اس سے عمر میں دو سال بڑے تھے تمام طلبہ سے زیادہ اس نئی مشین میں دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ پڑھائی کے لیے اوقات میں رات گئے تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہ اپنے اساتذہ سے زیادہ اسے سمجھنے لگے تھے۔ نصابی تعلیم پر بھی ان کی توجہ کم ہونے لگی تھی۔
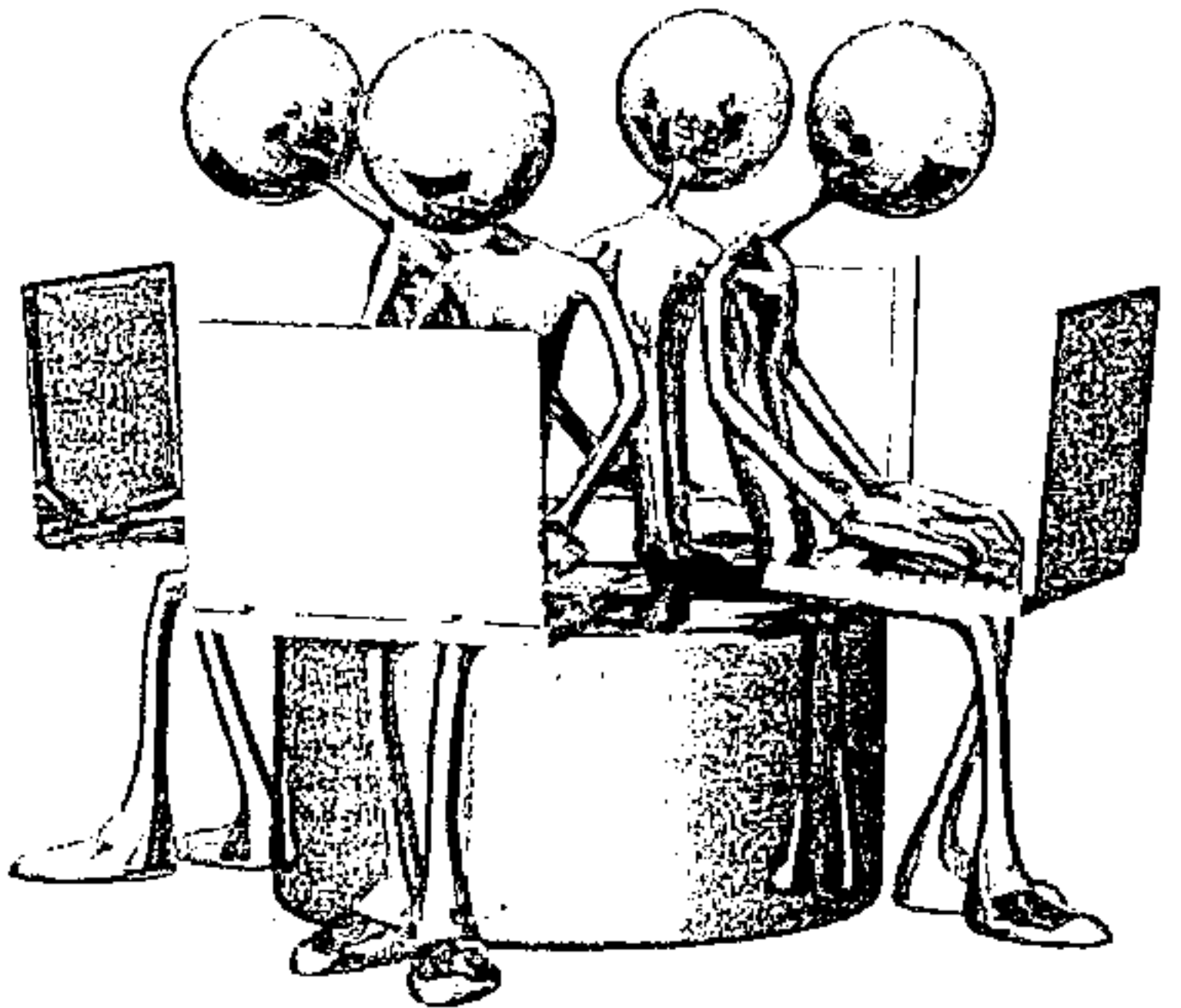
بل گیٹس کمپیوٹر کی دنیا میں ڈوبتا رہا، وہ صبح چار بجے بیدار ہوجاتا اور گھنٹوں کمپیوٹر کے سامنے گزارتا۔ ''بل'' اور اس کے دوست ''..........'' نے صرف آٹھ ہفتوں کی قلیل مدت میں ایک ایسا پروگرام بنانے میں کامیاب ہوگئے جو (BASIC) زبان میں کام کرتا تھا۔

پرنسپل کمپیوٹر (PC) کے دور میں انقلاب کا آغاز اسی وقت سے ہوا اور یہی کامیابی ''مائیکروسافٹ'' کمپنی کے وجود میں آنے کا سبب بنی، جس کا علامتی نشان اور لوگو تھا ''محنت اور لگن سے کام کرو، اپنی کامیابیوں میں نکھار پیدا کرو، اور نفع کماؤ۔''

بل گیٹس اور اس کے ساتھی نے فیصلہ کیا کہ اپنی کمپنی کے دفاتر کے لیے کسی بڑی جگہ منتقل ہوجاتے ہیں تاکہ بے پناہ بڑھتے ہوئے کام کو صحیح طور پر انجام دیا جاسکے، وہ اپنی کمپنی کے تمام افسران کے لیے بہتر اور مسلسل کام کرنے میں ایک نمونہ اور مثال تھا، اس کا مذہب یہ تھا کہ سودا جیسا بھی ہو، نہ ہونے سے تو بہتر ہے وہ ٹھنڈا پیزا کھا کر پوری رات دفتر میں گزار لیتا، جس وقت پہلی مرتبہ مائیکروسافٹ نے ایک ملین ڈالر کمائے اس وقت اس کے عملہ کی تعداد صرف 12 تھی۔
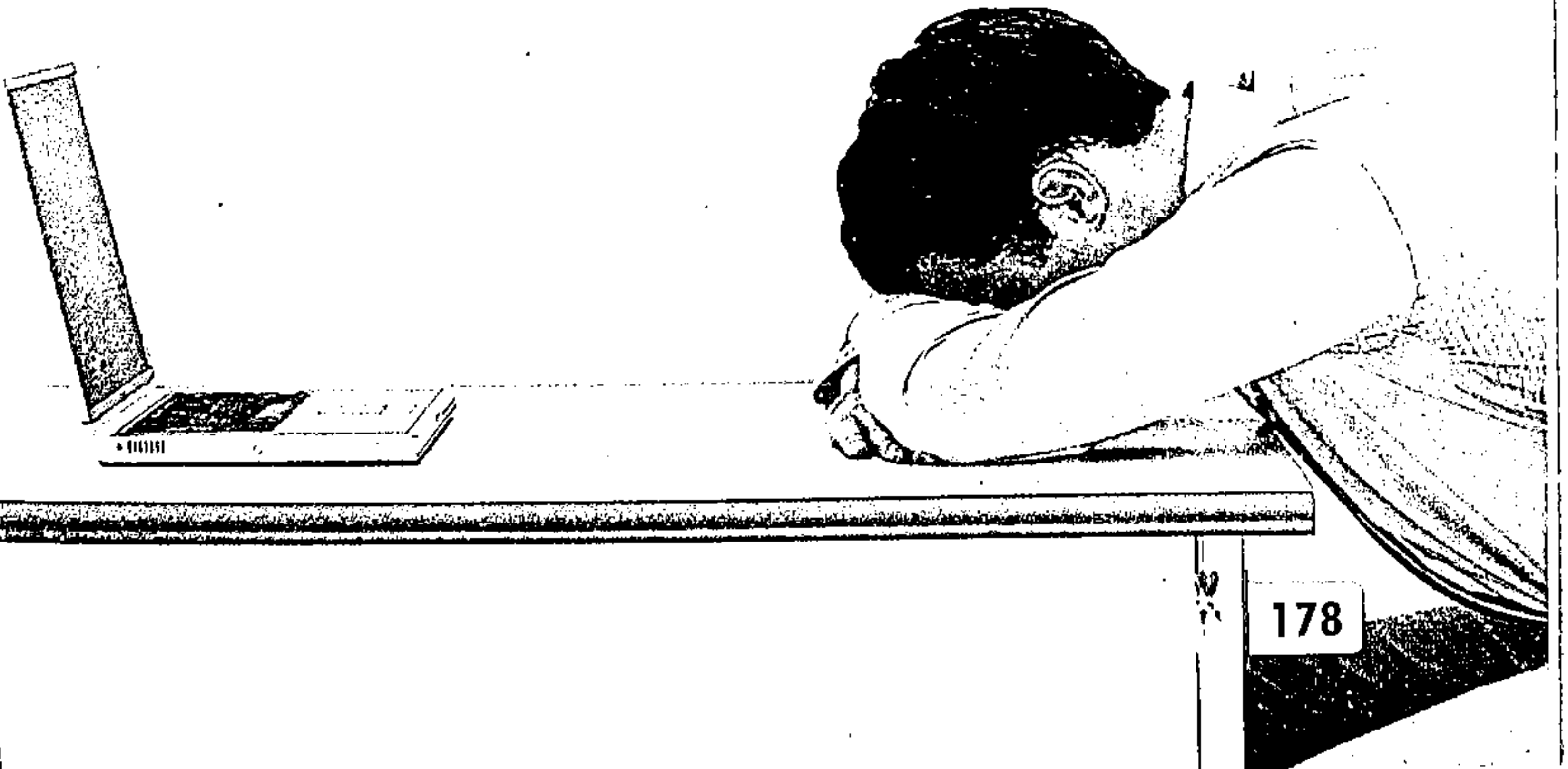
بل گیٹس نے 30 ماہر ترین سافٹ ویئر بنانے والے پروگرامرز کو جمع کیا، یہ 30 سافٹ ویئر انجینئرز پورے دو سال تک جتے رہے، یہ ڈیوٹی ٹائم کے علاوہ اضافی وقت بھی دیتے تھے۔ یہ ''ونڈوز'' بنانا چاہتے تھے، دو سال کی محنت کے بعد نتائج بڑے مایوس کن تھے،لیکن ان لوگوں نے ہار نہیں مانی اور درحقیقت اس ہار نہ ماننے میں کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے لہٰذا وہ لوگ بھی کامیاب ہوگئے۔

آج ''ونڈوز'' کے نام سے جو آپریٹنگ پروگرام ہم استعمال کرتے ہیں، اس کی ایجاد کے پیچھے دو سال کی مسلسل محنت، دن رات انتھک کام اور 30 انجینئرز کی بلند ہمتی کا ہاتھ ہے اور وہ ناکامیاں جن کا سامنا ''بل گیٹس'' اور اس کی ٹیم کو قدم قدم پر کرنا پڑ رہا تھا،لیکن اس نے ہار نہیں مانی، اگر وہ رکاوٹوں کے سامنے ہمت ہار جاتا تو آج ہمارے سامنے یہ حیرت انگیز ایجاد نہ ہوتی جس نے پوری دنیا کے لوگوں کا بہت سا وقت اور محنت بچا لی ہے۔

بل گیٹس آج تقریباً 36 ملین ڈالرز کے اثاثوں کا مالک ہے، جو دن بدن بڑھتے جارہے ہیں، وہ مسلسل 12 سال دنیا کے امیر ترین آدمیوں کی فہرست میں پہلے نمبر پر رہا ہے۔

بل گیٹس ایک چھوٹی سی سوچ لے کر چلا تھا جس کے پورا کرنے کا اس میں عزم تھا۔ لہٰذا اس نے مصیبتوں کی پروا نہیں کی، اپنی سوچ پر آسانیوں سے سمجھوتہ نہیں کیا، جس کے پورا کرنی میں حائل رکاوٹیں اسے چیلنج کر رہی تھیں۔

PEPSI

پیپسی کولا...... دنیا کا مشہور مشروب کیسے بنا؟

37 ہم میں سے کون ہوگا جس نے ''پیپسی'' کا مزہ نہ چکھا ہو؟ اس مزیدار مشروب سے لطف اندوز ہونے والے کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور اس کرۂ ارض کے 195 ملکوں کا شمار اس کے طلب گاروں میں ہوتا ہے، اس کی ابتداء بھی ایک عام سوچ سے ہوئی تھی جو ایک دوا فروش کے ذہن میں ابھری تھی، وہ اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کوئی ایسا مرکب بنا لیا جائے جو بدہضمی کے مرض کے لیے مفید ہو۔

پھر یونہی تجربات کرتے کرتے یہ مزیدار اور زود ہضم مشروب ایجاد ہوگیا جس نے پوری دنیا میں کھانے پینے کا انداز ہی بدل دیا۔ آخر ''کیلڈ براڈ ہام'' نے یہ انکشاف کیسے کر ڈالا۔

دوا فروشی کے کام کے دوران وہ کافی حد تک طبی ادویات کی آمیزش کے نتائج سے واقف ہو چکا تھا، اس نے ایک ملازم بھی رکھ لیا تھا تا کہ وہ پھلوں کی خوشبوؤں اور سوڈے کی مدد سے ایک مفید ہاضم مشروب ترتیب دے سکے، 1898ء کے ایک گرم اور خشک دن میں اپنی مسلسل محنت کی بدولت وہ ایک مزیدار خوش ذائقہ اور فرحت بخش مشروب بنانے میں کامیاب ہوگیا، اس وقت اس کی عمر صرف 22 سال تھی۔ اس نے یہ مشروب اپنے میڈیکل کے کسٹمرز کو فراہم کرنا شروع کی جو اس سے بدہضمی کی شکایت کرتے، غیر متوقع طور پر اس کا یہ مشروب بہت کامیاب ہوگیا اور پسند کیا جانے لگا۔

''براڈ ہام'' نے جب اپنے مشروب کی طلب بڑھتی محسوس کی تو اس کا نام ''پیپسی کولا'' (Pepsi Cola) تجویز کیا، کیونکہ اس کی رائے میں یہ بدہضمی کے مرض کے لیے جس کو ''ڈائس پیپسیا'' (Dyspepsia) کہا جاتا ہے، بے حد مفید ہے۔

اسے خوش قسمتی کہیں کہ پھیپھڑوں کی خرابی کے لیے یہ مشروب بہت مفید ثابت ہوا جس نے ''براڈ ہام'' کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اسے مزید پبلسٹی کے لیے اشتہار چھاپے، لوگ بے دھڑک اسے خریدنے لگے، عوام کی بے انتہا طلب نے ''براڈ ہام'' کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ اس لذیذ مشروب کی مارکیٹنگ کے لیے باقاعدہ ایک کمپنی کا افتتاح کرے۔
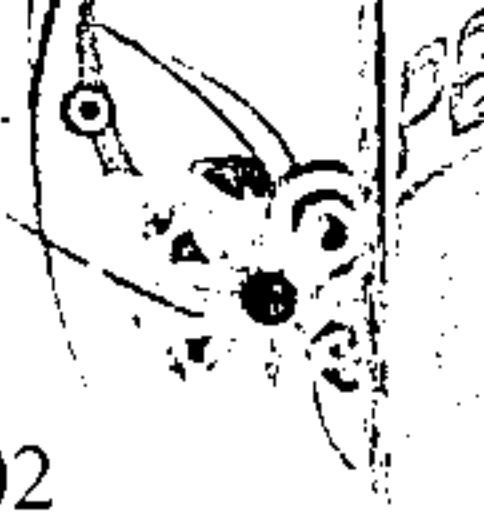
1902ء میں اس نے اپنے میڈیکل کے عقبی کمرے میں ''پیپسی کولا'' کی کمپنی کی بنیاد ڈالی، اپنی اختراعی سوچ کی بنیاد پر اس نے اس بات کی کوشش بھی شروع کر دی کہ اس کی یہ ایجاد قانونی ''ٹریڈ مارک'' حاصل کرے۔ شروع میں وہ یہ مشروب تیار کر کے سوڈا پانی کے گلاس میں ڈال کر بیچتا رہا۔ لیکن ضرورت ایجاد کی ماں ہے، لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے چھوٹی شیشے کی بوتلوں میں بیچا کرے تاکہ اسے جو چاہے اور جب چاہے آسانی سے پی سکے۔

16 جولائی 1903ء کو امریکا کے ٹریڈ مارک کے محکمہ کی طرف سے پیپسی کولا کو خاص ٹریڈ مارک جاری کر دیا گیا اور اسی سال ''براڈ'' نے 7968 شیشیاں پیپسی کی فروخت کیں، اس کا ٹریڈ مارک ان الفاظ پر مشتمل تھا: ''فرحت بخش، مقوی، مفیدِ ہضم'' پھر اسے دھاتی اور شیشے کی بوتلوں میں پیپسی فروخت کرنے کا حق بھی حاصل ہو گیا۔

1905ء میں اس کی دو برانچیں تھیں، 1906ء میں اور بڑھ کر 15 ہو گئیں، 1907ء میں وہ 400 برانچوں کا مالک بن گیا، یہاں تک کہ 1910ء کے اختتام پر 24 شہروں میں پیپسی کی لاتعداد برانچیں کام کرنی لگیں۔ یہ براڈ ہام کی بہت بڑی کامیابی تھی، اسی سال اس کی کمپنی نے ایک لاکھ گیلن اس مشروب کے فروخت کیے۔

اس کامیابی کے 17 سال بعد پہلی عالمی جنگ ہوئی، اردگرد کے حالات سے پیپسی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور چینی کے بھاؤ خطرناک حد تک بڑھ گئے۔ جس نے پیپسی کی تیاری پر کافی اثر ڈالا، براڈ ہام کو اپنے مشروب کو چلانے کے لیے اس کی بعض خصوصیات پر خطرہ مول لینے پر مجبور ہونا پڑا لیکن 3 خوفناک سالوں کے بعد اسے اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔

اس کے بعد بیسیوں مرتبہ اچانک چینی کے بھاؤ کم ہوئے، لیکن براڈ اس سے فائدہ اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا، 1924ء میں پیپسی کے دو کارخانوں کے علاوہ تمام کارخانے بند ہو گئے تھے۔

براڈ ہام دوبارہ اپنے میڈیکل مین آیا اور پیپسی کا نام بیچنے کے لیے اسے نیلامی میں پیش کر دیا اور پھر رائے میگارگل کو بیچ ڈالا، اس کے بعد بھی پیپسی کے نام کو چار لوگوں نے خریدا، لیکن کوئی بھی اس کو معاشی بحران سے نہیں نکال سکا اور نہ ہی اس کی گرتی ساخت کو سنبھال سکا، پھر اسے ایک اور مشروب ''شوکولا'' کے مالک جس کا نام ''چارلز گوچ'' تھا خرید لیا، پیپسی کے لیے وہ شخص نجات دہندہ ثابت ہوا کمپنی کو اس کے منصوبوں اور تجربوں سے بہت فائدہ ہوا۔

اپنی ناکامی اور ''براڈ ہام'' کی مفلسی کے اعلان کے 15 سال بعد کمپنی دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی، اس کا بانی 5 سال پہلے ہی 58 سال کی عمر میں دنیا چھوڑ چکا تھا، لیکن اب پھر اسے جنگ عظیم دوم کا سامنا کرنا پڑا اور ایک مرتبہ پھر اس کی کمر ٹوٹ گئی، اسے دوبارہ عالمی معاشی جمود اور بحران نے پیچھے دھکیل دیا، لوگوں میں اتنی قوت خرید بھی نہیں تھی کہ وہ اس مزیدار، راحت بخش مشروب کے لیے 5 سینٹ ہی خرچ کرسکیں، دوسری طرف دیگر مشروباتی کمپنیوں کے مقابلے میں پیپسی کی بوتل کا حجم اس کے بھاؤ کے مقابلے میں کافی بڑھایا جاچکا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد پیپسی کمپنی نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا، نئی سوچوں، نئے مونو گرام اور منفرد اشتہارات کے ذریعہ اور آج پیپسی کا شمار دنیا کی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں ہوتا ہے، امریکا کی پانچ سو کمپنیوں میں اس کا نمبر 21 واں ہے۔
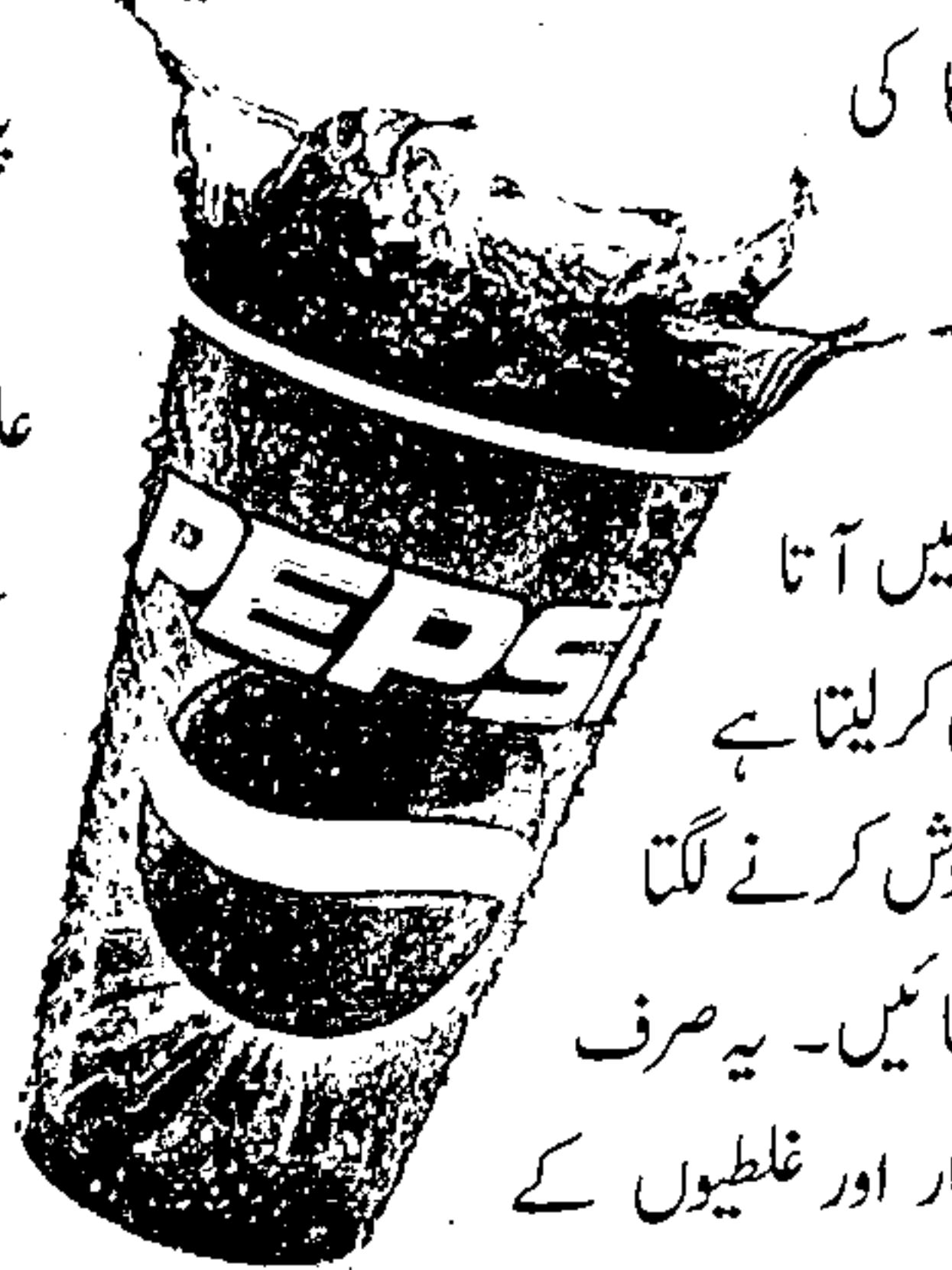
ایک عام سی سوچ، عام سے شوق کی بنیاد پر ایک کالا سیاہ مشروب وجود میں آتا ہے جو کرۂ ارض کے ہر خطے ہر گوشہ تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اور اس کا کالا پانی اتنی بڑی مقدار میں دنیا میں گردش کرنے لگتا ہے کہ اگر اس کو جمع کیا جائے تو شاید نہریں بن جائیں۔ یہ صرف اور صرف کامیابی کے پختہ عزم کا کرشمہ ہے ہار اور غلطیوں کے باوجود۔

شیخ احمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ ...... ایک معذور عظیم مجاہد

38 یکم صفر 1425ھ بروز پیر بمطابق 2 مارچ 2004ء کی صبح وہ عظیم مجاہد سفر آخرت کی طرف کوچ کر جاتا ہے اور جہاد کا بلند ترین اور لہراتا جھنڈا مجاہدین کی ان نسلوں کے حوالے کر دیتا ہے جو اس نے فلسطین کی آزادی کے لیے تیار کی تھیں۔

یہ صبح نمازِ فجر کا پاکیزہ وقت تھا اور پاکیزہ مسجد کی مبارک چوکھٹ ''شیخ احمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ'' نے ابھی فجر کی نماز پڑھی ہی تھی کہ ان کی شہادت کی وہ دیرینہ آرزو پوری ہوگئی جس کی تمنا وہ عمر بھر کرتے رہے تھے۔

ایک مکمل طور پر مفلوج آدمی، جس کے بدن کا کوئی حصہ سوائے سر کے حرکت نہیں کرتا تھا، لیکن اس کی یخ بستہ پسلیوں کے درمیان ایک پرجوش اور سچا دل دھڑکتا تھا، وہ کرسی کے علاوہ بیٹھ نہیں سکتے تھے، دوسروں کی مدد کے بغیر کھا نہیں سکتے تھے، ایک گھونٹ پانی بھی حلق سے نہیں اتار سکتے تھے اگر کوئی دوسرا ان کے حلق میں انڈیلے نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی اور اللہ اپنے پیارے بندوں کو تو آزمایا ہی کرتا ہے۔

شیخ احمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ نے اس آزمائش میں کیا کیا؟ کیا انہوں نے اپنی امیدوں کو توڑ دیا؟ کیا انہوں نے اپنے ارد گرد مچے ہلاکت خیز طوفان سے ہار مان لی؟ کیا وہ اپنی ذات میں قید ہو کر رہ گئے جب وہ اپنی طرف ترس کھاتی نگاہیں اٹھتی دیکھتے؟
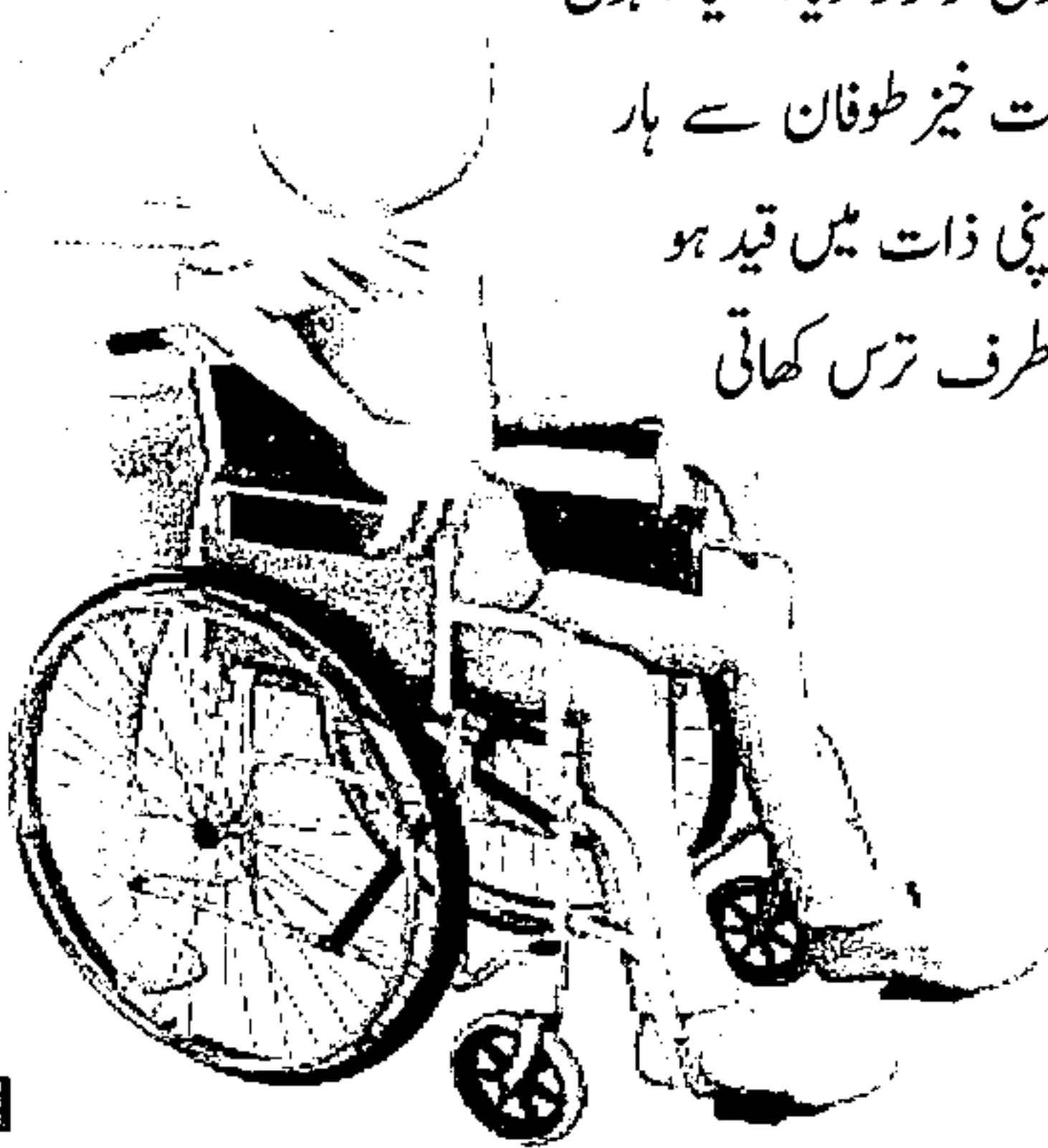
سبحان اللہ!

ذرا اِن ایمان والوں کی روحوں کی پاکیزگی دیکھو جب وہ مایوسی سے جنگ کر رہے ہوں..... جب وہ اپنے رب کے فیصلوں کو مطمئن جان اور راضی دل کے ساتھ قبول کر رہے ہوں۔

لیکن وہ کبھی بھی عاجزی، بے بسی اور شکست کے آگے سر نہیں جھکاتے۔

"شیخ احمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ" ہمارے لیے بہادری اور لگن کی ایک عظیم مثال ہیں۔ جنہوں نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ اپنے رب کے فیصلہ پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھنے والے انسان کی ہمت اور عزم کو مفلوج جسم اور متحرک کرسی کمزور نہیں کرسکتی۔ بھلا اس سے بڑھ کر کسی نے مجاہدین کے قافلوں کی رہنمائی کی ہوگی؟ اس نے کبھی بھی آرام اور راحت نہیں چاہی جن کا اس جیسا مریض محتاج ہوتا ہے۔

جیل کی اندھیری کال کوٹھڑیوں میں بھی وہ مایوس نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مومن کی روشنی تو اس کا ایمان ہے جو اس کے رگ و جان میں دوڑتا ہے، قید و بند کی زنجیریں کبھی اس کی گردش نہیں روک سکتیں۔

شیخ احمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ دینی اور قومی حمیت و غیرت کی پوری دنیا کی تاریخ میں ایک بے مثال نمونہ ہیں، تاریخ کوئی ایک شخص ایسا پیش نہیں کرسکتی جس نے بہادروں کی ایک پوری قوم کی قیادت کی ہو اور وہ سوائے سر کے مکمل طور پر جسمانی حرکت کے اعتبار سے مفلوج ہو۔

اس قیادت سے بڑھ کر اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پوری دنیا میں جہاد کے سلسلہ کی ایک نئی داغ بیل ڈال دی، ایک ایسا پرچم بلند کر دیا جس کے سائے کے نیچے نہ صرف فلسطینی نوجوانوں کی باصلاحیت کھیپ جمع ہوگئی بلکہ پوری دنیا سے شہادت کے متوالے آخر جمع ہونے لگے۔

اس نے پوری زندگی جدوجہد میں گزار دی کیونکہ اسے اس بات کا یقین تھا کہ حقیقی اپاہج پن اور کامل بے بسی تو اللہ کی رحمت سے ناامید اور مایوس لوگوں کے دل میں بستی ہے، ایک مؤمن کے دل میں اللہ کی ذات نے ناامیدی اور ایمان کیسے جمع ہوسکتا ہے۔

ان کی روح تو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوکر اللہ کی رحمت کے سمندر میں غرق ہوگئی، انہوں نے کبھی بھی دشمن سے بھاگنے کا ارادہ نہیں کیا، کیونکہ یہ تو بزدلوں اور مایوس لوگوں کا کام ہوتا ہے جو حقیقت سے نظریں چرا کر اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہیں۔ اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا اور بلند ہمتی سے کام لینا ان صفات نے انہیں بہادری اور جہاد کی لازوال داستانوں میں سے ایک داستان بنا دیا، تاریخ کے صفحات میں اپنا نام قیامت تک درج کرنے والے لوگ ان کی طرح کم ہی ہوتے ہیں۔
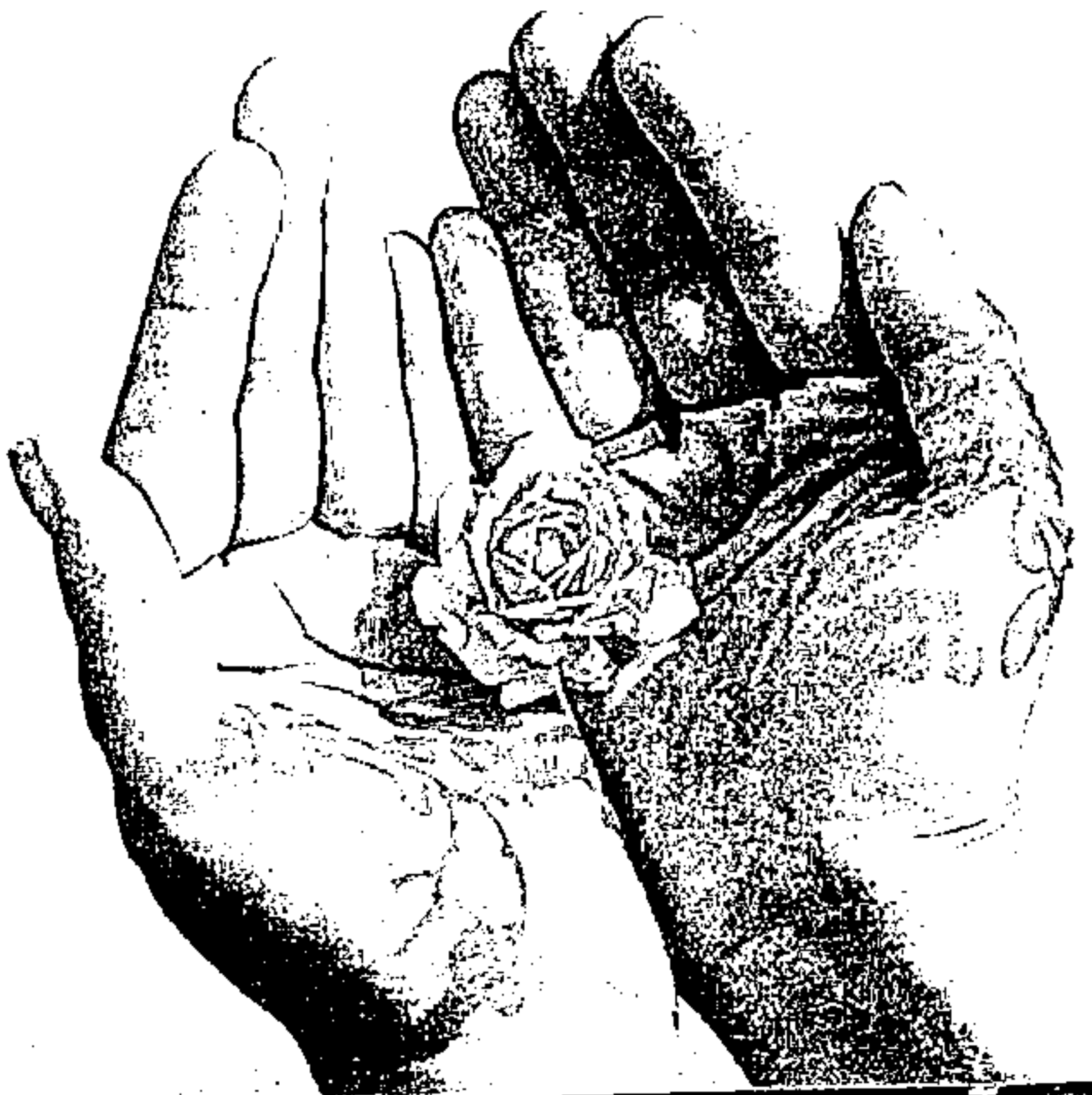
بلند ہمت انسان ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے

39 ''شیخ سلیمان بن عبدالعزیز الراجحی ؒ'' نے اپنے کام کی ابتداء صفر سے کی تھی اور آج ان کا شمار دنیا کے کامیاب ترین لوگوں میں ہوتا ہے......... کامیابی کا یہ سفر انہوں نے کیسے طے کیا؟ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے اس سفر کی روداد سنائی ہے جو صرف ایک نکتہ کی گرد گھومتی ہے:

لَمْ يَتَسَرَّبِ الْيَأْسُ يَوْمًا إِلٰى قَلْبِهٖ

''مایوسی اور ناامیدی کبھی بھی ان کی دل میں داخل ہونے میں کامیاب نہ ہوسکی۔''

وہ پوری صفائی کے ساتھ بغیر کسی شرمندگی کے کہتے ہیں کہ انہوں نے کام کی ابتداء ایک ایسے مزدور اور قلی کے طور پر کی تھی جو صرف ایک ریال کماتا تھا اور آج وہ اپنے ادارے کے ڈائریکٹر بن کر 1500 ملازمین اور عملہ کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان کی باتیں غور سے سنیں، وہ کتنی تواضع اور بے باکی سے اپنی جوانمردی کی داستان سنا رہے ہیں:

اپنے شہر کے دیگر لڑکوں کی طرح جب میں نے جوانی کی بہار میں قدم رکھا تو میرے پاس پرائمری سے زیادہ تعلیم نہیں تھی، میں نے شروع میں ایک ریال کے عوض قلی کا کام شروع کیا، لیکن میں کسی قسم کی خفت محسوس نہیں کرتا تھا، بلکہ مجھے اس بات پر فخر رہتا تھا کہ میں اپنے زورِ بازو سے کماتا ہوں، کسی کے آگے ہاتھ تو نہیں پھیلاتا ہوں۔

اس کے بعد میں نے لوگوں کے گھر سے جلی ہوئی ریت اٹھانے کا کام شروع کیا، کیونکہ استعمال ہونے کے بعد وہ ان کے لیے بے کار ہوتی تھیں، لہٰذا وہ مجھے دے دیتے تھے، لیکن اس کے عوض وہ اپنے باورچی خانہ کی صفائی کروا لیا کرتے تھے۔

میں نے یہ کام بھی نہایت خوش دلی سے کیا اور میں پوری لگن اور جانفشانی سے محنت کرتا تھا، وہ میرے کام سے بہت خوش ہوتے اور دیگر لوگوں کو چھوڑ کر مجھ ہی سے صفائی کروانے کے خواہش مند رہتے۔

میں اس راکھ اور ریت کو لے کر اس میں مٹی ملا کر گارا تیار کر لیتا تھا اور پھر اس کو مساجد کی تعمیر میں استعمال کرتا اور چھوٹی چھوٹی مساجد مختلف قصبوں، بستیوں میں 10 ریال کے عوض بنا کر دیتا۔

میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھنے کی کوشش میں رہتا، باورچی خانوں کی صفائی کے دوران میرا سابقہ بسااوقات بہت ماہر قسم کے کھانا پکانے والوں سے بھی پڑتا تھا، میں ان سے کھانا پکانا بھی سیکھتا تھا، آہستہ آہستہ میں ایک ماہر باورچی بن گیا۔
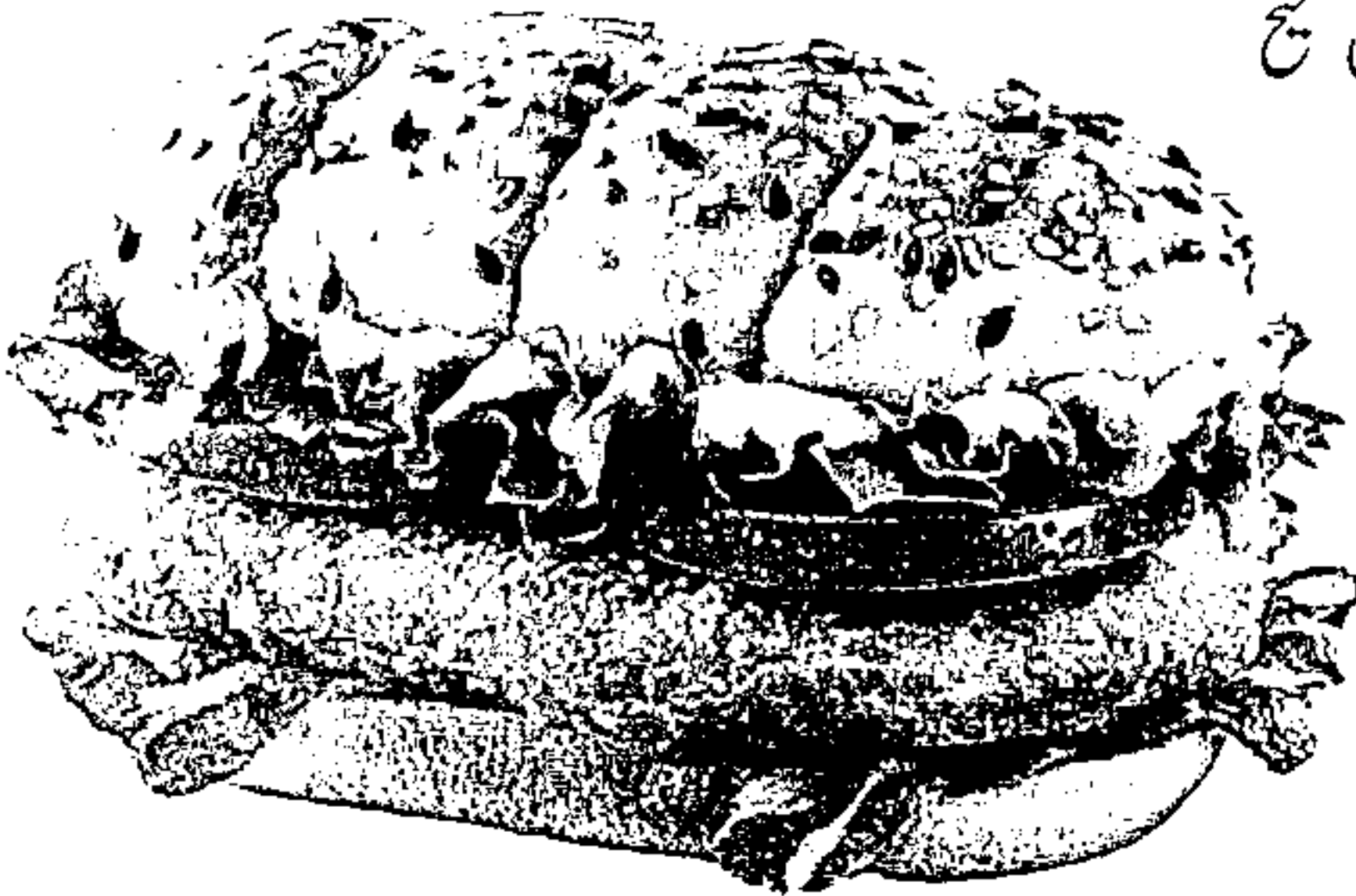
میرے حالات میں صحیح معنوں میں تبدیلی اس وقت آئی جب میں 1965ء میں اپنے بھائی کی مدد سے ایک معقول نوکری پر لگ گیا، اس وقت میری آمدنی ایک ہزار ریال تھی، میں نے کبھی محنت سے جی نہیں چرایا۔ میں اپنے دفتر پہنچنے والا سب سے پہلا ملازم ہوتا تھا اور سب سے آخر میں نکلتا تھا، یہاں تک کہ میں اتنی ترقی کر گیا کہ اپنے ذاتی ادارے کی بنیاد رکھ سکوں۔

ذمہ دار انسان کو سب سے زیادہ اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے، اس لیے میں صبح سویرے نماز سے بھی پہلے اپنے گھر سے نکل جاتا، سینڈوچ میرے جیب میں ہوتا میں اپنے عملہ کے ملازمین سے دو گھنٹے پہلے کام پر پہنچ جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میری تجارتی پراڈکٹ کامیاب ہوتی چلی گئیں اور مارکیٹ میں میری کمپنی نے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں۔

اپاہج...... لیکن ریاضی کے ماہر استاد

40 ایک برطانوی نژاد پروفیسر...... کیمبرج یونیورسٹی میں ریاضی کی استاد تھے۔ وہ اپنی بیماری اور اپاہج پن کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر پڑھاتے تھے اور یہ وہی کرسی تھی جو نیوٹن کے زیر استعمال رہتی تھی۔

20 سال کی عمر میں ان کو ایک ایسی بیماری لاحق ہوگئی کہ جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے اور حرکت کرنے سے معذور ہوگئے اور بقیہ پوری زندگی ان کو کرسی پر گزارنی پڑی۔ لیکن انہوں نے اپنا علمی سفر اپنی مضبوط قوت ارادی کی بنیاد پر جاری رکھا۔

1985ء میں انہیں ایک خطرناک بیماری کا عارضہ لاحق ہوگیا اور انہیں ایک بڑا آپریشن کروانا پڑا جس کا اثر ان کی آواز پر پڑا اور وہ بات کرنے سے بھی قاصر ہوگئے۔ اب نہ وہ چل پھر سکتے تھے نہ بات کرسکتے تھے۔ ان کے لیے ایک خاص کمپیوٹر ڈیزائن کیا گیا جس کے ذریعہ وہ طلبہ کو پڑھا سکیں۔

اسٹیفن کو ان کا اپاہج پن سفر کرنے اور علمی سیمیناروں میں شرکت کرنے سے نہیں روک سکا۔ انہوں نے امریکا، یورپ اور روس کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور اپنی بیماری کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا جتنی جرأت صحت مند لوگ بھی نہیں کرسکتے۔

انہیں لوگ مفلوج کہتے لیکن انہوں نے خود کو کبھی مفلوج نہیں سمجھا۔ ان کی علمی زندگی نے ان کی شخصیت کو ایک ایسے انسان کے روپ میں ڈھال دیا جو علمی امانت، ثابت قدمی، بے پناہ محنت اور حیرت انگیز ذہانت میں اپنی مثال آپ تھا۔ اور اگر اس میں یہ صفات نہ ہوتیں تو کبھی بھی اپنے کارناموں کی بنیاد پر نوبل انعام حاصل نہیں کرپاتا۔ ایک بیماری کے ہاتھوں بے بس آدمی کا جس کا جسم ہل جل بھی نہیں سکتا جس کی زبان بولنے سے قاصر ہے، نوبل انعام حاصل کرلینا بہت ہی ہمت کی بات ہے۔

ان کی سوانح عمری لکھنے والے کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''وہ سوائے اس مرض کے جوان کو بیس سال کی عمر میں لاحق ہوگیا تھا اپنے آپ

اسٹیفن اپنے ڈاکٹروں کی توقعات کے برعکس سالوں نہایت اطمینان سے اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے اور اپنے سیدھے ہاتھ کی صرف دو انگلیوں کی مدد سے نہ صرف تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے بلکہ اپنی کتاب بھی تصنیف کر کے ڈاکٹروں کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔

ان کی کتاب کا مطالعہ کرنے والا انسان ان کی تحریروں میں ایک انوکھا پرامید اسلوب محسوس کرتا ہے جو ان کی ساری گفتگو میں جان بھر دیتا ہے، ایک ایسی شگفتگی محسوس کرتا ہے جیسے الفاظ مسکرا رہے ہوں اور جملے قہقہے لگا رہے ہوں۔ اور ان سب سے بڑھ کر ان کے علمی نظریات جو ٹھوس بنیادوں اور گہرے تجزیے کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے جاننے والوں کا کہنا ہے کہ ان کی تحریر کی طرح ان کے لیکچر میں بھی ایسی ہی سحر انگیز تاثیر ہوتی تھی۔

ان کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر انسان کامیاب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنے مقصد تک پہنچنے میں حائل کسی بھی رکاوٹ کو عبور کر سکتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ ویسی ہی ہمت اور مستقل مزاجی سے کام لے جو اسٹیفن میں تھی۔ اور اپنی آئندہ کل کے بارے میں ہمیشہ پرامید رہنے کی کوشش کرے، کیونکہ یہ بات حقیقت ہے کہ کامیاب انسان وہی ہوتا ہے جو حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال دے۔ حالات کی رو میں بہہ جانے والے کبھی بھی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔
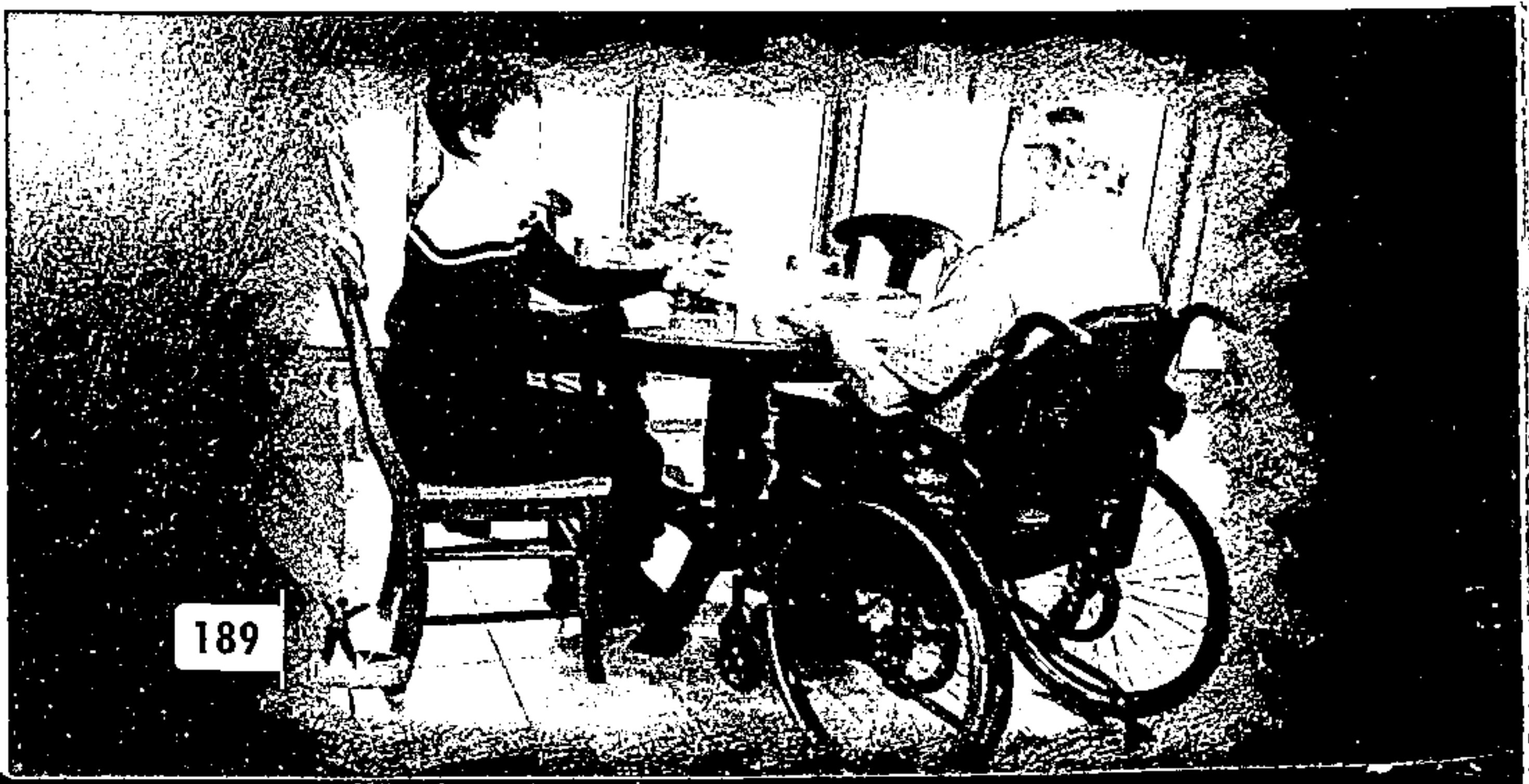
کمزور لڑکا اسمبلی کا ممبر کیسے بنا

41 ڈاکٹر ایموتھاس لکھتے ہیں کہ:

جس وقت میں 15 سال کا ہوا مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنے ہم عمر سب لڑکوں کے مقابلہ میں بہت لمبا ہوں اور بہت کمزور ہوں۔ میں ہر وقت خوف زدہ اور پریشان رہتا تھا۔ سارے بچے ہر وقت میرا مذاق اڑاتے رہتے تھے اور مجھے ''لمبو'' اور ''اونٹ'' کہہ کر پکارتے۔

میں ان سب باتوں کی وجہ سے اس قدر حساس ہوگیا کہ لوگوں کا سامنا کرنے اور ان سے ملنے جلنے سے ڈرنے لگا۔ میں بہت خاموش اور گوشہ نشین ہوگیا۔ چونکہ میرا گھر بھی شہر کے مضافات میں تھا اور بہت پرسکون اور الگ تھلگ جگہ پر تھا۔ مجھے اس سے بھی بہت مدد ملی۔

میں ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ میں دوسرے بچوں سے اتنا الگ الگ کیوں ہوں؟ میں اتنا لمبا اور کمزور کیوں ہوں؟ پھر ایک دن میری والدہ نے مجھے یہ بری خبر سنائی کہ اب ہم آپ کی پڑھائی کے مزید اخراجات برداشت نہیں کرسکتے۔

میرے والدین مجھے اپنی تنگ دستی کی وجہ سے کالج نہیں بھیج سکتے تھے۔ میں نے کالج میں داخلے کے لیے اپنے چند پالتو جانور بیچ دیئے۔ کالج میں پہننے کے لیے میرے پاس مناسب کپڑے نہ تھے۔ میری والدہ نے مجھے والد کے کپڑے دے دیئے جو مجھے کافی چھوٹے تھے۔
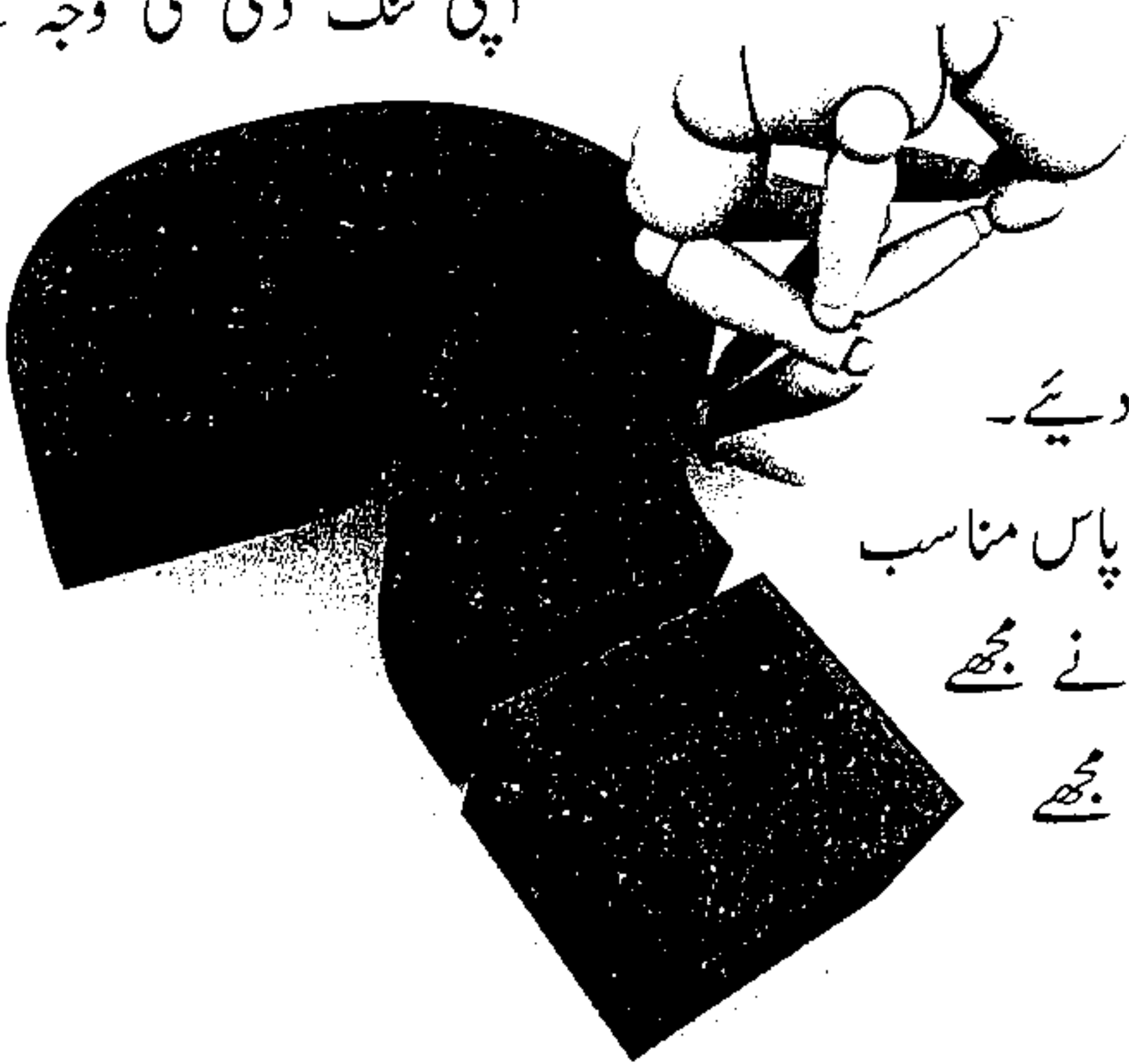
کالج میں بھی مجھے اسی سلوک کا سامنا کرنا پڑا جس سے میری روح کانپتی تھی۔ سب میرے بوسیدہ اور اونچے کپڑوں کا مذاق اڑاتے۔ میرا لمبا قد اور کمزور جسم ان کے مذاق کا خصوصی ہدف ہوتا تھا۔ اس بات نے مجھے مجبور کردیا کہ میں ان سب سے الگ تھلگ اپنی کتابوں میں مگن رہوں۔ میری آخری جائے پناہ اپنے کمرے میں موجود اسٹڈی میز ہوتی جہاں میں گھنٹوں کتابوں پر جھکا رہتا۔ وہاں مجھے تنگ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ان دنوں میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں کسی طرح اپنے ناپ کے کپڑے خرید سکوں۔

کچھ عرصہ بعد چار ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ میری ساری احساس کمتری کو بھرپور خوداعتمادی میں تبدیل کر دیا۔

1. میں مضافاتی اسکولوں میں تدریس کے امتحان میں تیسری پوزیشن پر آیا تھا، اس کامیابی نے مجھے اس بات کا احساس دیا کہ اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے لیے میں قابلِ اعتماد ہوں۔
2. ان اسکولوں کی فیڈریشن کی جانب سے مجھے یہ پیشکش موصول ہوئی کہ میں ماہانہ 40 ڈالر کے عوض ان کا اسکول جوائن کرلوں، یہ دوسرا اشارہ تھا جس نے مجھے یقین دلایا کہ میری والدہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مجھ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔
3. میرے پاس اتنی رقم جمع ہوگئی جس سے میں نئے کپڑے خرید سکوں۔ اس دن میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا جب میں اپنے نئے کپڑوں میں ملبوس کالج کے گیٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ اگر مجھے لاکھوں ڈالر ملتے تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔
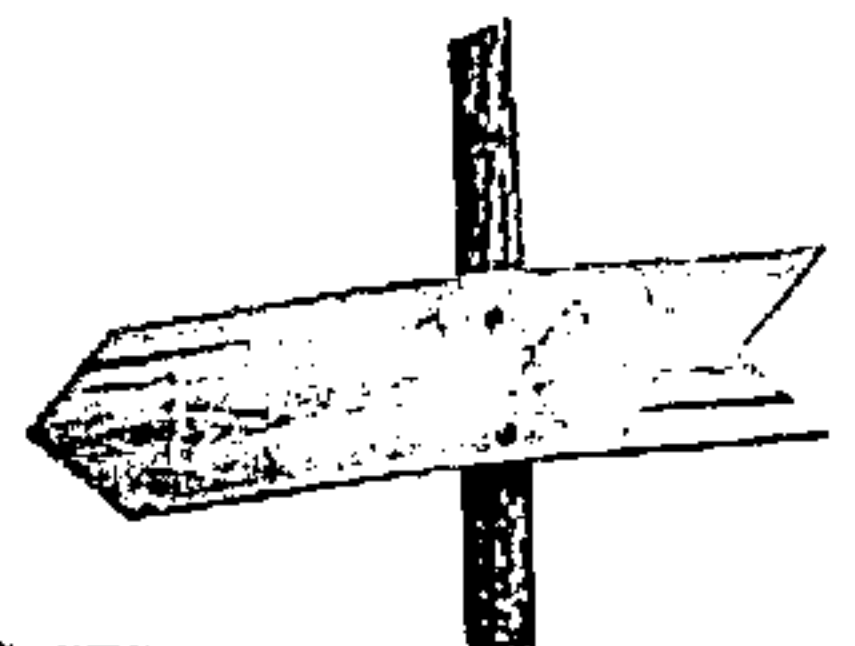
4 یہ میری زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ تھا، اور احساس کمتری کے سامنے میری پہلی واضح برتری تھی۔ لڑکوں نے شرارت میں میرا نام تقریری مقابلہ میں لکھوا دیا تھا۔ لسٹ میں اپنا نام دیکھ کر تو میرے اوسان خطا ہوگئے، پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میں تو کسی ایک آدمی کے سامنے جرأت سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کرسکتا تھا، پھر ہزاروں کے مجمع کے سامنے کس طرح کھڑا ہوؤں گا؟

لیکن اب مرتا کیا نہ کرتا تقریر تو کرنی تھی۔ میں نے ہمت کرکے ایک موضوع منتخب کیا۔ ''امریکا میں لبرل فنون'' جس وقت میں نے تیاری شروع کی اس وقت میں اس موضوع کی الف بے سے بھی واقف نہ تھا۔ بہرحال میں نے خوب محنت سے تقریر تیار کی اور گھنٹوں درختوں کے سامنے کھڑے ہوکر آنکھیں بند کرکے انہیں تقریر سنائی۔ جب میں آنکھیں کھولتا تو درخت کی جھومتی شاخیں مجھے تالیاں بجاتی محسوس ہوتیں۔ تیاری کے بعد میں اپنے آپ کو کافی پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

حیرت انگیز طور پر میں نے مقابلہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ جب اسٹیج سے میرا نام پکارا گیا تو ہزاروں لوگوں کی تالیوں کی گونج میرا استقبال کر رہی تھیں۔ میں لرزتا کپکپاتا اسٹیج پر پہنچا اور مبہوت ہوکر ہزاروں لوگوں کو تالیاں بجاتا دیکھتا رہا۔ میں پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا اس ڈر سے کہ یہ کوئی خواب نہ ہو جو آنکھیں بند کرتے ہی ختم ہوجائے۔ مجھے بہت سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں: الرتم بہت باصلاحیت ہو۔'' میں ان آوازوں کو بخوبی پہچانتا تھا۔ یہ وہی آوازیں تھیں جو مجھے ''اونٹ اور لمبو'' کہہ کر پکارتی تھیں۔
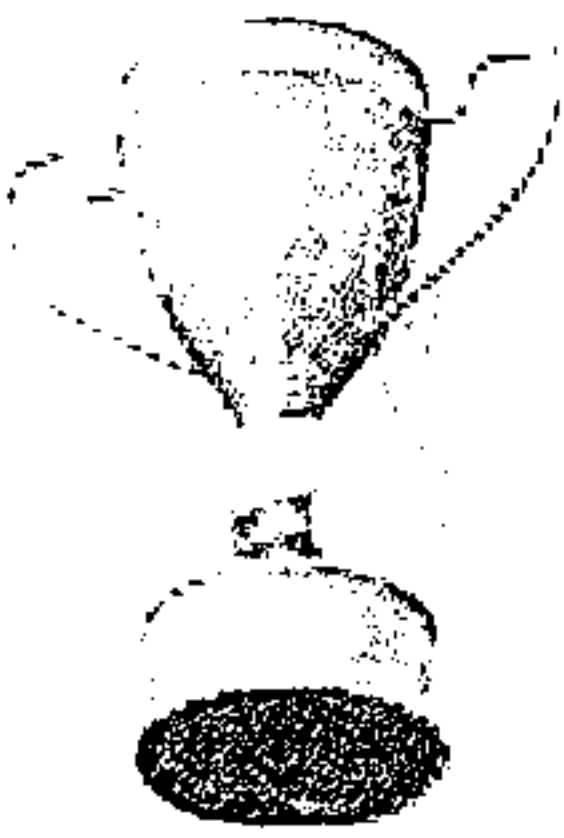
اس کے بعد میں تین سال ریاست اوکلوہوم کی اسمبلی میں خدمت انجام دیتا رہا۔ اسی طرح چار سال کانگریس میں بھی کام کیا۔ اپنی عمر کے پچاسویں سال میں مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ملی اور میں ریاست کے سینیٹروں کے انتخاب میں جیت گیا۔

اب جب میں اپنی زندگی کے یہ واقعات سوچتا ہوں یا بیان کرتا ہوں تو مجھے اس بات پر کوئی فخر محسوس نہیں ہوتا کہ میں ایک سینیٹر ہوں۔ ہوسکتا ہے بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات غیراہم ہو۔ البتہ یہ بات میرے لیے ضرور فخر کی ہے کہ میں نے مایوسی اور ناموافق حالات کے سامنے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ لوگوں کے طعن و تشنیع کی پروا نہیں کی۔ اپنے ترقی کے سفر کو جاری رکھا۔

اپنے احساس کمتری کو خوداعتمادی سے بدلا اور خوب محنت سے کام کرتا رہا۔ اگرچہ میرا قد بہت لمبا اور صحت بہت کمزور تھی۔ میرے پاس پہننے کے لیے مناسب کپڑے بھی نہیں تھے۔ لیکن کامیابی کے لیے یہ باتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ بس میرا حوصلہ جوان اور میری ہمت مضبوط تھی۔ طریقہ کار درست اور محنت بھرپور تھی۔ ان ہی صفات نے مجھے ایک کامیاب انسان بنا دیا۔ میں نے اپنا یہ قصہ اس لیے سنایا ہے تاکہ کم ہمت اور مایوس لوگ باہمت بنیں۔
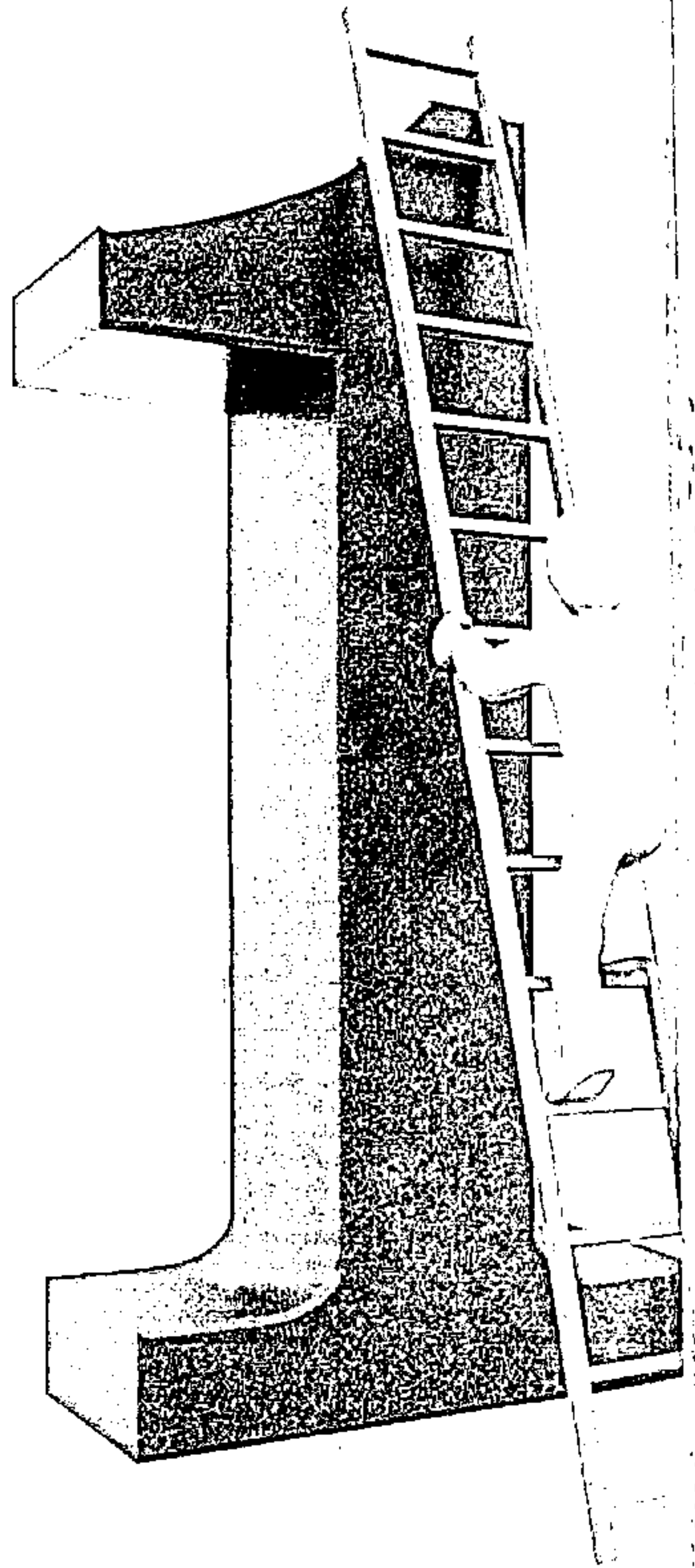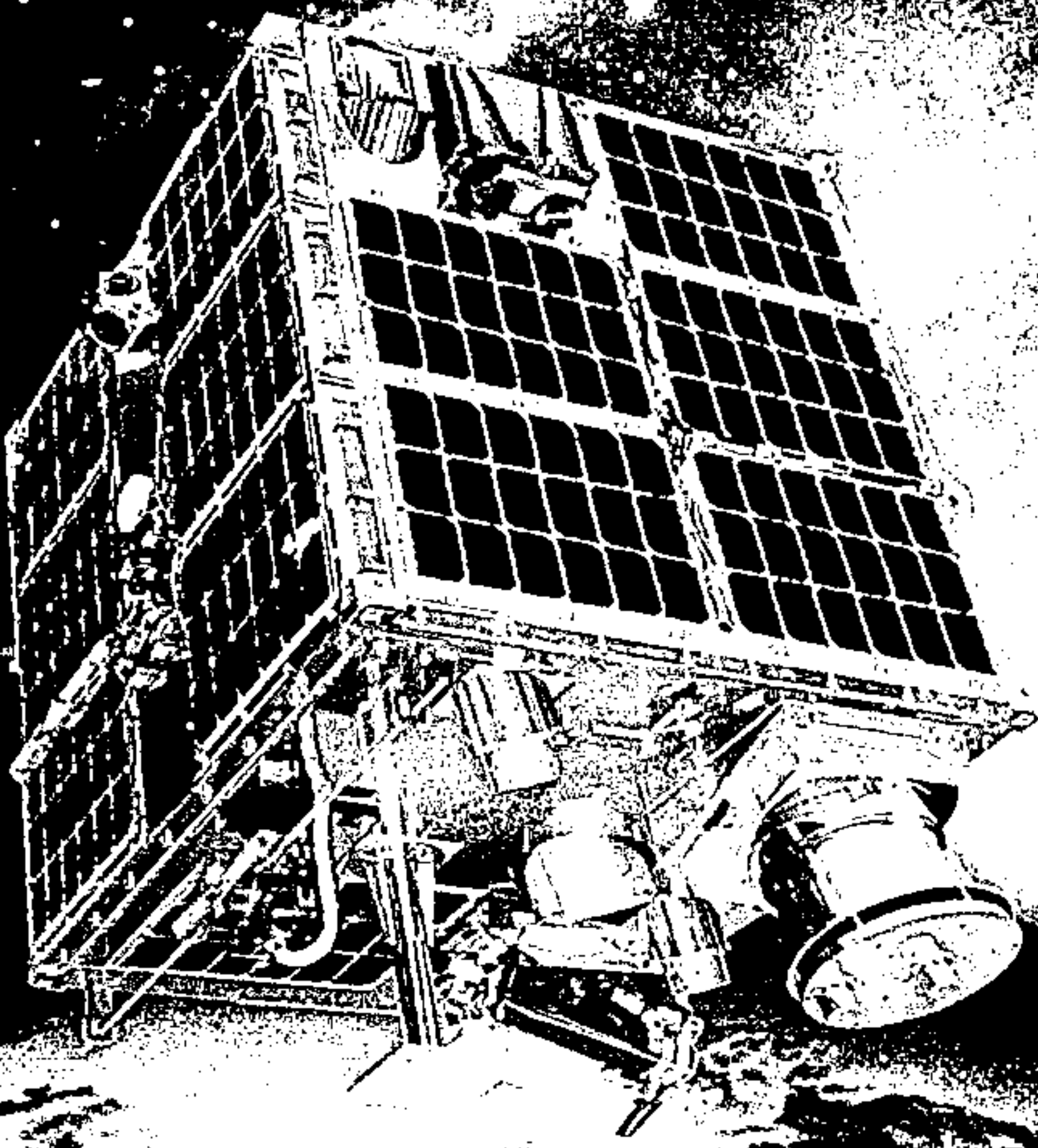
ہمت کی کوئی انتہا نہیں......!!

42 ایک ایسے شخص کی کامیابی کی داستان جس کی بے پناہ ہمت جاپان میں ترقی کے آتش فشاں پھوٹنے کی پہلی چنگاریاں ثابت ہوئیں۔ اس کا نام ''ٹاکیو'' تھا۔

وہ نوجوان چند جاپانی نوجوانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جرمنی کی یونیورسٹی ''ہیم برگ'' میں اپنا وہ خواب لے کر پہنچا یہ وہ خواب تھا جسے پورا کرنے کے لئے وہ پاگل ہو رہا تھا۔ اس خواب کی تعبیر کا جنون اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس کا خواب کیا تھا؟ ایک ایسا انجن تیار کرنا جس کے تمام پرزے جاپان میں بنیں اور اس انجن پر لکھا ہو ''میڈ اِن جاپان''

اس نے خوب محنت سے پڑھنا شروع کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ہمت کا شعلہ مزید بھڑکنے لگا۔ اس کے اٹلی اساتذہ اس کو سمجھاتے تھے کہ تمہاری کامیابی یہ ہے کہ تم انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کرلو، لیکن اس کی منزل تو ایک جاپانی انجن تیار کرنا تھی۔

اپنی پڑھائی کی تکمیل کے بعد بھی وہ اس گتھی کو سلجھانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اسے ابھی بھی یہ کام بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ انجن کے پیچیدہ پرزوں کو بڑی امید بھری نگاہوں سے دیکھتا، لیکن اس کے اسرار و رموز سے واقف ہونا اسے ناممکن نظر آتا۔

اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں بجلی کی طرح گزرا۔ وہ اٹلی کے انجنوں کی

دکان پر پہنچا اور اپنی ساری جمع پونجی سے ایک انجن خرید لایا۔
اسے اب اپنا خواب پورا ہونے کی کچھ امید ہوگئی تھی۔

اس نے انجن کے ایک ایک پرزے کو کھولنا شروع کیا اور کاپی کھول کر اس کی شکل بناتا رہا۔ ہر پرزے کے متعلق وہ یہ سمجھنے کی کوشش کرتا کہ اس پرزے کا کیا کام ہے اور اسے اس جگہ اس شکل کے ساتھ لگانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟ سارے پرزے الگ کرنے کے بعد اس نے انہیں جوڑنے کی کوشش کی۔ کھولنے کے مقابلے میں یہ کام کافی مشکل ثابت ہوا۔

وہ تین دن مسلسل اس کام میں لگا رہا، ہر روز صبح ایک روٹی اور رات کو تین گھنٹے کی نیند کے اوقات کے علاوہ وہ انجن سے جدا نہیں ہوا اور بالآخر دوبارہ جوڑنے اور پھر اسٹارٹ کرنے میں بھی کامیاب ہوگیا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے اپنے گروپ لیڈر کے پاس پہنچا اور اسے اپنے اس کارنامے سے آگاہ کیا۔ اور ایک گہری سانس لے کر کہا: "اَلْآنَ نَجَحْتُ" اب میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اس کے گروپ لیڈر نے اس کی خوب حوصلہ افزائی کی اور پھر کہنے لگا:
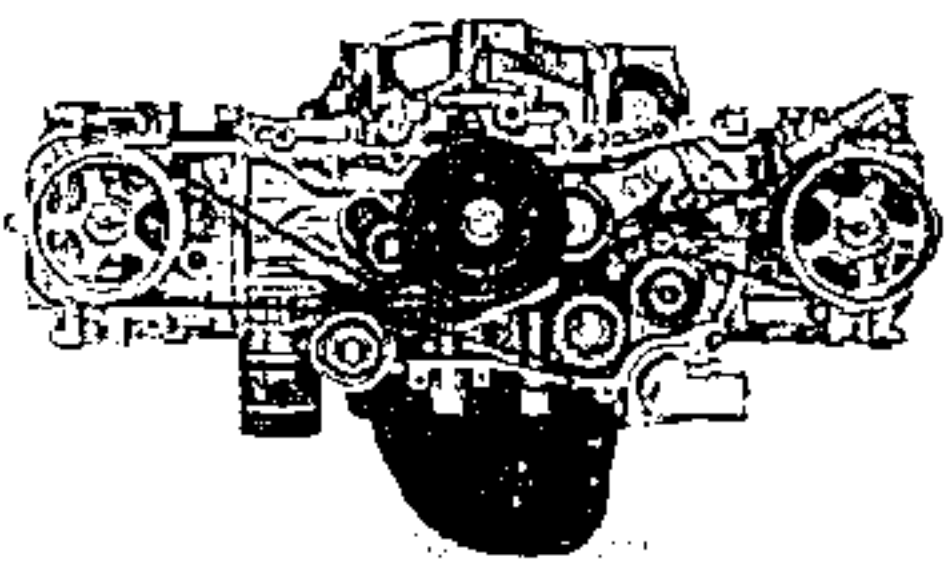
إِذَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تُعِيْدَ إِصْلَاحَ هٰذَا الْمُحَرِّكِ فَقَدِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَفْهَمَ اللُّغْزَ

ایک خراب انجن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اگر اس انجن کو تم درست کرنے میں کامیاب ہوگئے تو اس وقت تم کہہ سکتے ہو کہ تم اس گتھی کو سلجھانے میں کامیاب ہوگئے اور تم نے یہ پہیلی سمجھ لی ہے۔"

اس کے لیے یہ ایک اور چیلنج تھا۔ اس نے انجن کو اس طرح گود میں اٹھایا جیسے انسان اپنی کسی بہت عزیز چیز کو اٹھاتا ہے اور ایک نئے عزم کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے اب دوبارہ خراب انجن کے پرزے کھولنا شروع کر دیئے اور پھر دوبارہ انہیں نہایت توجہ سے جوڑنا شروع کیا۔ وہ یہ بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ خرابی کہاں ہے؟

یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ سینکڑوں پرزوں میں سے خراب پرزے کا اندازہ لگانا اور پھر اس کی خرابی دور کرنا واقعتاً بہت مشکل تھا۔ مسلسل دس دن وہ اس کام میں لگا رہا جب تھک جاتا تو تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیتا۔ لیکن اس کی جستجو کی آگ اسے چین لینے نہیں دیتی تھی۔ وہ بے چین ہو کر پھر اٹھ جاتا۔

بہرحال دسویں دن اس کے کان وہ آواز سن رہے تھے جس کے سننے کا وہ دس دن سے انتظار کر رہا تھا۔ یہ انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز تھی۔ وہ بالکل درست کام کر رہا تھا۔ اب اس کا گروپ لیڈر بے ساختہ اس کے گلے لگ گیا۔ گروپ کے سارے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ ایک فرد کی جیت نہیں تھی۔ ایک قوم کی جیت تھی۔ خواب جتنا ہی ناممکن ہو بلند حوصلہ اور انتھک محنت کے سامنے اسے شرمندۂ تعبیر ہونا ہی پڑتا ہے۔

وہ واپس جاپان لوٹ آیا۔ جاپانی حکومت کی طرف سے ایک پیغام اس کا منتظر تھا۔ جاپانی سرکاری وفد اسے ملنے کا خواہش مند تھا اور قوم کے لیے اس کی محنت کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پیغام کے جواب میں کہا:

''میں ابھی بھی آپ کے شکریہ کا بجا طور پر مستحق نہیں بنا ہوں، ابھی میرا سفر باقی ہے، منزل ابھی بھی مجھ سے دور ہے، میری کامیابی ادھوری ہے۔''

جاپانی حکومت کو یہ جواب دینے کے بعد وہ 9 سال مسلسل تگ و دو میں لگا رہا۔ 9 سال اس نے ''جرمنی'' میں لگائے تھے۔ 18 سال کے بعد وہ 10 ایسے انجن بنانے میں کامیاب ہو گیا جن کا ایک ایک پرزہ جاپان میں تیار ہوا تھا اور ان پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا:

''میڈ ان جاپان۔''

وہ یہ 10 انجن لے کر جاپان کے صدارتی محل پہنچا۔ جاپانی حکومت نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور اس کی محنتوں کو سراہا۔ 18 سال بعد وہ اپنے گھر لوٹا اور 18 سال بعد اس نے پہلی مرتبہ اس رات 10 گھنٹے کی نیند لی۔ اس دن سے ہر جاپانی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ روزانہ 9 گھنٹے کام کریں گے۔ 8 گھنٹے اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے اور ایک گھنٹہ اپنے ملک اور قوم کے لیے۔

سیاہ فام بدصورت غلام تابعین کا سردار کیسے بنا؟

43 حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ تابعین کے سردار شمار ہوتے ہیں۔ ان کا حلیہ مؤرخین نے بڑا عجیب بیان کیا ہے:

كَانَ أَسْوَدَ أَعْوَرَ أَفْطَسَ أَشَلَّ أَعْرَجَ ثُمَّ أَعْمٰى

''سیاہ فام تھے، کانے تھے، ناک پچکی ہوئی تھی، جسم فالج زدہ تھا، پیر سے لنگڑے تھے، آخری عمر میں اندھے بھی ہوگئے تھے۔''

ابراہیم حربی کہتے ہیں:

كَانَ عَطَاءٌ عَبْدًا أَسْوَدَ لامْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَكَانَ أَنْفُهُ كَأَنَّهُ بَاقِلَاء

''عطاء مکہ کی ایک عورت کے سیاہ فام غلام تھے، اور ان کی ناک کدّو کی طرح تھی۔''

آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ ایسے عیوب نہیں ہیں جو لوگوں کی نگاہوں میں حقیر بنانے کے لیے کافی ہوں؟ کیا عطاء بن رباح رحمۃ اللہ کے عزائم ان عیوب کی وجہ سے بکھر گئے؟ کیا انہوں نے ساری عمر ان عیوب پر روتے ہوئے گزار دی؟ کیا لوگوں کے مذاق اڑانے، آوازیں کسنے کی وجہ سے وہ زندگی سے مایوس ہوکر موت کی تمنا کرنے لگے؟ کیا وہ اپنے کانے، کالے، لنگڑے اور لولے ہونے کی وجہ سے لوگوں کا سامنا کرنے سے ڈرتے رہے؟

نہیں ہرگز نہیں! اگر ان میں یہ چھ سات عیوب تھے تو بے شمار خوبیاں بھی تو تھیں۔ ان کے دونوں کان اور قوتِ سماعت سلامت تھی۔ وہ اپنے دونوں پیروں سے چل پھر سکتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھ سکتے تھے، عقل و ذہن کی صلاحیت سے سمجھ سکتے تھے۔ خوب سے خوب سوچ سکتے تھے اور ان سب سے بڑھ کر اللہ سے نیک امیدیں لگایا ہوا پرجوش دل تھا۔

لہٰذا وہ دنیا کو یوں دیکھتے تھے جیسے نعمتوں میں پلنے بڑھنے والا وہ انسان دیکھتا ہے جس کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی، کوئی جسمانی عیب نہیں ہوتا۔ وہ ذرہ بھر بھی احساسِ محرومی نہیں رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انقلاب اور تبدیلی کی ابتداء ہمیشہ انسان کے اندر سے ہوتی ہے۔ یہ اہم نہیں ہے کہ لوگ آپ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، اہم یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کو کس طرح دیکھتے ہیں۔

اگر آپ کا دل آپ کو یہ فیصلہ سناتا ہے کہ آپ درحقیقت بہت مضبوط اور طاقتور ہیں تو عنقریب لوگ بھی آپ کو یہی سمجھنے لگیں گے۔ خوش قسمت وہ ہے جو اپنے وجود کو خوش قسمت سمجھتا ہو۔

لہٰذا انہوں نے اپنی ذات کو علم کی جستجو اور طلب میں لگا دیا۔ علم ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ دن میں علمی مجالس اور دروس میں شرکت اور رات کی خلوتیں علمی مباحث کے مطالعہ میں بسر کرتے۔ حرمِ مکی میں بیت اللہ کے سائے تلے اپنے وقت کے مایہ ناز علماء کی خدمت میں مسلسل 30 سال کی محنت نے ان کو اپنے وقت کا پوری دنیا میں سب سے بڑا عالم بنا دیا۔

انہوں نے اپنی امیدوں کو روشن چمکتا رکھا۔ بس جیسا انہوں نے سوچا اور امید لگائی ویسا ہی انہوں نے پایا اور حاصل کیا۔ یہاں تک کہ حج کے دنوں میں منادی تمام مناسکِ حج کی جگہوں میں یہ اعلان کرتے پھرتے:

لا يُفْتِي النَّاسَ إِلَّا عَطَاءٌ

''عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ لوگوں کو مسئلہ بتانے کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ أَفْضَلَ مِنْ عَطَاءٍ

''میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں سمجھتا۔''

چائے کا کپ

آپ تھوڑی دیر کے لیے فرض کریں کہ آپ کے سامنے چائے کا ایک کپ پڑا ہوا ہے مگر وہ کڑوا ہے۔ اس میں شکر نہیں ہے۔ آپ نے اس کپ میں شکر ڈالی، مگر چمچے سے ہلایا نہیں تو کیا چائے کا یہ کپ خود بخود میٹھا ہو جائے گا؟ اور آپ چائے کا مزہ لے سکیں گے؟

نہیں، ہرگز نہیں بلکہ اب اگر شکر کے حل ہونے کا انتظار کریں گے تو چائے ٹھنڈی ہو جائے گی مگر اس میں چینی حل نہیں ہوگی اور نہ ہی چائے پینے کا مزہ آئے گا۔

اس وقت اگر آپ سے کوئی یہ کہے کہ آپ شکر ڈال کر دعا کریں کہ چائے میٹھی ہو جائے تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟

یہی نا کہ یہ تو پاگل ہے، کیونکہ دعا سے شکر تو چائے میں حل نہیں ہوگی مگر چائے ضروری ٹھنڈی ہو جائے گی۔

بالکل ہماری زندگی چائے کے کپ کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خیر کے کاموں کی صلاحیت دی ہے اور انہیں استعمال کرنے کی قوت بخشی ہے۔ ان کی مثال شکر کی طرح ہے۔ اب اگر ہم اپنی زندگی کے چائے کے کپ میں خیر اور دوسری صلاحیتوں کی شکر کو حل نہیں کریں گے تو زندگی میں مٹھاس پیدا نہیں ہوگی اور ہم زندگی کا مزہ نہیں لوٹ سکیں گے اور اگر ہم صرف اللہ سے دعا کریں کہ اے اللہ ہماری زندگی میں مٹھاس پیدا کر دے اور ہماری زندگی کو بہتر بنا دے تو ایسا خود بخود ہرگز نہیں ہوگا بلکہ ہمیں خود زندگی کے مٹھاس کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔

اس لیے عمل کریں، نماز پڑھیں تاکہ کامیابی ملے اور آپ کی زندگی ایک بہترین زندگی بن جائے۔ جب آپ کی زندگی اچھی زندگی بن جائے گی تو تب کہیں جا کر اپنے مزاج پر بھی قابو حاصل ہوگا۔
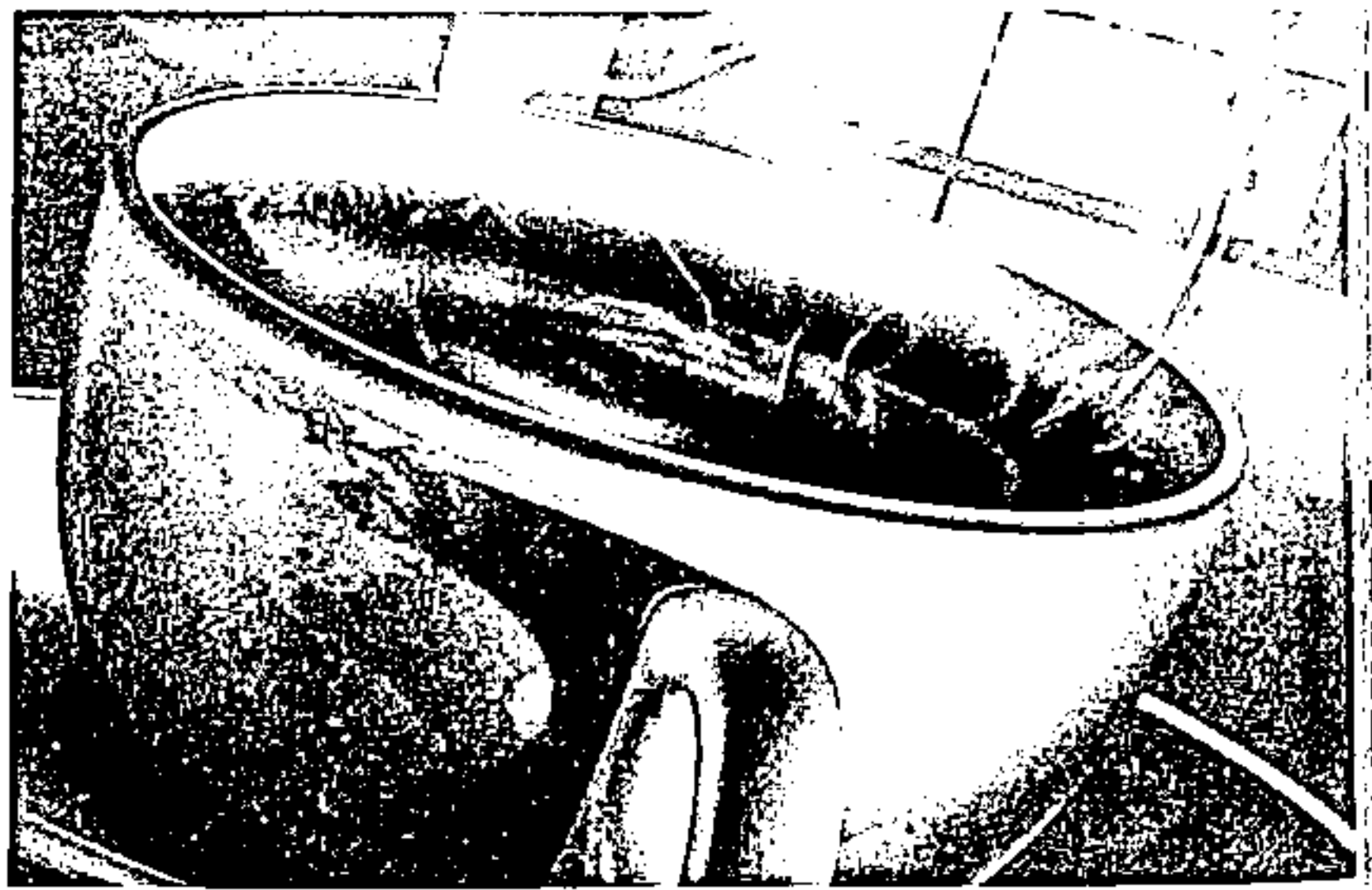
سونے کے پانی سے لکھے ہوئے بارہ انمول موتی
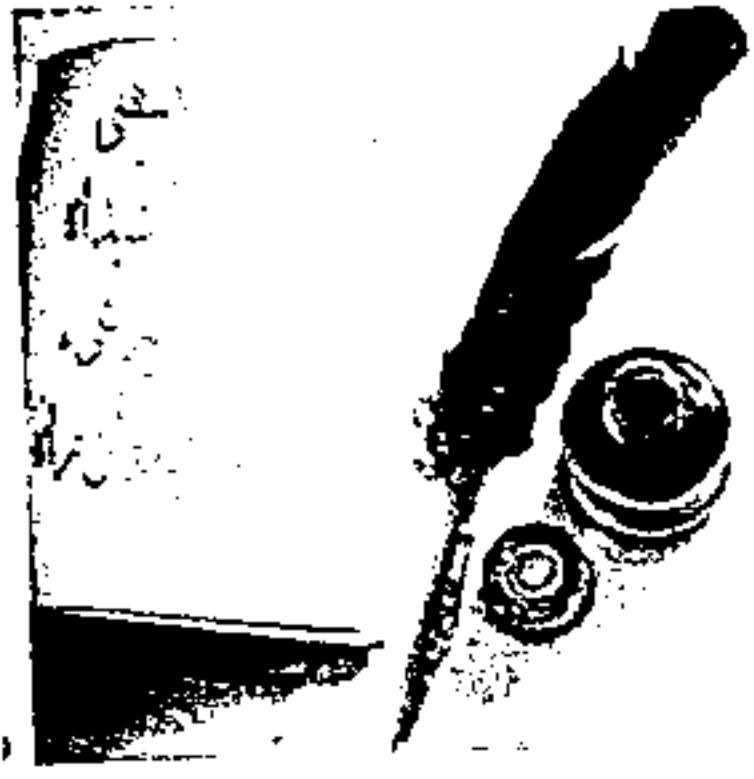
ایک دن نوشیروان بادشاہ اپنے دربار میں علماء اور حکماء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حکماء سے کہا کہ مجھے چند ایسے حکمت کے موتی بتاؤ جو خاص طور پر مجھے اور ساتھ ساتھ میرے عوام کے لئے بھی مفید ثابت ہو۔

ہر حکیم اور دانا نے بادشاہ کو نصیحت کی۔ نوشیروان سر جھکائے ان کی باتوں کو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جب بزرجمہر کی باری آئی تو اس نے بادشاہ سے کہا: اے بادشاہ میں آپ کو بارہ باتیں بتاتا ہوں جس میں ساری حکمت موجود ہے۔ وہ باتیں یہ ہیں:

① ......اپنی خواہشات، رغبت، غصہ، غرض ہر حال میں اللہ سے ڈریں۔

② ......قول اور عمل میں سچ بولیں اور وعدے، شرطوں اور معاہدوں کو پورا کریں۔

③ ......سرداروں، سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کا اکرام ان کے درجوں کے مطابق کریں۔ ④ ......ہر کام میں علماء سے مشورہ کریں۔

⑤ ......عہد قضاء کی نگرانی کریں۔ ملازمین کا محاسبہ کریں۔ اچھے کو اچھائی اور برے کو برائی کا بدلہ دیں۔

⑥ ......راستوں، بازاروں، تجارتی معاملات اور نرخوں کی نگرانی کریں۔

⑦ ......اپنے عوام اور رعایا کو جرائم پر سزا دیں اور حدود کو قائم کریں۔

⑧ ......قیدیوں کو اپنے سامنے حاضر کریں، مجرموں کو قید اور غیر مجرم کو آزاد کریں۔

⑨ ......اپنے اسلحہ اور سامان جنگ کو ہر زمانہ میں تیار رکھیں۔

⑩ ......اپنے گھر والوں، اولاد، عزیز، رشتے داروں کا خیال رکھیں۔

⑪ ......سرحدوں پر جاسوس بھیجیں تاکہ دشمن کے حملہ سے پہلے خبر ہو جائے۔

⑫ ......خدام، غلاموں اور وزراء کے احوال کی تفتیش کریں اور جن کے مزاج میں عجز وانکساری ہو ان کا ساتھ دیں۔

جب نوشیروان نے یہ باتیں سنیں تو حکم دیا کہ ان باتوں کو سونے کے پانی سے لکھ دو کیونکہ یہ ایسی باتیں ہیں جس میں سیاست کے تمام امور جمع ہیں۔

ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"سلیمان بن عبدالملک اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آیا۔ دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں، لہٰذا انتظار کرنے لگا۔ طویل انتظار کے بعد ان کی خدمت میں دو زانو بیٹھ کر حج کے مسائل دریافت کرنے لگا۔ عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ اپنی نماز کی حالت پر ہی بیٹھے اس کے سوالات کا جواب دے رہے۔ ایک بار بھی انہوں نے نظر اٹھا کر سلیمان کو نہیں دیکھا۔ کچھ دیر بعد اس کی طرف پشت کر لی، جو اس بات کا اشارہ تھا کہ اب تم جا سکتے ہو۔

سلیمان نے اپنے بیٹوں سے کہا: "چلو اٹھ جاؤ" وہ سب اٹھ کر چلے گئے۔ اس موقع پر سلیمان نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی:

يا بُنَيَّي لَا تَنِيَا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَإِنِّي لَا أَنْسٰى ذُلَّنَا بَيْنَ يَدِ هٰذَا الْعَبْدِ الأَسْوَدِ

"بچو! علم کے طلب کرنے میں کبھی سستی سے کام نہیں لینا، اس لیے کہ آج اس کالے غلام کے سامنے جو ذلت مجھے اٹھانی پڑی وہ میں کبھی فراموش نہیں کر پاؤں گا۔"

بچپن کا سفر...... بچپن میں کامیاب

44 آج فاسٹ فوڈ کی دنیا میں ''میک ڈونلڈ'' کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ''رائے کارل'' ایک عام سا بچہ تھا۔ جس نے پرائمری تعلیم سے پہلے ہی اسکول کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ وہ گھنٹوں گم صم بیٹھا رہتا۔ جب لوگ اس سے پوچھتے کہ تم کیا کرتے ہو تو وہ کہتا: ''میں صرف سوچتا ہوں۔'' اس نے زندگی میں کئی کام شروع کیے لیکن سب میں بری طرح ناکام ہوئے۔

1 سب سے پہلے طویل غور وفکر کے بعد اس نے لیموں کا شربت چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں بیچنا شروع کیا، لیکن جب اس کے پاس سوڈالر جمع ہوگئے تو اس کام کو چھوڑ دیا۔

2 پھر ان سو ڈالروں سے اپنے دو دوستوں کے ساتھ جراثیم کش ادویات کی فروخت کے لیے ایک دکان کھولی، لیکن بری طرح ناکام ہوا۔
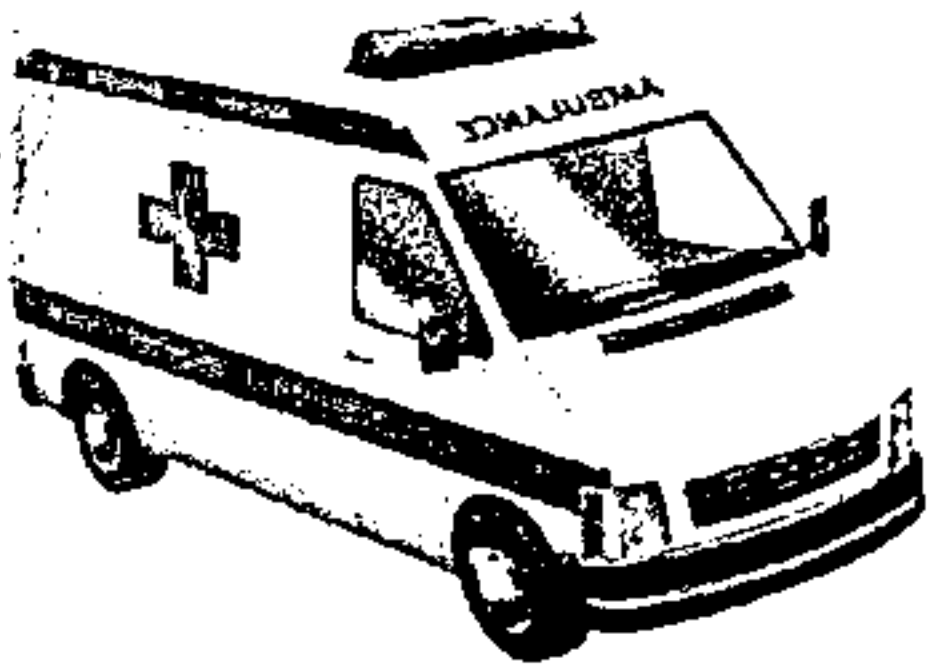
3 پھر اس نے گھر گھر گندم کے دانوں کی فروخت شروع کی۔

4 پھر ہلال احمر کی ایمبولنس میں ڈرائیوری کرنے لگا۔

5 پھر شکاگو کے ریڈیو کو بطورِ خاک روب کے جوائن کیا۔

6 باون سال کی عمر میں اس نے ایک ایسی مشین ایجاد کی جو پانچ قسم کے پھلوں کے رس کو ملا کر ایک خوش ذائقہ مشروب تیار کرتی تھی۔

7 اس کے ساتھ ساتھ وہ سات سال تک پیالیاں اور پلیٹیں بھی بیچتا رہا۔

اس نے کوشش کی کہ پورے امریکا میں وہ اس مشین کی ترسیل شروع کر دے۔ 20 سال کے عرصہ میں وہ تقریباً تمام ریاستوں میں اپنی جوس مکس مشین پہنچا چکا تھا۔ اپنی عمر کے 52 ویں سال میں ایک دن اپنی مشین کی ترسیل کے سلسلہ میں ایک ہوٹل پر جانا ہوا، جہاں ٹماٹر کے کیچپ کو ڈبل روٹی میں لگا کر بیچا جا رہا تھا۔

وہ اس ہوٹل کو دیکھ کر کافی دیر کھڑا سوچتا رہا۔ اس پوری رات اس کو نیند نہیں آئی۔ وہ ہوٹل دو بھائیوں کی ملکیت تھا۔ اگلے دن اس نے دونوں بھائیوں کے سامنے یہ پیشکش
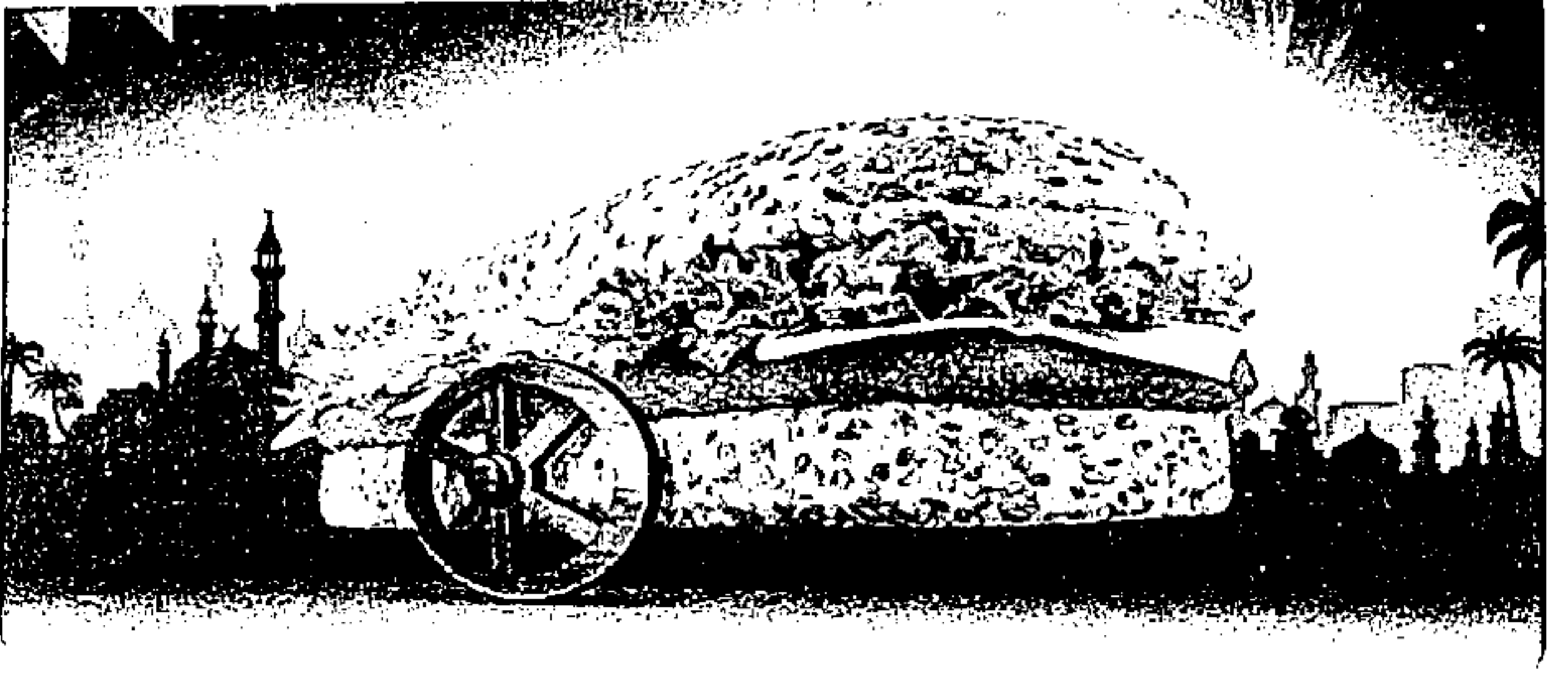
کی کہ ہم تمام شہروں میں آپ کے اس ہوٹل کی اس ڈش کی برانچیں کھولتے ہیں۔ وہ شروع میں راضی نہ ہوئے۔ بالآخر کافی منت سماجت کے بعد انہوں نے اس شرط کے ساتھ پیشکش کو قبول کرلیا کہ اس ڈش کا نام اور حقوق ان ہی کے لیے برقرار رہیں گے اور ''رائے کارل'' کو مجموعی آمدنی کا 50 فیصد ملے گا۔

سات سال کے بعد رائے کارل ان بھائیوں سے وہ دکان خرید چکا تھا کیونکہ ان کا یہ سلسلہ کافی مشہور ہوگیا لیکن اس ڈش کا نام وہی پرانا والا رہنے دیا گیا اور ''رائے کارل'' اس کو باوجود ترقی دینے اور فاسٹ فوڈ ہوٹل کو مستقل طور پر کھولنے کے اپنا نام نہیں دے سکا۔ اس طرح آج تک اس کا نام ''میک ڈونلڈ'' ہی لیا جاتا ہے۔

''رائے کارل'' 88 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس نے اپنی اولاد اور کنبہ کے لیے بہت بڑی دولت چھوڑی تھی۔ اس کے آخری عمر کے جملوں میں یہ جملہ بڑا مشہور ہے:

''میری کامیابی میں ان دنوں کا بڑا ہاتھ ہے جب میں ایک کام کے بعد دوسرے کام میں ناکام ہوتا جا رہا تھا اور اپنی فیملی کی کفالت کرنے سے عاجز تھا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ میں کافی عمر میں کامیاب ہوا لیکن میرے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ میں بالآخر کامیاب ہوگیا۔''

بچپن سے اس کا سفر شروع ہوا اور 57 سال کی عمر میں اس کو منزل ملی۔ لیکن کامیاب ہونے والوں کی ہمیشہ یہی صفات رہی ہیں:

پختہ عزم.......... بے پناہ اصرار.......... چیلنج قبول کرنا اور ایسا دل جو مایوس ہونا جانتا ہی نہیں۔
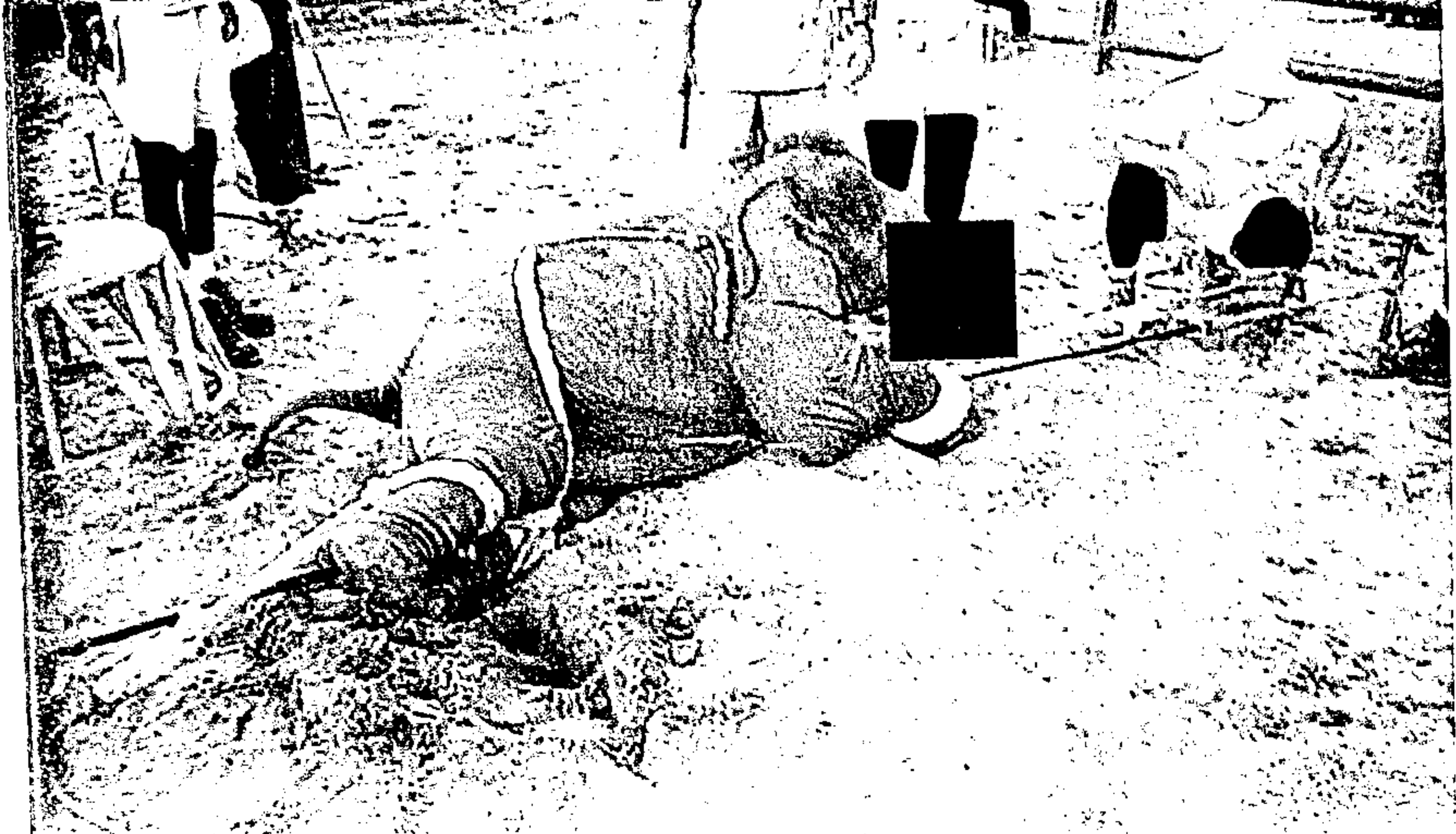
ہمیشہ یہ سوچیں آپ کیلئے کیا کرنا مناسب ہے؟

45 ہاتھی کو ولادت کے بعد ہی سے تربیت دینے والے مخصوص حد کے اندر رہ کر حرکت کرنے کی مشق کرواتے ہیں تاکہ وہ مستقبل میں ان کے اشاروں کے تابع رہے اور اپنی بے پناہ طاقت کی وجہ سے کسی نقصان کا سبب نہ بنے۔

اس کے لیے وہ یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ایک چھوٹے سائز کی مضبوط رسی ہاتھی کے پیر میں باندھنے کے بعد کسی ستون یا کھونٹے کے ساتھ باندھ دیتے ہیں، ہاتھی کا بچہ رسی کی لمبائی کے بقدر ہی حرکت کر پاتا ہے۔ وہ رسی توڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن رسی کافی مضبوط ہوتی ہے۔ لہٰذا یوں اس کی تربیت کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔

بڑا ہونے کے بعد جب وہ بہت طاقتور ہوجاتا ہے اور باآسانی ایک ہی جھٹکے سے رسی توڑ سکتا ہے پھر بھی وہ رسی توڑنے کی کوشش نہیں کرتا، کیونکہ اس کے ذہن میں بچپن سے یہ بات بیٹھی ہوتی ہے کہ وہ رسی توڑنے پر قادر نہیں۔ اسی طرح بڑے ہاتھی کی بے پناہ طاقت بھی ایک رسی کے ذریعہ قابو میں آجاتی ہے۔

اسی طرح میرے مایوس بھائی! آپ بھی بے پناہ صلاحیت کے مالک ہیں اور بہت طاقتور ہیں، لیکن آپ ان توہمات اور بے بنیاد خدشات اور خیالات کی رسی میں جکڑے ہوئے ہیں جو ماضی یا بچپن کی ناکامیوں کے نتیجے میں آپ کے دل کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ آپ کو بلند ہمتی سے کام نہیں لینے دیتے۔ جب بھی آپ کسی مقصد کے حصول کے لیے اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ مایوسی اور ناامیدی کی رسی آپ کے قدموں کو روک دیتی ہے۔ آپ اگر ہمت سے کام لیں تو ایک جھٹکے میں ان سے چھٹکارا حاصل کرسکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ مندرجہ ذیل طریقے بھی استعمال کرسکتے ہیں:
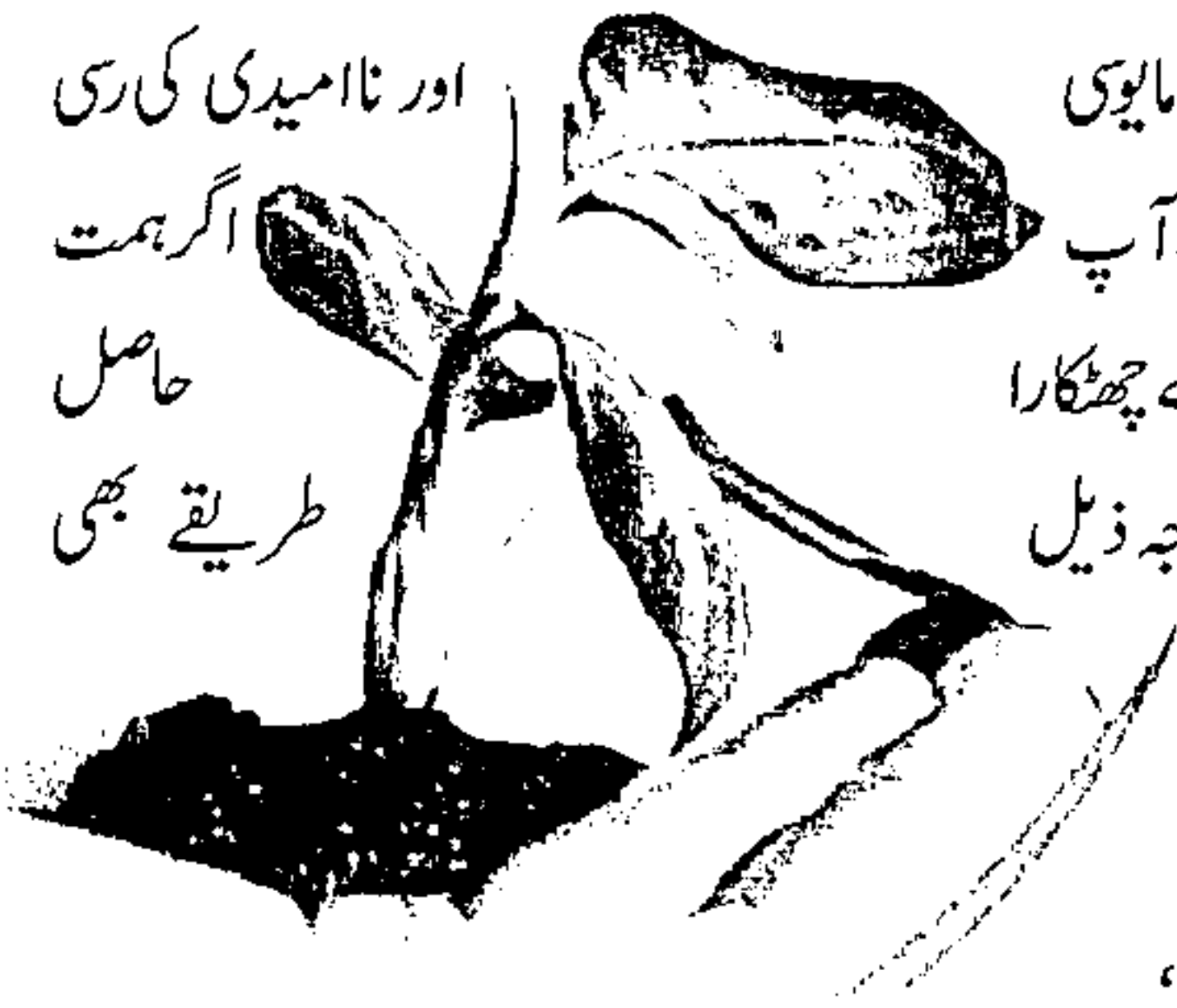
1. تنہائی میں خود کو مخاطب کرکے مثبت اور امید افزا گفتگو کیجیے، اپنی صلاحیتوں اور قابلیت کا خود اپنے آپ کو یقین دلائیں کہ میں اچھی پلاننگ کرسکتا ہوں، اچھا سوچ سکتا ہوں، اس کو عملی جامہ بھی پہنا سکتا ہوں۔ میں سب کچھ نہیں کرسکتا، ٹھیک ہے لیکن بہت کچھ کر بھی سکتا ہوں۔
2. دل ہی دل میں کچھ ایسے خیالات جمائیں کچھ ایسے تصورات پر ذہن کو مرکوز کریں جو دل سے مایوسی کے اندھیرے کو ختم کرسکیں، مثلاً اگر میں اپنے فلاں مقصد میں کامیاب ہوگیا تو میں کس قدر خوشی محسوس کر رہا ہوں گا۔ اگر میں نے ان مسائل پر قابو پالیا تو زندگی کس قدر پرسکون ہوجائے گی۔
3. اپنے رویہ کو بدلنے کی کوشش کریں۔ انتقامی یا جذباتی اقدامات سے پرہیز کریں۔ ہمیشہ یہ سوچیں کہ آپ کے لیے کیا کرنا مناسب ہے؟ قطع نظر اس کے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا گیا۔ یہ سوچ اور اس پر عمل کرنے کی صرف چند دن مشق کرکے دیکھیں۔ نتائج بڑے حیران کن ہوں گے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسئلہ سے رجوع نہ کیا اور جان دیدی

46 وہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی و بربادی کے تین سال بعد دمشق کے شہر ''حران'' میں 661ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنی محنت، شوق اور ذہانت کی وجہ سے آپ علم کے بہت بلند درجہ پر فائز ہوگئے۔ لوگ بکثرت آپ سے رجوع کرنے لگے۔ علماء بھی آپ کی زبان کی فصاحت و، علم کی وسعت اور ایمانی طاقت سے متاثر تھے۔ مداحوں کے ہجوم میں حاسدین کا پیا ہوجانا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ لہٰذا ''تقی الدین احمد بن عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ'' کو جو ''ابن تیمیہ'' کے نام سے مشہور ہیں حاسدوں کی سازشوں کی اور کچھ اپنی دلیری اور بے باکی کی پوری عمر قیمت چکانی پڑی:

1 حاسدوں نے مصر و شام کے حاکم '......رکن الدین بیبرس'' کو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بدگمان کر دیا، لہٰذا ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو مصر بلایا گیا اور ڈیڑھ سال کی قید سنائی گئی۔

2 کچھ عرصہ بعد انہیں جلا وطن کر کے شام بھیج دیا گیا۔

3 پھر دوبارہ مصر بلا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔

4 پھر مصر سے اسکندریہ منتقل کر کے وہاں آٹھ ماہ کی قید سنائی گئی۔

آخر کار ''سلطان ناصر محمد قلاوون'' نے خود ان کے معاملہ کا جائزہ لے کر سازشوں کے الزامات کو بے بنیاد قرار دیا اور ان کو باعزت بری کر دیا، اور ساتھ میں یہ اختیار بھی دیا کہ جھوٹے الزامات لگانے والوں کے خلاف آپ کو بھی کارروائی کا حق ہے۔ لیکن ابن تیمیہ نے انہیں معاف کر دیا۔
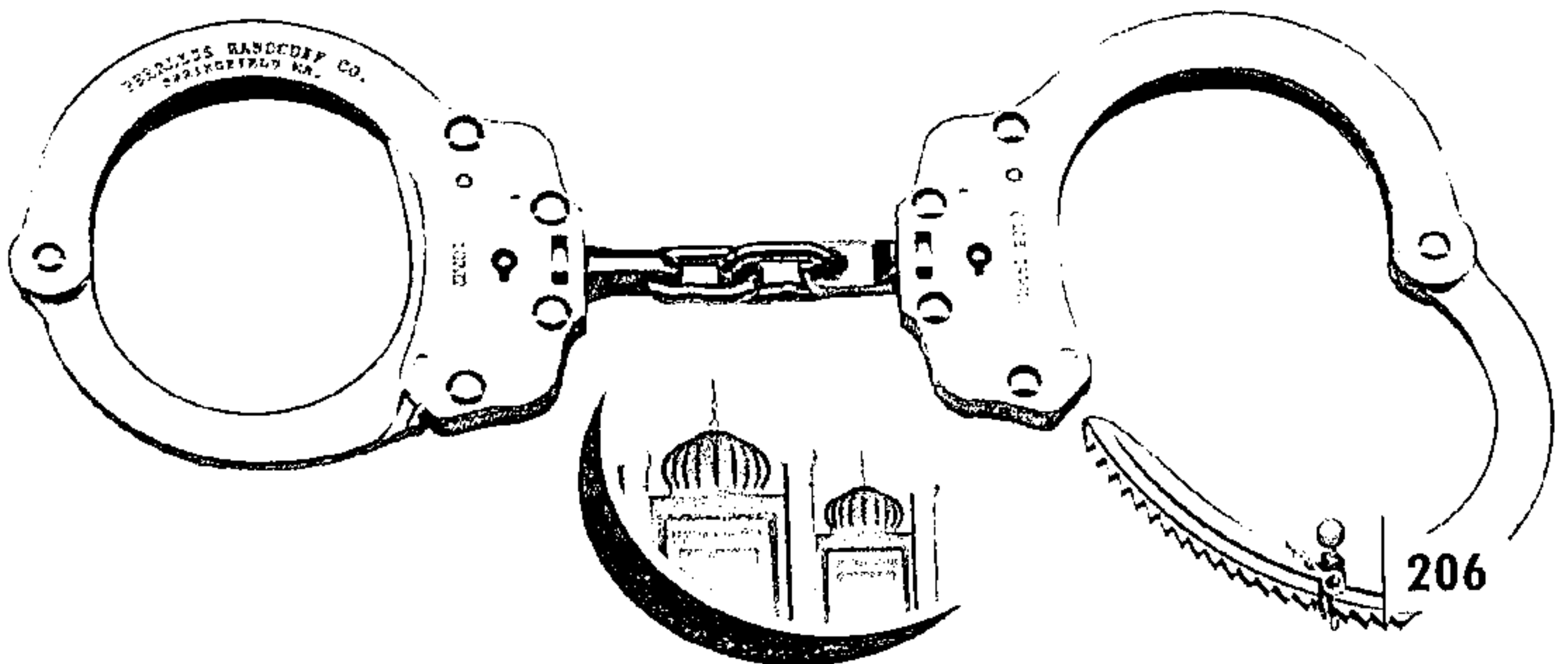
اب وہ قاہرہ ہی میں مقیم رہ کر قرآن و حدیث کی تعلیم دینے لگے۔ سات سال بعد وہ دمشق روانہ ہوئے۔

وہاں ایک مسئلہ میں انہوں نے ایک فتویٰ دیا۔ حاکم نے رائے بدلنے کی درخواست کی لیکن انہوں نے کہا:

5 لَا یَسَعُنِی کِتمَانُ العِلمِ

"میں حق بات چھپا نہیں سکتا" انہیں گرفتار کر کے چھ ماہ جیل میں رکھا گیا۔

رہائی کے بعد بھی وہ مسئلہ پہلے کی طرح ہی بتاتے تھے۔

ایک مسئلہ میں جس میں ابن تیمیہ کا مذہب واقعتاً جمہور علماء کے خلاف تھا، حاسدین کو ایک سنہری موقع دے دیا۔

6 ان کو اپنے بھائی کے ساتھ جیل میں ڈال دیا گیا کیونکہ انہوں نے رجوع کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

جیل میں بھی انہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن ان سے قلم اور کاغذ چھین لیے گئے اور تصنیف و تالیف سے روک دیا گیا۔

لیکن ان کی ہمت بہت بلند تھی۔ انہوں نے کوئلہ کے ذریعہ جیل کی دیواروں، پتھروں پر اپنی تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی حالت میں اپنے مؤقف پر ڈٹے ہوئے 728ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے جنازے میں پانچ لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ انہوں نے امت کی لیے ایک عظیم علمی ورثہ چھوڑا جو 300 جلدوں کے قریب فقہ، اصولِ فقہ، تفسیر اور فتاویٰ پر مشتمل ہے۔

ان کا ایک مقولہ مشہور ہے:

حَبْسِیْ خَلْوَۃٌ وَقَتْلِیْ شَادَۃٌ وَنَفْیِیْ سِیَاحَۃٌ

''میری قید میرے لیے گوشۂ تنہائی ہے، میرا قتل میری شہادت ہے اور میری جلاوطنی میری سیاحت۔''

جیل کے وحشت زدہ اندھیروں میں بھی انہوں نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کوئلہ کے ٹکڑے کو اپنی انگلیوں میں دبا کر اپنے علم کی روشنی سے جیل کو بھی منّور کر دیا۔ جلاوطنی کی کڑواہٹ کو انہوں نے سیاحت کی حلاوت اور مٹھاس میں بدل دیا اور اپنے قتل کو بھی اپنی معراج بنا لیا۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی ہر تکلیف اور پریشانی میں بھی وہ امید کے کسی روشن پہلو کو مسکراتا ڈھونڈ ہی لیتے تھے۔ اسی لیے ان کے کارناموں کا سلسلہ کبھی نہ رک سکا۔ کیا ہمارے لیے بھی اس میں کچھ سبق پوشیدہ نہیں ہے؟؟؟

عظیم لوگ جنہوں نے تاریخ رقم کردی

47 عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کی جس کی تاریخ آج تک مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لوگوں کی جان، مال، عزت آبرو سب محفوظ ہوگئے۔ ان کی طرف کوئی بھی میلی نگاہوں سے دیکھنے والا نہیں رہا۔ مال و اسباب کی اس قدر بہتات ہوگئی تھی کہ کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔ انہوں نے یہ سب صرف دو سال کے عرصہ میں کیا۔

* عباسیوں کے ہاتھوں اموی سلطنت کا سورج ڈوبنے کے بعد اُموی شہزادے ''عبدالرحمٰن'' نے بھاگ کر شام میں پناہ لی۔ اس نے حالات سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ بلکہ عیسائیوں کے بیچوں بیچ ایک عظیم اسلامی ملک کی بنیاد رکھی جس کو چاروں طرف سے عیسائی ممالک نے گھیرا ہوا تھا۔ اندلس میں اس کی قائم کی گئی اسلامی تہذیب صدیوں تک قائم رہی۔ اور اسی کی برکت سے یورپ جو جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا علم کی روشنی سے آشنا ہوا۔ اور پھر اسی علم کی بنیاد پر آج دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔

* نیلسن منڈیلا نے 28 سال جنوبی افریقہ کی جیل کی کال کوٹھڑی میں گزارے۔ وہ پھر رہائی کے لیے اور اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے پرامید تھا۔ وہ جیل میں رہ کر اپنے کارکنوں کی قیادت کر رہا تھا۔ آخرکار نہ چاہتے ہوئے بھی حکومت وقت کو اسے آزاد کرنا پڑا۔ رہا ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی منڈیلا ملک کا صدر بن گیا اور پچھلا صدر گم نامی کی بھول بھلیوں میں گم ہوگیا۔

صلاح الدین ایوبی نے مشکلات سے کیسے نجات پائی

48 صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور چچا اپنے اہل و عیال سمیت موت کی بھیانک پنجوں سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔ دشمن ان کے تعاقب میں تھے۔ رات کے اندھیرے میں دشمن ان کے سر پر آ پہنچا تھا اور شکاری کتوں کی طرح انہیں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ سب ایک تاریک گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ اچانک صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے رونا شروع کر دیا۔ ان کے چچا نے فوراً انہیں اٹھا کر ایک صندوق میں ڈال دیا تاکہ دشمن ان کی آواز نہ سن سکیں۔

چند ہی سال بعد یہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے والا بچہ بیت المقدس میں ایک فاتح کے طور پر داخل ہو کر صلیب کو توڑ رہا تھا اور توحید کا جھنڈا بلند کر رہا تھا۔ اس نے وہ کارنامہ تن تنہا انجام دے دیا تھا جو کہ آج پوری دنیا کے مسلمان مل کر انجام نہیں دے سکتے۔

آپ ارب پتی کیسے بنے؟

49 ایک ارب پتی سیاہ فام سے پوچھا گیا کہ آپ ارب پتی کیسے بنے؟
اس نے کہا:

بِأَمْرَيْنِ وَمَنْ فَعَلَهَا فَسَيُصبِحُ مِثْلِي

دو باتوں کی وجہ سے، جو شخص بھی یہ کرے گا وہ میری طرح ارب پتی بن جائے گا۔
پہلی بات یہ کہ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں نے ارب پتی بننا ہے۔
دوسری بات یہ کہ میں نے کوشش کی کہ میں ارب پتی بن جاؤں۔

* کامیابی سمجھ دار اور بلند ہمت لوگوں کے قدموں میں آ پڑتی ہے جنہیں حالات کی کجی کبھی متاثر نہیں کرتی۔ وہ تیز ہواؤں کے سامنے بھی کبھی گھٹنے نہیں ٹیکتے۔ ان کی ہمت بلند پہاڑوں سے بھی بلند ہوتی ہے۔ وہ کبھی بھی رکتے نہیں، تھکتے نہیں۔

دعاؤں کے ذریعہ مایوسی کو شکست دیں
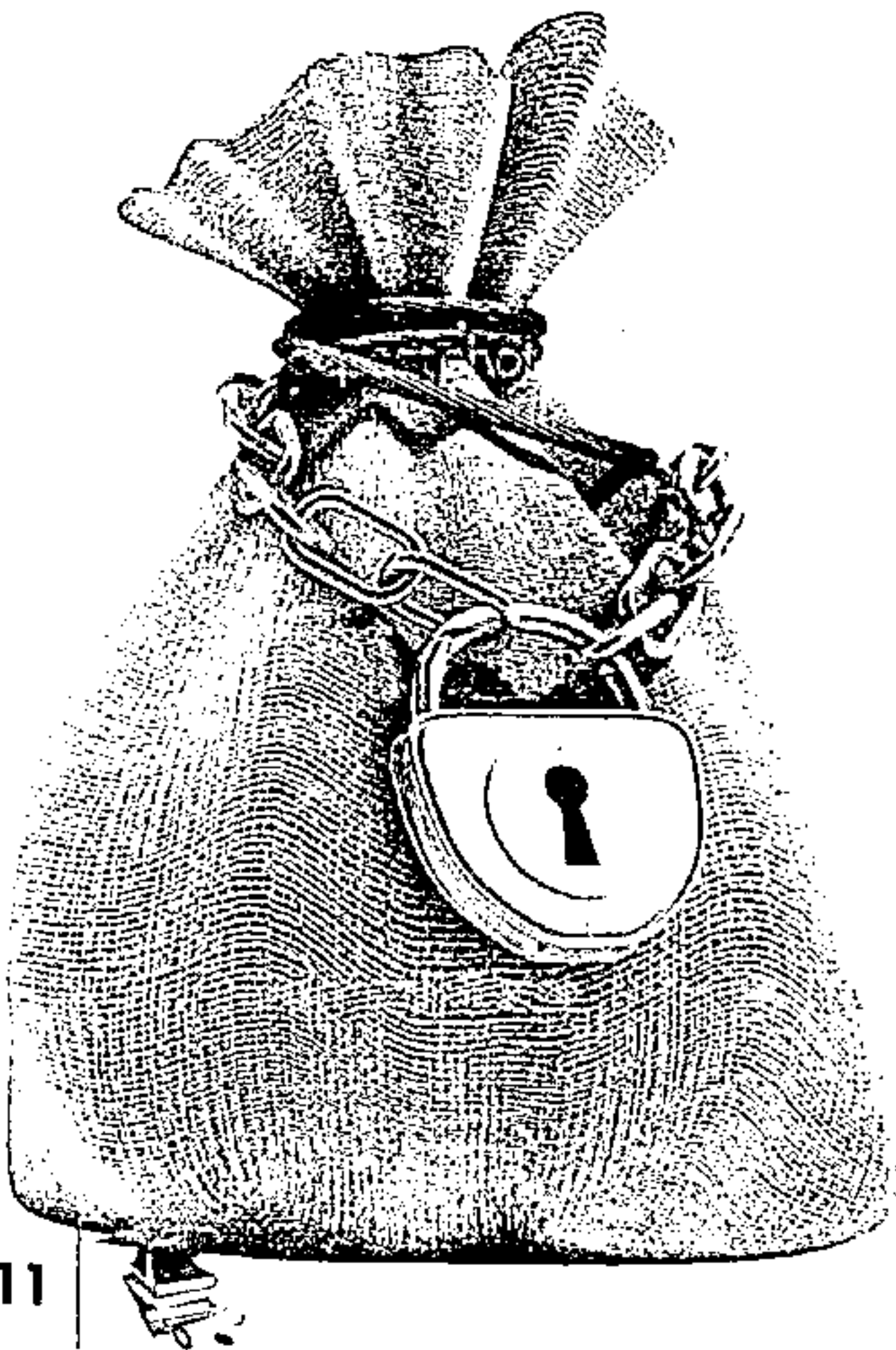
* اللہ سے مدد اور توفیق مانگو اور اپنی نیت کو خالص کرنے کی پوری کوشش کرو۔ اس لیے کہ کامیابی خود اپنی ذات میں مقصود نہیں، بلکہ یہ اللہ کی رضامندی کا وسیلہ ہے۔ اللہ کی رضا ہی اصل مقصود ہے۔

نوٹ: دعاؤں کی قبولیت کے حیران کن واقعات پڑھنے کیلئے احقر کی کتاب دعاؤں کی قبولیت کے انوکھے واقعات کا مطالعہ کریں

آئن اسٹائن...... ذہنی پسماندہ ...... عظیم سائنس دان

50 آئن اسٹائن 1879ء کو جرمنی کے ایک خوشحال یہودی خاندان میں پیدا ہوا۔ وہ عام بچوں کے مقابلہ میں بہت سست محسوس ہوتا تھا۔ وہ درست طور پر بات بھی نہیں کر پاتا تھا۔ وہ باوجود جرمنی میں پیدا ہونے کے دس سال کی عمر تک جرمنی زبان کو درست تلفظ کے ساتھ نہیں بول پاتا تھا۔ اس کے والد اپنے بچے کے بارے میں کافی فکر مند تھے جو انہیں جاگتے میں بھی خواب دیکھتا محسوس ہوتا تھا۔ کیتھولک اسکول میں پڑھتے ہوئے اسے پانچ سال ہوگئے تھے۔ لیکن اس کے اساتذہ نے اسے کبھی بھی توجہ سے پڑھتے ہوئے نہیں پایا تھا۔ ایک استاد نے تو اس کے والد کو یہ پیشنگوئی بھی کر دی تھی:

لا أهمِيَةَ لِلْجمَالِ الَّذِيْ تَخْتَارُه لابْنِكَ: لِأنَّهُ لَنْ يُفْلِحَ فِيْ أيِّ مَحَالٍ أَبَدًا۔

"آپ نے اپنے بچے کے لیے تعلیم کا شعبہ غلط منتخب کیا ہے، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اپنی ذہنی پسماندگی کی وجہ سے یہ دنیا کے کسی بھی شعبہ میں کبھی بھی کامیاب نہ ہوگا۔"

1894ء میں اس کے والد بعض کاروباری وجوہ کی بناء پر خاندان سمیت اٹلی منتقل ہوگئے۔ آئن اسٹائن کی تعلیم ادھوری تھی، لہٰذا وہ اس کی تکمیل کے لیے اپنے کچھ رشتہ داروں کے گھر جرمنی ہی میں مقیم رہا۔ لیکن تعلیم سے لاپرواہی بدستور موجود تھی۔ اس کے ایک استاد نے ہمدردانہ مشورہ دیا:

"تم سیکنڈری کی تعلیم کی تکمیل کا خواب چھوڑ دو، تمہارے جیسے بچے کے لیے تعلیم جاری رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

1896ء میں جرمنی چھوڑ کر سوئزر لینڈ چلا گیا۔ زیورخ شہر میں واقع یونیورسٹی میں داخلہ کا امتحان دیا مگر ناکام رہا، پھر ایک استاد کے مشورے پر اسکول کی تعلیم مکمل کرنے میں لگ گیا۔ اگلے سال پھر کوشش کی اور اس کا داخلہ ہوگیا۔ 1900ء میں وہ امتحان سے پاس ہوا اور پھر عارضی استاد کے طور پر مختلف جگہ کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ 1902ء میں سوئزر لینڈ کے شہر ''برن'' کے ایک دفتر ''پیٹنٹ'' میں اسے نوکری مل گئی۔ یہ اس کی زندگی کا بہت اہم موڑ تھا۔

اب اسے گوشۂ تنہائی میں مکمل سکون کے ساتھ اپنے سائنسی نظریات نظریۂ زمان و مکان، نظریۂ خصوصی اضافت وغیرہ پر خوب غور و فکر کرنے کا موقع ملا۔ یہاں وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں سالوں اپنے خیالات کے افکار کو ترقی دیتا رہا۔

1906ء میں اسے زیورخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری مل گئی جس کے لیے ایک سال پہلے ہی اپنا تحقیقی مقالہ جمع کروایا تھا۔ اس دوران مختلف جرائد و رسائل میں اس کے مقالات کی اشاعت نے اسے کافی مشہور کر دیا تھا۔ 1909ء میں زیورخ یونیورسٹی میں پروفیسر لگا، پھر 1910ء میں پراگ یونیورسٹی چلا گیا، 1912ء میں دوبارہ زیورخ آ گیا اور پھر 1914ء میں برلن یونیورسٹی میں بڑے عہدوں اور منصب کے ساتھ پروفیسر مقرر ہوا۔

دراصل 1911ء میں اس نے عمومی اضافیت پر اپنا مقالہ شائع کیا تھا، جس کی وجہ سے اس کی شہرت بہت بڑھ گئی تھی۔ اپنی علمی مشاغل کی وجہ سے آئن اسٹائن کی گھریلو زندگی ہمیشہ تلخ رہی۔ اس کی پہلی بیوی کو اس نے طلاق دے دی اور دوسری اسے خود ہی چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کی اولاد بھی اس سے خوش نہ تھی۔

1914ء ہی میں جنگ عظیم چھڑ گئی اور حالات بہت خراب ہوگئے۔ اس دوران وہ جرمنی ہی میں ہر قسم کی سیاسی و خارجی سرگرمیوں سے الگ تھلگ اپنی ریسرچ میں مصروف رہا۔ شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے وہ دنیا و مافیہا سے بے گانہ ہوگیا تھا، یہاں تک کہ اپنی صحت سے بھی۔

1917ء میں وہ شدید بیمار ہوگیا، صحت مند ہونے میں اسے دو سال لگے۔

اس دوران آئن اسٹائن شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گیا تھا۔ اسے ایک لیکچر دینے کے عوض خطیر رقم دینے کی پیشکش آئی لیکن وہ اسے بہت کم ہی قبول کرتا تھا۔ وہ اسے وقت کا ضیاع سمجھتا تھا۔ بہرحال 1933ء میں ''پرنسٹن'' میں اس کی وفات ہوئی۔

باوجود اس کے کہ آئن اسٹائن ایک کٹر صیہونی یہودی تھا اور اپنے لیکچروں میں سائنسی نظریات کے علاوہ صیہونیت کا شدت سے پرچار کرتا تھا اور اسرائیل کے قیام سے پہلے ہی فلسطین میں اس کی قیام کا بڑا پرجوش حامی تھا۔ اسی وجہ سے اسرائیل کے قیام کے بعد 1952ء میں اسے اسرائیل کی صدارت کی پیشکش بھی ہوئی لیکن اس نے انکار کردیا۔

ان سب کے باوجود یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ وہ ایک نہایت ذہین اور محنتی آدمی تھا۔

تجزیہ نگار اس کی بچپن کی نااہلی کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہ ہر چیز کی گہرائی اور تہہ میں پہنچنے کی کوشش کرتا تھا اور پوچھے گئے سوال سے متعدد سوالات اس کے ذہن میں جنم لیتے تھے، جس کی وجہ سے وہ فوری طور پر جواب نہیں دے پاتا۔ جس سے اس کے اساتذہ نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ کند ذہن بچہ ہے لیکن اس کی بعد کی زندگی اس بات کی نفی کرتی ہے۔

استہزاء، مذاق، طعن و تشنیع، فقیری اور ناداری اور پے در پے ابتدائی ناکامی کے باوجود اس نے اپنی محنت اور علمی سفر جاری رکھا۔ اپنی منزل کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو عبور کرکے وہ کامیابی اور شہرت کی بلندی تک پہنچ گیا۔ اس نے اپنے اردگرد لوگوں کی طرف سے ناکارہ، کند ذہن اور پسماندہ ہونے کے تبصروں کے باوجود ہمت نہیں ہاری۔ جس کے نتیجہ میں آج اس کا شمار دنیا کے عظیم سائنس دانوں اور ذہین ترین انسانوں کی فہرست میں پہلے نمبر پر ہوتا ہے۔
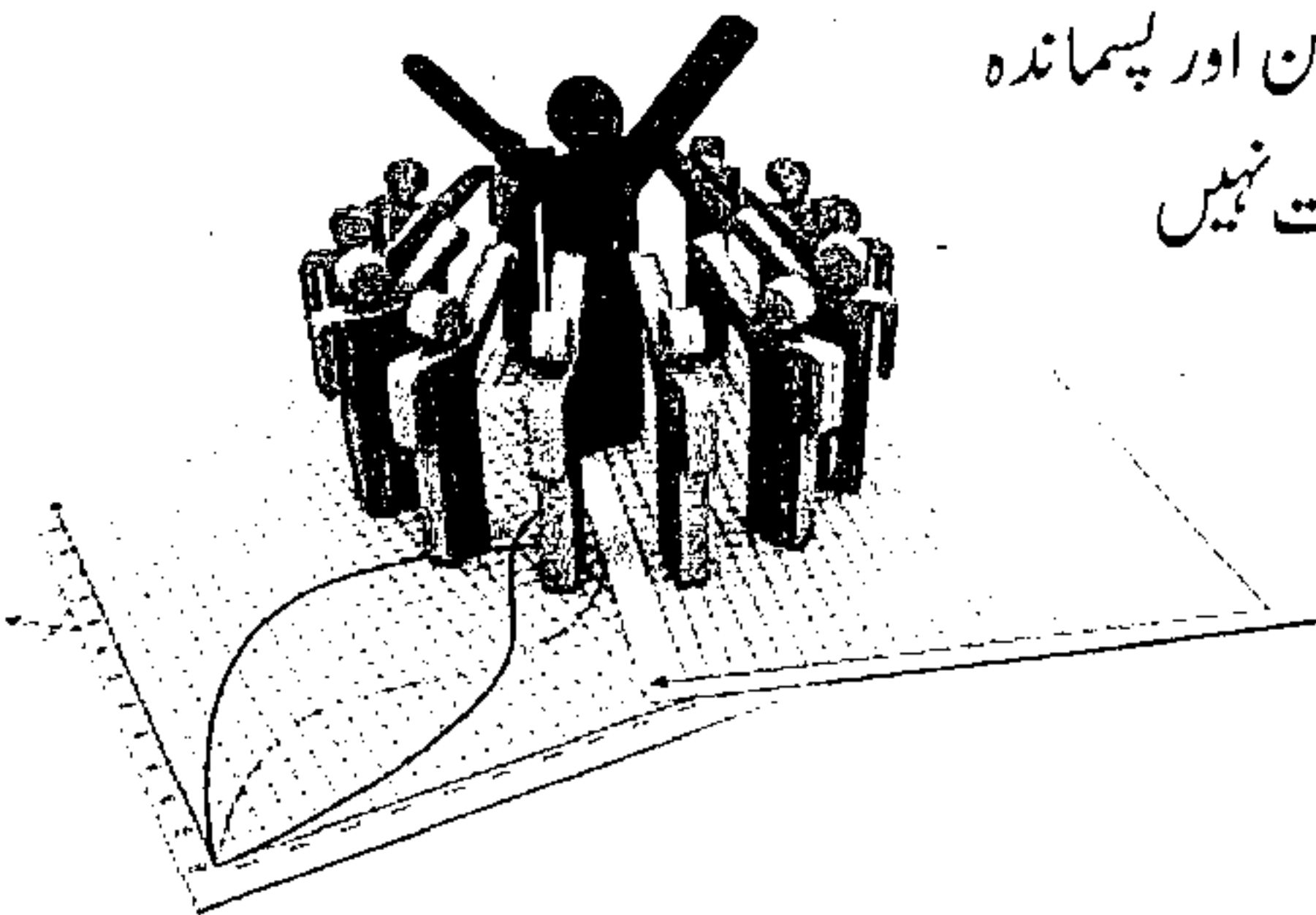
ہنڈا کمپنی نے ناکامی کو کامیابی میں کیسے تبدیل کیا

51 - 1938ء میں ''ہونڈا'' اسکول کا ایک طالب علم تھا۔ اس نے اپنی ساری جمع پونجی اپنی چھوٹی سی ورکشاپ میں جھونک دی تھی۔ وہ گاڑیوں میں استعمال ہونے والے ''پسٹن رنگ'' کو جدید انداز میں بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی اس ایجاد کو ''ٹویوٹا'' کمپنی کو بیچنا چاہتا تھا۔ وہ دن رات محنت کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کہنیوں تک اکثر اوقات کالے رہتے تھے۔ اس پر اتنا جنون طاری تھا کہ اس نے اپنی بیوی کے زیور بھی گروی رکھوا دیئے تھے تاکہ وہ اپنے اس کام کے لیے مزید سرمایہ حاصل کر سکے لیکن جب اس نے ''پسٹن رنگ'' بنا کر ٹویوٹا کمپنی کے سامنے پیش کیے تو اس سے کہا گیا کہ یہ کمپنی کی ڈیمانڈ اور ضرورت کے مطابق نہیں ہے لہٰذا وہ اس سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی۔

اس کو اپنے کلاس فیلوز اور اساتذہ کی طرف سے دو سال تک شدید مذاق اور طنز کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ سب اسے بے وقوف کہتے اور اس کی ایجادات کا مذاق اڑاتے۔ لیکن ''ہونڈا'' نے نہایت صبر و سکون سے اس تکلیف دہ مرحلہ کو برداشت کیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی نظر میں تو ناکام تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ ناکام کوششیں ہی انسان کو تجربات کے زیور سے آراستہ کرتی ہیں اور انسان مزید بہتری کی تلاش میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کوشش کا ناکام ہونا ناکامی نہیں بلکہ کوشش نہ کرنا ناکامی ہے۔

HONDA
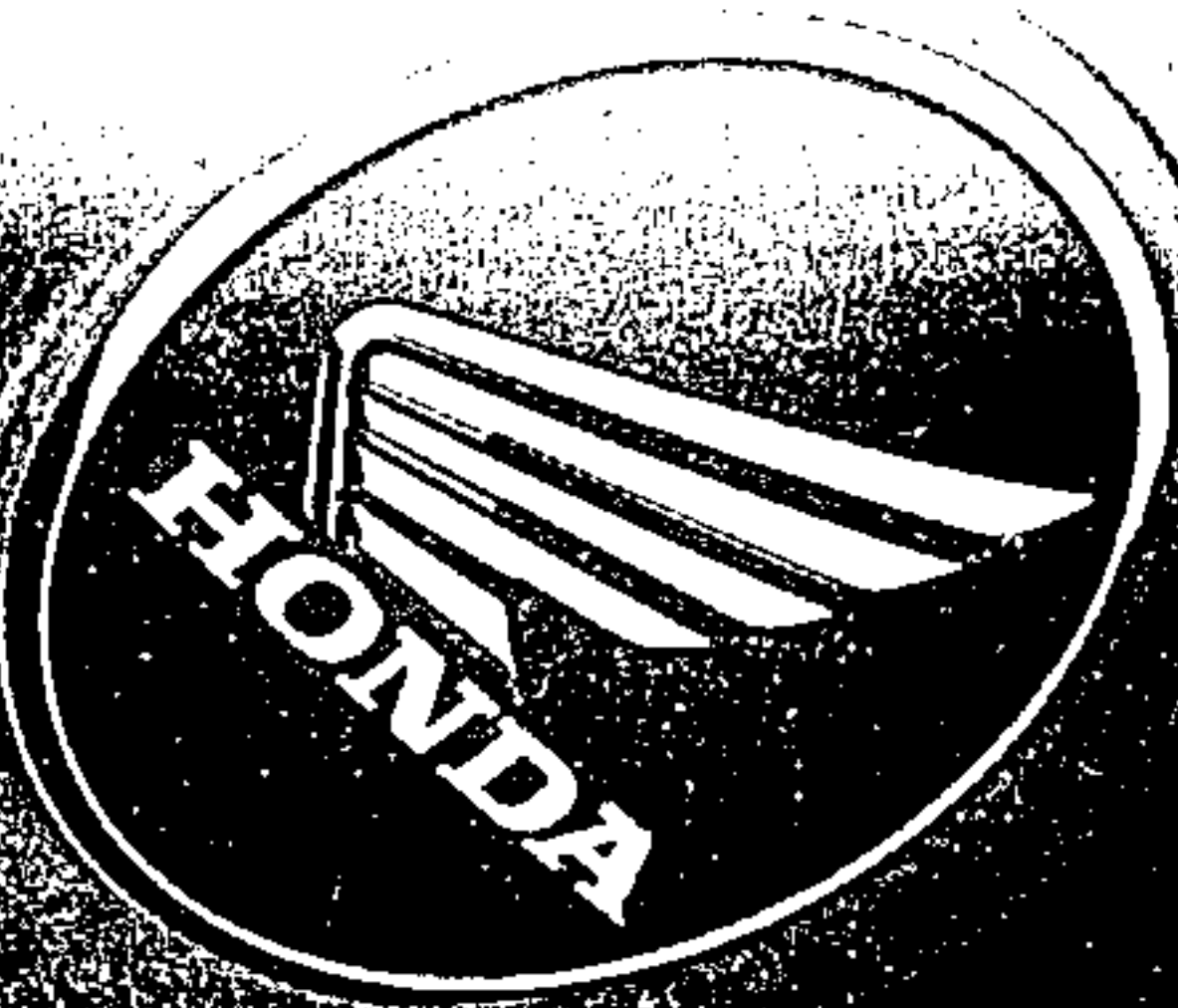
اس نے مزید یکسوئی اور دل جمعی سے اپنا کام شروع کیا تو دو سال کی مسلسل محنت اور تجربات کے بعد اس کا خواب یوں پورا ہوا کہ ٹویوٹا کمپنی نے اس کے ساتھ معاہدہ کرلیا اور پسٹن رنگ کے بارے میں ہونڈا کی تحقیقات اور تجربات کی اہمیت کوتسلیم کیا اور اس کو ترقی دینے میں ہونڈا سے مدد چاہی۔

اس کامیابی کے بعد ہونڈا نے اپنی اس پراڈکٹ کو تیار کرنے کے لیے ایک فیکٹری بنانا چاہی۔ لیکن جاپانی حکومت جو اس وقت جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھی اس نے ہونڈا کو سیمنٹ کی فراہمی سے انکار کر دیا۔ یہ ایک بہت حوصلہ شکن مرحلہ تھا لیکن ہونڈا ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔ اس نے خود اپنے بل بوتے پر سیمنٹ کا کارخانہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ چند مہینوں کی انتھک محنت اور کوشش کے بعد سیمنٹ کا کارخانہ تیار ہوگیا۔ سیمنٹ بننے کا مرحلہ شروع ہونے ہی والا تھا کہ جنگ شروع ہوگئی اور امریکی جہازوں کی بمباری سے سیمنٹ فیکٹری مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن ہونڈا فولادی اعصاب کا مالک تھا۔ وہ ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔ اس نے اپنے کارخانہ کے تباہ شدہ در و دیوار کی مرمت کا کام شروع کر دیا۔ اس کو کچھ معاونین اور ہمدرد بھی مل گئے تھے۔ کام از سر نو شروع ہوگیا۔ کارخانہ چل پڑا۔ لیکن کارخانہ چلنے کے صرف چند دنوں بعد ہی وہ دوبارہ امریکی بموں کی زد میں آ گیا۔ ایک مرتبہ پھر کارخانہ ملبہ کا ڈھیر بن گیا تھا۔
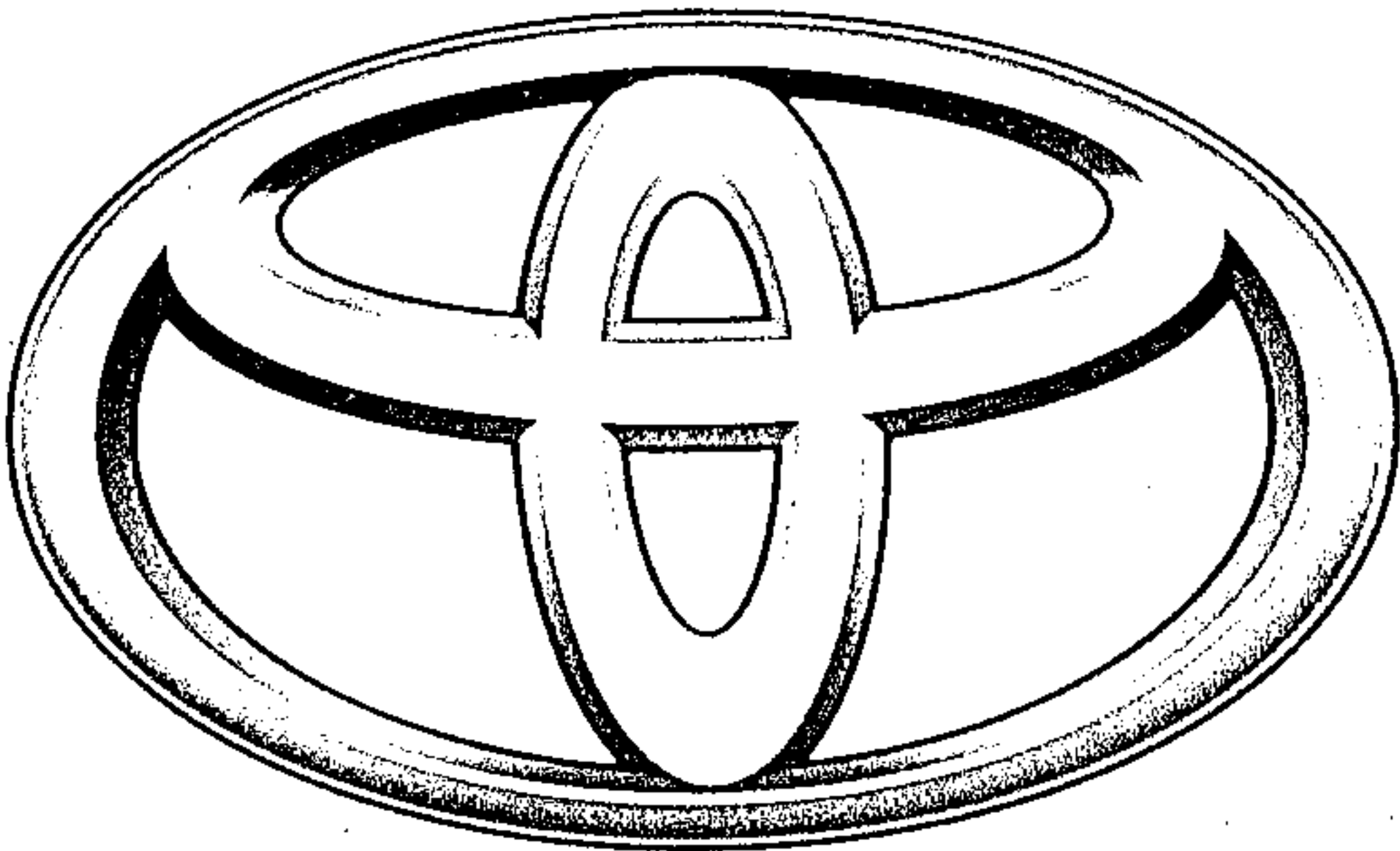
TOYOTA

دوسرے دن لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا جس کی انہیں ہرگز امید نہ تھی۔ ہونڈا اپنی فیکٹری کے ملبہ پر کھڑا اپنے کارکنوں کے ساتھ اس کو دوبارہ تعمیر کر رہا تھا یہ انسان کی محنت اور مضبوط عزم کی تاریخ میں انوکھا واقعہ تھا۔ اس مرتبہ فیکٹری کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اس نے امریکی میزائل اور بموں کے وہ خول بھی تلاش کر کے جمع کرنا شروع کیے جس پر لکھا ہوتا تھا:

هَدَايَا الرَّئِيْسِ الاَمْرِيْكِي تَرُوْمَانْ

''امریکی صدر ٹرومین کی طرف سے بطورِ تحفہ''

دراصل یہ خول اس دھات پر مشتمل تھے جو اس وقت جاپان میں ناپید تھی اور ہونڈا کی ایجادات کے لیے بہترین خام مال کا کام دے سکتی تھی۔ اس کا ڈھیٹ قسم کا کارخانہ اور فیکٹری نے پھر کام شروع کر دیا تھا اور وہ ٹویوٹا کی ڈیمانڈ کے مطابق اپنی اولین پراڈکٹ تیار کرنے کے قریب تھا کہ ایک زبردست زلزلہ آیا اور اس کا کارخانہ اور فیکٹری زمین بوس ہوگئی۔

اس مرتبہ ہونڈا نے نہایت سکون اور اطمینان سے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی پراڈکٹ بنانے کے سارے حقوق ٹویوٹا کمپنی کو بیچ دے۔ اس نے ایسا ہی کیا لیکن اس کا یہ فیصلہ ہمت ہارنے کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اپنے مالی مسائل کی بنیاد پر تھا۔ وہ اب بھی اتنا ہی پرجوش اور مستعد تھا جیسا طالب علمی کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ ٹویوٹا کمپنی سے ملنے والی آمدنی سے وہ خوش حالی سے اپنا گزر بسر کرنے لگا۔

امریکی بمباری نے جاپانی قوم کی تقدیر بدل دی تھی۔ وہ بجائے اپنے ماضی کو رونے کے اپنے مستقبل کی جنگ لڑ رہے تھے۔ دوبارہ سفر شروع کرنے کے باوجود ان کی ترقی کا عمل انتہائی تیز رفتار تھا۔ سڑکوں پر بڑھتی ٹریفک اور بازار کی دوری کی وجہ سے ہونڈا کو اپنی روزمرہ کی اشیائے ضرورت خریدنے کے لیے کافی وقت صرف کرنا پڑتا۔ اپنے وقت کی بچت کی خاطر اس نے ایک چھوٹی سی گاڑی بنائی جس کا انجن بھی چھوٹا تھا۔ اسے ہم دنیا میں اسکوٹر کی پہلی شکل کہہ سکتے ہیں۔ ہونڈا کے پڑوسی اس مختصر اور تیز رفتار انوکھی سواری پر بڑے حیران تھے۔ انہوں نے ہونڈا سے اپنے لیے بھی اس کی فرمائش شروع کردی۔ آخرکار ان کے بڑھتے ہوئے اصرار کو دیکھ کر ہونڈا نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی اس ایجاد کو بڑی تعداد میں بنانے کے لیے ایک کارخانہ لگا لے۔

اس ایجاد کی وجہ سے اسے جاپانی حکومت کی طرف سے ایوارڈ بھی دیا گیا۔ کچھ ہی عرصہ میں اس نے اسکوٹر امریکا بھی سپلائی کرنا شروع کردی۔ ستر ہی کی دہائی میں ہونڈا کمپنی نے اپنی کار بھی ایجاد کرلی جو بے انتہا مقبول ہوئی اور پسند کی گئی۔

آج ہونڈا کمپنی امریکا اور جاپان ہر جگہ ایک لاکھ کے قریب ورکرز کی مالک ہے اور اس کا شمار جاپان کی مشہور ترین کار ساز کمپنیوں میں ہوتا ہے اور امریکا میں بھی ٹویوٹا کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے۔ ہونڈا کمپنی کی کامیابی کے پیچھے صرف ایک آدمی کی مسلسل محنت اور ہار نہ ماننے والے عزم کا دخل ہے۔
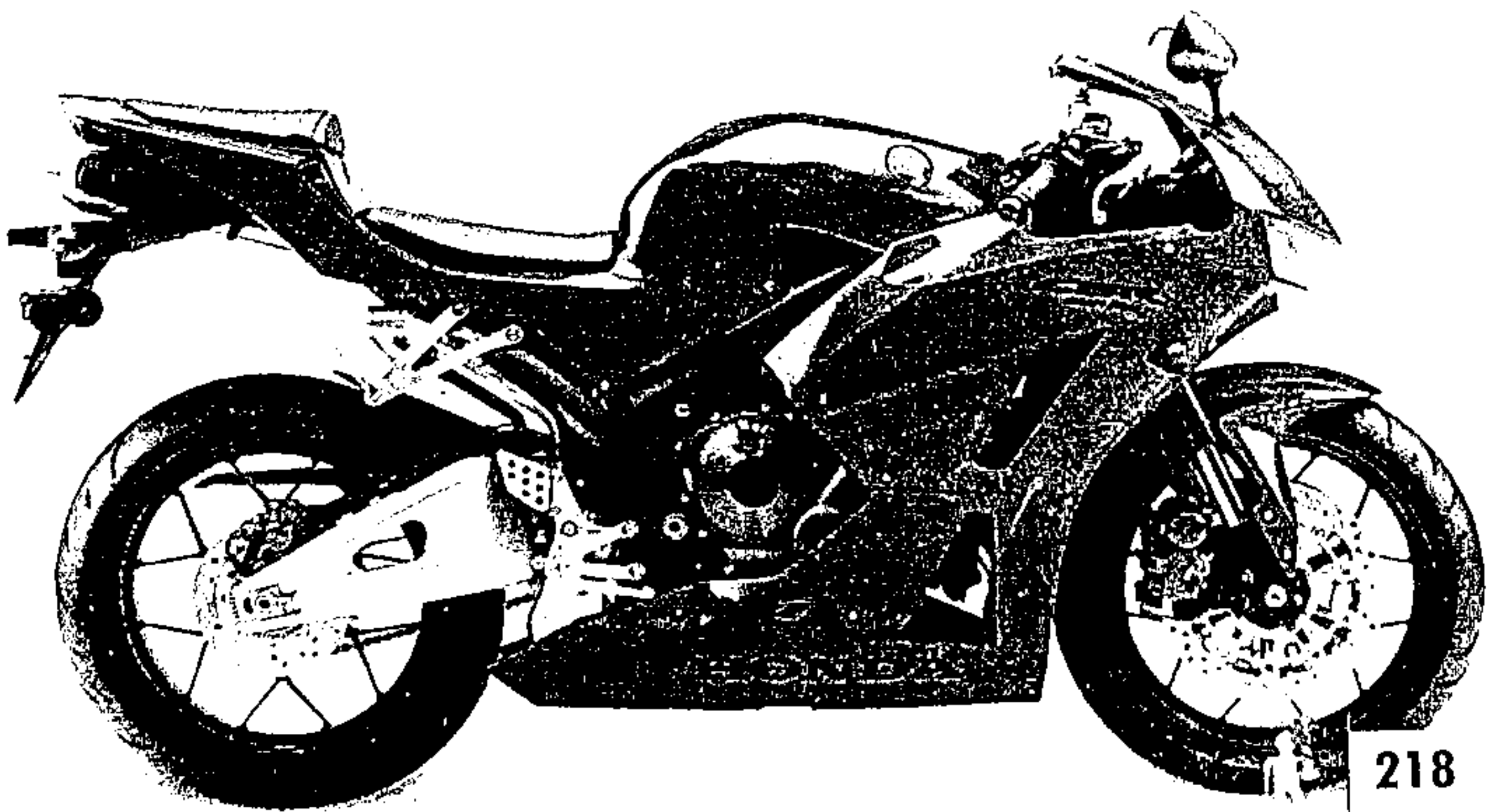
مایوس لوگوں کے لئے ورلڈ کپ جیتنے والے کی انمول نصیحت! واقعہ

62 جناب جاوید چوہدری صاحب لکھتے ہیں ایک نوجوان مایوسی کے کنویں میں گر رہا تھا میں نے اسے مایوسی سے نکالنے کے لیے ایک واقعہ سنایا کہ:

''آرتھر آشی'' ایک وقت میں دنیا کا سب سے بڑا ٹینس پلیئر تھا۔ وہ ورجینیا کے مشہور قصبہ رچمنڈ میں پیدا ہوا، وہ افریقی امریکن تھا، اس کی ماں، اس کا باپ دونوں کالے تھے۔ اس نے بچپن میں ایتھلیٹ بننے کی کوشش کی، لیکن جسمانی کمزوری کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکا۔

چھ سال کی عمر میں اس کی والدہ کا انتقال ہوگیا، وہ اکیلا رہ گیا، جب تنہائی ستانے لگی تو اس نے فیصلہ کیا وہ دنیا میں کوئی ایسا کام کرے گا جو اس سے پہلے کسی کالے نے نہ کیا ہو۔

اس نے ٹینس کھیلنا شروع کر دی، وہ کورٹ میں داخل ہوا تو اس نے کمال کر دیا، وہ 1963ء میں امریکہ کا سب سے بڑا ٹینس پلیئر تھا، حکومت نے اسے ڈیوس کپ کی ٹیم میں شامل کرلیا، وہ امریکہ کی قومی ٹیم کا پہلا کالا کھلاڑی تھا، وہ ڈیوس کپ جیت گیا، یہ ایک حیران کن کامیابی تھی۔ 1960ء کی دہائی میں امریکہ کے اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینلز نے اسے اتنی کوریج دی کہ وہ 1969ء میں امریکہ کا سب سے زیادہ مشہور شخص تھا۔

میں چند لمحوں کے لئے رک گیا، اس نے ٹشو سے منہ صاف کیا اور بڑے جوش سے بولا: ویل ڈن سر! یہ تو بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ میں مسکرایا نہیں! اصل کہانی آگے آئے گی، اس نے سر ہلا دیا، میں نے گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔

1969ء میں جنوبی افریقہ میں ٹینس کا میچ تھا، ''آشی'' نے ساؤتھ افریقہ کے ویزے کے لیے درخواست دی، اس کی درخواست مسترد کر دی گئی۔ اس وقت جنوبی افریقہ میں گوروں کی حکومت تھی اور وہ کسی کالے کو ویزہ جاری نہیں کرتے تھے، ''آرتھر آشی'' کے لئے یہ زندگی کا دوسرا بڑا چیلنج تھا۔

اس نے ٹینس چھوڑ دی اور امریکہ میں کالوں کے حقوق کی جنگ شروع کر دی، وہ مشہور آدمی تھا، میڈیا اور عوام اس کے ساتھ تھے، اس نے اپنے چاہنے والوں کو اپنی فوج بنالیا، یہاں تک کہ امریکہ اور اس کی حلیف طاقتیں کالوں کے حقوق تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ ساؤتھ افریقہ کے سفارت خانے نے اسے ویزہ جاری کر دیا، یہ اس کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

میں سانس کے لئے رکا، نوجوان ہلکا سا مسکرایا اور پر جوش آواز میں بولا: سر کمال ہے، یہ تو بہت بڑا شخص تھا، میں نے ہنس کر کہا: نہیں! اصل کہانی ابھی آگے آئے گی، وہ ہمہ تن گوش ہوگیا، میں نے کہا:

جب وہ ساؤتھ افریقہ کا ویزہ لے کر نکلا تو کسی نے کہا: ''آشی'' نے ویزہ تو حاصل کرلیا لیکن وہ اب ٹینس نہیں کھیل سکے گا۔ اس شخص کا خیال تھا جو شخص اتنے سال ٹینس کورٹ سے باہر رہا ہو اس کے لیے دوبارہ نیشنل چیمپئن بننا آسان نہیں ہوگا۔

اس شخص کی بات ٹھیک تھی لیکن آشی ایک بار پھر کورٹ میں داخل ہوا، اس نے کھیلنا شروع کیا اور 1975ء میں اس نے ٹینس کی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ''ومبلڈن کپ'' جیت لیا۔ وہ یہ کپ لے کر باہر نکلا تو وہ ورلڈ اسٹار تھا۔
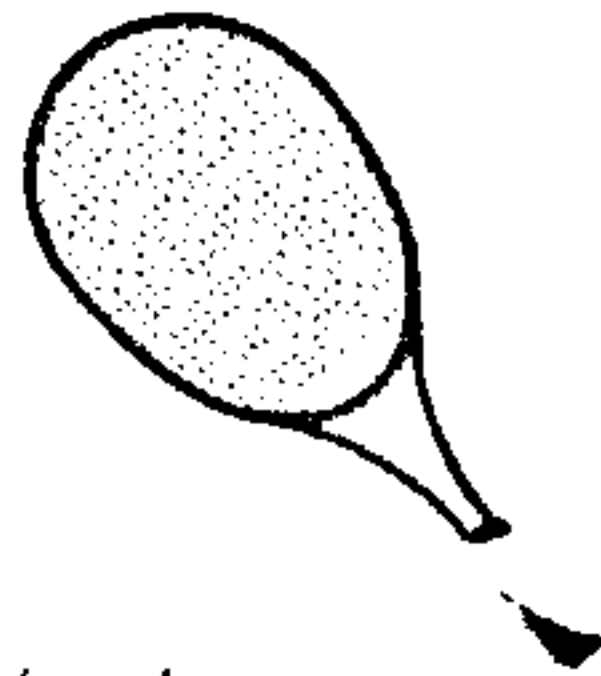
میں رکا، میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا، اس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور پھر ایک آواز میں بولا: ویل ڈن سر! وہ تو کمال شخص تھا۔ میں مسکرایا، نہیں! اصل کہانی ابھی آگے آئے گی، وہ پوری طرح متوجہ ہوگیا۔

''1980ء میں اسے دل کا دورہ پڑا، اسے ''ہارٹ سرجری'' کے لئے اسپتال لے جایا گیا، وہاں اسے خون دیا گیا، اس خون میں ''ایچ آئی وی'' تھا، ''آرتھر آشی'' اسپتال سے نکلا تو وہ ایڈز کا مریض بن چکا تھا، ہیرو زیرو ہوگیا۔

وہ 1993ء تک پورے 13 سال اس مرض سے لڑتا رہا، دنیا کے 34 کاروباری اداروں...... 55 بڑے اسپتالوں...... اور دنیا کے 4 ہزار ڈاکٹروں نے اس کی جان بچانے کی کوشش کی، لیکن دنیا کا ''سپر اسٹار'' 6 فروری 1993ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ میں خاموش ہوگیا، نوجوان ایک بار پھر اداس ہوگیا۔

میں نے عرض کیا: تم نے سوچا یہ کہانی ختم ہوگئی، لیکن اصل کہانی ابھی باقی ہے، جب ''آرتھر آشی'' اسپتال میں آخری سانسیں لے رہا تھا تو اس کے ایک دوست نے اسے ایک خط لکھا، اس خط میں اس نے ''آشی'' سے ایک عجیب سوال کیا، اس نے پوچھا: اس وقت دنیا میں 5 ارب لوگ ہیں، قدرت نے ان 5 ارب لوگوں میں سے صرف تمہیں اس موذی مرض کے لیے کیوں منتخب کیا ''وائے یو''؟

''آرتھر آشی'' نے اس ''وائے یو'' کا حیرت کُن جواب دیا، یہ جواب ایک پورا فلسفہ ہے، میں زندگی میں جب بھی مایوس ہوتا ہوں، میں جب خود کو بدنصیب محسوس کرتا ہوں، تو میں آشی کی وہ چند لائنیں نکال کر پڑھ لیتا ہوں، یقین کرو! میں ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہوں، میں خود کو دنیا کا خوش نصیب ترین شخص سمجھنے لگتا ہوں، ''آرتھر آشی'' نے اسے جواب دیا تھا:

دنیا میں ہر سال 50 کروڑ بچے ٹینس کھیلنا شروع کرتے ہیں، ان میں سے صرف 5 کروڑ بچے یہ کھیل سیکھ پاتے ہیں، ان 5 کروڑ بچوں میں سے صرف 5 لاکھ نوجوان پروفیشنل ٹینس پلیئر بنتے ہیں، ان پانچ لاکھ نوجوانوں میں سے صرف 50 ہزار کھیل کے سرکٹ میں داخل ہوتے ہیں، ان 50 ہزار میں سے صرف پانچ ہزار گرینڈ سلیم تک پہنچتے ہیں، ان پانچ ہزار کھلاڑیوں میں سے صرف 50 ومبلڈن کپ کھیلنے آتے ہیں، ان

پچاس میں سے صرف 4 سیمی فائنل تک پہنچتے ہیں، ان چار میں سے صرف دو فائنل کھیلتے ہیں اور ان دو میں سے صرف ایک شخص کو ومبلڈن کپ ملتا ہے۔

اور میں دنیا کے ان 5 ارب لوگوں میں ایک ہوں جسے ومبلڈن کپ ملا تھا، میں دنیا کے ان 50 کروڑ کھلاڑیوں میں سے واحد شخص ہوں جس نے ٹینس کھیلنا شروع کیا اور وہ ومبلڈن تک پہنچ گیا۔ میں نے زندگی میں ٹینس کے 800 بڑے اعزاز حاصل کئے، یہ ریکارڈ ہے، میں جب بھی ٹرافی کپ یا ایوارڈ لینے گیا تو میں نے کبھی اللہ سے یہ نہیں پوچھا، اے اللہ! تو نے پوری دنیا میں اس اعزاز کے لئے صرف مجھے ہی کیوں منتخب کیا، وائے می؟

آج میں تکلیف میں ہوں، مجھے جب درد ہوتا ہے اور میں اللہ سے یہ پوچھنے لگتا ہوں: وائے می! تو مجھے اپنے وہ تمام اعزاز یاد آجاتے ہیں اور میں سوچتا ہوں، جب میں نے اپنی کامیابیوں پر اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا تھا:

''گاڈ وائے می''

تو مجھے آج اپنی تکلیف پر اس سے یہ سوال کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، جب میں نے اپنی کامیابیوں پر اس کا شکر ادا نہیں کیا تو آج مجھے اپنی ناکامی پر اس سے کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے۔''

میں خاموش ہوگیا، نوجوان کی آنکھوں میں روشنی اتر آئی، وہ بولا: سر واقعی یہ زندگی کا ایک نیا زاویہ ہے، میں نے کبھی زندگی کو اس پہلو سے نہیں دیکھا۔ میں نے قہقہہ لگایا، نہیں! ابھی اصل کہانی آگے ہے۔''

''آرتھر آشی'' نے مرنے سے چند لمحے پہلے کہا تھا:

''اے دنیا کے لوگو! اللہ کو کبھی یہ نہ بتاؤ تمہاری مصیبت کتنی بڑی ہے، تم اپنی مصیبت کو یہ بتاؤ تمہارا اللہ کتنا بڑا ہے، تم دکھ اور تکلیف سے رہائی پا جاؤ گے۔''
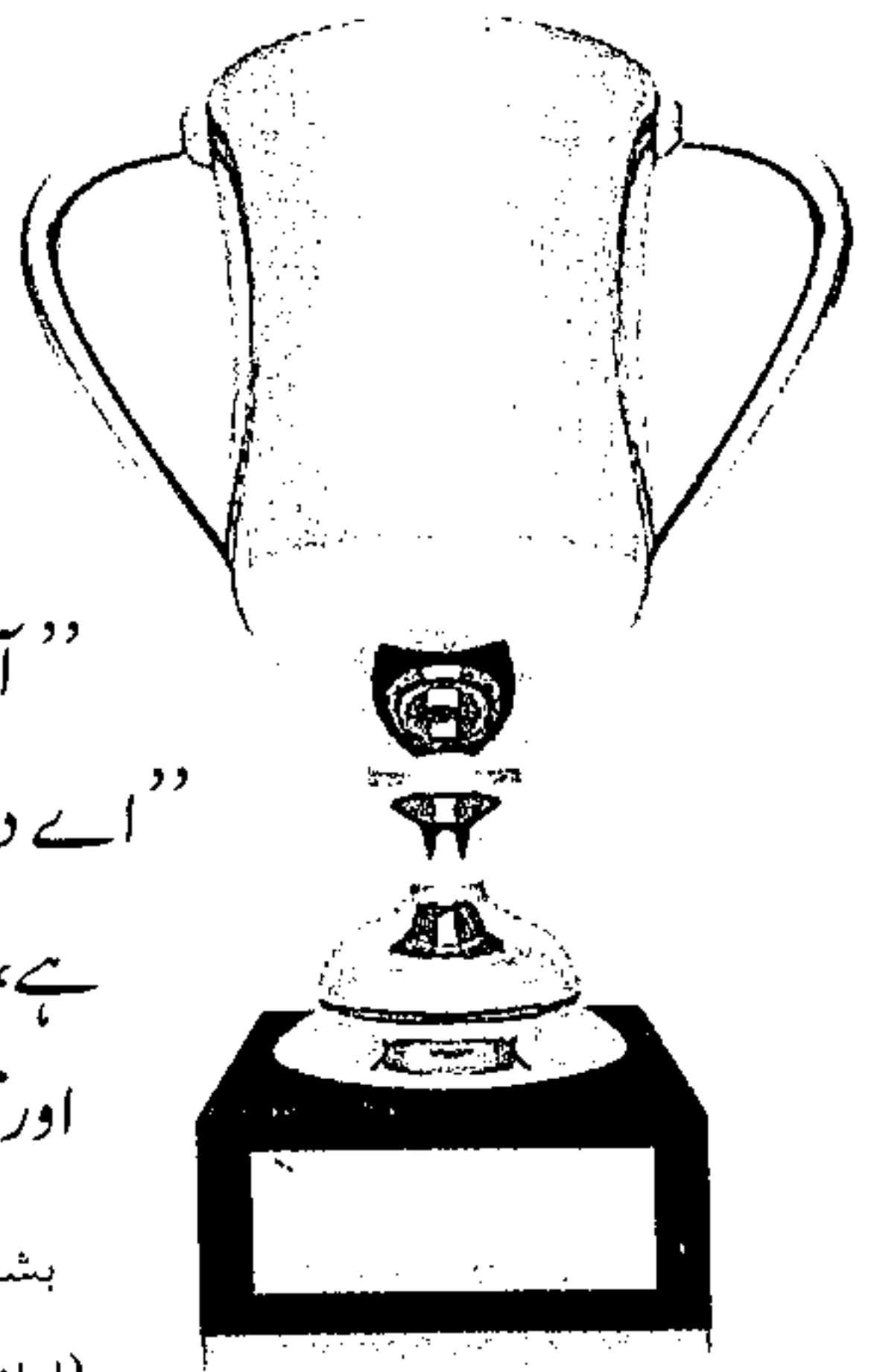
بشکریہ روزنامہ جنگ 8 ذیقعدہ 1426ھ/ 11 دسمبر 2005ء
(پریشان رہنا چھوڑ دیجئے 267 تا 270)

افریقی مسلمانوں کا مسیحا......!

63 ڈاکٹر عبدالرحمٰن حمود السمیط رحمۃ اللہ علیہ 1947ء میں کویت میں پیدا ہوئے۔ وہ افریقی مسلمانوں کی مدد کے لیے تشکیل دیئے گئے ادارے کے سربراہ ہیں۔ ان کے قریبی ساتھیوں کا کہنا ہے کہ وہ شروع ہی سے خیراتی کاموں کے شوقین تھے۔ بچپن ہی میں جب وہ اسکول میں سیکنڈری کے طالب علم تھے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر انہوں نے ایک کار خریدی تھی۔ روزانہ ایک دوست کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ غریب مزدوروں کو ان کے کام کی جگہ سے اٹھا کر اپنے اپنے گھر کو پہنچاتے بغیر کسی کرائے کے۔

انہوں نے بغداد یونیورسٹی سے میڈیکل اور سرجری میں پی ایچ ڈی کیا۔ یونیورسٹی میں بھی انہوں نے اپنی جیب خرچ کا ایک بڑا حصہ اسلامی کتابوں کی خریداری کے لیے مختص کیا ہوا تھا جنہیں وہ مسجدوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔

جب ان کی تنخواہ بیالیس (42) دینار مقرر ہوئی پھر بھی وہ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک وقت کا کھانا کھاتے اور نہایت معمولی قسم کے بستر پر آرام کرتے اور بقیہ رقم فلاحی کاموں میں خرچ کر دیتے تھے۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ کویت کی ایک رفاہی تنظیم کی جانب سے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے انہیں افریقہ کے ملک ''ملاوی'' جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں انہوں نے لاکھوں لوگوں کو بھوک اور فقر و فاقہ سے مرتے دیکھا۔ سینکڑوں لوگوں کو بیماری میں ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مرتے دیکھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو عیسائی پادریوں کے رحم و کرم پر دیکھا جو جوق در جوق مسلمان بچوں کو عیسائی اسکولوں میں عیسائیت کی تعلیم دے رہے تھے۔ بس اس دن سے ان کے دل میں سرزمین افریقہ کی محبت بیٹھ گئی پھر وہ وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

جب وہ کسی علاقہ میں داخل ہوتے اور کچھ لوگ ان کی محنت سے اسلام میں داخل ہوجاتے اور ان کے سامنے اپنے ماں باپ کو یاد کرکر کے روتے اور کہتے:

أَيْنَ أَنْتُمْ يَا مُسْلِمُوْنَ وَلِمَاذَا تَأَخَّرْتُمْ عَنَّا كُلَّ هٰذِهِ السِّنِيْن

''مسلمانو! تم کہاں تھے؟ اتنے سال تم نے لگا دیئے!''

اس قسم کے الفاظ سن کر وہ اکثر اوقات رو پڑتے اور کفر پر مرنے والے اتنے سارے انسانوں کا ذمہ دار خود کو سمجھنے لگتے۔

عبدالرحمٰن السمیط رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دعوتی کام میں کتنی مصیبتوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا ان کے ایک انٹرویو سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، جس میں انہوں نے بتایا کہ مجھے بیسیوں قسم کی بیماریوں کا سامنا ہے، مجھے دو مرتبہ دل کا اٹیک ہو چکا ہے، ایک مرتبہ دماغی دورہ بھی پڑا ہے، کچھ عرصہ میں فالج کا بھی شکار رہا، بلڈ پریشر کا پرانا مریض ہوں، شوگر بھی ہے، جوڑوں میں مستقل درد اور تکلیف کی وجہ سے کرسی کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں، کولیسٹرول بھی بڑھا ہوا ہے، آنکھوں میں موتیا بھی اتر چکا ہے، بغداد میں دو مرتبہ مجھے جیل بھی جانا پڑا، پہلی مرتبہ 1970ء میں، اس وقت تو بس پھانسی کا فیصلہ سنایا جانے والا ہی تھا، دوسری مرتبہ 1990ء میں عراقی ایجنسیوں نے مجھے گرفتار کرلیا تھا، مجھے اپنے انجام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ مجھے انہوں نے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا، میرے چہرے، ہاتھوں اور پیروں سے گوشت تک نوچ لیا، لیکن مجھے اس بات کا یقین تھا کہ مجھے اس وقت موت نہیں آسکتی جب تک میرا مقررہ وقت پورا نہیں ہوجاتا۔

اس طرح کتنی ہی مرتبہ افریقہ میں مسلح گروپوں نے انہیں یرغمال بنائے رکھا اس جرم میں کہ وہ منع کرنے کے باوجود محتاجوں اور غریبوں سے میل جول رکھتے ہیں۔ اس طرح کینیا اور ملاوی میں کتنی ہی مرتبہ سانپ نے ان کا راستہ روک لیا لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ آخر کس چیز نے ان کو ان تمام مصائب میں بھی امید کا دامن تھامے رکھنے اور اپنے رب پر کامل اعتماد کرنے پر مجبور کیا، ان کی زندگی کا مقصد اور امید کا راز دونوں ان کے اس جملہ سے پتہ چلتا ہے:

مَنْ يَنْقُذُنِيْ مِنَ الْحِسَابِ يَوْمَ يَشْكُوْنِيْ النَّاسُ فِيْ اَفْرِيْقِتِنَا بِأُنَّنِيْ لَمْ أَسْعَ إِلَى هِدَاْيَتِهِمْ

''قیامت کے دن جب افریقی باشندے میرا گریبان پکڑ کر کہیں گے کہ تم نے ہماری ہدایت کے لیے کوشش کیوں نہیں کی؟ تو اس وقت مجھے ان کے دعوے سے کون بچائے گا؟''

اس کے باوجود کہ درجنوں افریقی قبیلے ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئے ہیں ان کی یہ نصیحت تو نہایت قابل غور ہے، ہماری آپ سے درخواست ہے کہ صفحہ پلٹنے سے پہلے اچھی طرح اس میں غور کرلیں:
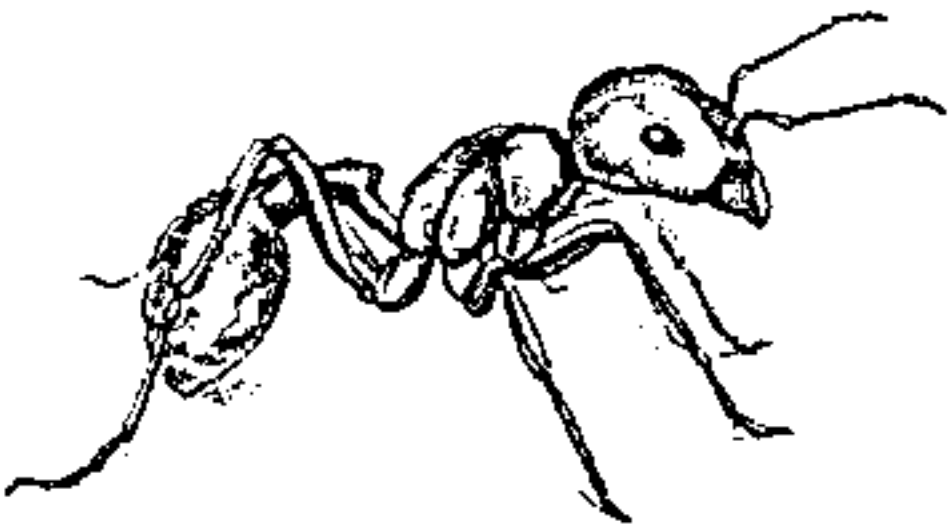
لَاْ نَجَاْحَ اَبَدًا بِدُوْنِ فَشْلٍ

''ناکامی کے بغیر کبھی بھی کامیابی نہیں ملتی۔''

چیونٹی جب دیوار پر چڑھتی ہے تو کئی مرتبہ گرتی ہے، کامیابی کا راستہ ہمیشہ ناکامی کے میدان عبور کرلینے کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اور

وَلَاْ خَيْرَ فِيْمَنْ يَسْتَسْلِمُ فِيْ الْمَعْرَكَةِ الْاُوْلٰى

''اور اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو پہلے ہی معرکہ میں شکست تسلیم کرلے۔''
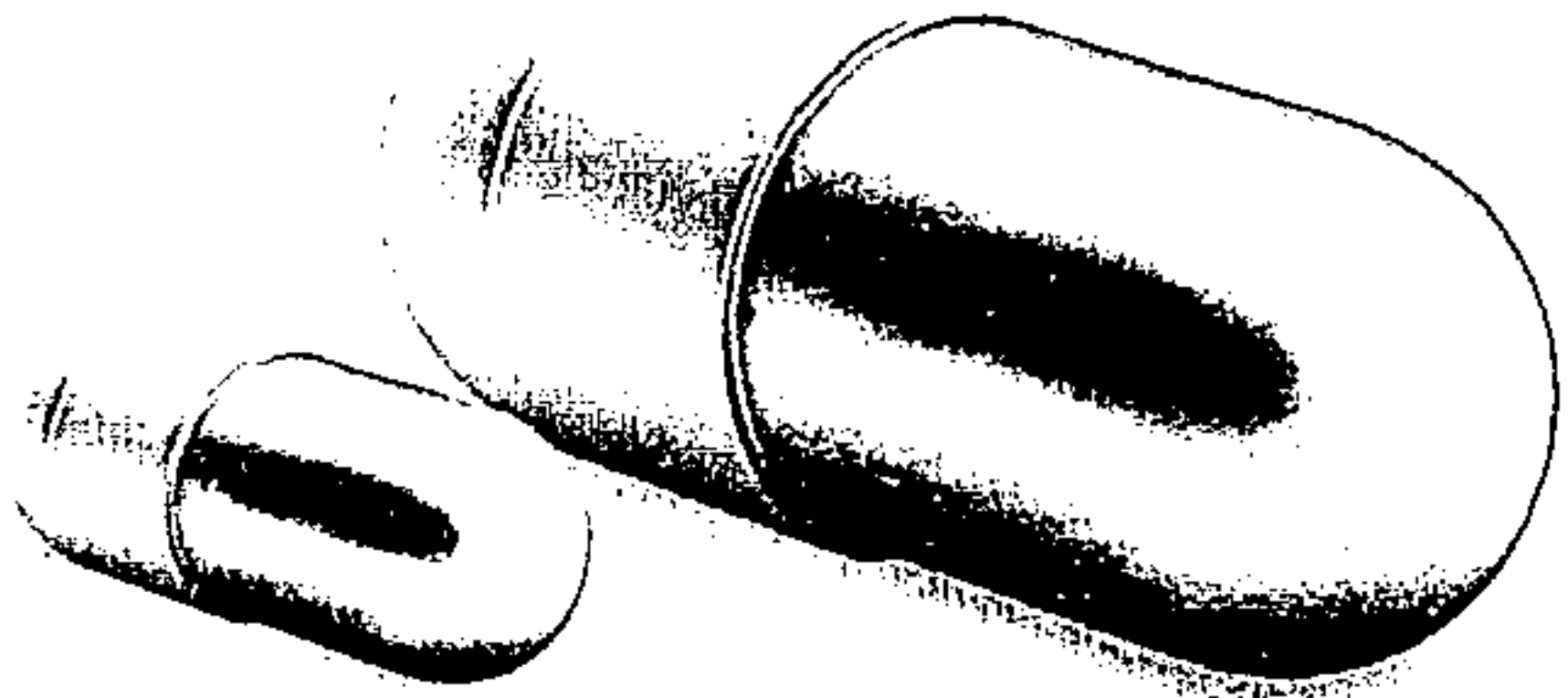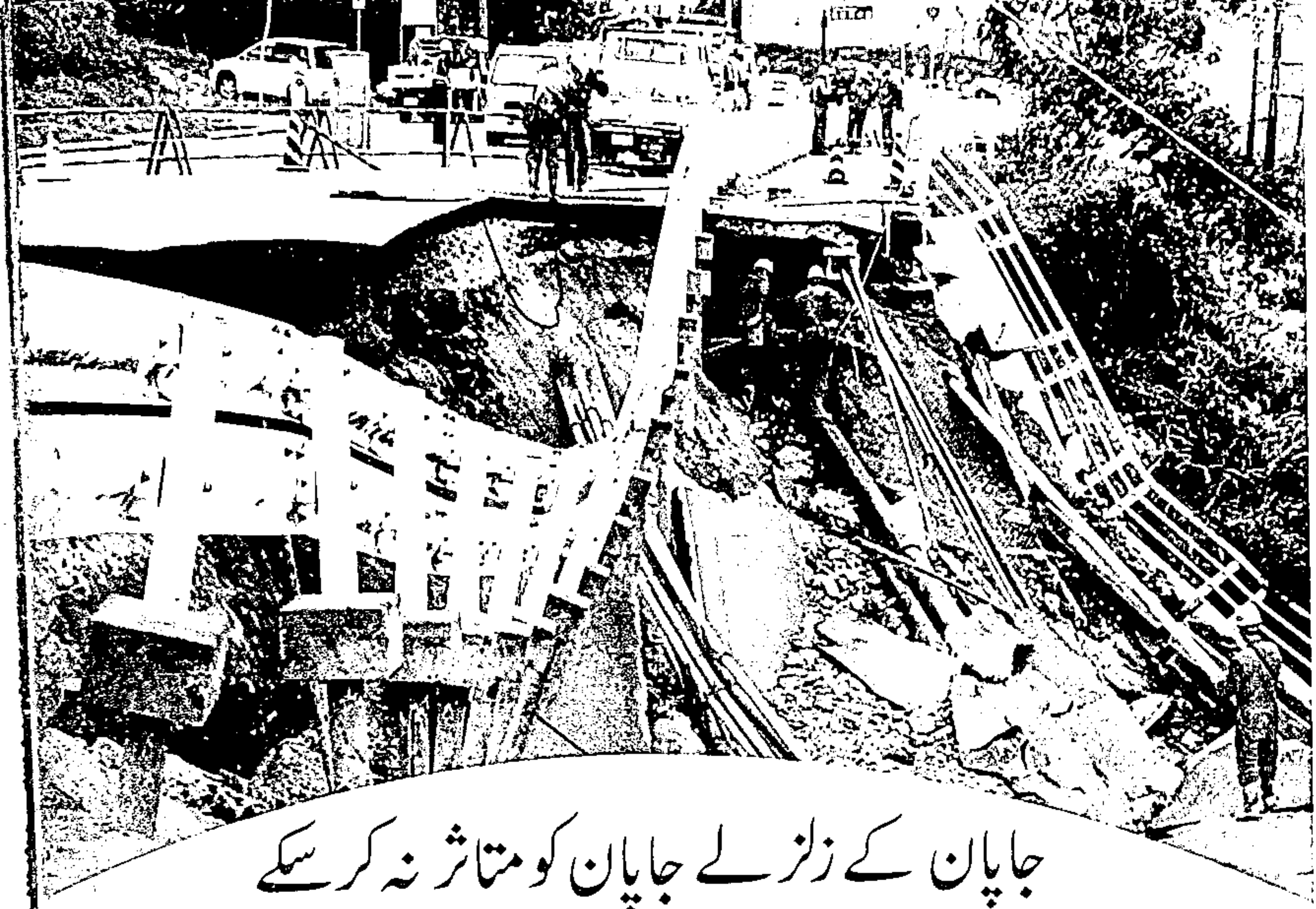
جاپان کے زلزلے جاپان کو متاثر نہ کرسکے

54 1950ء میں جاپان مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔ تمام بڑے شہر جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے تھے۔ ہلاک ہونے والوں میں سب سے بڑی تعداد نوجوانوں کی تھی جو کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی افرادی سرمایہ ہوتے ہیں۔

ان گھمبیر حالات سے نمٹنے کیلئے جاپان کے تمام شعبوں کے اعلیٰ عہدیداروں کا اجلاس بلایا گیا، جس میں اعلیٰ حکومتی عہدیداروں، اہم تجارتی شخصیات، مشہور سماجی کارکن اور قومی تعلیمی و تربیتی اداروں کے رہنما سر جوڑ کر بیٹھ گئے تاکہ کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کر لیں جو قومی وحدت کی جڑوں کو مضبوط کرے اور ان کے وطن کی عزت اور اقتصادی رونقوں کو بحال کر دے۔

بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے دس سال کی پالیسی تیار کر لی۔ جس میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ 1960ء تک انہیں پوری دنیا میں کپڑا بنانے والے اور ایکسپورٹ کرنے والے ممالک سے آگے نکل کر پہلے نمبر پر آنا ہے اور انہوں نے یہ ہدف پورا کر دکھایا۔

1960ء میں اپنے پہلے ہدف میں کامیابی کے بعد وہ دوبارہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ اس دہائی میں ہمارا ہدف کیا ہوگا؟ طویل مشاورت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ہمیں پوری دنیا میں فولاد کے بنانے والے ملکوں میں پہلے نمبر پر آنا ہے! عجیب بات یہ کہ اس وقت ان کے لیے یہ ہدف ناممکن کا درجہ رکھتا تھا!

اس لیے کہ جاپان میں قدرتی و زمینی معدنیات سرے سے پائی ہی نہیں جاتی تھیں، نہ کوئلہ، نہ پیٹرول نہ لوہا وغیرہ۔ انہیں سب خام مال ہزاروں میل دور کی مسافت سے اپنی سرزمین پر لانا تھا، فولاد بنانے کے کارخانے تعمیر کرنے تھے، پھر اعلیٰ درجہ کا فولاد تیار کرکے اور دوبارہ ہزاروں میل دور برآمد کرنا تھا، پھر اتنی محنت کے بعد بھی اسے مارکیٹ ویلیو اور بازاری نرخ ہی پر فروخت کرنا تھا۔ یہ خواب حقیقتاً ناقابلِ تعبیر تھا۔

لیکن انہوں نے اپنے وسائل کی کمی کو اپنے کام اور محنت کی زیادتی سے پورا کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر انہوں نے یہ ہدف بھی پورا کرلیا۔

1970ء میں انہوں نے تیسرا اجلاس منعقد کیا، اب پھر کسی نئے ہدف کی تلاش تھی۔ طے یہ پایا کہ ہمیں گاڑیوں کی صنعت میں سب سے آگے نکلنا ہے اور پھر انہوں نے ایسا کر دکھایا۔

1980ء کی دہائی میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں الیکٹرونک اور کمپیوٹر کے آلات اور مشینری کی صنعت میں پوری دنیا پر چھا جانا ہے اور ایسا ہی ہوا۔

اگر جاپانی قوم کی ان کامیابیوں کے راز کو کھولا جائے تو یہی بات سامنے آئے گی کہ انہوں نے خوب سوچ کر اپنے قلیل المیعاد ہدف مقرر کیے، ان کے تمام مراحل کی واضح پلاننگ کی اور پھر درست طریقہ کار اور مسلسل محنت سے اسے انجام تک پہنچانے میں لگ گئے۔

لہٰذا کامیابی کے حصول کے لیے آپ کی زندگی کے بھی ہدف مقرر ہونے چاہئیں جن کو وجود میں لانے کے لیے آپ کے عزائم مضبوط اور طریقہ کار درست ہو۔ بس پھر کامیابی آپ کی دہلیز کو بوسہ دے رہی ہوگی۔

جو کل خدا تھا وہ آج بھی ہے
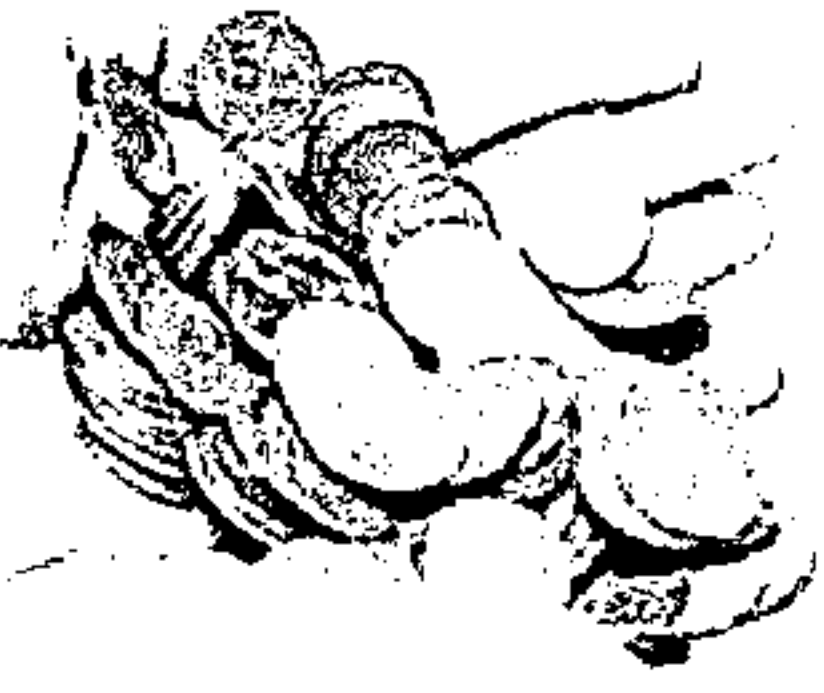
55 ایک بادشاہ نے کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے ایک وزیر کو ملک بدر کرنے کا فیصلہ سنا دیا، اس فیصلہ سے وزیر بہت غمگین ہوگیا۔ راہ چلتے اس نے ایک بدوی کو کچھ اشعار پڑھتے سنا جن کا ترجمہ یہ ہے:

1 اپنے رب کے ساتھ اچھا گمان رکھ کہ وہ گزشتہ خوبصورت کل کو بحسن خوبی لوٹا دے گا اور تیری بدحالی کو خوش حالی سے بدل دے گا۔

2 جو پروردگار تیری کل کی مصیبتوں میں مددگار تھا وہ تیری آئندہ کل کی پریشانیوں کی بھی کفایت کر جائے گا۔

وزیر کی ساری پریشانی کافور ہوگئی اور اس نے بدوی کو دس ہزار درہم سے نوازا۔

70000 ہزار تجربات کے بعد کامیابی ملی

56 ایک نوجوان کی نوکری چھوٹ گئی اس نے نوکری کے حصول کے لیے پوری دنیا کی کمپنیوں کو تقریباً دو ہزار درخواستیں بذریعہ ای میل بھیجیں لیکن کہیں بھی اس کی درخواست قبول نہ ہوئی اور بہت سی کمپنیوں کی جانب سے اسے درخواست مسترد ہونے کی ای میل بھی بھیجی گئیں۔ وہ مایوس نہیں ہوا اس نے دوبارہ ہزاروں درخواستیں کمپنیوں کے ای میل ایڈریس پر بھیجیں۔ کمپنیوں کی طرف سے جواب نہیں آیا البتہ ای میل بھیجنے کے لیے وہ جن ویب سائٹس کو استعمال کر رہا تھا ان میں سے ایک ویب سائٹ کی طرف سے اسے یہ پیغام موصول ہوا کہ آپ ہماری ویب سائٹ جوائن کرلیں۔ اس پیغام کا آخری جملہ یہ تھا:

اِنّ طَرِیْقَةَ فِیْ الالْتِزَامِ والِاصْرَارِ هِیَ الطَّرِیْقَةُ التِیْ مِنَ الْمُمْکِنِ أَنْ تَکُوْن سَبَبَ نِجَاحِهٖ فِشَیْ مَصْلِحَة البَرِیْدِ"

''آپ کے مسلسل اصرار اور کوشش ہی ہمارے نزدیک ایسی چیز ہے جو آپ کو ہماری ویب سائٹ کے ایک کامیاب فرد میں تبدیل کرسکتی ہے۔
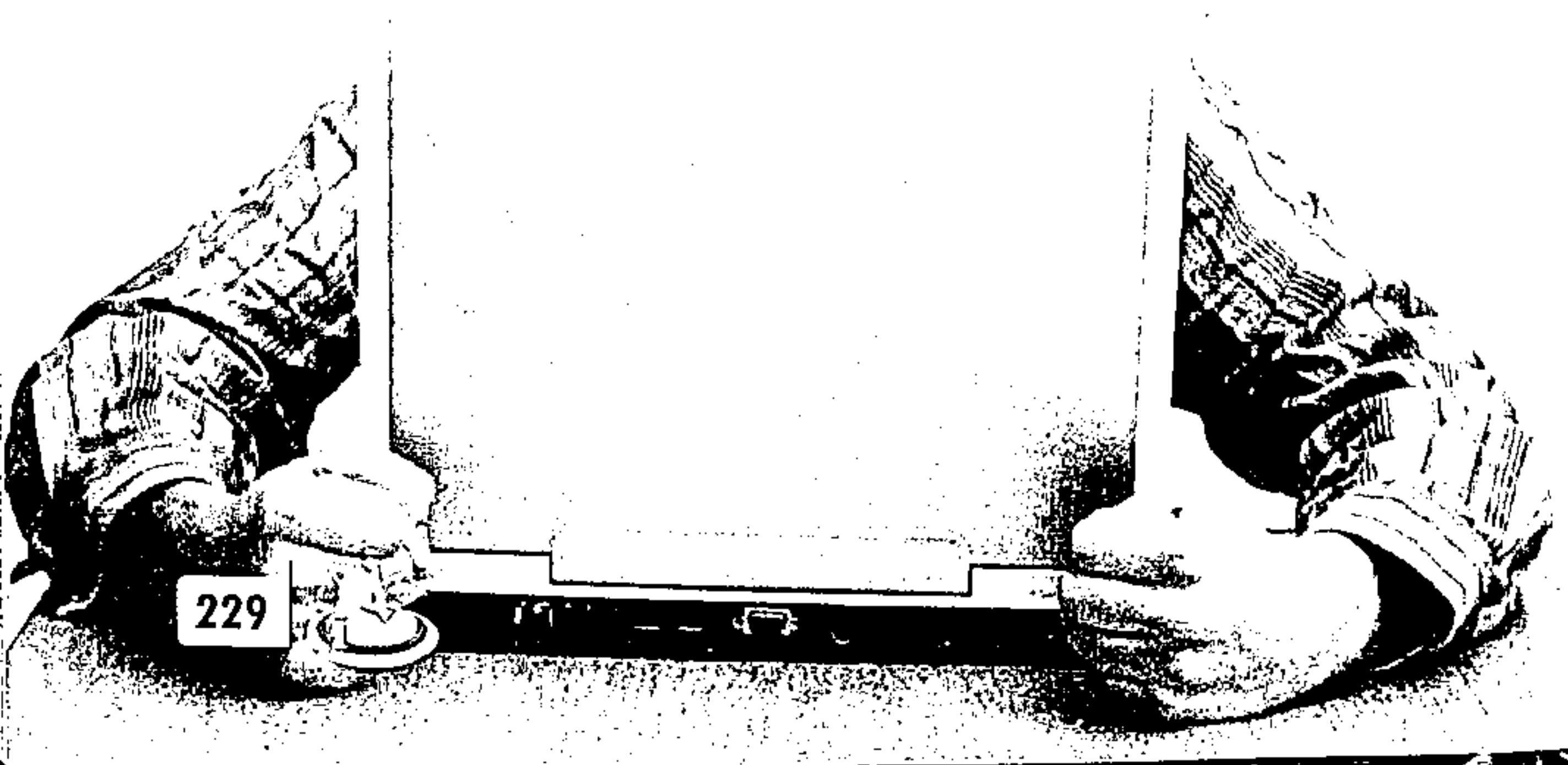
ناکامی کو کامیابی سے بدلنے والا نوجوان

57 ''وارنز براؤن'' ایک جرمن سائنس دان جو اس بات کو سمجھ گیا تھا کہ غلطیاں انسان کے سیکھنے کا ایک فطری نظام ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران ''وارنز'' نے ایک میزائل ڈیزائن کیا۔ جرمنی کا ہدف دراصل لندن تھا، لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ اس کے پاس ایسے ہتھیار ہوں جن کی بنیاد پر وہ ضرورت پڑنے پر لندن کو تہس نہس کر دے۔ لیکن میزائل فائر کرنے کا تجربہ ناکام ہوگیا۔ ''وارنز'' کو مزید تجربات کا کہا گیا۔

کچھ عرصہ بعد جرمنی کی حکومت نے تنگ آ کر وارنز کو اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے طلب کیا، کیونکہ اس کے ناکام تجربات کی تعداد 65121 ہوگئی تھی اور اس سے دریافت کیا کہ کامیابی کے حصول کے لیے اس کے مزید کتنے تجربات ناکام ہوں گے؟ اس نے جواب دیا:

رُبَّمَا سَأَقَعُ فِيْ 500 خَطَأً آخَرَ وَبَعْدَهَا قَدْ أَنْجَحُ فِي تَصْنِيْعِهِ

''ممکن ہے کہ پانچ سو تجربات مزید ناکام ہوجائیں لیکن امید ہے کہ اس کے بعد میں اس کو بنانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔''

دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی جرمنی نے اپنے دشمنوں کے خلاف اپنے مخصوص اہداف پر میزائل فائر کیے۔ اس زمانہ میں صرف جرمنی وہ واحد ملک تھا جو میزائل ٹیکنالوجی کا مالک تھا۔ کیونکہ اس کا سائنس دان ''وارنز'' 70 ہزار تجربات کی ناکامی کے بعد بالآخر کامیاب تجربہ پر قادر ہوگیا تھا۔ عظیم انسان اسی طرح اپنے عزم کو جوان رکھتے ہیں اور غلطیاں جتنی بھی ہوں ان کی پروا نہیں کرتے، کیونکہ غلطیوں کی کثرت ناکامی نہیں، بلکہ ان غلطیوں کے بعد ہمت ہار جانا اور مقصد سے ناامید ہوجانا ناکامی ہے۔

نیسلے کافی (دودھ پیتے بچے کی ہلاکت نے سوچ کا رُخ بدل دیا)

58 وہ نہایت بے چارگی و بے بسی کے عالم میں اپنے پڑوسی کے دودھ پیتے بچے کو ماں کا دودھ نہ لینے کی وجہ سے موت کے منہ میں جاتا دیکھ رہا تھا، بچے کو تڑپتا دیکھ کر ہر انسان کا دل دہل جاتا تھا۔ کئی دن وہ اس قصہ کی وجہ سے غمگین رہا، اس دن کے بعد سے اس کی زندگی کا رخ ہی تبدیل ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اس نے دنیا کا غذائی اسلوب ہی بدل دیا، اور پوری دنیا میں بسنے والے لاکھوں بچوں کو نئی زندگی دی۔

''ہنری نیسٹل'' 1814ء میں پیدا ہوا، اس کے بچپن کے حالات کے بارے میں تاریخ خاموش ہے، اپنی عمر کے انتیس ویں سال میں اس نے ایک چھوٹا سا کارخانہ قائم کیا تھا لیکن اپنی ماں کے دودھ سے محروم ہوجانے کی وجہ سے مرنے والے بچوں کا خیال اس کے دل و دماغ سے محو نہیں ہوا تھا، یہ کارخانہ اس کی عالمی تجارت کی پہلی اینٹ تھی۔
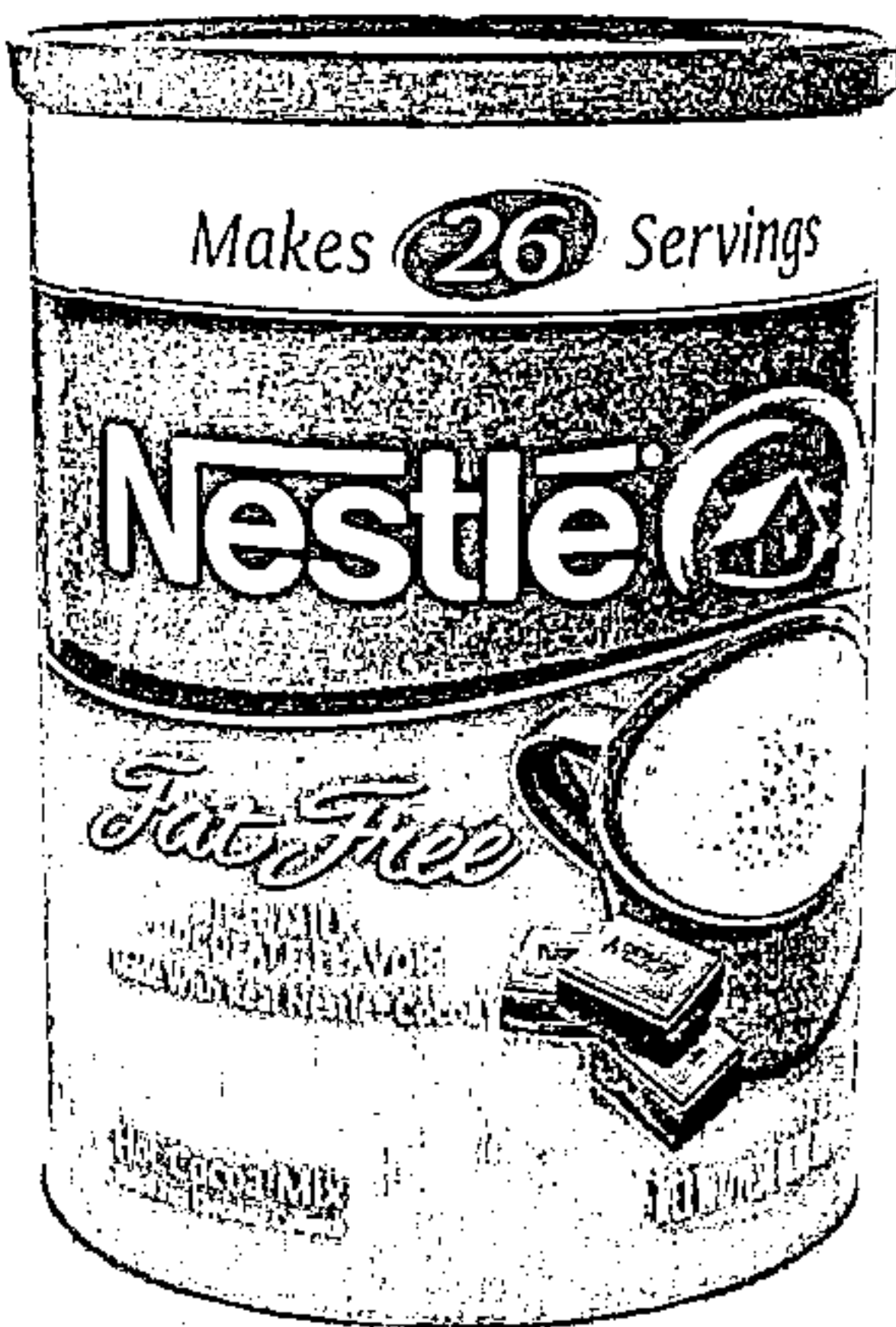
24 سال بعد اس کی ایک کوشش بار آور ثابت ہوئی اور وہ گائے کے دودھ کو خشک کرکے اس میں گندم کے آٹے کو ملانے میں کامیاب ہوگیا، اور اس خشک دودھ کے ذریعہ اس نے ایک ایسے بچے کی زندگی بچا لی جس کی پیدائش وقت سے پہلے ہوگئی تھی اور جان کنی کے عالم میں تھا، ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے تھے۔ ''ہنری'' کی اس کامیابی نے اس کو بہت مشہور کر دیا۔

دودھ کے پاؤڈر کی بڑے پیمانے پر مانگ پیدا ہوگئی اور اس کا کارخانہ 24 گھنٹے
اس کی پیداوار میں لگ گیا۔ طویل عرصہ کی محنت کے بعد وہ ایک بہت بڑا کارخانہ بنانے
میں کامیاب ہوگیا جس کا مونو گرام پرندے کا گھونسلہ تھا۔ ''ہنری'' کی کمپنی دنیا کی پہلی وہ
کمپنی تھی جو خشک پاؤڈر بڑے پیمانے پر فروخت کرتی تھی اسی طرح ''نیس کافی'' جسے
ہم سب بخوبی جانتے ہیں اسی کمپنی کی ایجاد ہے، اسی طرح سب سے پہلے ''کول کافی'' کو
بھی دنیا میں اسی نے متعارف کروایا اور بے شمار غذائی اشیاء کی داغ بیل ڈالی، جن کا بعد
کی دنیا میں بہت گہرا اثر پڑا، دیگر کمپنیوں کے ساتھ اشتراک کے بعد آج اس کی
مصنوعات کروڑوں کی تعداد میں روزانہ استعمال کی جاتی ہیں۔

اس قصہ میں ہمارے لیے ایک بہت ہی واضح سبق ہے، سوچ، سوچ اور مسلسل
سوچ..........! آج ہمارے سامنے جتنی بھی ایجادات ہیں بنیادی طور پر سب کے پیچھے
مسلسل سوچ کارفرما ہے۔ جب آپ خوب سوچ سمجھ لیں اور بہترین پلاننگ کرلیں تو
دوسرا اہم قدم اپنی اس سوچ کو کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے۔

NESCAFE

ناکام طالب علم ...... امام الحرمین کیسے بنا؟

59 لڑکپن کی عمر میں پہنچتے ہی انہیں احادیث نبویہ ﷺ یاد کرنے کا شوق ہوا، انہوں نے خوب محنت کی، بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے، دراصل ان کی یادداشتی صلاحیت اور ذہانت دیگر بچوں کے مقابلہ میں بہت کمزور تھی۔ مایوسی نے ان کے دل میں جگہ بنا لی اور شاید زندگی بھر انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا اگر یہ واقعہ ان کی زندگی میں پیش نہ آتا۔
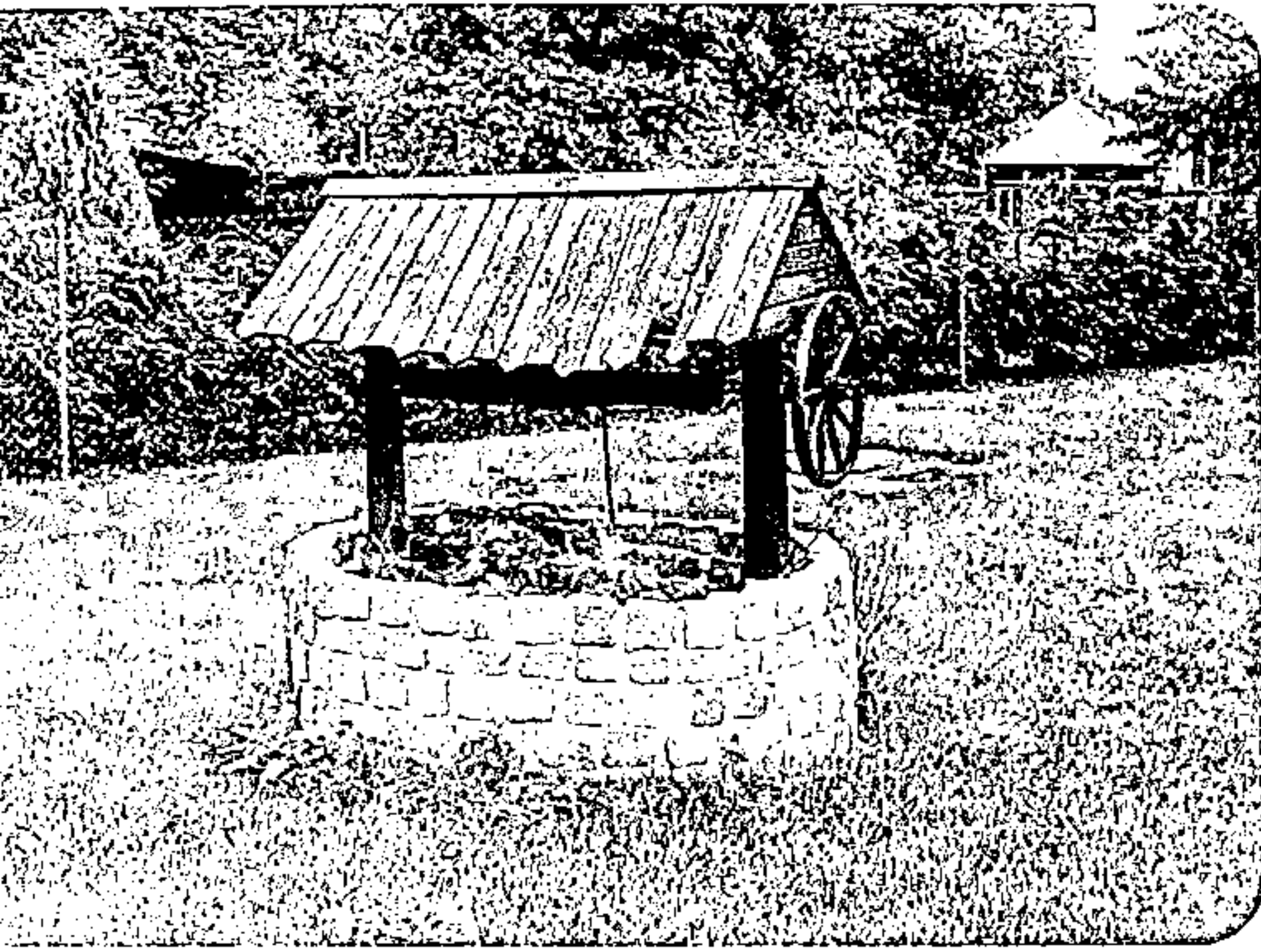
پریشانی کے عالم میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ باغات کی طرف نکل جاتا ہوں شاید کچھ دل بہل جائے، چلتے چلتے وہ باغ کے درمیان کنویں کے کنارے پہنچے، وہ وہیں قریب بیٹھ کر سوچ و بچار کرنے لگے، اس دوران ان کی نظر کنویں کی منڈیر پر پڑی جو بڑی مضبوط قسم کی چٹانی پتھر سے بنائی گئی تھی، لیکن ڈول کی رسی جس جانب سے لٹکائی جاتی تھی وہ حصہ رسی کے بکثرت رگڑ کھانے کی وجہ سے گھس گیا تھا۔

اس منظر کو دیکھ کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے کہ دھاگوں، ریشوں سے بنی ہوئی کمزور رسی نے اپنے سے کئی گنا مضبوط پتھر کو کس طرح متاثر اور کمزور کر دیا؟ تکرار، تکرار اور صرف تکرار! ذہن کے دریچوں سے انہیں یہی جواب ملنے لگا۔ انہوں نے اسی وقت یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ ضرور احادیث حفظ کریں گے اور جب تک پہلی حدیث کو 500 مرتبہ نہ دہرالیں گے اگلی حدیث شروع نہیں کریں گے۔

اپنے اس عہد اور فیصلہ پر وہ نہایت پابندی سے عمل کرتے رہے، ان کی والدہ اپنے بچے کے اس طرح دن رات حدیثوں کو دہرانے اور بے پناہ محنت کرنے سے تشویش میں رہتیں، وقت گزرتا رہا اور وہ مکمل استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنی محنت میں جتے رہے، اور ساتھ میں رو رو کر اللہ سے حافظہ اور ہمت و اخلاص کی دعائیں بھی کرتے رہے۔ چند ہی سال میں وہ ہزاروں احادیث کے حفظ کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی بن گئے تھے، وہ بیس سال کے بھی نہیں ہوئے تھے لیکن ان سے پڑھنے والوں اور مسائل دریافت کرنے والوں کا ایک ہجوم ہوتا تھا۔

انہوں نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں، انہیں شیخ الاسلام اور امام الحرمین کا لقب دیا گیا، علوم کے اس انسائیکلوپیڈیا کا نام ''احمد بن حجر الہیثمی'' تھا۔

ڈاکو مایوسی کو ترک کر کے اللہ والا بن گیا

60 وہ گناہوں میں مست تھا، اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اسے اپنے پسندیدہ بندوں میں شمار کر لیا، لوگوں کو خوفزدہ کر کے لوٹنے والا لٹیرا.......... عبادت گزار متقی اور ان کا رکھوالا بن گیا۔ اس کی توبہ کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے! ایک رات چوری کی نیت سے اس نے ایک گھر کی دیوار پھلانگی، اس کے کانوں میں اس آیت کریمہ کی تلاوت سنائی دی:

الم یان الذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله

"کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے جھک جائیں جو حق اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے (اس کے لیے نرم ہو جائیں۔)"

بس یہ آیت سن کر ان کے دل کی دنیا تبدیل ہوگئی اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

بَلٰی یَارَبِ

"کیوں نہیں میرے پروردگار! وہ وقت آچکا ہے۔"

وہ اپنا ارادہ ترک کر کے واپس پلٹے، راستہ میں ایک بیاباں میں انہوں نے ایک قافلہ والوں کو دیکھا کہ ان میں سے بعض کہہ رہے تھے کہ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے، اور اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے، جبکہ دیگر لوگوں کی رائے تھی کہ ہمیں صبح تک یہیں رہنا چاہیے اور پھر دن کے اجالے میں سفر کرنا چاہیے ورنہ ''فضیل'' ہمیں لوٹ لے گا، فضیل کہتے ہیں کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ میں اللہ کا کس قدر نافرمان ہوں کہ مسلمان بھی مجھ سے خوفزدہ رہتے ہیں اور اللہ نے مجھے یہ سب اسی لیے دکھایا ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلوں اور پھر انہوں نے دل کی گہرائی سے کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَجَعَلْتُ تَوْبَتِیْ مُجَاوَرَةَ الْبَیْتِ

''اے اللہ! میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور میری توبہ یہ ہوگی کہ تیرے گھر کا خادم بن کر باقی زندگی گزاروں گا۔''

اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور موت تک بیت اللہ کے سائے ہی میں زندگی گزار دی۔

کتنی عجیب امید تھی ان کو اللہ کی رحمت سے! اس مغفرت و بخشش کی امید ہی نے ان کو گناہوں کے اندھیروں سے نکال کر فرمانبرداری کے اجالوں میں لا کھڑا کیا۔ لہٰذا گناہوں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو اس ڈاکو کی توبہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے جسے اس کی توبہ نے اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم و فاضل بنا دیا، وہ دنیا کی رنگینیوں سے دامن چھڑا کر رحمت الٰہیہ کی آغوش میں چلا گیا اور اپنی روح کو گناہوں کی گندگی اور میل سے پاک صاف کر لیا۔
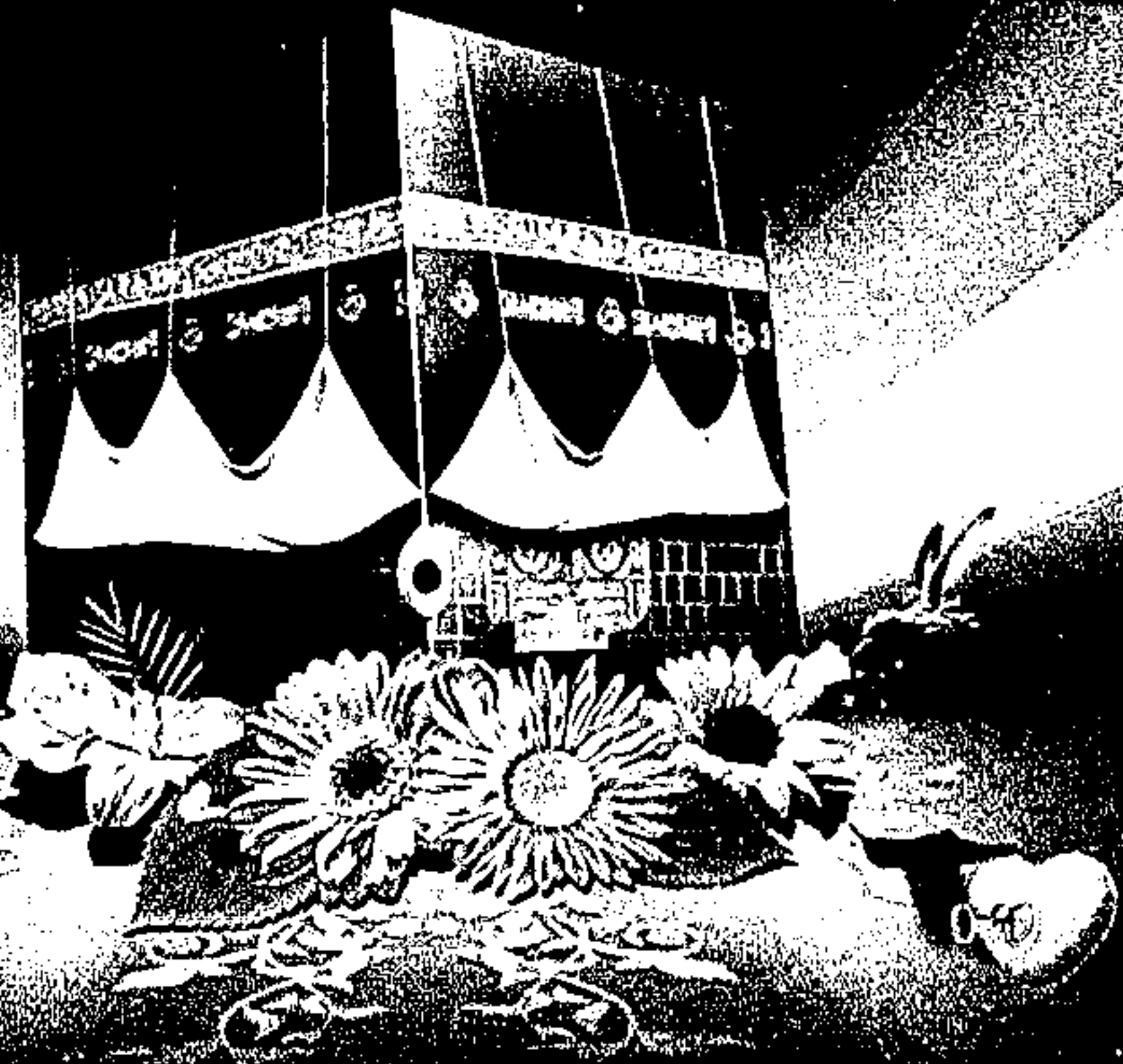
کامیابی کی ابتداء...... کامل رغبت اور شوق

61 ایک خادمہ کو اپنی مالکن کی الماری میں لٹکے ہوئے کپڑوں میں ایک جوڑا بہت پسند آیا، جب اس نے قیمت دریافت کی تو پتہ چلا کہ یہ مشہور ڈیزائنر کی مہنگی ترین بوتیک کا اعلیٰ ترین سوٹ ہے، اگر وہ دس سال کام کی اجرت اور تنخواہ جمع کر لے تب بھی اسے خرید نہیں سکتی۔ لہٰذا اس کا خواب چھوڑ دے۔

لیکن اس نوکرانی نے دل میں ٹھان لی تھی، اس نے اپنے اوپر آرام کو حرام کر دیا، اپنے کام کے وقت کو بڑھا دیا، چائے، فلم بینی وغیرہ جیسی معمولی عیاشی کو بھی ترک کر دیا، دو تین سالوں ہی میں وہ مطلوبہ رقم جمع کر چکی تھی، حالانکہ ان کپڑوں کے پہننے کے لیے وہ کسی اچھی تقریب میں بھی شرکت نہ کرسکتی تھی، کیونکہ وہ تو ایک معمولی خادمہ تھی، لیکن اس نے وہ کپڑے خرید ہی لیے کیونکہ وہ پختہ عزم جو کرچکی تھی۔

لہٰذا محترم قارئین! جب ایک معمولی خادمہ ایک غیر اہم شوق کے لیے اس قدر ہمت کا مظاہرہ کرسکتی ہے تو آپ اپنے اعلیٰ مقاصد کی خاطر بلند ہمتی سے کام کیوں نہیں لے سکتے۔

''نابلین ہل'' اپنی مشہور کتاب میں لکھتا ہے:

''تمام تر مقاصد میں کامیابی کے حصول کا نقطۂ آغاز شوق سے ہوتا ہے۔''

لہٰذا اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ کمزور سا شوق اور کمزور قسم کی رغبت کے نتائج بھی کمزور ہوتے ہیں، جیسا کہ تھوڑی آگ تھوڑی گرمی پیدا کرتی ہے۔ تو اہداف طے کرنے اور خوابوں کو تکمیل تک پہنچانے کی منصوبہ بندی کا پہلا قدم یہ ہوگا کہ آپ ان اہداف کے حصول کی بھرپور رغبت اور کامل شوق رکھتے ہوں اور اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے آپ بے چین ہوں۔
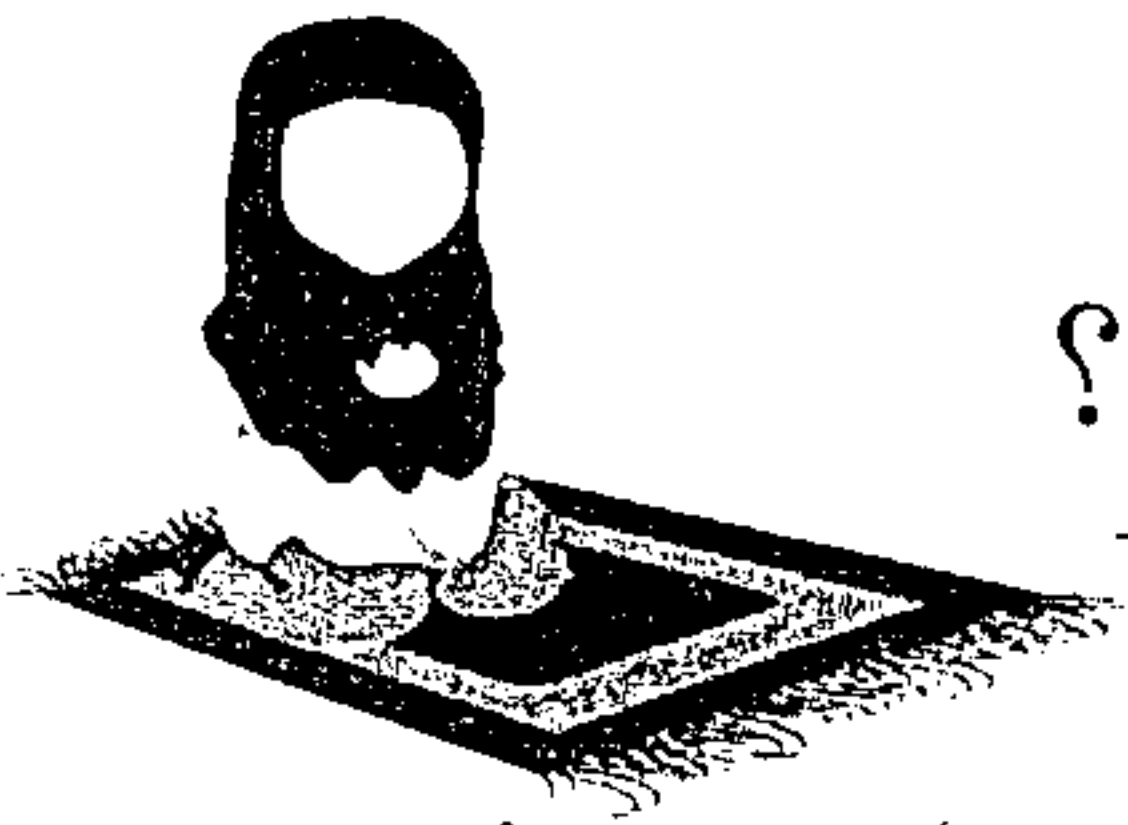
آزمائش اور مشکلات کیوں آتی ہیں؟

62 بعض لوگ آزمائشوں کا مقابلہ کرنا بھی
جانتے ہیں اور وہ باہمت بھی ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کی پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں اس کی وجہ صرف اور صرف گناہوں کی کثرت ہے۔
مسند احمد میں حضور ﷺ کا فرمان ہے:

وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهُ

''آدمی کسی گناہ کرنے کی وجہ سے بھی رزق سے محروم ہوجاتا ہے۔'' (مسند احمد)

مگر اللہ تعالیٰ تو ایک ایک بندے سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ شفقت کرتے ہیں اس لئے وہ اسے اس گناہ سے پاک کرنے اور رزق کو دوبارہ بڑھانے کے لئے تکلیف میں ڈال کر پاک کر دیتے ہیں یا پھر خود ہی آدمی استغفار کرے اور معافی مانگ لے۔

فائدہ: احقر ایک کتاب لکھ رہا ہے جس کا موضوع ہے ''گناہوں کی نحوست سے بندہ پریشانیوں کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے، احقر نے اس کتاب کا نام گناہ اور پریشانیاں رکھا گیا ہے اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سے لوگوں کو فالج اس لیے ہوا کہ انہوں نے جوانی میں کسی پر ظلم کیا تھا۔

2 ایک شخص ہیجڑے (مخنث) کو چھیڑتا تھا، کار ایکسیڈنٹ کے حادثے کی وجہ سے وہ مردانہ صلاحیت سے محروم ہوگیا۔

3 ایک شخص نے بچی کو اتنا مارا کہ وہ بہری ہوگئی اللہ کی قدرت اس کی تینوں اولاد بہری پیدا ہوئی۔

4 ایک شخص سودی کام کرتا تھا زندگی بھر کروڑوں روپوں کے باوجود اسے سکون نہ ملا یہ سب گناہوں کی نحوست ہے کیونکہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اربوں فرشتے حتیٰ کہ چونٹیاں تک اس پر لعنت کرتی ہیں کہ تو کھاتا تو مالک (اللہ) کا ہے، مگر اسی کو ناراض کرتا ہے لہٰذا یاد رکھئے اللہ کی نافرمانی انسان کو پریشانیوں اور مشکلات میں مبتلا کر دیتی ہے اور نیکیاں اور صدقہ کرنا غریبوں کی مدد کرنا، توبہ کرنا یہ پریشانیوں سے نکالنے والے کام ہیں۔

سات سال تک اولاد نہ ہوئی مگر مایوس نہ ہوئے!

63 جب ایک نوجوان کا رشتہ آیا تو ثمینہ نے قبول کرلیا کیونکہ وہ اس نوجوان کو بچپن سے جانتی تھی۔ ان کی شادی کی ابتدائی ماہ تو بہت خوش گوار گزرے، پھر اختلافات پیدا ہوگئے اور یہ اختلافات معمولی باتوں پر ہوتا مگر شدت اختیار کر جاتا جس کے حل کے لئے دونوں خاندان کے سرکردہ افراد کو مداخلت کرنا پڑی۔ دو برس گزر گئے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی جبکہ دونوں کے تمام ٹیسٹ اور میڈیکل رپورٹس واضح کر رہی تھیں کہ دونوں بالکل نارمل ہیں اور کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے۔ مگر ابھی تک ان کی اولاد نہ ہونا بہت حیران کن بات تھی۔
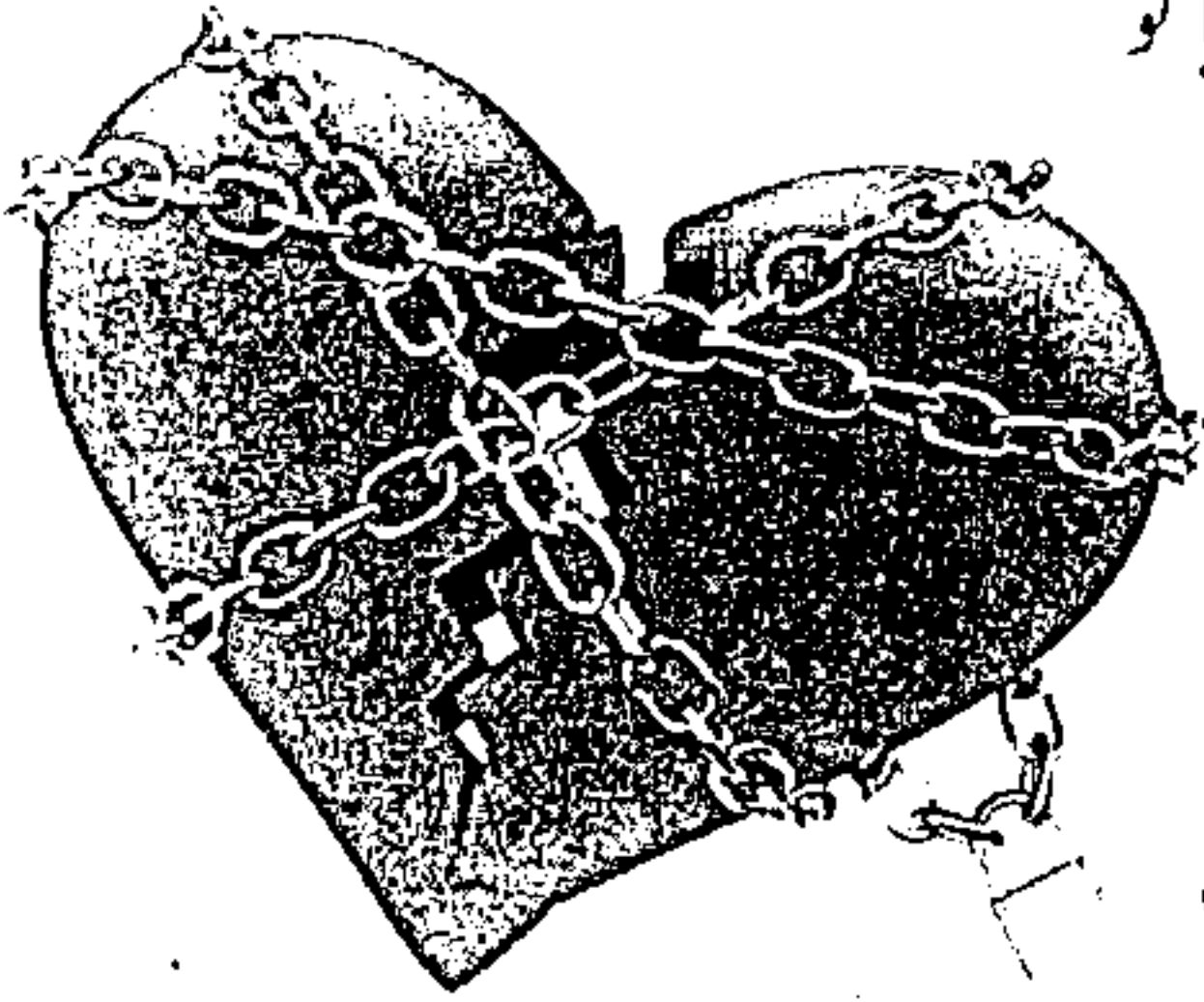
مگر اس کے ساتھ ان کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں نے طول کھینچ لیا۔ یہ اختلافات بالکل معمولی قسم کے ہوتے اور جلد ہی راضی ہوجاتے مگر اگلے ہی گھنٹے ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہوجاتا جس نے ان دونوں کی باہمی زندگی کٹھن اور اجیرن کر دی اور ان دونوں کے دلوں میں کافی حد تک نفرت پیدا ہوگئی۔

بالآخر اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں کے خاندان اس نتیجے پر پہنچے کہ اب حالات کی اصلاح ناممکن ہے اس لئے اس کا واحد اور آخری حل طلاق ہی ہے۔ اور طلاق ہوگئی۔

اس نوجوان کو متعدد لڑکیوں کی رشتوں کی پیش کش ہوئی ابتداء میں حامی بھر لیتا مگر آخری لمحے سابقہ ناکام شادی کا انجام یاد آتا اور کانپ جاتا اور انکار کر دیتا۔ دوسری جانب ثمینہ کے بھی کئی رشتے آئے مگر وہ بھی سابقہ شادی کے ناکام انجام سے ڈری اور سہمی ہوئی تھی اور وہ ایک مزید ناکام شادی کا تجربہ نہیں دہرانا چاہتی تھی۔

غرضیکہ سات سال کا عرصہ گزر گیا مگر دونوں میں سے کوئی بھی شادی کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ اس دوران بعض فتنہ پرور اور حاسد لوگوں نے ان میں مزید اختلافات اور فساد بھڑکانے کی خوب کوشش کی مگر دونوں نے کسی کی بھی بات پر کان نہ دھرے۔

سات سال کا طویل عرصہ دونوں کی بغیر شادی کے گزرنے کے بعد ان کے خاندان کے کچھ لوگوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے کو قبول کرنے کا مشورہ دیا کہ شاید انہوں نے تجربہ سے کچھ سیکھ لیا ہو مگر نہ صرف دونوں ڈرے اور سہمے ہوئے تھے ان کے خاندان کے افراد بھی ان جانے خوف میں مبتلا تھے۔ آخرکار دونوں راضی ہوگئے مگر اس دفعہ شادی ہوتے ہی دونوں نے ایک دوسرے کو برداشت کرنا سیکھ لیا جب ایک لڑتا تو دوسرا نرم پڑ جاتا اور دوسرا فریق بھی ایسا ہی کرتا اور اپنے اختلافات پر مل بیٹھ کر بات چیت کے ذریعے اسے حل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ جس سے ان کے اختلافات اور لڑائیوں میں بتدریج کمی آتی گئی لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ صرف نو ماہ بعد ان کے ہاں بچے کی ولادت بھی ہوگئی۔ یہ ان کے لئے حیران معاملہ تھا۔ وہ حیران تھے کہ اس بار تو ابھی تک کوئی علاج بھی نہیں کروایا۔

ایک طبیب اور حکیم نے انہیں یہ کہہ کر مزید حیران کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا عجیب نظام کارفرما ہے بعض اوقات اگر کسی خاوند اور بیوی میں نفسیاتی ہم آہنگی کی شدید کمی ہو جس کی شدت اتنی زیادہ ہو کہ کسی بھی وقت علیحدگی ہو سکتی ہو اس سے بھی حمل قرار پانے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی زبردست حکمت ہے۔ جو ہر آدمی کو سمجھ آ سکتی ہے۔ سبحان اللہ!

اس کے بعد پھر ان کے سات بیٹے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جب دونوں کی عمر پچاس برس ہوئی تو ان کی پہلی بڑی بیٹی کی شادی ہوئی اس موقع پر ان دونوں ماں باپ نے اپنی بیٹی کو بھی صبر اور حوصلہ کا سبق دیا اور انہیں اپنا تجربہ سنایا اور اس پر خوب ہنسے کہ کس طرح ایک ناممکن کام ممکن ہوا اور پریشانیاں ختم ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اللهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں پر غالب ہیں لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔'' (سورہ یوسف آیت 21)
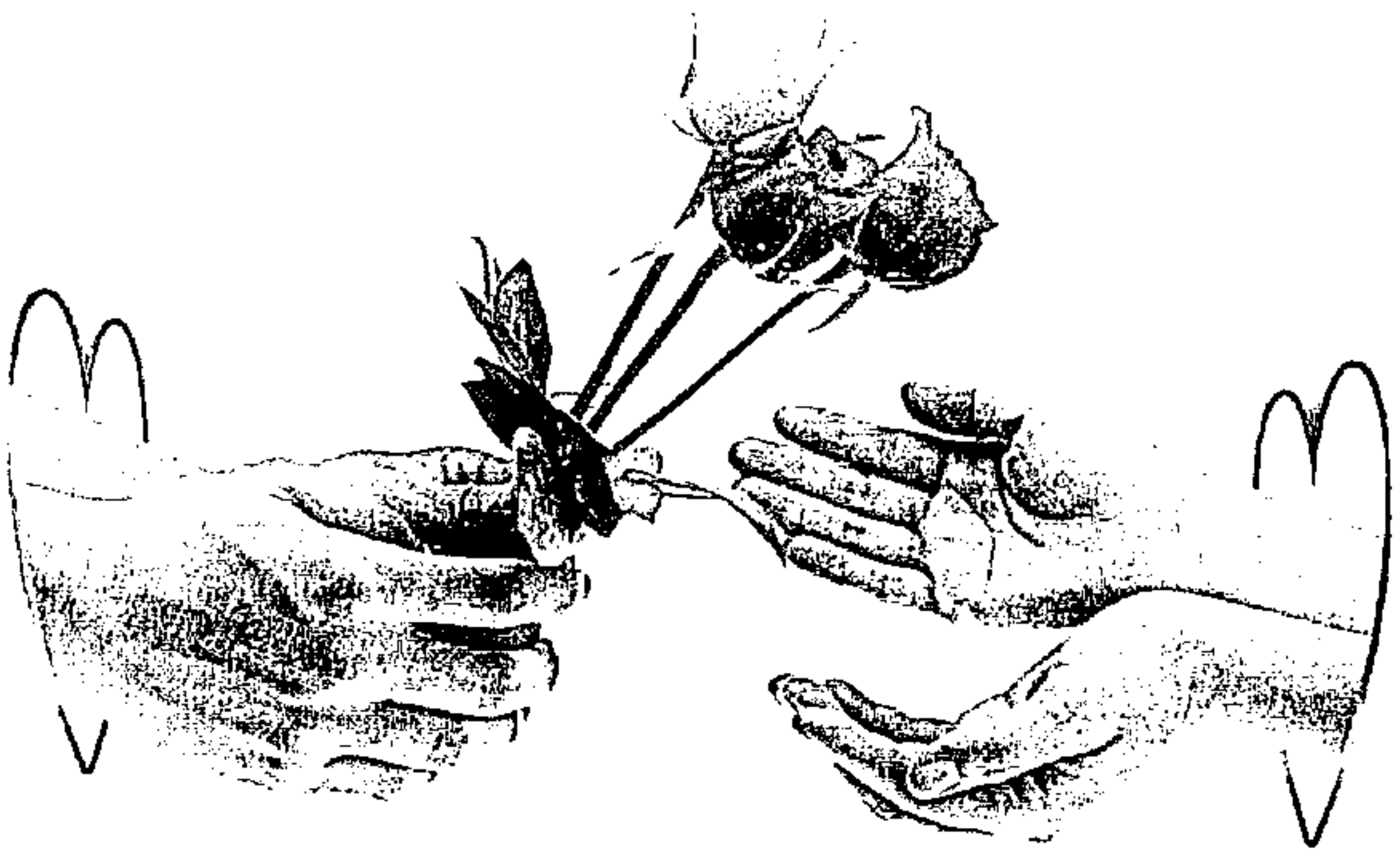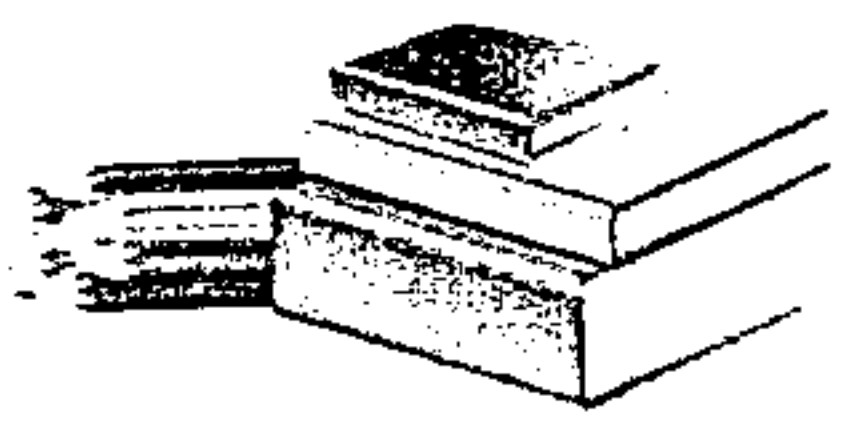
نظر کی کمزوری علمی سفر میں رکاوٹ نہ ہوسکی

64 سعودی عرب کے شہر قصیم کے ایک خاندان میں ایک لڑکا تھا جو نہ صرف نظر کی کمزوری کا شکار تھا بلکہ چیچک کے مرض نے اس کے چہرے کا حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا جس کی وجہ سے ابتداء عمر سے ہی وہ گھر والوں کی جانب سے لاپروائی اور غفلت کا شکار تھا۔ یہ ایک غریب خاندان کا بچہ تھا جس کے سارے بھائی دن بھر کھیتوں میں کام کرتے تھے اور یہ بچہ ان کے ساتھ جانے کی کوشش کرتا تھا مگر کمزور نظر کی وجہ سے چل نہ پاتا، راستہ میں ٹھوکریں کھا کر بار بار گرنے سے چہرہ اور جسم بھی خون آلود کر بیٹھتا مگر جلد ہی اٹھتا تاکہ بھائیوں سے پیچھے نہ رہ جائے مگر نظر کی کمزوری کی وجہ سے پھر کسی درخت سے ٹکرا جاتا یا کسی گڑھے کی وجہ سے ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گر جاتا اب تو بھائی بھی اس کو چڑانے لگے تھے اور اسے ''اندھا'' کا لقب دے دیا۔

اگر کبھی پیچھے رہ جاتا یا غائب ہوجاتا تو گھر والوں کو اس کی کوئی پروا اور فکر ہی نہ ہوتی تھی بلکہ والدین کی غیر موجودگی میں اس کے بھائی اسے کھلونا بنا دیتے اسے ادھر ادھر بھیجتے اسے ٹکر لگتی یا وہ گر جاتا تو اس کے بھائی ہنستے اور تالیاں بجاتے تھے مگر یہ لڑکا ذہین بہت تھا جو بات سنتا وہ اسے یاد ہوجاتی تھی۔ اس کا والد بہت غریب آدمی تھا اب تو اسے یہ لڑکا بوجھ محسوس ہونے لگا۔

ایک دن اس لڑکے کے والد کا ایک دوست کافی سال بعد اس سے ملنے آیا جس کے سامنے اس نے اپنے بیٹے کے حالات اور اپنی پریشانی بیان کی کہ یہ تو خود کوئی کام کرنے کے قابل نہیں بلکہ گھر والے بھی اس کی وجہ سے کام سے رہ جاتے ہیں اور انہیں اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس پر اس کے دوست نے مشورہ دیا کہ آپ اسے ریاض (سعودی دارالحکومت) بھیج دیں وہاں ابن السعود لنگر سے مفت کھانا ملتا رہے گا اور وہاں شاید کوئی اس کی کفالت کا انتظام بھی کر دے۔
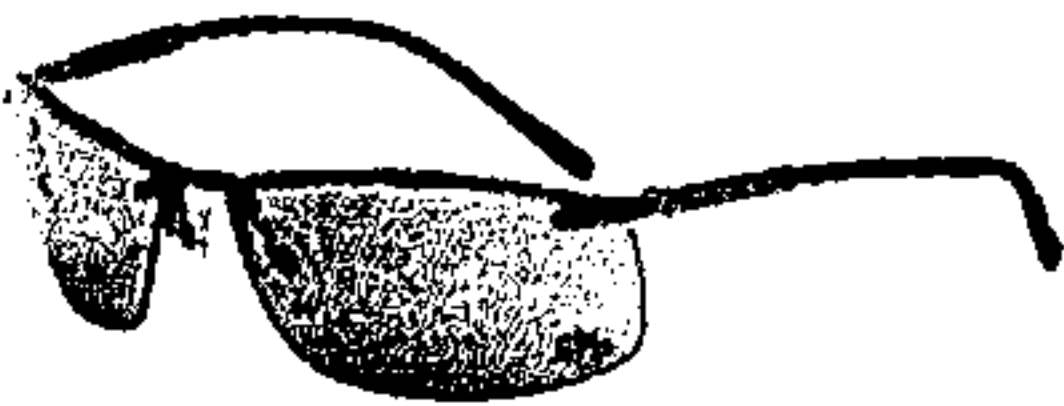
اس لڑکے کے والد کو یہ تجویز بہت پسند آئی اب وہ اسے گھر سے نکالنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا انہی دنوں میں ایک اونٹ بردار آنکلا جو ریاض جانا چاہتا تھا اس سے اس نے درخواست کی کہ اپنے ساتھ میرے بیٹے کو بھی ریاض لے جائیں میں آپ کو اس کی اجرت بھی دیتا ہوں آپ اسے وہاں لنگر اور مسجد بتا دینا اور مناسب ہدایات کر دینا۔

یہی لڑکا خود بیان کرتا ہے کہ مجھے میرے والد نے بلایا اور کہا کہ ریاض میں بڑے تعلیمی مواقع اور متعدد لنگر ہیں جہاں سے مفت کھانا ملتا ہے اس کے علاوہ وہاں کئی سرائے بھی ہیں جہاں لوگ رات کو قیام کرتے ہیں اور وہاں اور بھی بہت سی سہولتیں ہیں اس لئے میں تمہیں ریاض بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر تو میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگ گیا کہ میں تو اندھا ہوں وہاں میری کون دیکھ بھال کرے گا اور میں اپنے گھر سے باہر اور ماں کے بغیر کیسے رہ پاؤں گا اور پھر مزید یہ کہ وہ علاقہ بھی میرے لئے اجنبی ہے میرا وہاں کوئی بھی واقف نہیں۔

میں تو اپنے گھر والوں پر بوجھ ہوں غیر لوگ نہ معلوم کیا سلوک کریں گے میں وہاں نہیں جاؤں گا مگر باپ نے اب آنکھیں بدل لیں اور مجھے سختی سے ڈانٹ دیا اور میرا سامان تیار کر کے میرے حوالے کیا اور کہنے لگا چل اللہ کا نام لے کر نکل جا ورنہ میں ایسی پٹائی کروں گا تو مدتوں یاد رکھے گا۔

میں تو چیخیں مار مار کر رونے لگا مگر کیا کرتا تمام بھائی میرا تماشہ دیکھ رہے تھے اونٹ بردار اٹھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر لے جانے لگا اس وقت میرے دل پر کیا بیتی اسے میرا خدا اور میں ہی خوب جانتے ہیں۔ میں روتے روتے اس کے ساتھ چل پڑا اس آدمی نے مجھے اونٹ کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم دیا اور اونٹ سے ایک لکڑی باندھ کر مجھے پکڑا دی تاکہ اس کو پکڑے رکھوں اور چلتا رہوں۔ یہ نو دن سفر کے انتہائی دکھ اور صدمے سے گزارے بار بار گھر کی یاد ستاتی تھی۔ ریاض پہنچ کر اس اونٹ بردار نے ابن سعود لنگر، ایک مسجد اور ایک سرائے بتا دی اور مجھے کچھ ہدایات دے کر بے یارو مددگار چھوڑ کر چلا گیا۔

میں وہاں روتے ہوئے دن گزارنے لگا اور یہ سوچنے لگا کہ ایک انجان علاقے میں ناواقف لوگوں میں ایک اندھا کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ اگر میری نظر ٹھیک ہوتی تو میں کب کا صحراء کی طرف بھاگ نکلا ہوتا آگے جو ہوتا دیکھا جاتا۔ مگر اب تو مسجد میں پڑا رہنے لگا کچھ لوگوں نے مجھے مسلسل وہاں پڑا دیکھا تو وہاں کے ایک عالم کے پاس لے گئے جنہوں نے مجھ سے میرا احوال پوچھا تو میں نے انہیں سب کچھ کہہ سنایا اس پر وہ عالم بولے فکر نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی انعام دینا چاہتے ہوں اور مجھے اپنے پاس بلا کر کہا کہ تم میرے بیٹے کی طرح ہو فکر مت کرنا ہم تمہیں ایک رہائشی تعلیمی ادارے میں داخل کروا دیں گے جہاں تمہیں کھانا، رہائش اور تعلیم سب کچھ ملے گا اور تمہارے ساتھی تمہارے بھائی بن کر رہیں گے۔
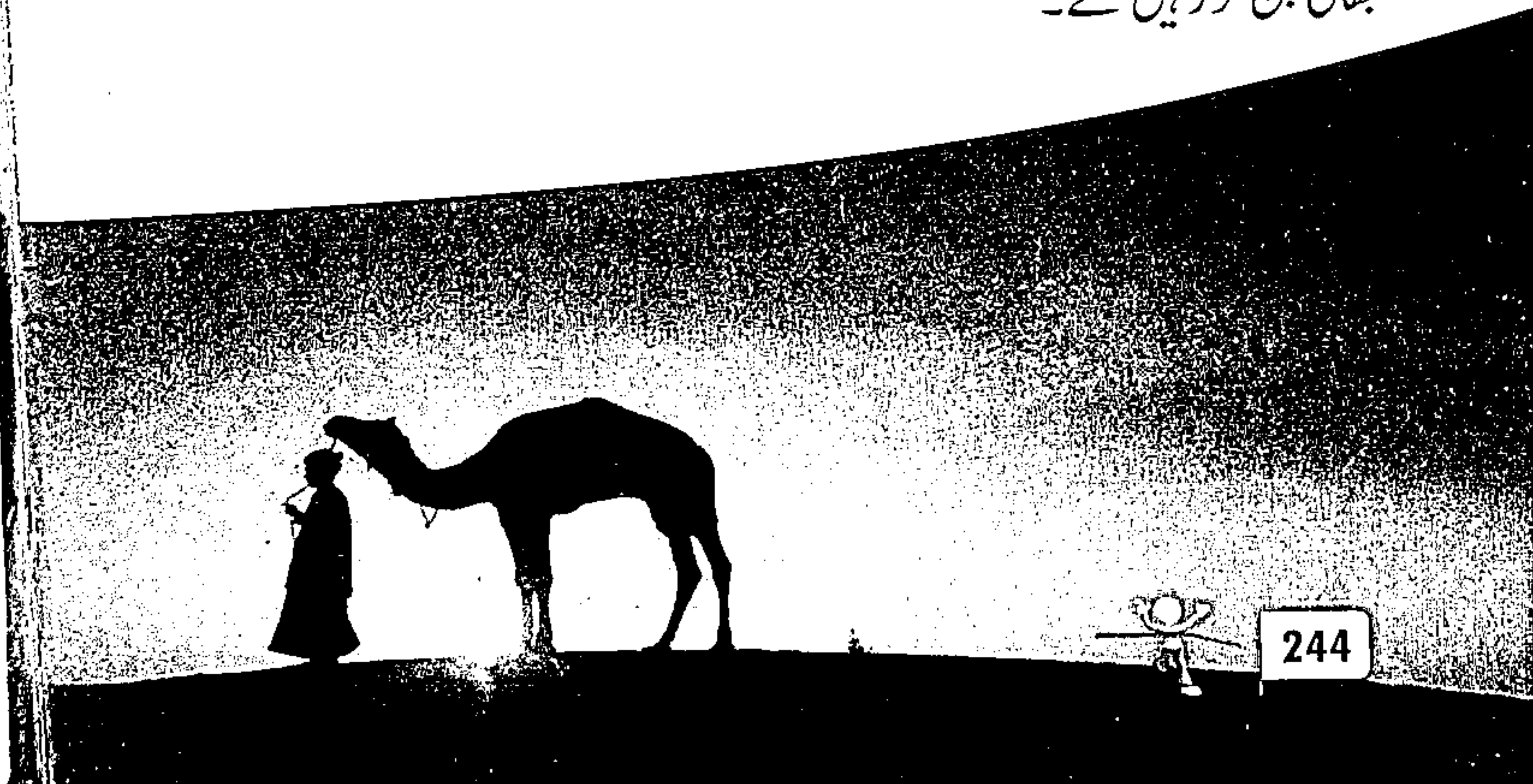
میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں بتایا کہ میں پڑھنا نہیں چاہتا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے میرے گھر بھیجنے کا انتظام کریں اس پر وہ عالم بولے کہ کچھ عرصہ یہاں ٹھہر جاؤ اور دیکھ لو اگر تمہیں پسند آئے تو یہاں بھی ٹھہر جانا ورنہ تمہیں تمہارے گھر بھیج دیں گے۔ پھر اس عالم نے ایک طالب علم کو بلا کر کہا کہ اس لڑکے کو فلاں فلاں طلبہ کے حوالے کر کے آجاؤ۔ غرض یہ کہ وہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر لے گیا اور دو اور کے حوالے کر آیا جنہوں نے مجھے خوشی سے قبول کیا اور میری خوب خدمت اور خاطر مدارت کرنے لگے۔

میں نے ان کو بھی بتا دیا کہ یہاں میرا دل بالکل نہیں لگتا، میرا دل گھر کے لئے شدید بے چین ہے۔ اس پر ان دونوں ساتھیوں نے بڑے پیار سے تسلی دی اور علم حاصل کرنے کے خوب فائدے سنائے۔ ان کے اس حسن سلوک سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا چند ہی دن میں ان کا گرویدہ ہوگیا۔

ان دونوں کی رہائش مسجد کے قریب ایک کمرے میں تھی میں بھی ان کے ساتھ ہی رہنے لگا میں ان ہی کے ساتھ صبح کی نماز کے لئے مسجد جاتا اور دن چڑھے تک مسجد میں قرآن کی کلاس میں بیٹھتا پھر کچھ دیر کے لئے کمرے میں آکر ناشتہ کرکے پھر کلاس میں دوبارہ چلا جاتا یہ کلاس دوپہر تک ہوتی پھر کچھ دیر کے لئے وقفہ ہوجاتا جس میں کھانا کھا کر کچھ دیر کے لئے آرام کرنے کے بعد پھر ظہر کی نماز کے لئے جاتا اور وہیں ایک بار پھر کلاس شروع ہوجاتی۔ یہ کلاس عصر تک چلتی۔ میں نے اس معمول پر چند ہی دن گزارے کہ میرا دل اب یہیں لگنے لگا اور گھر کی یاد کم ہونے لگی۔

گلہائے علم و انجم
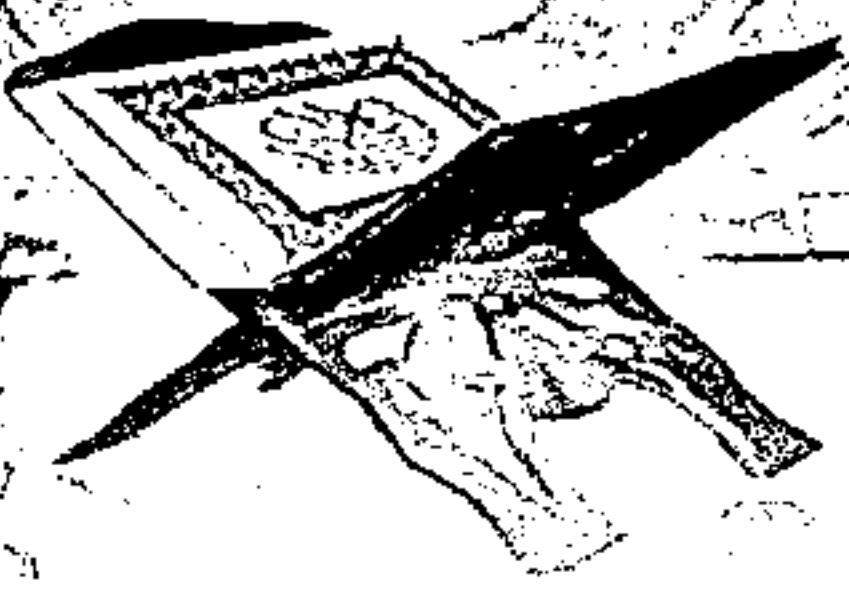
اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ میں خوب محنت سے سبق یاد کرنے لگا نظر کی کمزوری کی وجہ سے میں کھیل کود نہیں سکتا تھا اس لئے میری ساری توجہ تعلیم پر مبذول ہو کر رہ گئی جس کی وجہ سے مجھے زیادہ اچھا سبق یاد کرنے پر استاد صاحب سے شاباش ملنے لگی جس سے میر احوصلہ اور بڑھتا گیا اور روزانہ کی بنیاد پر میں سبق میں ترقی کرنے لگا۔ اب تو شیخ دوسرے طالب علموں کو میری مثال دینے لگے کہ یہ معذور بچہ اتنی محنت کرتا ہے تم بھی محنت کرو اس سے میرے جذبات اور بڑھ جاتے اور میں آسمانوں میں گھومنے لگ جاتا۔ صرف ڈیڑھ ماہ میں ہی عجیب مزہ اور سکون آنے لگ گیا۔ سات ماہ بعد میں اپنی سابقہ حالت پر ہنستا اور افسوس کرتا تھا۔ میرا اپنے گھر میں جو مقام اور حیثیت حاصل تھی کہ ہر ایک مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتا اور مجھے بوجھ سمجھتا تھا مگر اس کے باوجود دوبارہ اسی زندگی کی طرف پلٹنا چاہتا تھا یہ سوچ کر اپنی کم عقلی پر ماتم کرنے کو دل چاہتا تھا۔

بہر حال صرف دس مہینے.......... جی ہاں صرف دس ماہ.......... میں نے قرآن کریم مکمل حفظ کر لیا اس کے بعد میں نے اپنے استاد کو دو بار مکمل قرآن ایک ہی مجلس میں سنا کر حیران کر دیا۔ اس کے بعد میرے استاد مجھے شیخ محمد بن ابراہیم اور شیخ عبداللطیف بن ابراہیم کے پاس لے گئے اور میرا ان سے تعارف کروایا جس پر انہوں نے علوم دینیہ میں میرے داخلے کا انتظام کر دیا میں دل لگا کر تعلیم حاصل کرنے لگ گیا۔ اس دوران میرے والد برابر آنے جانے والوں کے ذریعے میری خیر خبر لیتے رہتے تھے مگر مجھے اس کا علم نہ تھا۔ تین سال بعد اساتذہ سے چھٹی لے کر اپنے گھر آیا تاکہ والدین اور بھائیوں سے ملاقات ہو جائے اور ان کے حالات معلوم ہو سکیں۔

میرے گھر پہنچنے پر میرے خاندان نے بڑی خوشی کا اظہار کیا خصوصاً والدہ کی خوشی تو قابل دید تھی۔ انہوں نے مجھ سے میرے حالات جاننا چاہے تو میں نے انہیں بتا دیا کہ اس وقت مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ والد بھی میری عزت اور احترام کرنے لگے اور نماز کے لئے مجھے ہی امام بنایا جانے لگا۔ گھر میں چند دن رہ کر والدین سے اجازت لے کر دوبارہ حصولِ تعلیم کے لئے اس دفعہ خود ریاض واپس آ گیا۔

مذکورہ حافظ صاحب کے دوست بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خوب محنت کی اور بہت بڑے عالم بن گئے اور ان کی مصروفیت صرف علمی کتابیں سننا تھی یا پھر دینی مجالس میں شرکت کرنا ہوتی۔ صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ان کو ان کے استاد صاحب چھوٹے بچوں کو پڑھانے کے لئے استاد مقرر کر دیا مگر انہوں نے اعلیٰ تعلیم جاری رکھی اور شرعی کالج سے اپنی تعلیم مکمل کر لی۔ جب ریاض میں شریعہ کالج قائم ہوا تو اس میں ان کا تقرر کر دیا گیا۔ آخر عمر میں وہ اپنے قصیم شہر کے کالج کے سربراہ بن گئے جہاں ان کے شاگردوں میں بڑی بڑی نامی گرامی شخصیات شامل ہیں۔ ان میں سے بعض افراد چیف جسٹس، خطیب، لیکچرار، پروفیسرز، انجینئرز اور کامیاب بزنس مین بھی بنے اور حج کے دنوں میں مذکورہ عالم دین کو خصوصی طور پر دعوت و افتاء کی اہم ترین ذمہ داری سونپی گئی جو انہوں نے بڑی ہی خوش اسلوبی سے سرانجام دی۔ یہ مقام انہیں یقیناً ان کی نظر کی کمزوری کی بدولت ملا ورنہ وہ بھی دوسرے بھائیوں کی طرح اپنے والد کے ساتھ کھیتوں میں مصروف ہوتے جس کے بعد شاید انہیں وہ مقام حاصل نہ ہوتا بلکہ ان کا عزم و ارادے بلند ہوں تو جسمانی معذوری باطنی کمالات کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔
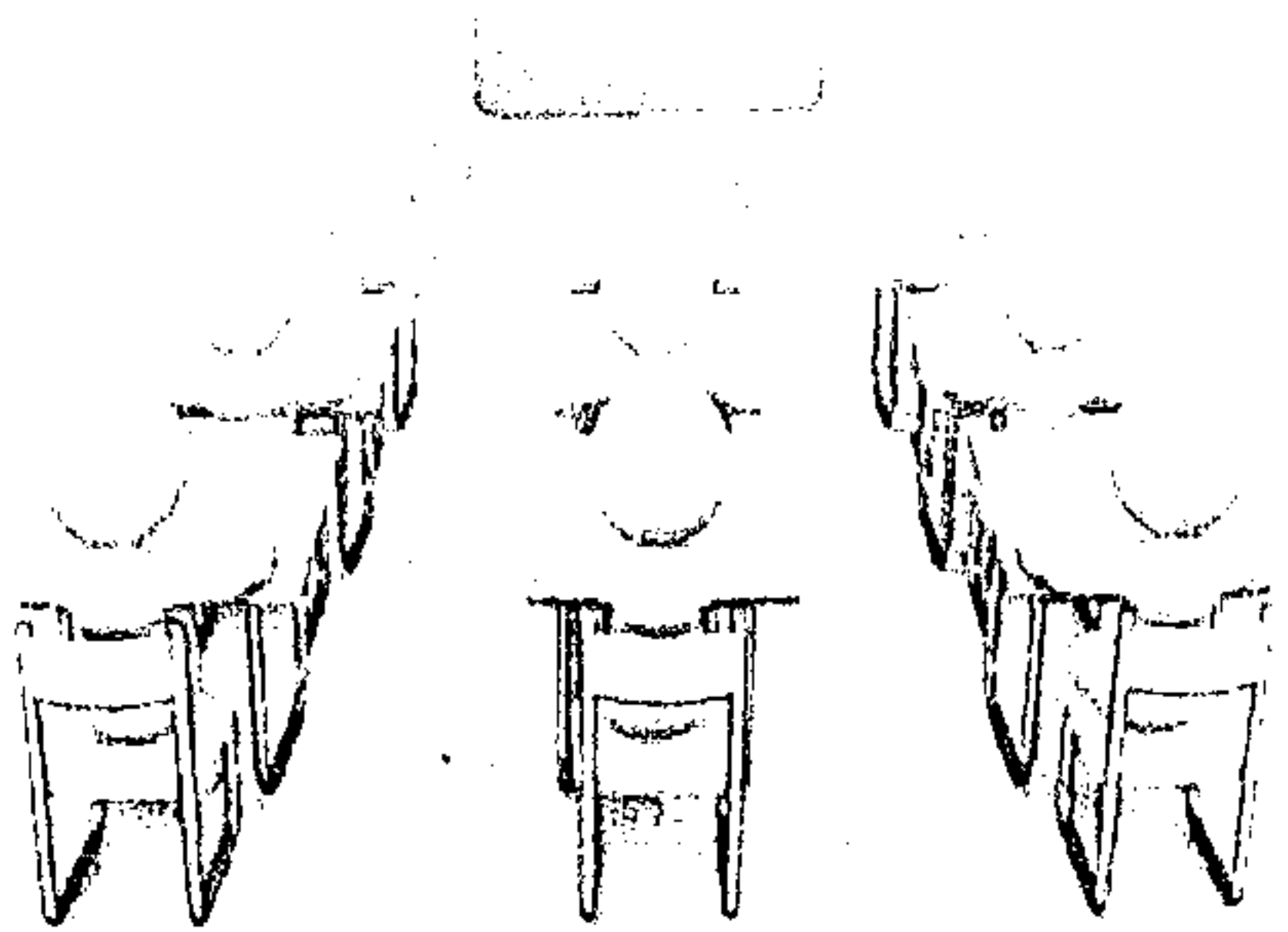
موت کو شکست دینے والا باہمت نوجوان

65 جرمنی کے ایک شاعر نے کسی بادشاہ کا قصہ بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک بادشاہ کی انتہائی قابل، لائق، سنجیدہ اور خوب صورت بیٹی تھی۔ ایک بہت بڑے قبیلے کا سردار بھی اپنے بیٹے کے لئے اس شہزادی کا رشتہ مانگ رہا تھا مگر بادشاہ اس انتہائی طاقت ور قبیلے کی حمایت سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا اس لئے واضح طور پر انکار بھی نہیں کرسکتا تھا مگر انہیں بیٹی کا رشتہ بھی دینا نہیں چاہتا تھا۔

ایک دن وہ محل میں بیٹھا تھا اور محفل کے سامنے سے ٹھاٹھیں مارتا دریا بھی گزرتا تھا اس محفل میں اس کی بیٹی کے رشتے کا خواہش مند قبیلہ بھی بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ میں ایک پیالے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں اسے دریا میں پھینک رہا ہوں جو اس کو واپس نکال کر لے آئے گا میں اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا۔ حاضرین کو سانپ سونگھ گیا اور بادشاہ کی بیٹی بھی یہ سن کر ہکا بکا رہ گئی۔ آخر ایسی شرط تو کوئی بھی پوری نہ کر پائے گا کیونکہ جو بھی جائے گا وہ واپس نہ آئے گا اور ویسے بھی اس دریا میں کودنے کی کسی کو ہمت بھی نہیں ہوگی۔ اس میں تو صرف خودکشی کی نیت سے جایا جاسکتا ہے۔ لیکن شہزادی اور ساری محفل والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک نوجوان محفل سے اٹھا اور کہنے لگا کہ جی جناب پھینکئے پیالہ میں ابھی لاتا ہوں اور یہ کہہ کر اپنی چادر اور اضافی کپڑے اتار کر تیار ہوگیا۔

بادشاہ نے فوراً پیالہ دریا میں پھینک دیا۔ حاضرین محفل نہ سارے دم بخود ہوگئے اور انہوں نے دانتوں میں انگلیاں دبا دیں۔ اس نوجوان نے خوب زور سے دریا کے اس مقام پر چھلانگ لگا دی جہاں پیالہ گرا تھا۔ لوگوں کی آنکھوں سے تو آنسو جاری ہوگئے۔ ہر ایک دوسرے کو تک رہا تھا۔ اور ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ نوجوان دریا میں غائب ہوچکا تھا۔ اس کا کوئی نام ونشان ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

محفل میں سے چند لوگ قسم اٹھا کر کہنے لگے کہ خدا کی قسم اگر بادشاہ اپنا تاج بھی دریا میں پھینک دے اور اعلان کر دے کہ اسے لانے والے کو بادشاہت دے دوں گا ہم کبھی بھی اس کی ہمت نہ کرسکیں گے۔ یہ نوجوان کس قدر احمق، پاگل اور دیوانہ نکلا ایک شہزادی کے لئے جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد یہ (پندرہ منٹ) نہ تھے ان لوگوں پر ایسے بھاری گزرے کہ ایسا لگا کہ انہوں نے ایک پوری صدی اور وہ بھی آگ اور کانٹوں پر گزاری ہے۔

اس نوجوان کا سر نظر آ گیا اور اب باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب نکل کر واپس محل کی طرف آ رہا ہے سارے لوگ ایسے ہوگئے کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ نوجوان محفل میں آیا اور بادشاہ کے قدموں میں دو زانو ہو کر بیٹھا اور پیالہ پیش کر کے سارے حاضرین کو حیران کر ڈالا۔

سارے لوگ تو نوجوان کو مبارک باد دے رہے تھے مگر بادشاہ کے ساتھ ایک انہونی ہوچکی تھی اس نے تو جان چھڑانے کے لئے ایک چال چلی تھی مگر اب وہ اس میں خود ہی پھنس چکا تھا۔ تھوڑی دیر سوچ بچار کے بعد بادشاہ بولا ابھی ایک اور امتحان باقی ہے۔ اب میں اپنی انگوٹھی دریا میں پھینکتا ہوں اگر اسے واپس لے آیا تو میں شہزادی کی شادی اس سے کر دوں گا۔

سارے حاضرین کو ایک بار پھر سانپ سونگھ گیا، کسی میں بولنے کی ہمت اور جرأت نہ ہوئی مگر اب کی بار شہزادی خود غصے سے چیخ اٹھی اور کہنے لگی۔ اب اگر اس نوجوان نے دریا میں چھلانگ لگائی تو میں بھی اس کے پیچھے چھلانگ لگا دوں گی۔ اور میں بھی اس کے انجام سے دو چار ہوجاؤں گی اور نوجوان کو مسکرا کر دیکھنے لگی اور کہنے لگی کہ میں تیرے ساتھ ہوں تو فکر نہ کر اب بادشاہ کے پاس کوئی چارہ کار نہ رہا۔ مجبوراً اسے اپنی بیٹی کی شادی اس نوجوان سے کرنا پڑی۔
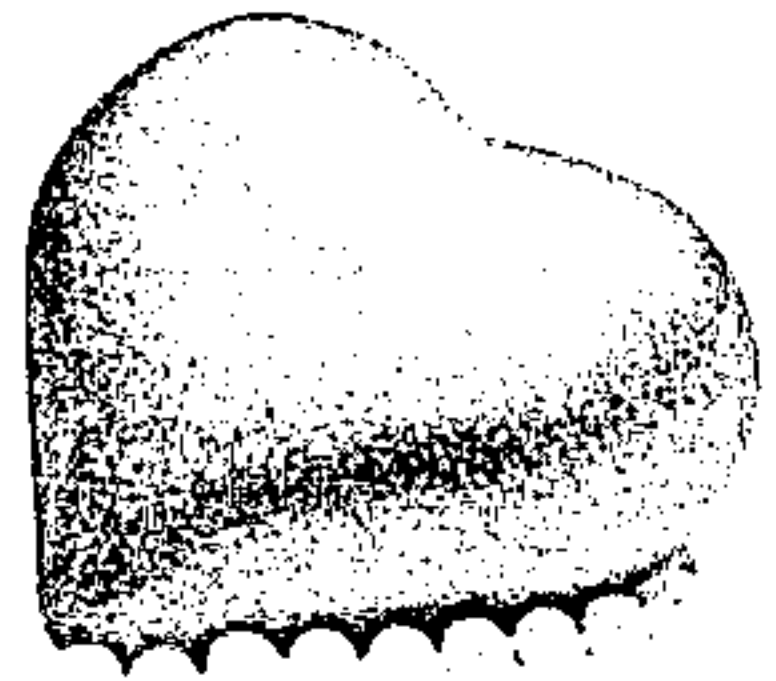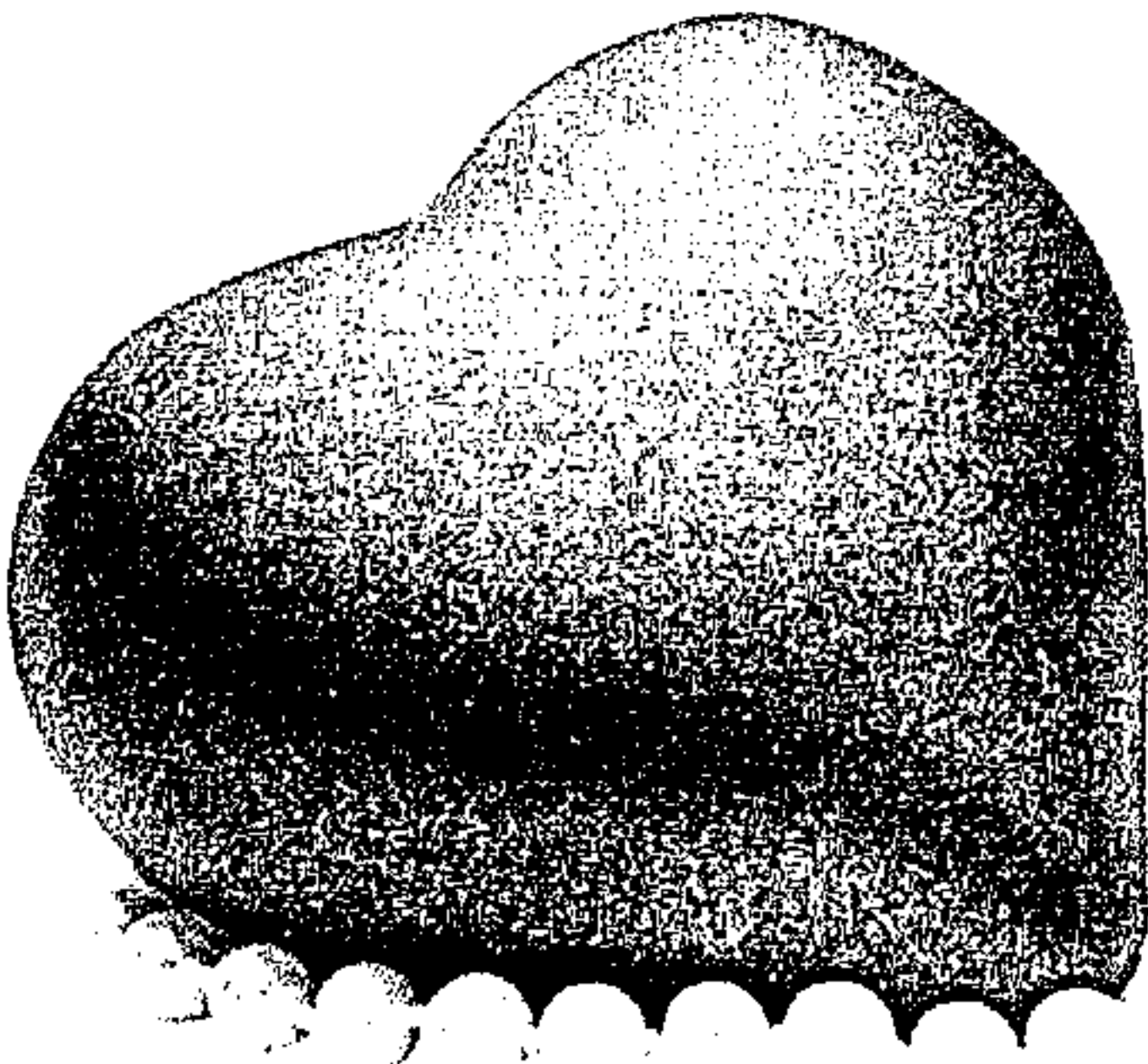
اگر کبھی حالات اچھے نہ رہیں تو علاقے سے باہر ہنر اور فن آزمائیں

66 ابراہیم سویقی ایک مشہور شاعر تھے۔ کچھ عرصہ ان کے مالی حالات بہت خراب ہو گئے اب علاقے میں ان کی پہلی والی قدر اور مقام نہ رہا جس کی وجہ سے تنگ دستی نے ان کے گھر ڈیرہ جما لیا اوپر سے بیوی کے طعنوں اور طنز نے سینہ چھلنی کر دیا تھا۔ وہ کہنے لگی تم کوڑھے ہو کر گھر پر پڑے ہو کوئی ہنر تو آتا نہیں ابراہیم سویقی کا کہنا ہے کہ مجھے تو اس کی باتوں سے آگ سی چمٹ گئی میں اسی وقت گھر سے باہر نکل گیا حالانکہ یہ شدید سردی کا موسم تھا چلتے چلتے دور نکل گیا اور بہت ہی دور نکل گیا مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کس طرف جاؤں اور کس طرف نہ جاؤں میں ایک انجان منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

چلتے چلتے بارش شروع ہو گئی تو ایک مکان کے دروازے کی اوٹ میں بارش ٹلنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں اپنے اگلے سفر کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے کے اندر کی جانب سے کچھ آدمیوں کے باتیں سنائی دیں جو بڑے ادبی ذوق والے معلوم ہوتے تھے وہ باتوں باتوں میں برمحل استعارہ بھی استعمال کرتے۔ اسی طرح ان میں سے ایک اپنی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہنے لگا اس بارے میں ایک عظیم، مشہور اور نامی گرامی شاعر ابراہیم سویقی یوں کہتا ہے۔

میں تو اپنا نام ایک اجنبی علاقے میں اجنبی لوگوں کی زبانی سن کر حیران ہو گیا۔ فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا وہ سارے حیران ہو گئے کہ ایک اجنبی بغیر اجازت اندر کیسے آ گیا۔ میں نے کہا پریشان ہونے کی بات نہیں میں ہی ابراہیم سویقی ہوں اور آپ کے منہ سے اپنا نام اور شعر سن کر حیرت ہوئی اس لئے اندر آ گیا ہوں تاکہ آپ کو مزید اپنا کلام سناؤں۔ وہ بہت خوش بھی ہوئے مگر میری ظاہری حالت دیکھ کر بہت حیران بھی ہو گئے۔
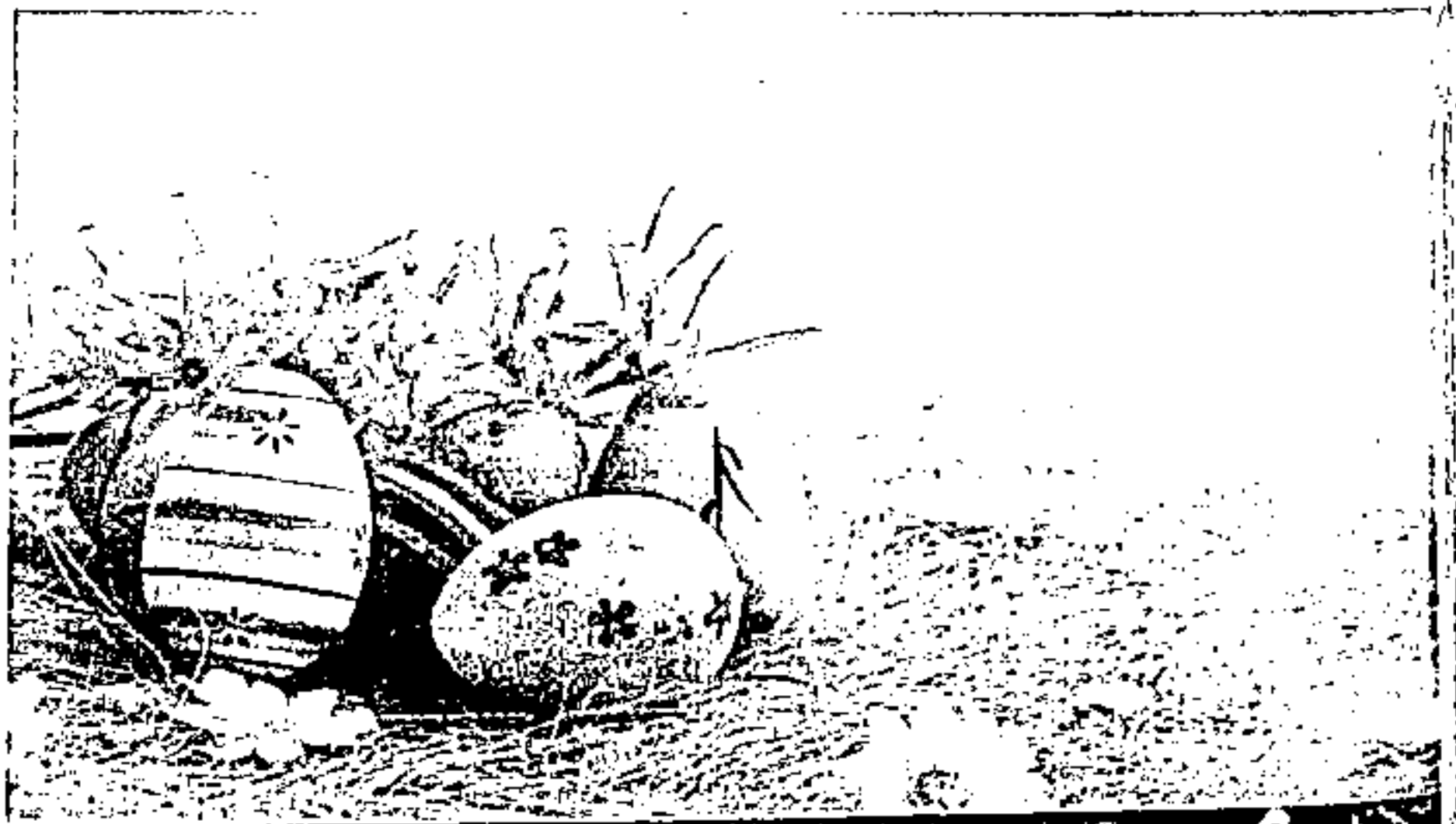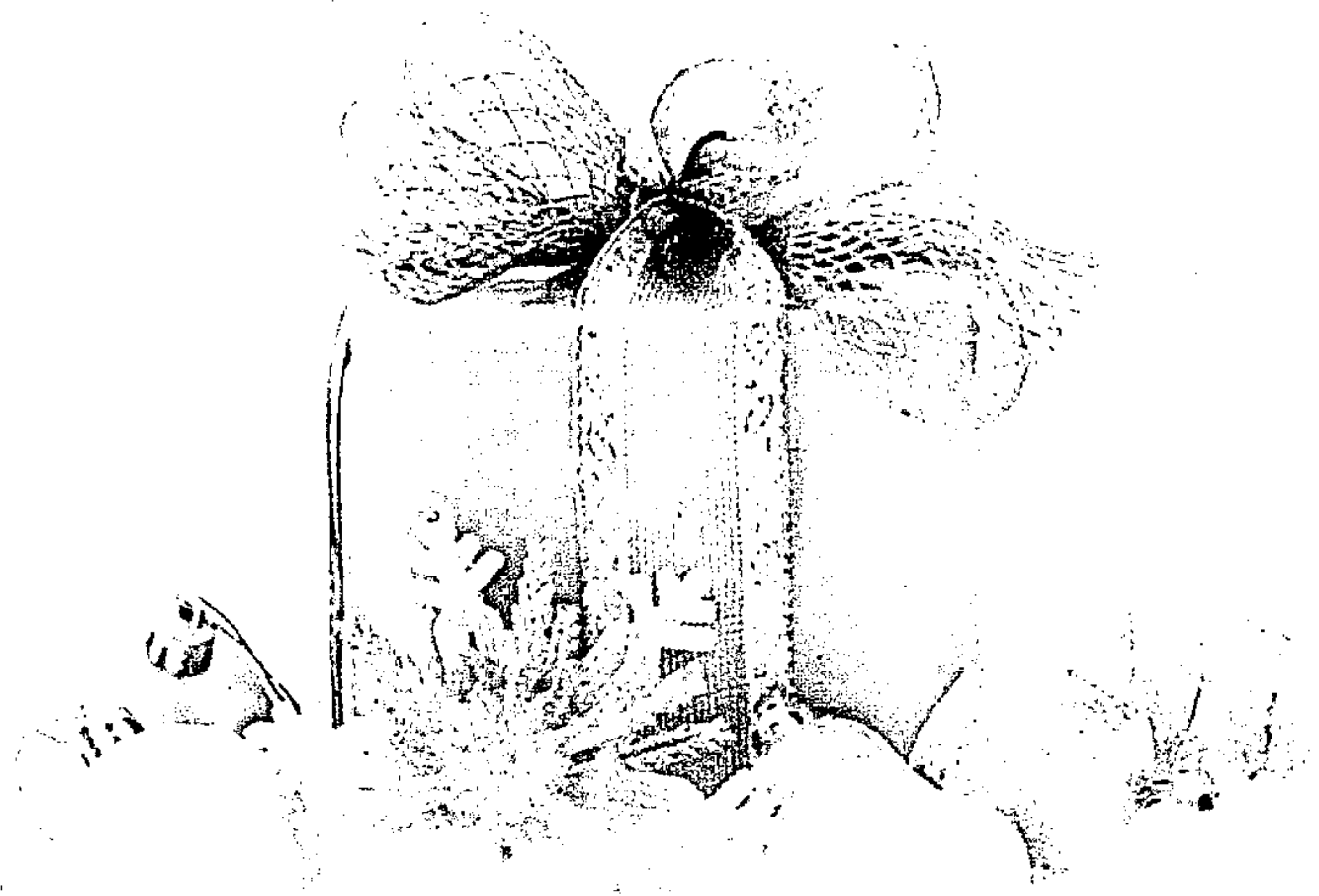
اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ آپ نے اپنی حالت کیسی بنا رکھی ہے؟ میں نے انہیں صاف صاف بتایا کہ آج کل میرے حالات کافی خراب ہیں جس کی وجہ سے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں نے بھی آنکھیں پھیر لی ہیں۔ انہیں بڑا تعجب ہوا کہ ایک مشہور شاعر ان کے گھر میں اپنا کلام خود سنا رہا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے خوب آؤ بھگت کی اور مجھے خوب تحائف دے کر رخصت کیا۔

جب میں وہاں سے نکلا تو ان تحائف کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک رومال میں کچھ قیمتی کپڑے، ایک ہزار دینار اور کچھ سونے کے زیورات بھی تھے۔ میں نے سوچا اگر یہ زیور اس طرح گھر لے گیا تو بیوی انہیں پہننے کے لئے رکھ لے گی اس لئے بازار جا کر ان کو بھی فروخت کرلیا اب تو میرے پاس کافی رقم ہوگئی اور گھر آ کر بیوی کے سامنے ڈھیر کر دی وہ بیوی جو کل تک مجھے طعنے دے رہی تھی آج میری خوبیاں بیان کرتے نہیں تھک رہی تھی۔

بے وقوف لڑکا دنیا کا ذہین ترین شخص کیسے بنا؟

67 وکٹر سر بریا کوف (Victor Serebriakoff) کو پندرہ سال کی عمر میں اس کے ٹیچر نے کہا کہ وہ انتہائی نالائق، غبی اور کند ذہن ہے لہٰذا اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ تعلیم چھوڑ کر کوئی ہنر سیکھ لے تا کہ وہ اپنی گزر بسر کر سکے۔ یہ نصیحت اس نے پلے باندھ لی اور پھر اگلے سترہ برس تک ایک غبی، نالائق اور کند ذہن آدمی کی طرح آوارہ گردی کرتا رہا۔ اسے مختلف جگہوں پر مختلف کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ جب 32 سال کا ہوا، تو اس نے ایک جگہ ٹیسٹ دیا، اس وقت اسے پتہ چلا کہ اس نے تو ذہانت میں 161 نمبر حاصل کیے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذہانت اوسط درجے سے کہیں زیادہ ہے اور پھر اس نے خود کو ایک ذہین اور قابل ترین شخص سمجھنا شروع کر دیا، اس کے بعد نہ صرف اس نے ذہانت کے موضوع پر انتہائی اہم کتابیں لکھیں بلکہ مینسا انٹرنیشنل (MENSA International) کا سربراہ بن گیا۔

اس عالمی تنظیم میں شمولیت کی صرف ایک شرط ہے کہ اس کا ممبر صرف وہ شخص بن سکتا ہے جس کا آئی کیو (IQ) لیول 98% سے زائد ہو۔ یہ لڑکا جسے آج سے دو دہائی قبل اس کے اساتذہ نے غبی اور کند ذہن قرار دیا تھا، نہ صرف مینسا انٹرنیشنل کا ممبر بنا بلکہ اس کا سربراہ بھی بن گیا اور اس نے اس تنظیم کو منظّم کیا اور آئی کیو (IQ) ٹیسٹ کے جدید ضابطے وضع کیے۔

اس سے کیا پتہ چلتا ہے کہ وکٹر سر بریا کوف رات کو سویا اور صبح اس کا آئی کیو لیول 161 تک پہنچ چکا تھا، نہیں بلکہ اسے اس کے لئے بہت محنت کرنا پڑی۔ سب سے پہلے اس کی بیوی میری (Marry) نے اس کو حوصلہ دیا اور ہمت بندھائی کہ مینسا کا ٹیسٹ پاس کرے، اس دوران اس کی بیوی فوت ہوگئی۔ اس نے دوسری شادی ایک سوشل ورکر لیڈی المونر (Almoner) سے کی جو پہلے ہی سے مینسا کی رکن تھی اور پھر اگلے پانچ سال تک وکٹر سر بریا کوف مینسا ٹیسٹ کے لئے تیاری کرتا رہا۔

صرف پانچ سالوں کی محنت اور اس کی بیوی کی حوصلہ افزائی نے اسے بدترین غبی سے ایک لائق ترین آدمی بنادیا۔ ایسا ممکن ہے کہ ہمیں بھی ہمارا ماحول اور معاشرہ ناکام قرار دے اور پھر ہم اس پر یقین کر کے اپنی زندگی کے قیمتی ماہ وسال ضائع کر دیں حالانکہ صرف کچھ عرصے کی محنت سے زیرو سے ہیرو بنا جا سکتا ہے تو پھر دیر کس بات کی ہے، آج ہی لائحہ عمل بنائیے۔ ٹائم ٹیبل وضع کیجئے۔ سستی، آرام، عیش و راحت چھوڑ دیجئے۔ پھر دیکھئے قدرت کیسے مہربان ہوتی ہے۔ قدرت بھی صرف ان پر مہربان ہوتی ہے جو خود کو اس مہربانی کا اہل اور مستحق بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

''اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت خود نہ بدل دے''

یعنی جب تک وہ لوگ خود محنت نہیں کرتے اور حالات بدلنے کیلئے خود کو قابل نہیں بناتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ حالات جوں کے توں رکھتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں لاتے، اٹھیے اور اپنے جن خوابوں کو ناممکن اور محال قرار دے کر آپ نے پس پشت ڈال دیا، انہیں حقیقت بنانے کیلئے جت جائیے۔ مایوسی اور ناکامی کا ذہن سے خیال ہی نکال دیجئے۔
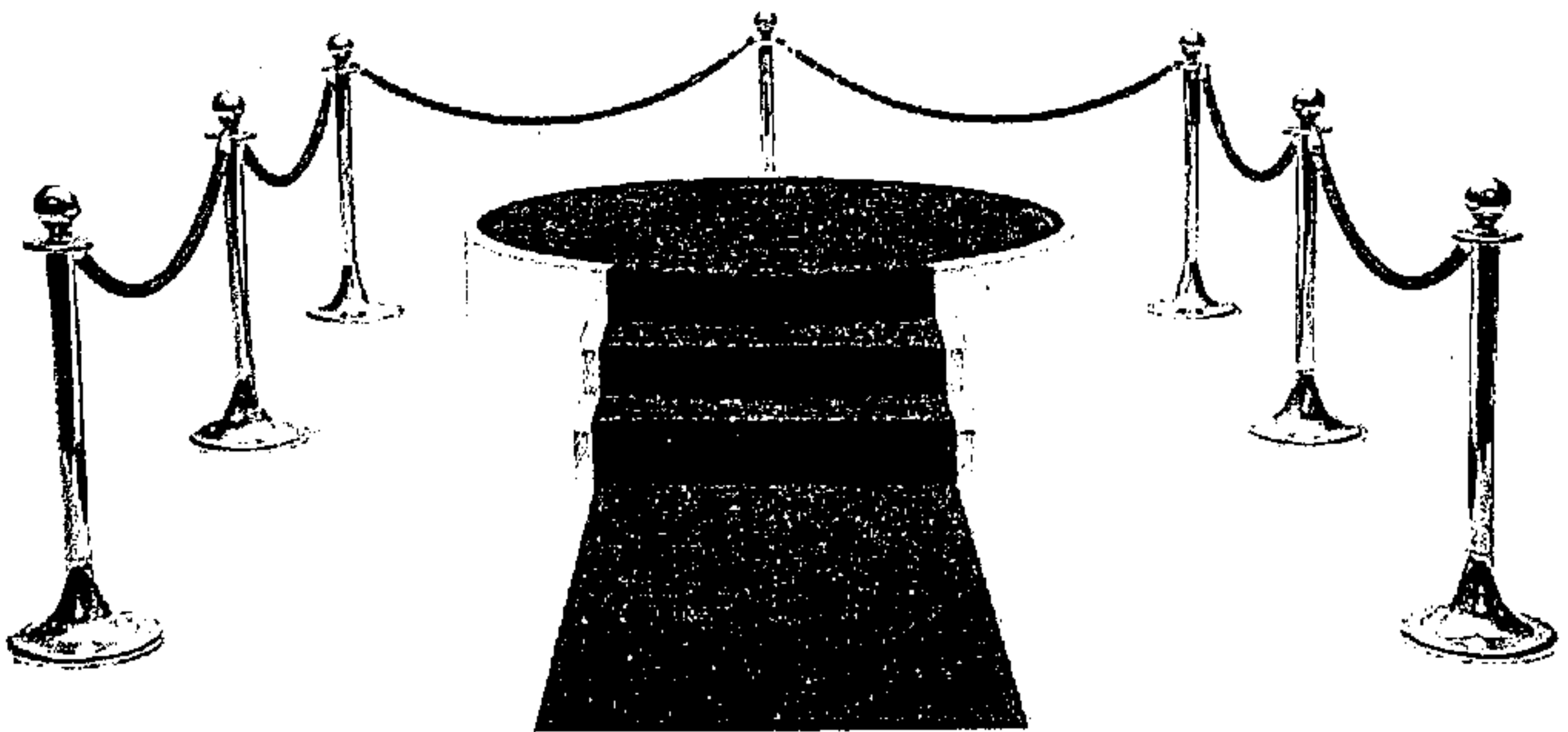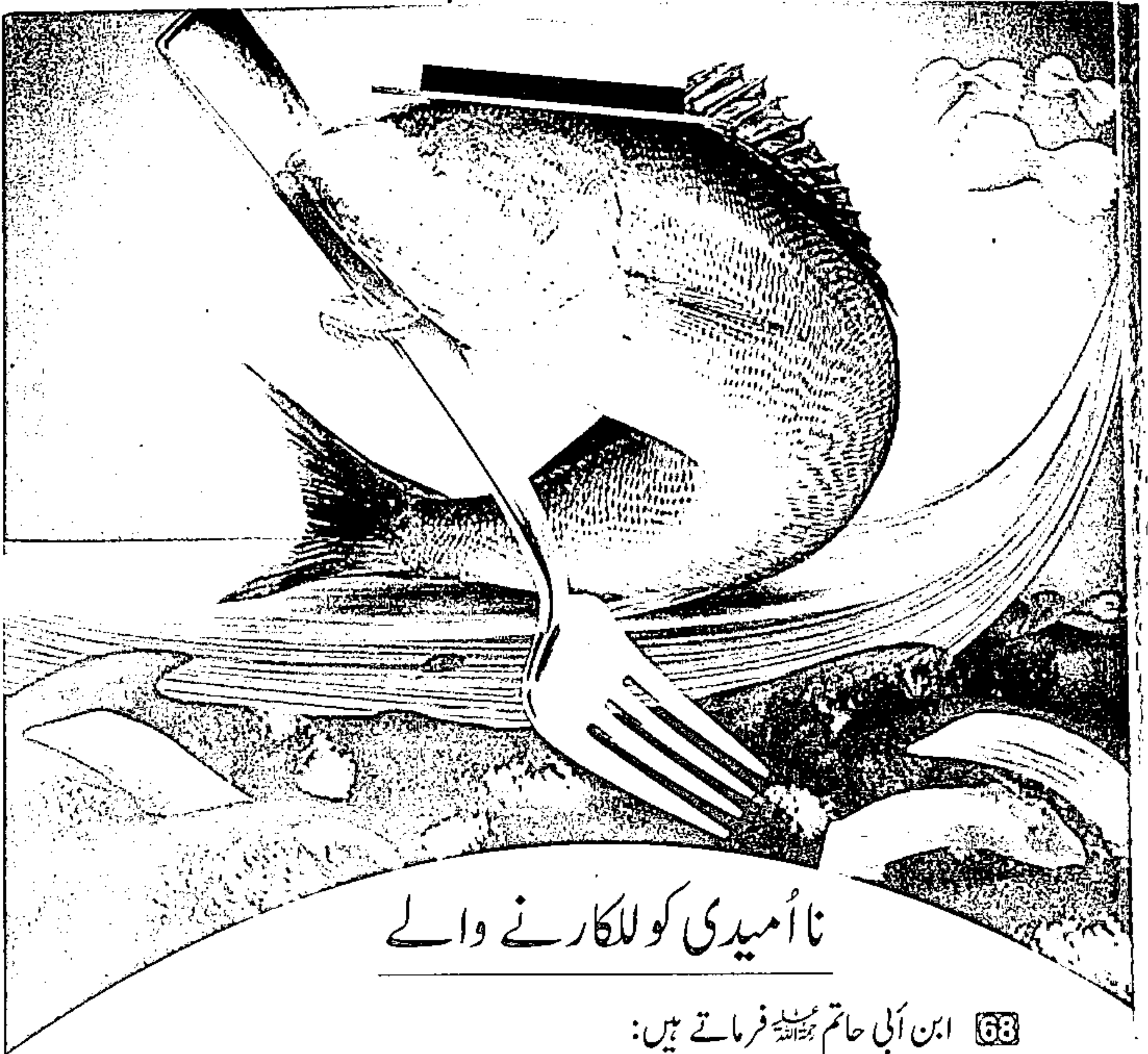
نا اُمیدی کو للکارنے والے

68 ابن اَبی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم سات ماہ علم کی طلب میں مصر میں مقیم رہے، اس دوران کبھی سالن کا شوربہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ دن میں ہم اساتذہ سے اپنے علم کی پیاس بجھاتے اور رات میں اپنے لکھے ہوئے کا ایک دوسروں کے نسخہ سے تقابل کرتے۔ ایک مرتبہ رستہ میں ہمیں ایک مچھلی بڑی بھلی معلوم ہوئی، ہم خرید کر اپنی رہائش گاہ لے گئے۔ تین دن تک اسے پکانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ آخرکار جب وہ سڑنے لگی تو ہم نے کچی پکی ہی چبالی بھوننے کا وقت کس کے پاس تھا؟ آخر میں کہنے لگے:

لا يُستَطاعُ العِلْمُ بِراحَةِ الجَسَدِ

''علم جسم کی راحت کا متحمل نہیں ہوسکتا''۔

اپنے وقت کو قیمتی بنائیں وقت آپ کو قیمتی بنا دے گا

69 امریکی ریاست فلاڈلفیا کی سونے کی فیکٹری میں ہر مشین کے نیچے لکڑی کے تختے جوڑ کر لگائے گئے تاکہ کٹائی کے دوران کٹ کر نیچے گرنے والے ذرات بھی بکھر کر ضائع نہ ہو جائیں اور اس نرم لکڑی میں پیوست ہو جائیں جہاں سے بعد میں انہیں محفوظ طریقے سے ایک بار پھر اکٹھا کر لیا جائے ایک سال میں ان ذرات کی مالیت کئی ملین ڈالر بن جاتی ہے۔ اسی طرح ہر کامیاب آدمی بھی اپنے قیمتی وقت کے ذرات کو ضائع ہونے اور بکھرنے سے بچانے کے لئے کوشش کرتا ہے۔
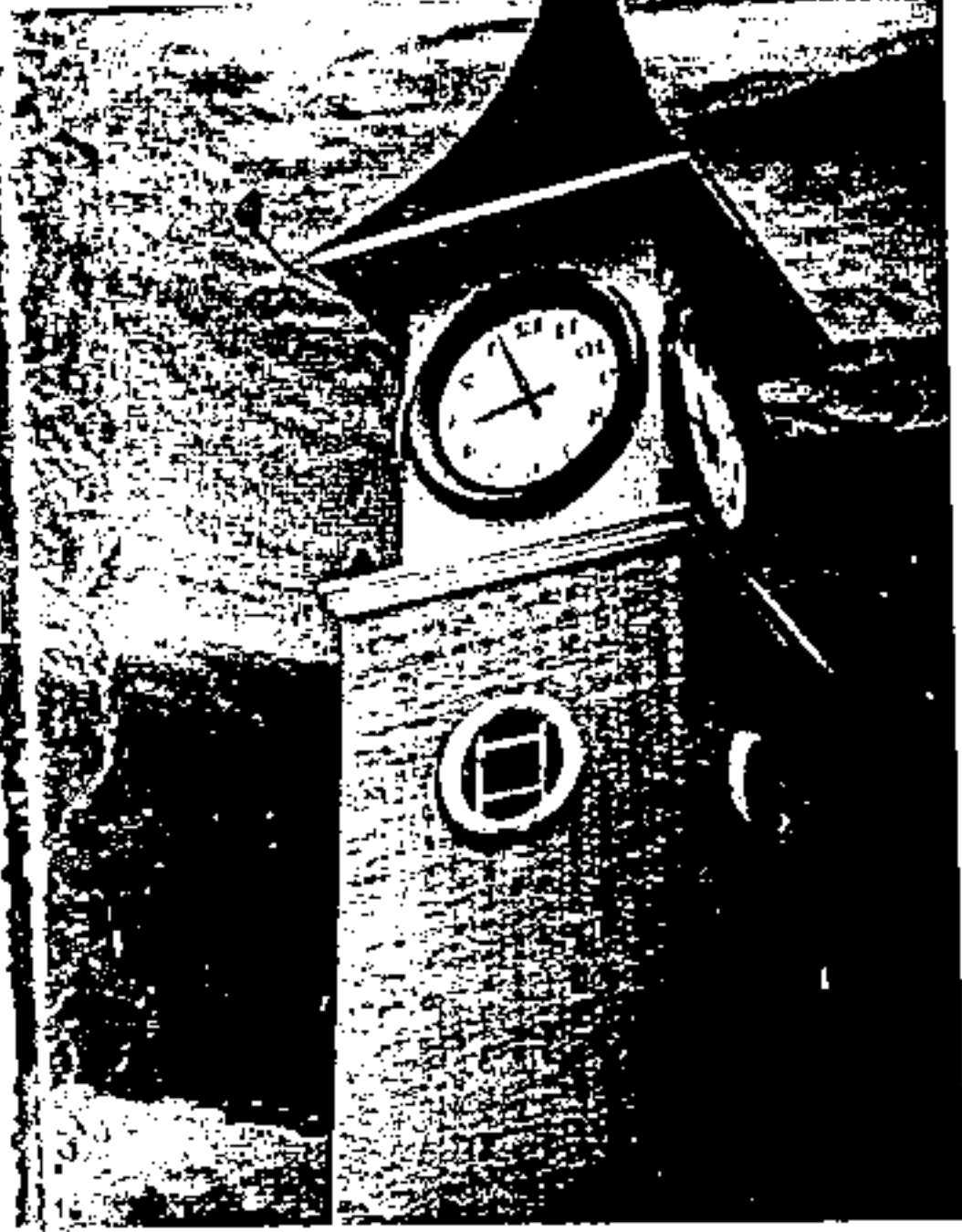
آپ کا کیا خیال ہے، ایک آدمی روزانہ صرف بیس منٹ فارغ بیٹھتا ہے، کوئی کام نہیں کرتا تو یہ ایک سال کے تقریباً 182 گھنٹے بن گئے، 7 یا 8 گھنٹے دن میں کام کے تناسب سے دیکھا جائے تو یہ تقریباً 22 دن بن گئے گویا ایک سال میں آپ نے 22 دن بالکل ضائع کر دیئے اگر ان بائیس دنوں میں کوئی کام کیا ہوتا تو یہ ایک ماہ کے کام کے برابر ہو جاتا کیونکہ مہینے میں چھٹیاں نکالنے کے بعد کچھ اسی کے قریب ایام کا دورانیہ بن جاتا ہے مگر سوچنے کی بات ہے کہ ہم دن میں کتنا وقت فضول ضائع کر دیتے ہیں جس کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔ اگر ہم بھی اپنے ان قیمتی اوقات کی حفاظت کریں تو یہ بھی سالانہ ایک معقول آمدن دے سکتے ہیں۔

مشہور امریکی مصنفہ ہیریٹ بیچر اسٹو (Harriet Beecher Stove) نے اپنا مشہور زمانہ ناول چچا ٹوم کا خیمہ (Uncle Tom's Cabin) اپنے گھریلو کام کے دوران ملنے والے معمولی لمحات اور رات کے کھانے کی تیاری سے فراغت کے بعد بچوں کے سو جانے تک کے معمولی وقت میں تحریر کیا ہے مگر آج ہم فضول کاموں اور باتوں میں گھنٹوں صرف کر دیتے ہیں جس کا نہ تو آخرت میں کوئی ثواب اور نہ ہی دنیا میں کوئی فائدہ ہوگا۔
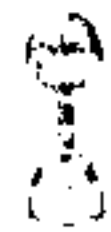
مسائل کو اپنے پر حاوی نہ ہونے دیں بلکہ مردانہ وار مقابلہ کریں

70 ڈاکٹر بلیک وڈ لکھتے ہیں خوف کو اپنے دل سے نکال دیں جو ہونا ہوگا وہ ہوکر رہے گا۔ 1934ء کی گرمیوں کی بات ہے میں بہت مشکلات میں گھرا ہوا تھا، ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے ساری دنیا کی پریشانیاں مجھ پر آن پڑی ہیں، میں چالیس برس سے زیادہ عرصے سے معمول کے مطابق آزادمنش زندگی بسر کر رہا تھا، مجھے صرف چند ایک مشکلات ضرور درپیش تھیں جو کہ ایک خاوند، باپ اور بزنس مین کو عام طور پر پیش آتی ہیں۔

میں عام طور پر ان مشکلات کو بڑی آسانی سے حل کرلیا کرتا تھا لیکن اچانک چھ قسم کی مشکلات نے مجھے آن گھیرا میں ساری ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا اور صبح ہونے کا مجھے مزید پریشان کردیتا۔ کیونکہ صبح مجھے انہی چھ مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا تھا۔ یہ چھ مسائل درج ذیل ہیں۔

① میرا بزنس کے امور کے بارے میں تعلیم دینے والا کالج شدید مالی بحران کا شکار تھا۔

② میرا سب سے بڑا بیٹا جنگی محاذ پر تھا اور میرے دل کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی بری اطلاع نہ آجائے۔

③ اوکلا ہوما شہر کی توسیع ہو رہی تھی اور ایک بڑا ایئرپورٹ بنایا جا رہا تھا تاکہ وہاں ضرورت کے مطابق بڑے بڑے جنگی طیارے اتر سکیں اور اس مقصد کے لئے جو زمین منتخب کی گئی تھی اس زمین پر بنے ہوئے مکانات کو گرانے کا حکم جاری ہوچکا تھا اور میرے والد کا گھر بھی جو مجھے ورثے میں ملا تھا وہیں پر واقع تھا حکومت ان مکانات کو گرانے کے عوض ان کی قیمت کا صرف دسواں حصہ مالکان کو دے رہی تھی یوں کہ نہ صرف زیادتی تھی بلکہ اس رقم سے ہم کسی اور رہائشی علاقے میں مناسب سا کوئی بھی مکان نہ بنا سکتے تھے اور نہ ہی خرید سکتے تھے۔
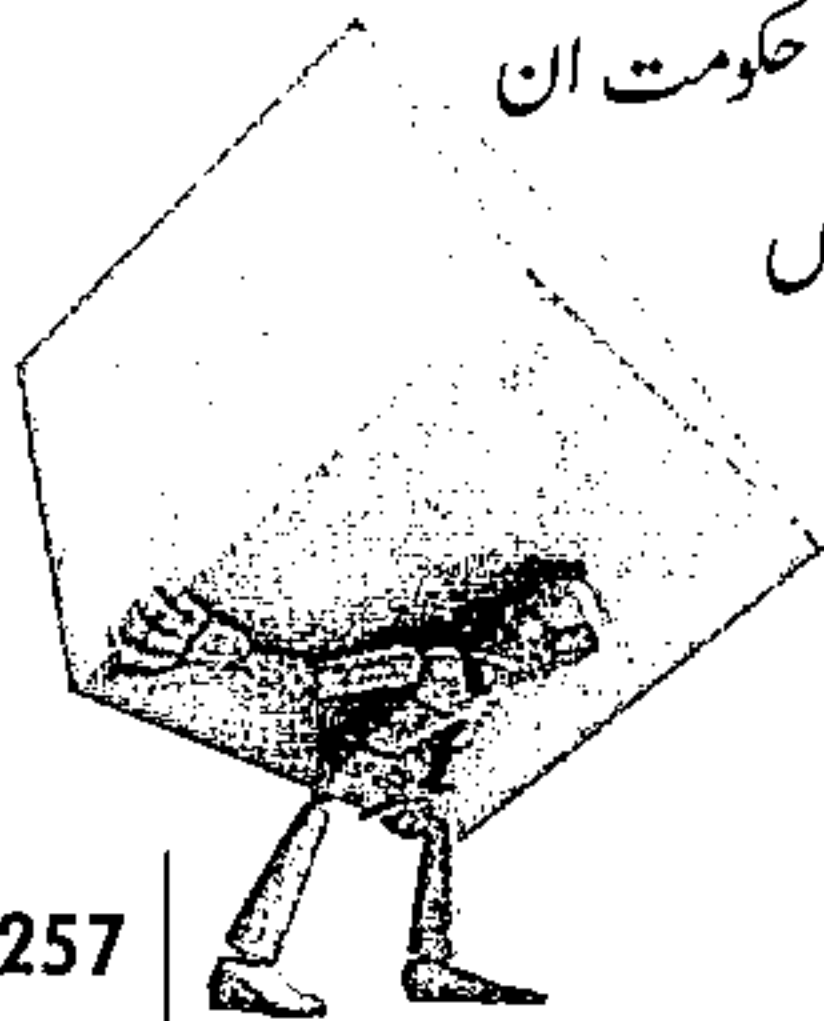
لیکن اس سے بھی بڑھ کر پریشانی کی بات یہ تھی کہ میرے باپ دادا کا گھر مجھ سے چھینا جا رہا تھا۔ مجھے یہ بھی پریشانی تھی کہ اس کے بعد میں اپنا اور اپنے خاندان کے چھ افراد کے لئے سر چھپانے کا ٹھکانہ کہاں تلاش کروں گا مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ ہمیں سر چھپانے کے لیے کسی خیمے میں رہنا پڑے گا۔

④ میرے گھر کا کنواں بالکل خشک ہو چکا تھا کیونکہ میرے گھر کے بالکل نزدیک ہی نکاسی آب کے لئے ایک نالہ تعمیر کیا گیا تھا اور فوری طور پر ایک نئے کنویں کی کھدائی پر پانچ سو ڈالر لاگت آتی تھی، لیکن پھر اس پر مزید مشکل یہ تھی کہ میری جائیداد جس پر میں کنواں کھدوا سکتا تھا اسے حکومت ایئرپورٹ کی تعمیر کے لئے مجھ سے لے رہی تھی، مجھے اپنے مویشیوں کے لئے پانی ہر صبح مشکوں میں بھر کر لانا پڑتا تھا اور یہ کام میں دو ماہ سے کر رہا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ جب تک جنگ ختم نہیں ہوگی مجھے یونہی اپنے مویشیوں کے لئے پانی بھر کر لانا ہوگا۔

⑤ میرا گھر کالج سے دس میل دور تھا اور میرے پاس ایک پرانی کار تھی جس کے ٹائر بھی اتنے ہی پرانے تھے اور میرے پاس نئے ٹائر خریدنے کی گنجائش نہیں تھی، مجھے یہ پریشانی بھی لاحق تھی کہ میں اتنی دور اپنے کالج کیسے جایا کروں گا۔

ﷺ میری سب سے بڑی بیٹی نے ایک سال پہلے گریجویشن کر لی تھی۔ اب وہ یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا پروگرام بنا رہی تھی اور میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ اسے یونیورسٹی میں داخلہ دلا سکتا، جبکہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اسے پیسے نہ ملے تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔

ایک دن اپنے کالج کے دفتر میں بیٹھا ہوا میں اپنی مشکلات کے بارے میں سوچ رہا تھا میں نے ان مشکلات کو ایک ایک کر کے لکھنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ کوئی اور کبھی بھی اس قسم کی مشکلات میں مبتلا نہیں ہوا ہوگا۔

میں ان مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہتا تھا اور میں ان کے حل کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتا تھا لیکن میں ان کو حل کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکا، لہٰذا میں نے ٹائپ شدہ مشکلات کو ایک فائل میں رکھ دیا، اس طرح مہینے گزر گئے اور میں یہ بھی بھول گیا کہ میں نے اپنی مشکلات کو ایک کاغذ پر ٹائپ کر کے فائل میں لگایا ہوا ہے۔

ڈیڑھ سال بعد جب اپنی پرانی فائلوں کو دیکھ رہا تھا تو یہ فائل بھی میری نظر سے گزری جس پر میں نے اپنی چھ بڑی مشکلات کو ٹائپ کر کے لگایا ہوا تھا، میں نے ان کو بڑی دلچسپی سے پڑھا، کیوں نہ پڑھتا آخر ان مشکلات نے ڈیڑھ سال قبل مجھے اس قدر پریشان کیا ہوا تھا کہ میری صحت بہت بری طرح تباہ ہوگئی تھی۔

میرے مسائل کس طرح دور ہوئے؟

لیکن ان مشکلات کو پڑھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں خواہ مخواہ ہی ان کے بارے میں شدید پریشانی کا شکار تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی مشکل مجھے پیش نہیں آئی، میں نے محض ان نہ آنے والی مشکلات کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دے کر نہ صرف خود کو پریشانی میں مبتلا رکھا بلکہ میری صحت بھی خراب ہوئی۔

یہاں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ان مشکلات کا جن کے بارے میں مجھے اندیشہ تھا کہ مجھے پیش آنے والی ہیں کیا بنا۔

① کالج بند ہو جانے کے بارے میں میری تمام پریشانیاں بے وجہ تھیں کیونکہ حکومت نے ریٹائرڈ افراد کے لئے فوجی تربیت لازمی قرار دے دی اور میرے کالج میں اس کا انتظام موجود تھا۔ اس لئے جلد ہی میرا کالج ان افراد سے بھر گیا اور میری آمدنی میں اضافہ ہوگیا اور میری تمام مالی دشواریاں ختم ہوگئیں۔

② میرا بیٹا جو محاذِ جنگ پر تھا اور جس کے بارے میں میرا دل دھڑکتا رہتا تھا کہ کہیں وہ خدانخواستہ جنگ میں مارا نہ جائے کچھ ہی ماہ بعد صحیح سلامت گھر واپس آگیا۔

③ جس جگہ حکومت ہوائی اڈہ تعمیر کرنا چاہتی تھی وہاں میرے گھر سے صرف ایک میل کے فاصلے پر تیل نکل آیا اور حکومت نے وہاں ہوائی اڈہ تعمیر کرنے کا منصوبہ ترک کر دیا۔

④ جب فارم اور گھر چھن جانے کا خطرہ ختم ہوگیا تو میں نے اپنے فارم پر کنوئیں کو دوبارہ کھدوا کر مزید گہرا کرلیا اور اس طرح مویشیوں کے لئے پانی کی فراہمی کا مسئلہ بھی ختم ہوگیا۔

⑤ میں اپنی کار کے جن پرانے ٹائروں کے بارے میں پریشان رہتا تھا کہ اگر وہ پھٹ گئے تو میں کیسے دس میل دور اپنے کالج جایا کروں گا میں نے احتیاط سے ڈرائیونگ کرنی شروع کر دی اور میں خراب سڑک پر کار کو بہت ہی آہستہ کر دیا کرتا تھا اور اس طرح یہ پرانے ٹائر کافی دیر تک چلے۔

⑮ میری بیٹی کے یونیورسٹی میں داخلے کے بارے میں بھی میرے خدشات غلط ثابت ہوئے کیونکہ جونہی مجھے معلوم ہوا کہ میرا مکان اور فارم نہیں بکیں گے، میری ایک پریشانی دور ہوگئی اور پھر یونیورسٹی میں داخلہ شروع ہونے سے صرف دو ماہ قبل مجھے کالج کے اوقات کے بعد ایک پارٹ ٹائم ملازمت مل گئی اور اس سے میرے پاس اتنے پیسے جمع ہوگئے تھے کہ میری بیٹی کا یونیورسٹی میں داخلہ ہوگیا۔

میں نے اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا تھا کہ جن معاملات کے بارے میں ہم فکر مند ہوتے ہیں اور جلتے کُڑھتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ناوے فیصد معاملات بخیر وخوبی گزر جاتے ہیں اور ہم خواہ مخواہ قبل ازوقت پریشان ہوتے رہتے ہیں، لیکن میں نے اسے اس وقت سچ جانا جب مجھے اپنی زندگی میں مشکلات پیش آئیں۔

اور میں ان کے بارے میں قبل ازوقت فکر مند ہوا اور میں نے انہیں ٹائپ کر کے ایک فائل میں رکھ دیا۔ لیکن اٹھارہ ماہ بعد جب میں نے اس فائل کو کھولا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں ان میں سے پانچ مشکلات کے بارے میں خواہ مخواہ قبل ازوقت پریشان رہتا تھا۔

میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے مسائل میں میری مدد کی، تجربے نے مجھے ایک سبق دیا، جسے میں کبھی نہیں بھول سکوں گا، وہ یہ کہ ہم مشکلات اور مسائل کے بارے میں خواہ مخواہ قبل ازوقت جلتے اور کڑھتے رہتے ہیں۔

حالانکہ ان میں سے ننانوے فیصد مسائل ہمیں کسی قسم کی مشکل میں گرفتار کئے بغیر گزر جاتے ہیں اور ہم خواہ مخواہ ان کے حل کے لئے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ سے سوال کریں کہ آپ کو کیسے پتہ کہ کیا چیز وقوع پذیر ہونے والی ہے۔

جب آپ محسوس کریں کہ بے جا تنقید سے آپ کو غصہ آرہا ہے تو آپ ایک لمحے کے لئے پرسکون ہوکر سوچیں کہ کہیں مجھ سے واقعی غلطی نہیں ہوئی اور اگر ایسا ہو تو فراخ دلی سے اپنی غلطی کو تسلیم کرلیں جیسا کہ آئن اسٹائن اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ میرے 90 فیصد اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں۔

غلطیوں سے سبق سیکھنے والے

71 میں صابن فروخت کرنے والے ایک سیلز مین کو جانتا ہوں، جب اس نے صابن فروخت کرنے شروع کیے تو اسے بہت کم آرڈر ملے جس کے باعث وہ اپنی ملازمت ختم ہوجانے کے بارے میں فکر مند تھا۔ اسے یقین تھا کہ آرڈر نہ ملنے کا سبب صابن کی خرابی یا قیمت کی زیادتی نہیں ہے اس نے غور کیا تو اسے احساس ہوا کہ اپنے طریقہ کار میں خامی ہے۔

جب وہ صابن فروخت کرنے میں ناکام رہتا تو اکثر سوچتا کہ مجھ میں کیا خامی ہے۔ کیا وہ بہت ہی غیر واضح بات کرتا ہے، کیا اس کی گفتگو میں وزن نہیں ہے، بعض اوقات وہ کسی اسٹور پر جاکر یہ کہتا ''میں یہاں صابن فروخت کرنے نہیں آیا میں یہاں صرف مشورہ حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں'' کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ چند منٹ پہلے جب میں نے آپ کو صابن فروخت کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے کیا غلطی ہوئی۔ آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور کامیاب ہیں۔ مجھے آپ کی رہنمائی چاہئے۔ آپ مہربانی کر کے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مجھے اپنی رائے سے آگاہ کریں۔

اس رویئے سے اس کے بے شمار دوست بن گئے، اس نے بغیر کسی معاوضے کے بہت سے کارآمد گُر سیکھ لیے، کیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ شخص دنیا کی سب سے بڑی صابن بنانے والی کمپنی کا صدر بنا۔ اس شخص کا نام جی ایچ لٹل تھا۔

مایوس کیوں کھڑا ہے...... اللہ بہت بڑا ہے

7/2 گاروے کے خیال میں سب سے پہلے ہمیں یہ طے کرنا چاہئے کہ ہم چاہتے کیا ہیں۔ ہمارا مقصد اور ہدف کیا ہے۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد ہم سفر شروع کرسکتے ہیں۔ فاروق احمد کی مثال لیجئے۔ آٹھ برس کی عمر میں وہ ریسٹورنٹ کا مالک بننے کی آرزو کرنے لگا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''میں ریسٹورنٹ کا مالک بن جاؤں تو پھر بھوکا نہ مروں گا''۔ اصل میں اس آرزو کے پیچھے فاروق کی محرومیاں کارفرما تھیں۔ وہ بچپن میں یتیم ہوگیا تھا۔ اس کو خوش باش اور مستحکم گھریلو زندگی کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ والدین کی ٹھنڈی چھاؤں میسر آئی اور نہ ہی ہنستا بستا گھر۔ تعلیم اور تحفظ سے بھی وہ محروم رہا۔

ریسٹورنٹ کی خواہش بہرطور اس کے دل میں پلتی رہی۔ بارہ سال کی عمر میں اس کو ایک چائے خانے میں برتن دھونے، میزیں صاف کرنے اور دوسرے چھوٹے موٹے کام کرنے کی ملازمت مل گئی۔ اس کے دل میں تڑپ تھی، لہٰذا فاروق لگن اور دیانت سے کام کرتا رہا، پانچ سال بعد وہ ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ کا منیجر بن گیا۔
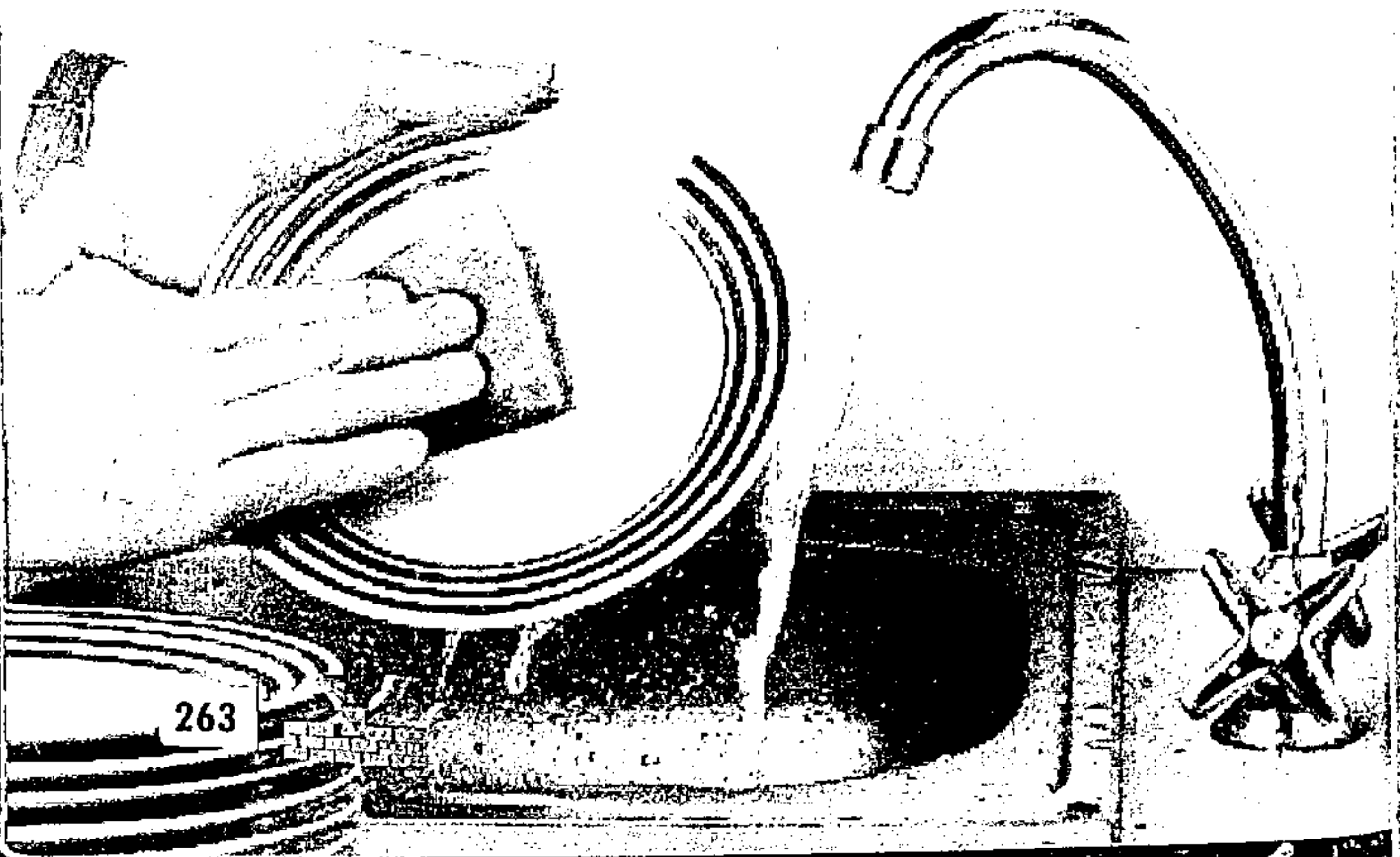
اب اس کو منزل کا حصول آسان محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے اپنے کام میں مہارت حاصل کی۔ آنکھیں کھلی رکھیں، لوگوں سے تعلقات بنائے، ہر ایک کی دل لگا کر خدمت کی اور ساتھ ہی ساتھ ہر وقت موقع کی تلاش میں بھی رہا، آخر کار فاروق نے تھوڑے بہت پیسے جمع کیے۔

کچھ مدد دوستوں سے لی اور اپنا ایک معمولی سا ریسٹورنٹ کھول لیا۔ اپنی بیٹی کے نام پر اس کا نام رکھا۔ فاروق کی محنت، لگن اور دیانت رنگ لانے لگی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کا کام بڑھتا رہا۔ اب وہ شہر کے سب سے فیشن ایبل ریسٹورنٹ کا مالک ہے۔ اسلام آباد میں بھی اس کی ایک شاخ قائم کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے اور ٹھاٹ سے زندگی گزار رہا ہے۔
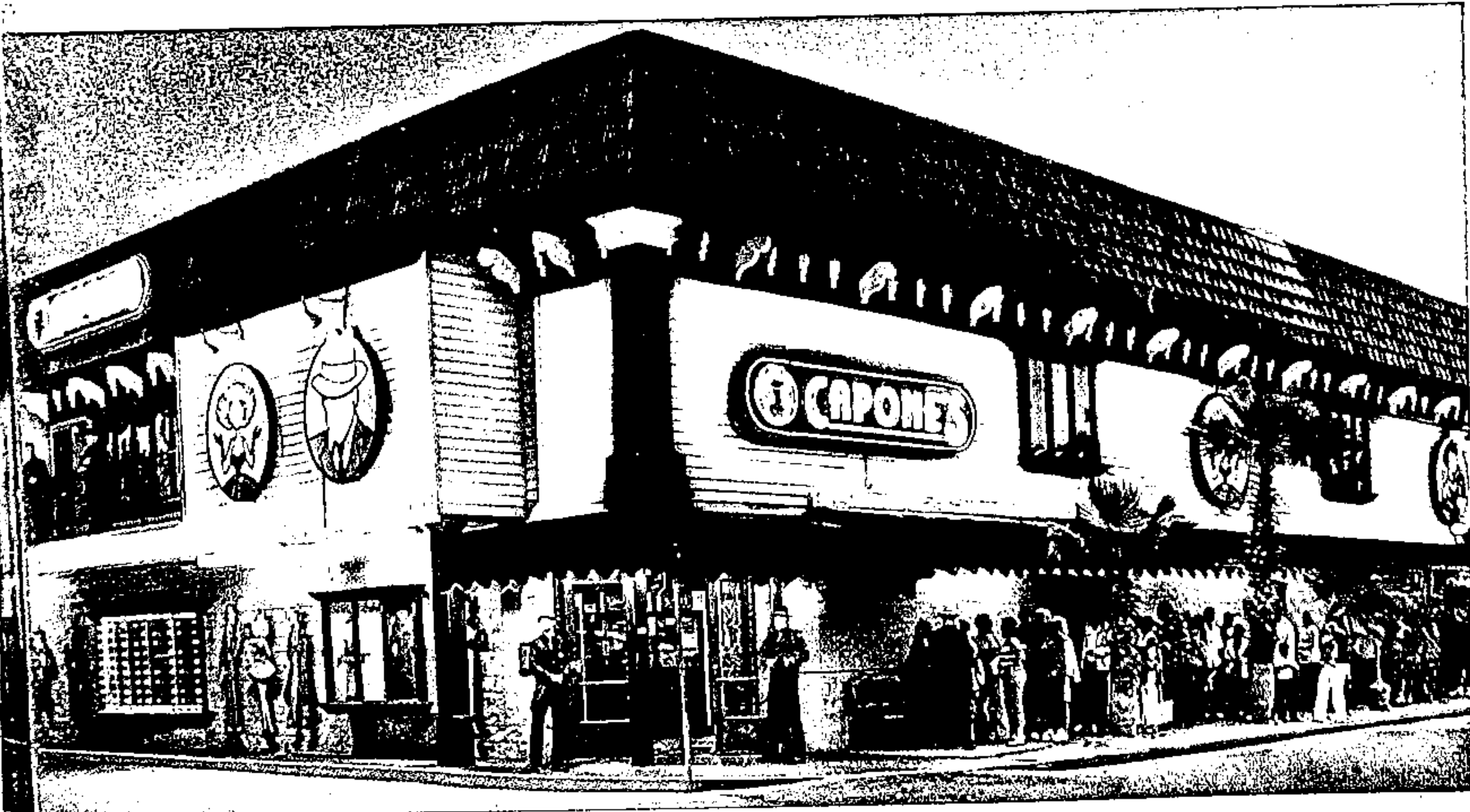
''اس قسم کے شاندار ریسٹورنٹ پر میری نظر کبھی نہ تھی۔'' فاروق بے تکلف دوستوں کو بتایا کرتا ہے۔ ''میری خواہش تو بس اس قدر تھی کہ چھوٹا سا صاف ستھرا چائے خانہ، یا یوں کہیے کہ ریسٹورنٹ بناؤں۔ وہ میں نے بنا بھی لیا تھا، پھر میں نے اس سے آگے قدم اٹھایا۔

مسلسل کوشش فولادی پتھر کو بھی چکنا چور کر دیتی ہے

73 ایک تجربہ کار شخص نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ ''کیا تم نے پتھر توڑنے والے مزدور کو پتھر توڑتے دیکھا ہے۔'' بیٹے نے اثبات میں جواب دیا، باپ نے بیٹے سے پوچھا ''تم نے کیا محسوس کیا۔'' بیٹا بولا ''میں نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ مزدور پتھر پر مسلسل ضربیں لگاتا ہے مگر کہیں پچاسویں یا ساٹھویں ضرب کارگر ہوتی ہے اور پتھر ٹوٹ جاتا ہے۔''

باپ کہنے لگا ''یہ پتھر پچاسویں ضرب نے نہیں توڑا بلکہ پہلی ہی ضرب نے اپنا کام کر دیا تھا اور ہر ضرب اپنے حصے کا کام کرتی رہی، آخری ضرب سے پہلے ننانوے فیصد کام مکمل ہو چکا تھا، اس آخری ضرب نے صرف اپنے حصہ کا ایک فیصد کام کیا اور پتھر ٹوٹ گیا، اگر مزدور 40 ضربیں لگا کر مایوس ہو جاتا تو کبھی کوئی پتھر نہ توڑ سکتا۔'' اسی طرح بہت سے لوگ محض اس لیے ناکام رہتے ہیں اور مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکتے کہ وہ آدھے راستے یا دو تہائی راستے سے واپس آجاتے ہیں حالانکہ منزل ان سے صرف چند قدم کے فاصلے پر ہوتی ہے۔

معمولی مزدور سے کامیاب زمیندار بننے کا سفر

74 ایک مالدار آدمی کی ساحل سمندر پر زرعی زمین تھی، اس پر کام کرنے کے لیے اسے مزدور کی ضرورت تھی مگر اکثر لوگ اس کی زمین پر کام کرنے سے ہچکچاتے تھے کیونکہ ساحل سمندر کے قریب ہونے کی وجہ سے اکثر و بیشتر تیز وتند آندھی چلتیں اور کبھی طغیانی بھی آجاتی جس سے فصل اور مویشیوں کو کافی نقصان پہنچتا۔ بہت سے لوگ دوسرے علاقوں سے آئے مگر جلد ہی وہ بھی کام چھوڑ کر چلے گئے۔

ایک دن اس مالدار شخص کے پاس ایک انتہائی چھوٹے سے قد کا کمزور سا آدمی آیا اور زمین پر کام کرنے کی خواہش ظاہر کی، مالک نے پوچھا کہ "تم کھیت میں کام کرلو گے، یہاں تو بہت سے لوگ کام کرنے آئے مگر وہ کام چھوڑ کر بھاگ گئے کیونکہ یہاں تو تیز وتند آندھیاں چلتی ہیں۔" وہ پستہ قد شخص بولا "مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ جب تیز آندھیاں چلتی ہیں تو میں بے فکر سویا رہتا ہوں۔" زمین کا مالک حیران ہوا لیکن اسے کام پر لگا دیا کیونکہ وہ ہر ایک مزدور سے مایوس ہو چکا تھا۔

اس پستہ قد اور کمزور آدمی نے کھیت میں انتہائی محنت سے کام شروع کردیا، صبح دن چڑھے وہ کام شروع کرتا اور رات گئے تک اپنے کام مصروف رہتا، مالک کو اس کا کام بہت پسند آیا، ایک دفعہ سخت آندھی چلی، زمین کا مالک گھبرا کر اٹھا اور ٹارچ اٹھا کر جلدی سے مزدور کے کمرے کی طرف بھاگا تاکہ

اسے جگائے اور مال مویشی اور غلے واناج کو محفوظ مقام پر منتقل کرے۔

مالک نے اسے زور زور سے آوازیں دینا شروع کر دیں کہ جاگو تیز آندھی آگئی ہے، ہر چیز کو محفوظ کرلو تا کہ آندھی سے ضائع نہ ہو جائے، مزدور اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور مالک سے کہنے لگا "جناب! میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں تیز آندھیوں میں بے فکر ہو کر سونے والا آدمی ہوں۔" اس پر مالک کو سخت غصہ آیا، اس نے سوچا کہ ابھی اسی لمحے اسے ختم کر دوں مگر پھر اسے خیال آیا کہ پہلے اپنے مویشیوں اور غلے کو تو محفوظ ٹھکانے پر منتقل کرلوں مگر جوں ہی وہ زمین پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ تمام جانور محفوظ ٹھکانوں پر بندھے ہوئے ہیں۔

سارا غلہ محفوظ مقام پر پہلے ہی منتقل کیا جا چکا ہے، ضائع ہونے کی کوئی بھی چیز نہیں، حتیٰ کہ پرندے بھی پنجروں میں بند ہیں اور چوپال کے دروازے، کھڑکیاں مضبوطی سے بند ہیں، کسی بھی چیز کے ضائع ہونے اور نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اس وقت مالک کو سمجھ آئی کہ تیز آندھیوں کے دوران بے فکر ہو کر سونے کا کیا مطلب ہے، کوئی بھی انسان اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ ناکامی کی آندھیوں سے بچنے کا پیشگی انتظام نہ کرلے۔ اس واقعہ کے بعد مالدار شخص کے دل میں اس کسان کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی، وقت کے ساتھ ساتھ یہ کسان اپنی محنت کی وجہ سے مالدار شخص کے دل میں جگہ بناتا رہا اور پھر ایک دن کامیاب زمیندار بن گیا۔

محنت کرنے پر نوکرانی کا لڑکا محل کا مالک بن گیا

75 چارلی ڈکنز امریکا میں پیدا ہوا اس کا باپ انتہائی غریب تھا بمشکل اس کے گھر کے اخراجات پورے ہوتے چارلی اپنے باپ کے ساتھ بھی کام پر جاتا تھا۔ راستے میں روزانہ ایک بہت بڑے محل کے پاس سے گزرتے جس کے اندر عیش و عشرت کے تمام سامان اور اسباب موجود تھے۔ اسی محل میں پھلوں، پھولوں کے زبردست باغ تھے اس میں نہریں بھی تھیں۔ یہ معصوم بچہ باپ سے پوچھتا تھا کہ ہم چھوٹے اور تنگ و تاریک مکان میں کب تک رہیں گے اس بڑے محل میں کب آ سکیں گے۔ باپ مسکرا کر اس کی بات ٹال دیتا اور کہتا کہ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو پھر اس محل میں آئیں گے۔ بچہ معصومیت سے پھر پوچھتا اب اس محل میں ہم کیوں نہیں آسکتے تو باپ جواب دیتا کہ اس محل میں صرف بڑے لوگ ہی جاسکتے ہیں۔

دن گزرتے گئے اچانک چارلی ڈکنز کا والد گرفتار ہوگیا اب تو روکھی سوکھی جو ملتی تھی اس سے بھی محروم ہوگیا اب ایک دس سالہ بچہ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ ایک تنگ و تاریک مکان میں کئی کئی دن بھوکا رہنے لگا ماں لوگوں کے گھروں میں کام کاج کرتی جہاں سے کچھ کھانے کے لئے روٹی اور پنیر وغیرہ مل جاتا اور کبھی یہ بھی نہ ملتا۔ بڑی غربت کی حالت سے واسطہ پڑا۔ کبھی کبھار بھوک کی شدت چوری اور ڈاکے پر مجبور کرتی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بچتا رہا یہ دن انتہائی غربت کے گزارے اور معاشرے میں موجود امیر اور غریب طبقے کے درمیان خلیج اور فاصلے کو بڑی افسردگی سے دیکھتا رہا۔

والد جیل سے رہا ہو کر آیا تو بیٹے نے کافی بڑی عمر میں پڑھائی شروع کی مگر اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے ایک اخبار کے دفتر میں رات کو ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ زندگی کا یہ عرصہ انتہائی مشکلات میں گزرا۔ میں نے چونکہ غربت تنگ دستی فقر و فاقہ کو انتہائی قریب سے دیکھا تھا اس لئے میں نے جب ایک اخباری مضمون میں اس کا منظر کشی کی اور وہ شائع ہوا تو بڑا ہی پسند کیا گیا پھر یکے بعد دیگرے کچھ اور مضامین اسی گہری

مشاہداتی تمثیل سے متعلق لکھے تو میرا نام تھوڑے ہی عرصہ میں نمایاں ہونے لگ گیا۔

اس کے بعد میں نے اسی مشاہداتی تاثر میں ڈوب کر کچھ کہانیاں لکھ ڈالیں جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئیں پھر تو میری لاٹری نکل آئی اپنے ماضی کے فقر وفاقہ اور غربت سے حاصل شدہ مشاہدات اور پھر انہیں اچھوتے انداز سے بیان نے چارلی ڈکنز کو امریکا کا مشہور ادیب بنا ڈالا اب تو دولت کی ریل پیل ہوگئی اس نے اس محل کو خریدنے کا پروگرام بنایا جس کے بارے میں اس کے والد نے کہا تھا کہ اس میں بڑے لوگ رہتے ہیں۔
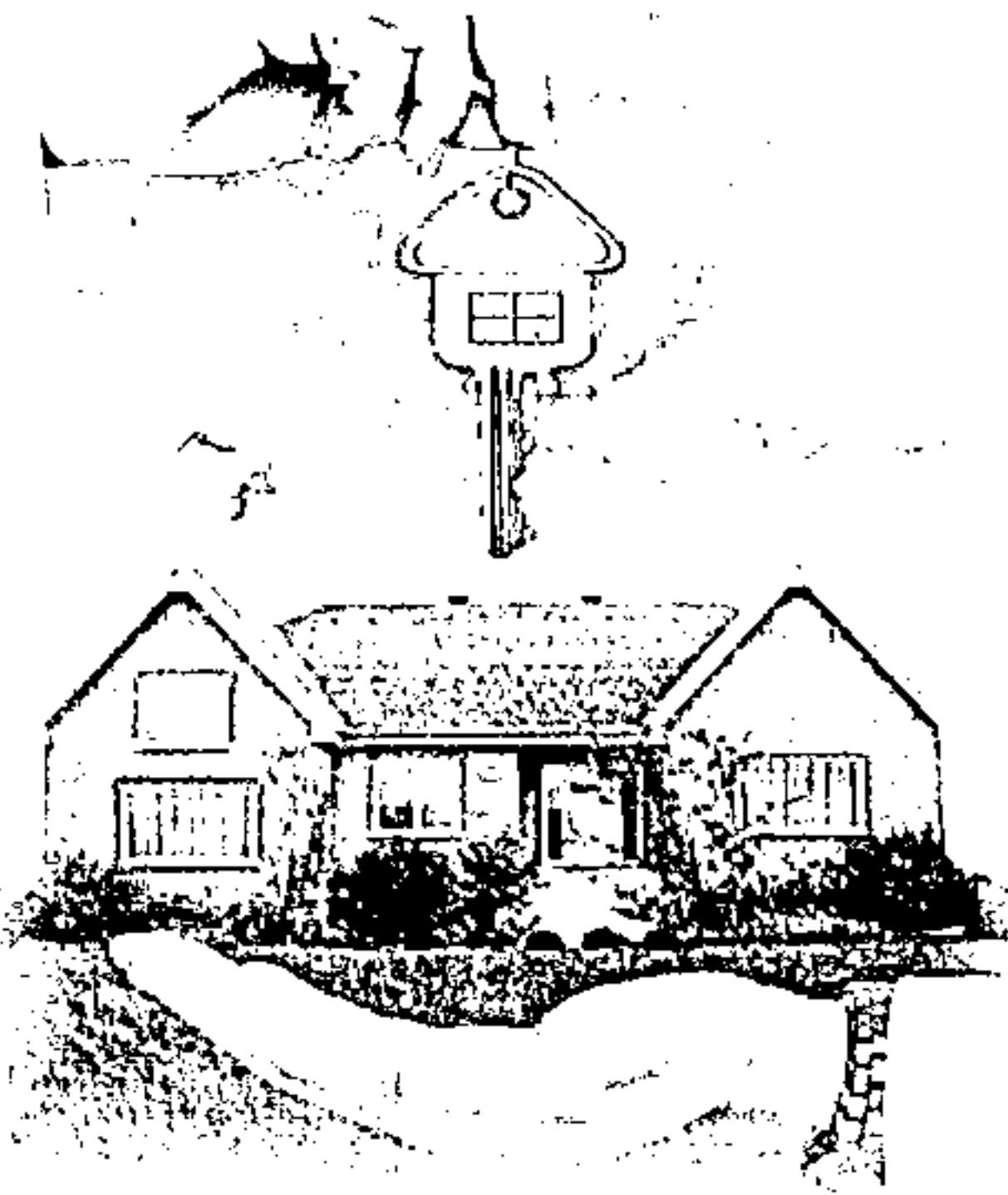
اس دوران اس محل کا مالک فوت ہو چکا تھا اس کے ورثاء نے اس محل کو بھی بیچنے کا اعلان کر دیا تاکہ ہر وارث کو حصہ مل جائے۔ اس طرح چارلی کو یہ سنہری موقع ملا اور اس نے وہ محل خرید لیا لیکن بعض اوقات وہ بیٹھ کر ہونٹ چباتا رہتا ایک دن اس کے دوست نے پوچھا کہ اب تمہیں کاہے کی پریشانی ہے؟

تمہارے سارے خوابوں کی تعبیر تو مل گئی ہے تو وہ کہتا کہ آج میرے ساتھ اگر میرے والد ہوتے تب مجھے حقیقی خوشی ہوتی، ان کے جیل جانے کی وجہ سے مجھے غربت سے نبرد آزما ہونا پڑا اور یہی غربت کے مناظر مشاہدات، احساسات اور خیالات و تجربات میرے اس بلند مقام تک پہنچنے کا ذریعہ بنے اگر والد جیل نہ جاتے اور مجھے اس قدر ٹھوکریں نہ لگتیں تو میں ایک عام آدمی ہوتا اور اس محل کو کبھی نہ خرید سکتا۔ سچ ہے کہ بہت سی تکلیفیں اور مشکلات آدمی کو بلند مقام پر لے جانے کے لئے آتی ہیں مگر انسان سمجھتا نہیں حوصلہ اور صبر سے کام نہیں لیتا بلکہ حالات سے مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

جو ہمت ہار جاتا ہے وہ زندگی بھی ہار جاتا ہے! واقعہ

76 میرا نام ابراہیم ہے۔ میں سمندر پر انجن سے چلنے والی چھوٹی شکاری کشتی میں کام کرتا ہوں۔ شیخ محمد بن صالح المنجد میرے دوست ہیں۔ وہ عالم باعمل اور بہت فاضل شخص ہیں۔ وہ سعودی شہر الخبر کی سب سے بڑی مسجد کے خطیب دل پذیر ہیں۔ میری ان سے دوستی خاصی دیرینہ ہے۔ ہم لوگ گاہے گاہے سیر وتفریح کے پروگرام بناتے رہتے ہیں۔ اس بار میں نے شیخ صاحب سے اصرار کیا کہ میرے ساتھ سمندر کی سیر کو چلیں۔ سمندر کا جوبن دیکھیں گے اور مچھلی کا شکار کریں گے۔

میرے پرزور اصرار پر شیخ صاحب نے حامی بھرلی۔ جمعرات کے دن عصر کے بعد کا وقت طے ہوا۔ ہم لوگ ساحل سمندر پر طے شدہ پروگرام کے مطابق پہنچ گئے۔ ان کا تین سالہ بیٹا انس بھی ہمراہ تھا۔ ہم بلاتاخیر کشتی میں سوار ہوئے اور سمندر میں جا اترے۔

سمندر پرسکون تھا۔ گہرے سمندر میں پہنچے تو میں نے شکار کے لئے کشتی ایک جگہ روک دی اور جال پھینک دیا۔ ایک بڑی مچھلی ہاتھ آئی۔ ننھے انس کی تو مارے ڈر کے چیخیں نکل گئیں۔ میں نے اسے بہلایا اور کہا: فکر مت کرو۔ یہ مچھلی تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ شیخ المنجد بھی اس کی حالت دیکھ کر مسکراتے رہے، انہوں نے اسے چمکارا پیار کیا تو
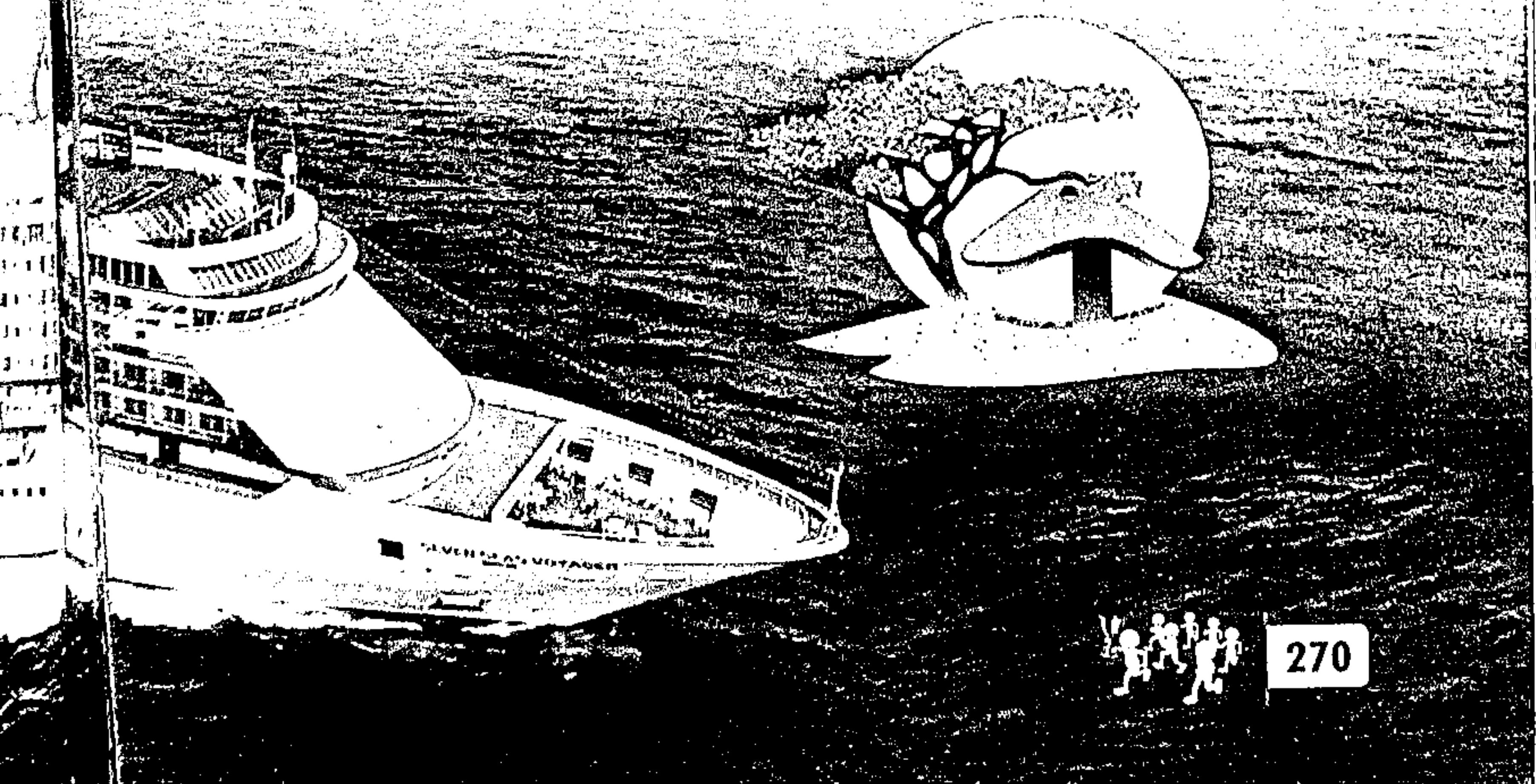
وہ چپ ہوگیا۔

پھر ہم نے طے کیا کہ ہمیں شکار کی جگہ تبدیل کر لینی چاہئے۔ میں نے کشتی کا انجن اسٹارٹ کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ انجن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ میں فوراً ریزر انجن کی طرف بڑھا، اسے اسٹارٹ کیا اور کشتی کا رخ ساحل کی جانب کر دیا۔ کشتی نے واپسی کے سفر کا آغاز کیا ہی تھا کہ مجھے انجن کے جانب خانے میں پانی کھڑا نظر آیا۔

میرے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ کچھ سمجھ نہیں آیا کہ پانی کشتی میں کیونکر داخل ہوا۔ بہرحال میں نے فوراً شیخ صاحب کو متوجہ کیا اور ہم دونوں پانی نکالنے لگے۔ یکا یک کشتی کا توازن بگڑا اور وہ الٹ گئی۔ شیخ صاحب کو تیرنا نہیں آتا تھا۔ انہوں نے انس کو میری طرف پھینکا۔ اتنے میں تیز لہر آئی اور ہمارے سروں پر سے گزر گئی۔

ہم دوبارہ پانی کی سطح پر ابھرے۔ یہ میری زندگی کے نازک ترین لمحات تھے۔ میرے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ شیخ صاحب کہاں ہیں؟ میں نے اردگرد نظر دوڑائی۔ وہ نظر نہیں آئے۔ سخت پریشانی ہوئی۔ میں اِدھر اُدھر تیرا۔ آخر عقب میں ایک جگہ وہ پانی کی سطح پر آئے۔ ان کے ہاتھ میں لائف گیلن تھی جسے انہوں نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔
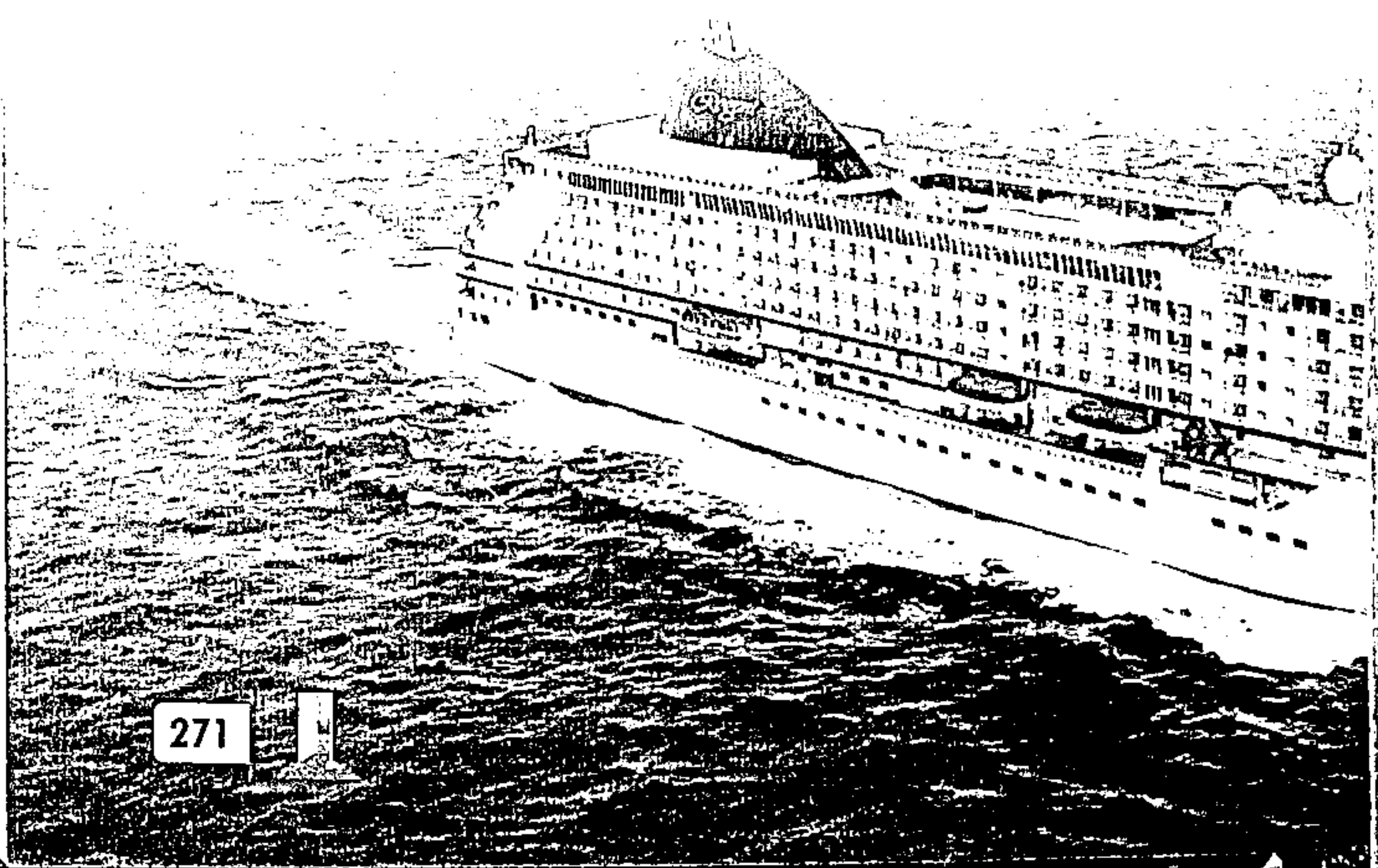
جب ہم کشتی سے پانی نکالنے کی کوشش کر رہے تھے تو اسی افراتفری میں کشتی کا وہ بند ڈبا کھل گیا تھا جس میں لائف رنگ پڑے تھے۔ چند لائف رنگ پانی کی سطح پر تیر رہے تھے۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی ایک لائف رنگ پر ہاتھ ڈالا اور اسے شیخ صاحب کی طرف پھینکا۔ ان کے ایک ہاتھ میں تو لائف گیلن تھی، دوسرے ہاتھ میں انہوں نے لائف رنگ تھام لیا۔ اب ہمیں نہایت تیزی سے ساحل پر پہنچنا تھا اور یہ سفر بدقسمتی سے تیر کر طے کرنا تھا۔

مجھے قوی امید تھی کہ بارڈر سیکورٹی فورس ہماری مدد کو ضرور پہنچے گی۔ یہ نہ ہوا تو سمندری مچھیرے ہماری مدد کو آجائیں گے۔ شیخ صاحب کا ایمان بہت قوی تھا۔ وہ برابر ذکر الٰہی میں مشغول تھے اور مجھے بھی اس کی تلقین کر رہے تھے اور تو اور انہوں نے مجھے پانی میں رہتے ہوئے وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بتلایا۔ انہوں نے مجھے وصیت کی کہ نماز کا وقت ہو تو نماز ضرور پڑھ لینا۔ ایسے سنگین حالات میں بھی وہ بالکل مطمئن نظر آتے تھے۔

کنارے کی جانب ہمارا سفر تیزی سے جاری تھا۔ ہم لہروں کے اتار چڑھاؤ میں ہچکولے کھا رہے تھے۔ مجھے یہ خطرناک احساس ہوا کہ ہم تینوں جلد ہی جدا ہو جائیں گے۔ کچھ بھی ہوسکتا تھا، میری جان جاسکتی تھی، انس ڈوب سکتا تھا، شیخ صاحب سمندر کی بے پناہ لہروں میں کھوسکتے تھے۔ میں نے ان سے معافی چاہی کہ میں ہی انہیں بہ اصرار سمندر میں لایا تھا۔ مگر شیخ صاحب راضی بقضا اور پرسکون تھے۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا، میں نے شیخ صاحب کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اسی حالت میں وضو کی نیت باندھی اور سمندر کے پانی میں غوطے کھاتے ہوئے مغرب کی نماز ادا کی۔ رات کا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ شیخ صاحب برابر مجھے اپنی پوزیشن کا پتہ بتا رہے تھے۔ تاہم ہمارا درمیانی فاصلہ رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا۔ سمندر کی تیز لہریں ہمیں ایک دوسرے سے دور کر رہی تھیں۔ آخر شیخ صاحب سے میرا صوتی رابطہ منقطع ہوگیا۔ میں نے جان لیا کہ میری مصیبت بڑھتی جا رہی ہے۔

انس کی صورت میں شیخ صاحب کی قیمتی امانت میرے پاس تھی۔ خود سے زیادہ مجھے انس کی فکر تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا: بابا کہاں ہیں؟ میں کیا جواب دیتا۔ وہ رونے لگا، میں نے اسے دلاسہ دیا اور اللہ کے بھروسے پر کنارے کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ زبان پر اللہ کا ذکر جاری تھا۔ معاً انس چلایا: میرا جوتا گر پڑا۔ مجھے میرا جوتا چاہئے۔ وہ ضد پر اتر آیا۔ میں نے قدرے جھنجھلا کر کہا: تمہارا جوتا سمندر میں چلا گیا ہے۔ اب وہ واپس نہیں آسکتا۔ ہم تمہیں نیا جوتا دلا دیں گے، لیکن وہ برابر روتا رہا۔ میں نے غصے میں آکر اس کا دوسرا جوتا بھی اتارا اور سمندر میں پھینک دیا۔ تب وہ ایک دم خاموش ہوگیا۔

عشاء کا وقت ہوا تو میں نے اسی حالت میں عشاء کی نماز ادا کی۔ مصائب آدمی کا دل بیدار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ میرا دل بھی خواب غفلت سے بیدار ہو چکا تھا۔ انس ایک مرتبہ پھر چلایا۔ چچا وہ دیکھئے بہت بڑی مچھلی، مارے خوف کے میری رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ میں نے متوقع خطرات سے اللہ کی پناہ چاہی اور انس سے اس مچھلی کے بارے میں پوچھا، مجھے خدشہ تھا کہ یہ خلیج کی خونخوار مچھلی ''قرش'' ہے جو ہمیں لقمہ بنانے آرہی ہے۔

اس نے بتایا کہ مجھے وہ مچھلی اپنے عقب میں بے حد قریب نظر آئی ہے۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اردگرد دیکھا، مچھلی کہیں نظر نہیں آئی۔ پھر یہ سوچ کر مجھے قدرے اطمینان ہوا اور میں مسکرایا کہ انس دراصل میرے تیرتے ہوئے ننگے پیروں کو مچھلی سمجھا ہے۔

مجھے تیرتے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ بدن تھکاوٹ سے چور تھا، سخت پیاس لگ رہی تھی۔ میرے کندھوں پر سوار تین سالہ انس کبھی بے ہوش ہوجاتا اور کبھی ہوش میں آکر چلانے لگتا۔ اتنے میں فجر کی اذان سنائی دی۔ میں نے تمام رات سمندر میں تیرتے ہوئے گزار دی تھی۔ آخر سورج کے طلوع ہوتے ہی میں کنارے پر جا پہنچا۔ انس کو کندھوں سے اتار کر ریت پر لٹایا۔ خود بھی ریت پر لیٹ گیا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

میں جس جگہ کنارے پر لگا تھا وہاں لوگوں کی چہل پہل نہیں تھی۔ وہ جگہ سیرگاہ سے بہت دور تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے ذرا ستا کر بندرہ گاہ کی طرف جانا اور بارڈر سیکورٹی فورس کو شیخ صاحب کے بارے میں بتانا ہے تاکہ انہیں تلاش کیا جاسکے۔

اتنے میں ایک گاڑی اس طرف آتی دکھائی دی۔ وہ ہمارے قریب آکر رک گئی۔ گاڑی میں سے ایک صاحب برآمد ہوئے اور ہماری طرف بڑھے۔

مجھ سے پوچھا: آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہم کل عصر کے بعد سمندر میں ڈوب گئے تھے۔ اب تیرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔

وہ بے حد خوش ہوئے، بولے میں نے آپ کو دور سے کنارے کی طرف آتے دیکھا تو کوئی سمندری مخلوق سمجھا تھا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ وہ ہفتے بھر میں ایک دفعہ سمندری شکار کے لئے یہاں ضرور آتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور لمبی مسافت طے کرنے کے بعد بارڈر سیکورٹی آفس پہنچا دیا۔

سیکورٹی آفس پہنچتے ہی ہمیں ابتدائی طبی امداد کے لئے مختص وارڈ میں لے جایا گیا۔ طویل تگ و دو کے بعد پانی کا گھونٹ نصیب ہوا تو میں نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا۔ پانی واقعی بہت لذیذ معلوم ہوا۔ انہوں نے ہم دونوں کو غذائی ڈرپ لگا دی۔ سیکورٹی آفس کے کمانڈنگ آفیسر کو اطلاع ملی تو وہ دوڑے آئے۔ بڑے خوش اخلاق اور نرم خو آدمی تھے۔ انہوں نے ہماری بات سنی اور ڈھارس بندھائی۔ میں نے انہیں شیخ صاحب کے متعلق بتایا۔ انہوں نے فوری طور پر سرچنگ پارٹیوں کو آرڈر دیا کہ شیخ صاحب کو ہرحال میں تلاش کیا جائے۔

مجھے شیخ صاحب کی پوزیشن کا علم تو نہیں تھا البتہ میں نے انہیں بتایا کہ وہ ایک ہاتھ میں لائف گیلن اور دوسرے ہاتھ میں لائف رنگ تھامے ہوئے ہیں۔

سرچنگ پارٹیاں سمندر میں ہر طرف پھیل گئیں۔ غوطہ خوروں نے غوطے لگائے۔ گھنٹے بھر کی تلاش بسیار کے بعد شیخ صاحب کا سراغ مل گیا۔ خوش قسمتی سے وہ زندہ اور صحیح سلامت تھے۔ مجھے بے حد خوشی محسوس ہوئی۔

میں کمانڈنگ آفیسر اور آفس کے بعض دیگر عہدیداران کے ہمراہ شیخ صاحب کے استقبال کو نکلا۔ وہ ساحل پر آتے ہی قبلہ رو ہوئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ یہ خیال مجھے نہیں آیا تھا۔

چنانچہ میں نے بھی ان کے ساتھ سجدۂ شکر ادا کیا۔ انہوں نے فرداً فرداً سب سے معانقہ کیا۔ آخر میں وہ انس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور اسے سینے سے لگالیا۔ جان لیوا حادثے کے بعد باپ بیٹے کی ملاقات کا منظر دیدنی تھا۔ میں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے مجھے پچھتاوے کے دائمی احساس سے بچالیا۔

دنیا کی پہلی ڈیجیٹل گھڑی کیسے بنی؟

777 کچھ عرصہ پہلے تک گھڑی سازی کی صنعت میں سوئزرلینڈ کی کمپنیوں کی تقریباً اجارہ داری تھی، دنیا بھر میں اسی فیصد سوئس گھڑیاں استعمال ہوتی تھیں، اس دوران ایک موجد نے گھڑی کا نیا ماڈل بنا کر ایک سوئس کمپنی کو پیش کیا مگر اس نے اسے ناقابل عمل قرار دے کر مسترد کر دیا، یہ ساٹھ کی دہائی کی بات ہے مگر یہ موجد مایوس نہیں ہوا اور اس نے مزید سوئس کمپنیوں سے رابطے کیے مگر ہر ایک کا ایک ہی جواب تھا کہ یہ ناقابل عمل ہے، اس پر اس موجد نے جاپان کی ایک غیر معروف کمپنی مسیکو سے رابطہ کیا جس نے اس کا ماڈل منظور کر لیا اور اس طرح دنیا میں پہلی ڈیجیٹل گھڑی معرض وجود میں آ گئی اور پھر گھڑی کی دنیا میں انقلاب آ گیا اور دنیا میں 80 فیصد ڈیجیٹل گھڑی نے اپنی مارکیٹ بنا لی۔

آوارگی سے نامور ادیب بننے تک

78 ایک عرصہ وہ دربدر روٹی مانگا کرتا تھا۔ ایک زمانے بعد لوگ اس کے آٹو گراف کو ترستے تھے۔ چالیس برس سے بھی پہلے کا ذکر ہے کہ ایک خستہ حال اور آوارہ نوجوان ایک مال گاڑی سے لٹک کر ''بفلو'' شہر میں داخل ہوا اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے گھر گھر روٹی مانگنے لگا۔ ایک سپاہی نے اسے آوارہ گردی کے الزام میں پکڑ لیا اور جب اسے مجسٹریٹ کے سامنے لایا گیا تو اس نے اسے ایک ماہ قید بامشقت کی سزا سنا دی۔ تیس روز وہ پتھر توڑتا اور جیل کی سوکھی روٹی کھاتا رہا لیکن چھ برس بعد، وہی نوجوان مغربی امریکہ کا اہم ترین شخص بن گیا۔

ادیب، نقاد اور ایڈیٹر اسے ادبی دنیا کا روشن ترین ستارہ سمجھتے تھے۔ انیس برس کی عمر سے پہلے وہ کبھی کسی ہائی اسکول نہ گیا۔ صرف چالیس سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا، لیکن وہ اپنے پیچھے اکاون کتابیں چھوڑ گیا۔ وہ ''جیک لنڈن'' تھا۔ ''جنگل کی پکار'' نامی کتاب کا مصنف۔ جب جیک لنڈن نے ''جنگل کی پکار'' لکھی تو ایک رات کے اندر اندر مشہور ہوگیا۔ ایڈیٹر کہانیوں کے لئے اس کے پیچھے بھاگنے لگے، لیکن اسے اپنی پہلی کتاب کا بہت کم معاوضہ ملا۔

جیک لنڈن کی حیرت ناک کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اس کی مختصر مگر ولولہ انگیز کتاب دس ہزار رنگارنگ تجربات سے بھری پڑی ہے۔ وہ جہاز ران، قزاق، کان کن وغیرہ رہ چکا تھا۔ وہ پارکوں میں پڑے بنچوں، گھاس کے گٹھوں اور مال گاڑی کے ڈبوں میں سوتا۔ بعض مرتبہ یوں بھی ہوا کہ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو پانی میں سوتے پایا۔ وہ میکسیکو، جاپان، کوریا کے قید خانوں کی سیر بھی کر آیا تھا۔ اسکول جانے کے خیال پر وہ قہقہہ لگاتا اور زیادہ وقت جوا کھیلتا۔ ایک دن وہ یونہی گھومتا گھومتا ایک پبلک لائبریری میں چلا گیا اور بیٹھ کر ''روبن سن کروسو'' کو پڑھنے لگا۔ اس کتاب نے اسے حیرت زدہ کر دیا۔

دوسرے دن وہ کوئی اور کتاب پڑھنے کے لئے بھاگا بھاگا لائبریری آیا۔ اس کے سامنے نئی دنیا کے دروازے کھل رہے تھے۔ اس وقت کے کتابوں کے مطالعے کی ناقابل تسکین پیاس اس پر مسلط ہوگئی۔ وہ دن میں دس پندرہ گھنٹے مطالعہ کرتا۔

جب وہ انیس برس کا ہوا تو اس نے جسمانی محنت کے بجائے دماغی محنت کا تہیہ کرلیا۔ وہ آوارگی، سپاہیوں اور ریلوے کے ملازمین کی مار سے تنگ آچکا تھا، لہٰذا انیس برس کی عمر میں وہ کیلی فورنیا کے ایک ئی اسکول میں داخل ہوگیا۔ اس نے تین سال کا کورس چار ماہ میں ختم کیا۔ایک بڑا ادیب بننے کے جذبے کے تحت ''ٹریژر آئی لینڈ'' اور ''اے ٹیل آف ٹوسٹی'' کو بار بار پڑھتا اور پھر ایک بھرپور جذبے کے تحت لکھنے میں محو ہو جاتا۔

وہ ہر روز پانچ ہزار الفاظ لکھتا۔ اس کا مطلب ہے کہ بیس دن میں ایک مکمل ناول۔ پھر ایک دن اس کی ''جاپان کے ساحل پر طوفان'' نامی ایک کہانی نے کہانیوں کے مقابلے میں پہلا انعام حاصل کیا۔ 1898ء کا سال تھا، وہ اپنی چھ کتابیں اور ایک سو پچاس کہانیاں شائع کراچکا تھا۔ وہ اپنا سارا وقت ادب کے لئے وقف کرنا چاہتا تھا۔ ادبی دنیا میں سب سے زیادہ چرچا اسی کا تھا۔ اس کی سالانہ آمدنی امریکہ کے صدر کی سالانہ آمدنی سے دگنی تھی۔ اس کی کتابیں آج بھی یورپ میں بہت مقبول ہیں۔ اس کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جن کی کتابیں دنیا بھر میں پڑھی جاتی ہیں۔

''جنگل کی پکار'' جس کا معاوضہ اسے فقط تین سو پونڈ ملا تھا، بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہوچکی ہے۔ اس کی پندرہ لاکھ سے زیادہ کاپیاں فروخت ہوچکی ہیں اور وہ امریکی ادب کی مقبول ترین کتاب ہے۔ اس کا نام ڈیل کارنیگی تھا۔
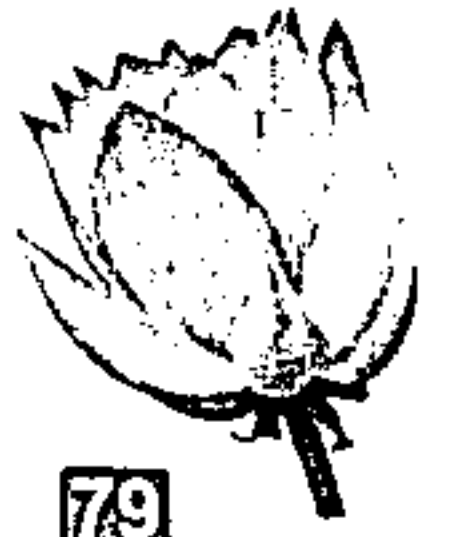
پامیلا دیوی کی کہانی اس کی زبانی

79 اس کتاب میں ایک سے زیادہ بار اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ ہم کو ناکامی سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام بھی یہی تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ مخالف ہواؤں کی شدت سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ وہ ہم کو اونچا اڑانے کے لئے چلتی ہیں۔ ایک انگریزی کہاوت ہے کہ ''آپ کے بندر کی موت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کی سرکس ختم ہوئی۔'' واقعی اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کیونکہ آپ حوصلے اور سمجھداری سے کام لیں گے تو کئی اور بندر مل جائیں گے۔

ممبئی کی پامیلا دیوی کی کہانی کئی سال پہلے ایک ڈائجسٹ میں شائع ہوئی تھی۔ آپ بیتی کے آغاز میں ہی انہوں نے لکھا تھا کہ ''سولہ سال پہلے میں بے روزگار تھی اور میرا وزن بھی ایک سو چالیس پونڈ سے زیادہ تھا۔ ہر شے سے مجھے ڈر لگتا تھا۔ کوئی چیز بھی میرے کام نہ آ رہی تھی۔ لگتا تھا کہ قسمت کی دیوی مجھ سے روٹھ گئی ہے۔''

پامیلا بتاتی ہیں کہ 1976ء میں ایک دن انہوں نے ہیلتھ کلب جوائن کرلیا۔ اس وقت ان کی عمر 31 سال تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مایوس کن زندگی کو بدلنے کا عزم کیا اور صحت مند عادتیں اپنانے لگیں۔ چند ہی ہفتوں میں صورت حال بدلنے لگی۔ ان کے بھدے جسم سے گوشت کم ہونے لگا۔ وہ قدرے اسمارٹ اور پرکشش نظر آنے لگیں۔ ان کی خود اعتمادی بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ لکھتی ہیں کہ ''ناکامی سے میں اب بھی ڈرتی تھی۔ لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے موزوں ملازمت حاصل کرنے کے لئے قدم اٹھانے چاہئیں۔''

انہی دنوں ہیلتھ کلب کی آفس سیکریٹری چندی دیش پانڈے نوکری چھوڑ کر کلکتہ چلی گئی تھیں۔ پامیلا کے لئے ایک موقع پیدا ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے کلب کی انتظامیہ سے بات کی اور یہ عہدہ ان کو مل گیا۔ اس ملازمت میں تنخواہ تو زیادہ نہ تھی، مگر کام پامیلا کو اچھا لگا تھا۔ انہوں نے خوب محنت کی اور تین چار مہینوں میں کلب کے ارکان کی تعداد دوگنا

بڑھا دی۔ دو سال بعد پامیلا نے یہ ملازمت چھوڑ دی۔

انہوں نے پرکشش کام ڈھونڈ لیا تھا۔ وہ ایک اشتہاری کمپنی میں ملازم ہوگئیں۔ وہاں ان کی صلاحیتیں اور محنتیں زیادہ کام آئیں اور وہ کمپنی کے نائب صدر کے عہدے تک جا پہنچیں۔ چنانچہ وہ آپ بیتی کو سمیٹتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ''ذرا دیکھو تو سہی میں نے صرف چار برسوں میں ایک موٹی بھدی اور بزدل گھریلو خاتون سے ایک بڑی کمپنی کے ایگزیکٹو تک کا سفر طے کرلیا۔ یہ سارے مرحلے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر طے ہوئے تھے۔ صرف اسی طریقے سے میں ناکامی کے خوف پر قابو پاسکتی تھی۔''

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ناکامی سے زیادہ ناکامی کے خدشات ہمیں ذہنی اور جذباتی طور پر مفلوج کر دیتے ہیں۔ ارادے اور کوشش کے ذریعے ہم اس خوف پر قابو پاسکتے ہیں۔ اس کے چند طریقے اس کتاب کے ایک علیحدہ باب میں درج کیے گئے ہیں۔

نوٹ: یاد رکھیے عورت کا بغیر پردے کے ملازمت کرنا یا پردے میں رہتے ہوئے ایسی جگہ ملازمت کرنا جہاں مردوں سے اختلاط ہو جائز نہیں حرام ہے یہ واقعہ ہم نے صرف مایوس، سست اور کاہل انسانوں کو باہمت بنانے کے لئے لکھا ہے، ان کو چاہیئے کہ باہمت بن کر مثالی انسان بنیں اور شریعت کے احکام کی پاسداری کرتے ہوئے ہر میدان میں آگے بڑھنے کے لیے جہد مسلسل کو جاری رکھیں تو ہر بڑا عہدہ اور کامیابی ان کی منتظر ہے۔

ناکامیوں کو کامیابی کا زینہ بنانے والے

80 کوئی بھی ہدف ایسا نہیں ہوتا کہ جس تک پہنچنے کے لئے مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور رکاوٹیں پیش نہ آئیں۔ انسان میں خود اعتمادی ہو، عزم ہو تو وہ ان ساری دشواریوں سے نمٹتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کو ثابت قدمی کہتے ہیں۔ اس کو استقلال بھی کہہ سکتے ہیں۔ مطلب ہے اپنی راہ پر گامزن رہنا، مشکلات کا مقابلہ کرنا اور ناکامیوں سے حوصلہ نہ ہارنا۔
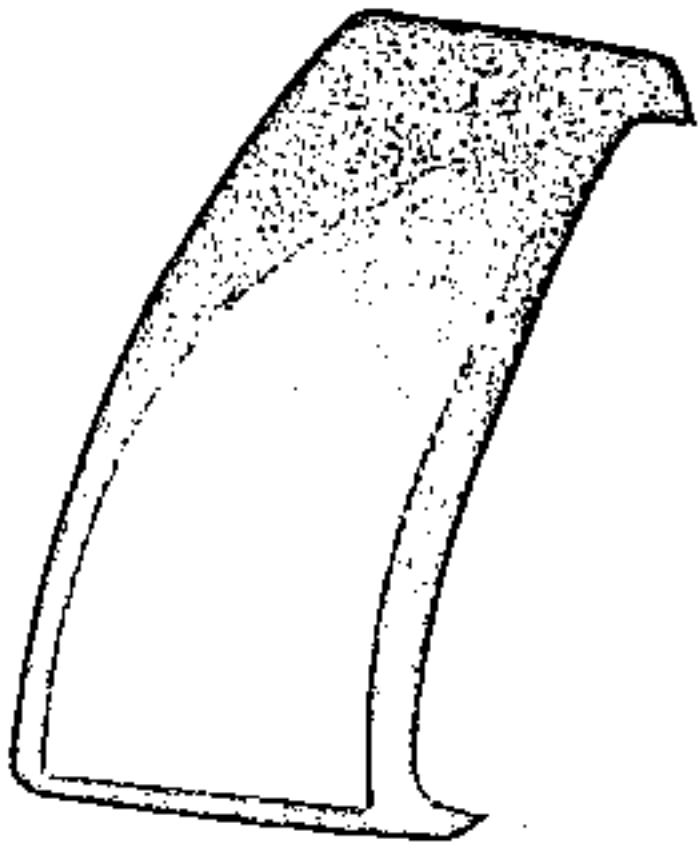
گردو پیش میں آپ کو اس کی درجنوں مثالیں مل جائیں گی۔ خیر ہم آپ کو ڈیوک رڈمان کی کہانی سناتے ہیں۔ رڈمان صاحب کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا تو انہوں نے تیل کے کنوؤں میں جاب تلاش کرلی۔ چند سال گزر گئے، اس شعبے کا تجربہ اور سوجھ بوجھ حاصل ہوگئی تو وہ اپنے طور پر تیل کی تلاش میں مقدر آزمانے کے خواب دیکھنے لگے۔

پھر معاملہ یہ ہوگیا کہ جونہی چند ہزار ڈالر ہاتھ لگتے، ڈیوک رڈمان صاحب کھدائی کے آلات کرائے پر حاصل کرتے اور تیل ڈھونڈنے کے لئے کنواں کھود ڈالتے۔ دو ڈھائی برسوں میں انہوں نے 29 کنویں کھودے۔ تیل کی ایک بوند بھی ہاتھ نہ آئی۔ وہ کہا کرتے ہیں ”واقعی یہ ناکامی تھی۔“

تیل کے کنوؤں کی تلاش

81 رڈمان چالیس برس کے ہونے کو تھے۔ کنویں کھودتے جا رہے تھے اور ناکامیاں سمیٹتے جا رہے تھے۔ کارکردگی کو بہتر بنانے کی خاطر انہوں نے ارضیات کے علم کی متعلقہ شاخوں کا مطالعہ کیا۔ پھر تیسویں کنویں کی کھدائی میں جت گئے۔ آپ اس کو مقدر سمجھ لیجئے یا بہتر تجزیئے کی صلاحیت حاصل کرنے کا نتیجہ، بہرحال اس کنویں سے تیل کا بہت بڑا ذخیرہ دریافت ہوگیا۔

رڈمان صاحب کی عمر اب 65 سال سے زیادہ ہے۔ ان کا ریکارڈ یہ ہے کہ ان کے کھودے ہوئے ہر چار میں سے تین کنویں خشک ثابت ہوئے تھے۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس شعبے میں کسی اور شخص نے اس قدر ناکامیاں نہیں سمیٹیں، مگر ان ساری ناکامیوں کے باوجود بارآور ثابت ہونے والے کنوؤں نے ان کا دامن بھر دیا ہے۔ تیل کے شعبے میں ان کا ایک نام ہے اور ان کے ذاتی اثاثے 22 کروڑ ڈالر سے زیادہ مالیت کے ہیں۔

''وہ بھی دن تھے کہ جب میں مایوس ہوجایا کرتا تھا۔'' ڈیوک رڈمان کہتے ہیں۔ ''لیکن میں منفی خیالات کو جھٹک کر کام میں لگ جایا کرتا تھا۔''

سرگیو زیمن کی ناکامی اس جونیئر ایگزیکٹو کی غلطی سے کہیں زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی تھی۔ یہ 1984ء کی بات ہے کہ پیپسی کولا کے مقابلے میں کوکا کولا کی مسلسل گرتی ہوئی مانگ سے پریشان ہوکر کوکا کولا والوں نے زیمن کی خدمات حاصل کیں۔ زیمن کو کوکا کولا کی مقبولیت بحال کروانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ شاطر اور زمانہ ساز زیمن کو ترکیب یہ سوجھی کہ کوک کا فارمولا تبدیل کیا جائے اور ''نیوکوک'' مارکیٹ میں لایا جائے۔ چنانچہ نیوکوک بازار میں آ گیا۔

کروڑوں ڈالر اس تبدیلی اور نئے مشروب کی اشتہار بازی پر خرچ کیے گئے مگر وہ بالکل ہی فلاپ ہوگیا۔ زیمن سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے مارکیٹ کو پرانے کوک کی سپلائی بند کر دی تھی۔ یوں کوکا کولا کا بیڑہ ہی غرق ہونے لگا۔ امریکہ کی حالیہ کاروباری تاریخ میں نیوکوک سے زیادہ

ناکام کوئی پراڈکٹ نہیں رہی۔ چنانچہ 79 دنوں کے اندر کوکا کولا کمپنی کو فیصلہ بدلنا پڑا۔ نیو کوک واپس لے لیا گیا۔ پرانے فارمولے کا کوک دوبارہ مارکیٹ میں لایا گیا۔ ایک سال کے بعد سرگیو زیمن کو لوگوں کے خیال میں شرمندگی کے ساتھ رخصت ہونا پڑا۔

زیمن کے لئے یہ ناکامی توہین آمیز تھی اور ان کا امیج تباہ کرنے والی بھی۔ مگر ناکامی اس قدر بڑی نہ تھی جتنی کہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ سرگیو زیمن نے جب کوکا کولا کمپنی کو چھوڑا تو چودہ مہینوں تک انہوں نے کمپنی کے کسی فرد سے کوئی بات نہ کی۔ ان دنوں کو یاد کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ''وہ تنہائی کے دن تھے''، خیر انہوں نے اپنے دروازے بند کئے تھے اور نہ ہی کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ اس کے بجائے انہوں نے ایک حصہ دار کے ساتھ مل کر مشاورتی کمپنی قائم کی۔ اپنے دفتر میں ایک کمپیوٹر، ایک ٹیلی فون اور ایک فیکس مشین کی مدد سے انہوں نے نیا کاروبار شروع کر دیا اور جلد ہی کئی بڑی کمپنیوں کو کاروباری مشورے دینے کا کام کرنے لگے۔ ان کی ساکھ ایک بار پھر بننے لگی۔ زیمن کے پاس کون سا منتر تھا؟ ان کا بھید یہ ہے کہ ''خطرے مول لو اور غیر روایتی انداز میں سوچو۔''

زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ کوکا کولا والوں کو پھر زیمن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ان سے رابطہ کیا گیا۔ ویسے زیمن مانتے ہیں کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوکا کولا والے دوبارہ ان کی خدمات چاہیں گے۔ کمپنی والوں نے ان سے کہا کہ وہ اپنے کاروبار کو بہتر بنانے کے لئے ان کی مدد چاہتے ہیں۔ کمپنی کا سربراہ زیمن سے ملنے آیا اور کہنے لگا کہ ''غلطیوں کو برداشت نہ کر کے ہم مقابلے کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو بھاگ رہا ہوتا ہے۔ اسی کو ٹھوکر لگتی ہے۔ آپ دوبارہ ہمارے ساتھ کام کیجئے۔ ہم کو آپ کی ضرورت ہے۔'' زیمن نے اس پیشکش کو قبول کرلیا۔

معذور نوجوان امریکی ریاست کا سیکریٹری کیسے بنا؟

82 ڈاکٹر ڈیل کارینگی لکھتے ہیں کہ مصیبت کو مصیبت نہ سمجھو میں ایک ایسے شخص کو بھی جانتا ہوں جس نے اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہوجانے کے باوجود منفی کو مثبت میں تبدیل کر دیا۔ اس کا نام بیل فارسٹن (Bell Forston) ہے اس سے میری ملاقات جارجیا کے علاقہ اٹلانٹا میں واقع ایک ہوٹل کی لفٹ میں ہوئی۔

جونہی میں لفٹ میں داخل ہوا میری نظر اس خوش شکل نوجوان پر پڑی جو دونوں ٹانگوں سے محروم تھا اور ایک وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ جب لفٹ اس کے مطلوبہ فلور پر رکی اس نے بڑے خوشگوار انداز میں مجھ سے کہا کہ آپ اگر زحمت محسوس نہ کریں تو براہِ کرم ذرا ایک طرف ہوجائیں تاکہ میں وہیل چیئر کو بہتر طریقے سے نکال سکوں اور اس کے ساتھ ہی وہ گرم جوش مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ جب میں لفٹ سے نکل کر اپنے کمرے کی جانب گیا تو میرے ذہن پر اس خوش مزاج معذور نوجوان کا خیال حاوی تھا۔

لہٰذا مجھے اس کے بارے میں تفصیل جاننے کا شوق ہوا لہٰذا میں اس نوجوان کو اوپر اپنے پاس لے آیا اور اس سے اپنی کہانی بیان کرنے کی درخواست کی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے بیان کا آغاز کیا۔ ”یہ 1929ء کا واقعہ ہے کہ میں اپنی گاڑی پر لکڑ کی گھٹڑی لاد کر لا رہا تھا کہ اچانک ایک لکڑی پھسل کر کار کے نیچے جاگری جس کی وجہ سے میری کار کا اسٹیئرنگ جام ہوگیا اور دوسرے لمحے میں ایک درخت سے جا ٹکرایا اور ریڑھ کی ہڈی کو چوٹ آنے کے علاوہ میری ٹانگیں بھی مفلوج ہوگئیں اس وقت میری عمر 24 سال تھی اور تب سے میں ایک قدم بھی نہیں چلا اور وہیل چیئر کا محتاج ہوگیا۔“

میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے اس اپاہج پن کو اتنے حوصلہ سے کیسے قبول کیا۔اس نے جواب دیا میں نے قطعاً اسے قبول نہیں کیا بلکہ میں ہر وقت پریشان رہتا تھا اور غم اور غصہ سے میری بری حالت ہوجاتی تھی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے محسوس ہوا کہ یہ بغاوت تلخی کے سوا مجھے کچھ نہیں دے رہی اور اگر میرا یہی طریقہ رہا تو میرے مزاج میں مزید تلخی آئے گی جس سے مجھے ہی نقصان ہوگا میں نے دیکھا کہ لوگوں کا رویہ میرے ساتھ انتہائی مشفقانہ اور رحمدلانہ تھا لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے بھی لوگوں سے خوشگوار طریقے سے پیش آنا چاہئے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ اب بھی اپنے حادثہ کو خوفناک بدقسمتی تصور کرتا ہے۔

اس نے بے ساختہ جواب دیا نہیں! میں اب بڑی حد تک اس سے خوش ہوں کہ شکر ہے ایسا ہوا کیونکہ اس کے باعث مجھے بالکل مختلف طرزِ زندگی گزارنے کا موقع ملا اس سے مجھے بیٹھ کر اچھی کتابوں کے مطالعہ کی عادت ملی۔ گزشتہ چودہ سالوں کے دوران میں نے تقریباً چودہ سو کتابوں کا مطالعہ کیا جس سے میرے سامنے زندگی کے نئے پہلو عیاں ہوئے، مجھے دنیا کی نئی نئی چیزوں کے بارے میں علم ہوا اور میرے شعور وآگہی میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

اور جن نعمتوں پر میں نے کبھی غور بھی نہیں کیا تھا ان کی وجہ سے مجھے سکون ملنے لگا اور میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ سب سے بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ میں نے اب زندگی کے حسین رنگ دیکھے جس پر پہلے میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

مجھے سوچنے کے لئے وقت میسر ہوا، اس حادثے کے باعث زندگی میں پہلی بار مجھے دنیاوی اقدار کے متعلق سوچنے کا موقع ملا۔ میں نے محسوس کیا کہ متعدد معمولی چیزیں بھی اب مجھے بڑی اہم نظر آنے لگی ہیں"۔

مطالعے کے باعث میں سیاست میں بھی دلچسپی لینے لگا، لوگوں کے سوالات کا جائزہ لیتے ہوئے میں وہیل چیئر پر بیٹھ کر تقاریر کرتا۔ آج بیل فارسٹن معذور ہونے کے باوجود ریاست جارجیا کا سیکریٹری آف اسٹیٹ ہے۔
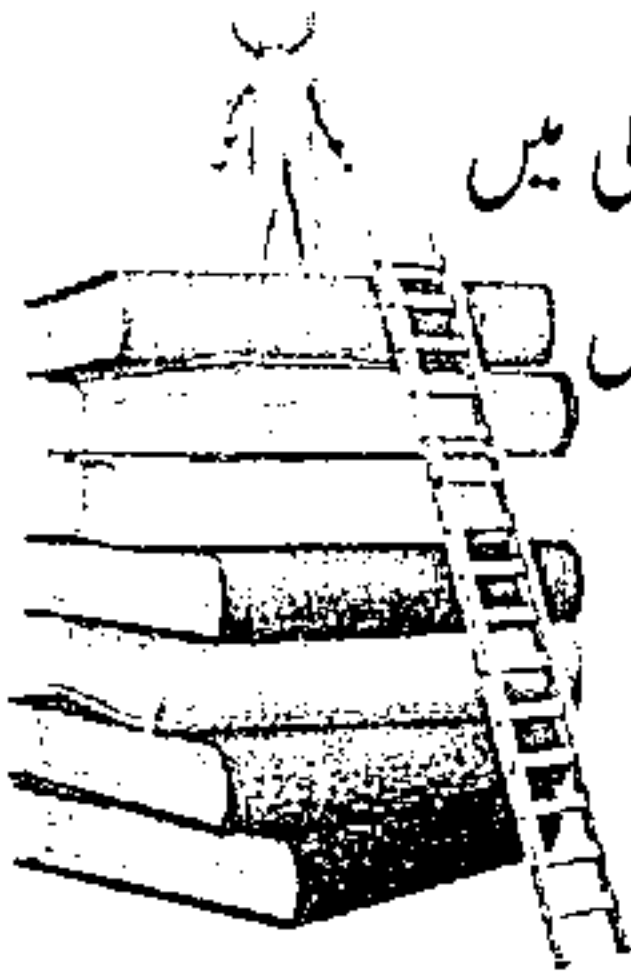
مسلسل کوشش کامیابی کی کنجی ہے

83 معروف تاتاری بادشاہ تیمور لنگ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مشکلات سے گھبراتا نہ تھا۔ اس کی زندگی میں ایک مشہور واقعہ پیش آیا۔ ایک لڑائی میں اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اس نے میدان جنگ سے بھاگ کر ایک کھنڈر نما عمارت میں پناہ لی۔ وہ اس جگہ گم سم بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر ایک چیونٹی پر پڑی۔ جو اپنی جسامت سے بہت بڑا کسی اناج کا دانہ لے کر دیوار پر چڑھنا چاہتی تھی۔

لیکن ہر بار وہ نیچے گر پڑتی تھی۔ لیکن ہمت نہ ہارتی تھی اور دوبارہ کوشش کرتی تھی، تیمور لنگ یہ کھیل بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ اس کا کہنا ہے کہ ننھی چیونٹی نے انہتر بار کوشش کی اور ہر کوشش میں ناکام رہی، آخر سترویں بار وہ اناج کا دانہ لے کر کامیابی سے دیوار پر چڑھ گئی۔ تیمور پر چیونٹی کی کوششوں کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"بے وقوف آدمی تو ایک بار کی شکست سے دلبرداشتہ ہوگیا ہے اور ہمت ہار بیٹھا ہے۔ جبکہ ننھی چیونٹی نے انہتر بار شکست کا سامنا کرنے پر بھی ہمت نہیں ہاری۔ اٹھ اور ایک بار پھر اپنی قسمت آزما۔ تخت یا تختہ"۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اس واقعہ کے بعد تیمور ہمیشہ کامیاب و کامران لوٹتا رہا تھا۔ یہاں میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ناکامی اور شکست انسان کی مستقل مزاجی کا امتحان ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا آلہ یا پیمانہ ہے جس کی مدد سے ہم اپنے عزم اور استقلال کی پیمائش کر سکتے ہیں۔

نالائق طالب علم نے محنت کر کے مشہور انگریزی ڈکشنری لکھ ڈالی

84 مشہور انگریزی لغت جس کا نام ''ولیبسٹر انگلش ڈکشنری'' ہے۔ اس کے مصنف و مؤلف ''ڈینیل ولیبسٹر'' دیکھنے میں ایک عام سا ان پڑھ لڑکا تھا۔ اپنی جماعت میں سب سے نالائق ترین سمجھا جاتا تھا۔ جب اس کو تعلیم کے لیے ہمپشائر روانہ کیا گیا تو وہ وہاں سے واپس بھاگ آیا۔ جب وہ راستے میں روتا ہوا آرہا تھا تو ایک بوڑھی عورت نے اسے دلاسا دیا اور رونے کا سبب دریافت کیا ولیبسٹر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگااور روتے روتے بتایا کہ ''میں عالم فاضل نہیں بن سکتا کیونکہ میں اپنی کلاس میں ہمیشہ سب سے پیچھے رہتا ہوں۔

میرے ہم جماعت مجھ پر طنز کرتے اور میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسی لئے میں دل برداشتہ ہو کر لوٹ آیا ہوں۔ اب میں کبھی اسکول نہیں جاؤں گا'' اس عورت نے جو اس کے دوست کی والدہ تھی۔ اسے مشورہ دیا کہ وہ واپس لوٹ جائے اور خوب دل لگا کر محنت کرے۔

میں یقین سے کہتی ہوں کہ تم بہت جلد اللہ جانے اپنے تمام ساتھیوں سے لائق کونسا بن جاؤ گے۔ تم میری بات پر بھروسہ کرو اور آزما کر دیکھو اللہ جانے کہ ان لفظوں میں کوسا جادو بھرا تھا کہ ولیبسٹر دوبارہ اسکول جا پہنچا اور خوب دل لگا کر محنت کی اور واقعی وہ اپنے تمام ہم جماعت طلبہ سے تعلیم میں آگے نکل گیا۔ آج کی دنیا والے اس کند ذہن لڑکے کو شہرہ آفاق عالم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اس ساری کامیابی کا سہرا اس کی مستقل مزاجی اور محنت کے سر ہے۔
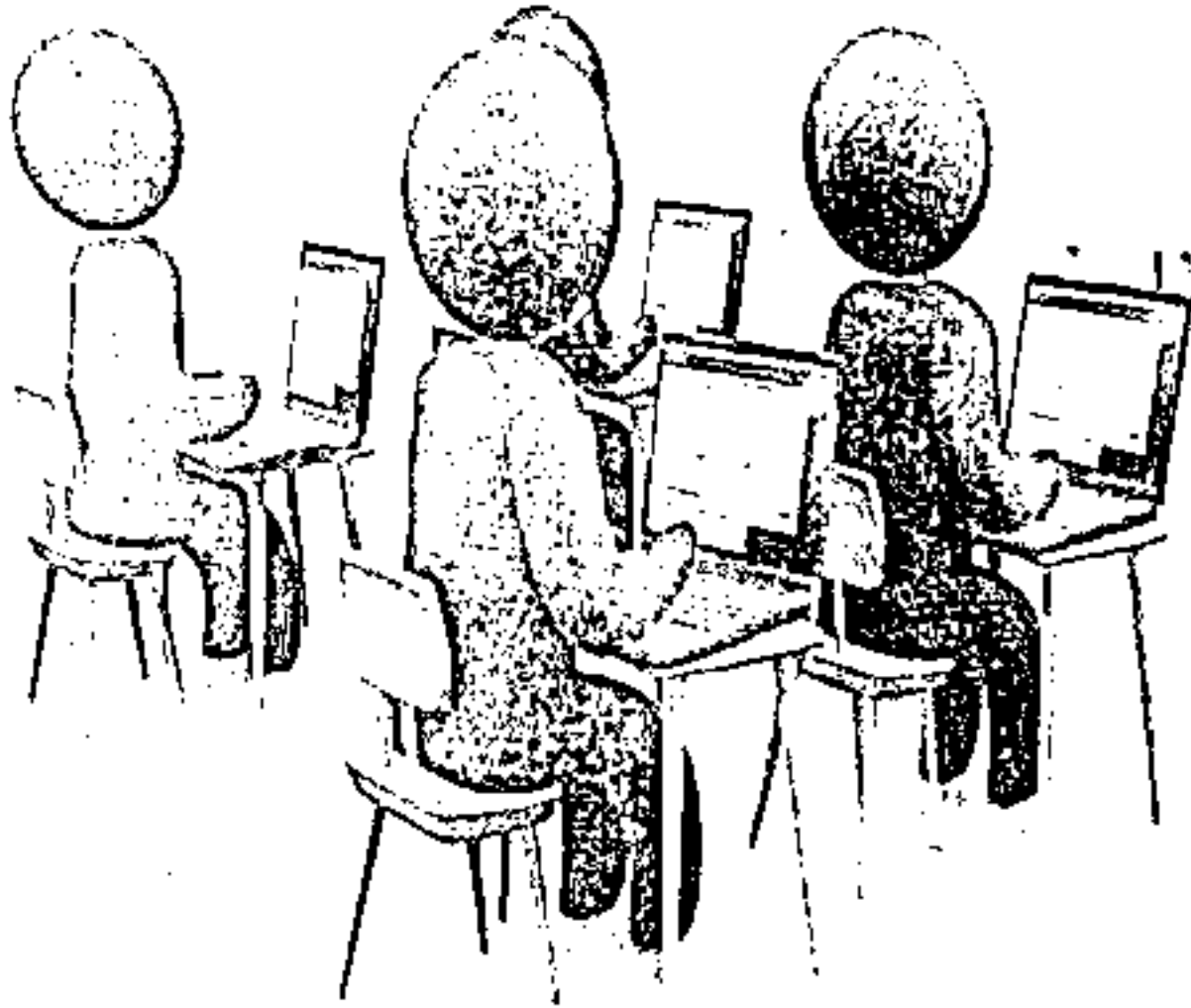
نئے عزم سے ہمت کیجئے اور خدا پر بھروسہ رکھیئے

85 جناب اکبر خان لکھتے ہیں کہ: نومبر 1991ء میں میرا ایک سفر ممبئ کے لئے ہوا تھا وہاں میری ملاقات حاجی اکبر خان صاحب سے ہوئی، وہ ممبئ کے پرانے تاجر ہیں، انہوں نے ایک نیا آئٹم تیار کرایا اور اس میں اپنی بہت بڑی رقم لگا دی۔ یہ آئٹم اندازے کے خلاف مارکیٹ میں چل نہ سکا۔ حاجی صاحب پر اس نقصان کا بہت برا اثر پڑا، ان کا بلڈ پریشر بڑھ گیا، ان کو ذیابیطس کی شکایت ہوگئی۔

حاجی صاحب کی رہائش گاہ پر ان سے ملاقات ہوئی میں ان کی باتیں سنتا رہا اور دل کے اندر ان کے لئے دعا کرتا رہا، آخر میں جب روانگی کا وقت آیا تو میں نے ایک کاغذ لیا اس پر ایک جملہ لکھا اور اس کو بند لفافے میں دیتے ہوئے ان سے کہا کہ اس کو میرے چلے جانے کے بعد کھول کر پڑھ لیں وہ جملہ یہ تھا ” آپ اپنے معاملے کو غم کے خانے میں ڈالنے کے بجائے انتظار کے خانے میں ڈال دیجئے ماضی کی یادوں کو بھول جائیں جو ہوگیا سو ہوگیا اب نئے عزم سے ہمت کیجئے اور خدا پر بھروسہ رکھیئے۔“
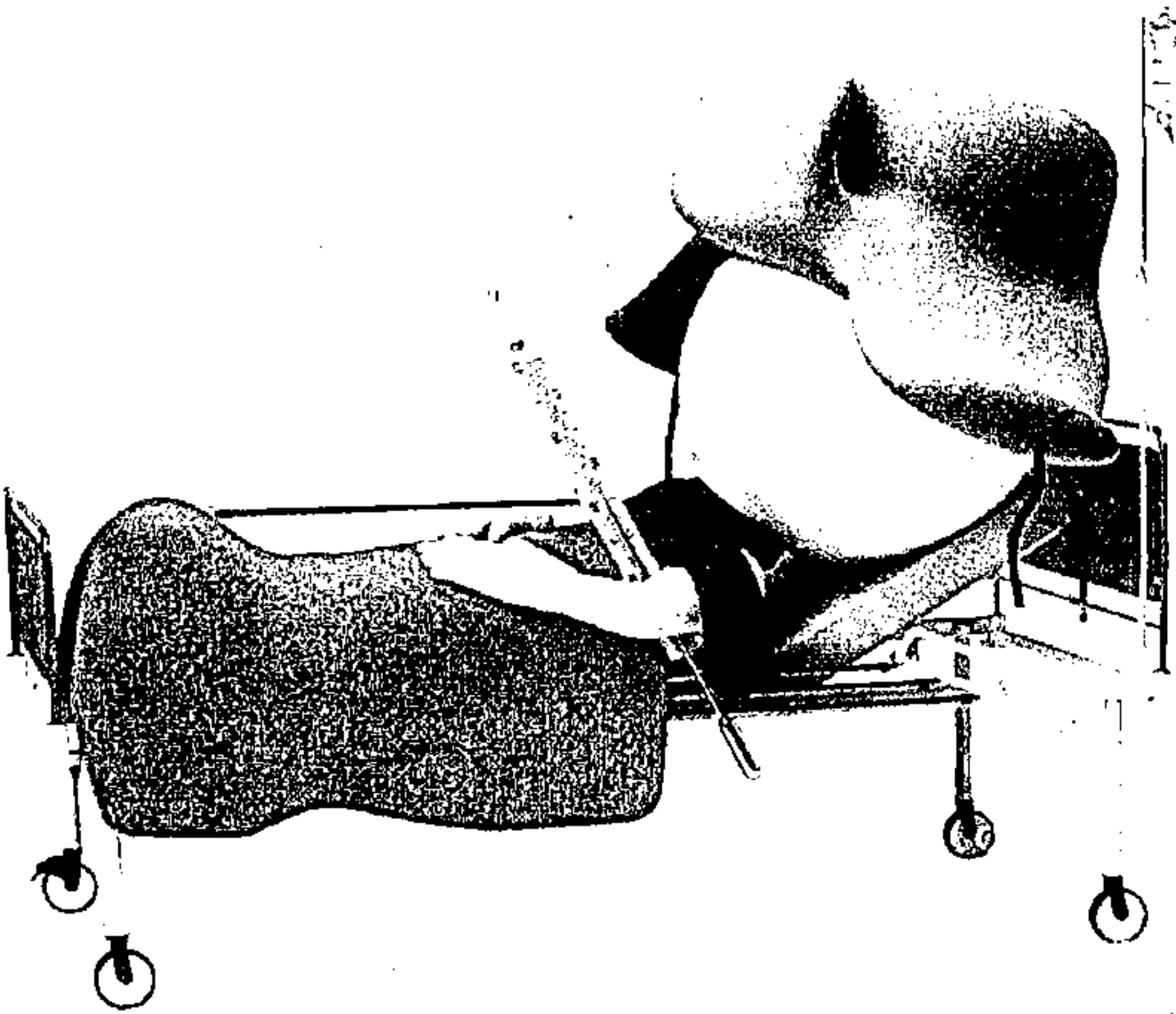
اس واقعے کے ڈیڑھ سال بعد 8 جون 1993ء کی ڈاک سے حاجی اکبر خان صاحب کا ایک خط مجھے ملا اس کا مضمون یہ تھا:

''9 نومبر 1991ء کے روز آپ میرے غریب خانہ پر تشریف فرما تھے اور میری روداد غم سن کر مجھے یہ نسخۂ کیمیا عطا کر گئے تھے کہ آپ اپنے معاملے کو غم کے خانے میں ڈالنے کے بجائے انتظار کے خانہ میں ڈال دیجئے۔''

یقین کیجئے، آپ کے اس جملے کا مجھ پر حیرت انگیز اثر ہوا۔ نفسیاتی طور پر صبر کی بلندیوں کو چھونے کی کوشش میں، میں اپنے غم کو ہلکا محسوس کرنے لگا یہاں تک کہ آج جب 1993ء کا سال میرے سامنے ہے اور اس واقعے کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، الحمدللہ اسی ''صبر'' یعنی انتظار کے خانے میں ڈالنے والے عمل کی وجہ سے اس نقصان کی تلافی ہوچکی ہے۔

میرا جو مال ڈیڑھ سال قبل بیکار معلوم ہوتا تھا آج وہ مکمل طور پر بک چکا ہے بلکہ اسی رقم کو میں اپنے کاروبار میں لگا کر بڑھا بھی چکا ہوں۔ اگر آج میں ماضی کے نقصان کو سامنے رکھ کر زندگی گزار رہا ہوتا تو شاید میں دنیا ہی میں نہیں ہوتا۔ حالات نے خوش گوار کروٹ لی ہے اور قوی امید ہے کہ 1991ء میں ہونے والا نقصان 1993ء میں انشاء اللہ بھرپور منافع کی صورت میں اجاگر ہوگا، یہ ایک درسِ عظیم ہے دنیا کے معاملے میں صبر کا۔ جب یہ صلہ ہے دنیا کا تو آخرت کے معاملے میں صبر کا کیسا صلہ ملے گا۔

انعام صبر
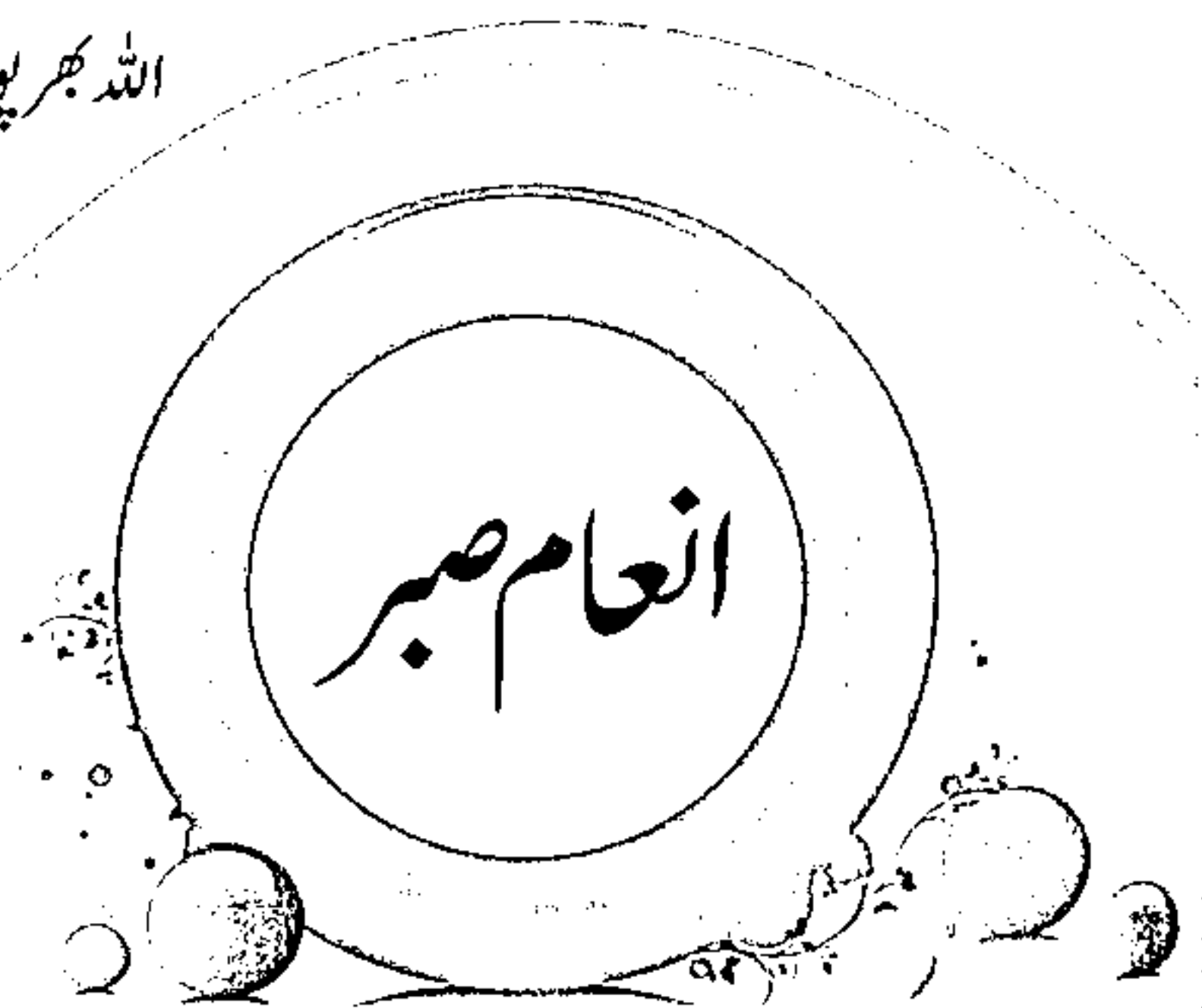
اخبار بیچنے والا آٹو موبائل کمپنی کا صدر کیسے بنا؟

86 ایڈورڈ ایونز غربت میں بڑا ہوا اور اس نے اخبار بیچ کر کمانا شروع کیا، اس نے کلرک کی حیثیت سے کام کیا۔ اس وقت سات افراد اس کی کفالت میں تھے تو اس نے اسسٹنٹ لائبریرین کی نوکری کرلی۔ تنخواہ چونکہ کم تھی اور ضروریات زندگی کے لئے کافی نہ تھی اس لئے وہ بہت پریشان رہتا تھا وہ یہ کم تنخواہ والی نوکری چھوڑ دینا چاہتا تھا مگر اسے خوف تھا کہ اس کے بعد اس کا کیا بنے گا۔

اسے یہ ہمت کرنے میں پورے آٹھ سال گزر گئے کہ اسے کوئی ذاتی کاروبار کرنا چاہئے اس نے ہمت کی اور 55 ڈالر ادھار لے کر اپنا کام شروع کیا جس سے اسے سال میں 20 ہزار ڈالر کا منافع ہوا لیکن پھر اس کی دنیا اندھیر ہوگئی، اس نے ایک دوست کی بہت بڑی رقم کی ضمانت لے لی اور دوست دیوالیہ ہوگیا، اس کے فوراً بعد ایک اور طوفان آیا کہ جس بینک میں اس نے پیسہ رکھوایا تھا دیوالیہ ہوگیا، وہ نہ صرف پائی پائی کھو بیٹھا بلکہ 16 ہزار ڈالر کا مقروض بھی ہوگیا، اس کے اعصاب اس صدمے کو برداشت نہیں کرسکتے تھے وہ نہ سوسکتا تھا اور نہ کھا سکتا تھا۔

اس نے مجھے بتایا کہ میں عجیب طرح سے بیمار ہوا صرف غم ہی مجھے اس بیماری تک گھسیٹ کر لے گیا یہاں تک کہ ایک دن میں گلی میں چلتے چلتے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں چلنے کے قابل نہ رہا۔ مجھے بستر پر لاکر ڈالا گیا، میرے جسم پر عجیب قسم کے پھوڑے بن گئے، بستر میں پڑے رہنے سے پھوڑے جسم کے اندر سرایت کرنے لگے۔

میں دن بدن کمزور ہوتا گیا آخر کار میرے ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ میں دو ہفتوں کے بعد مرجاؤں گا۔
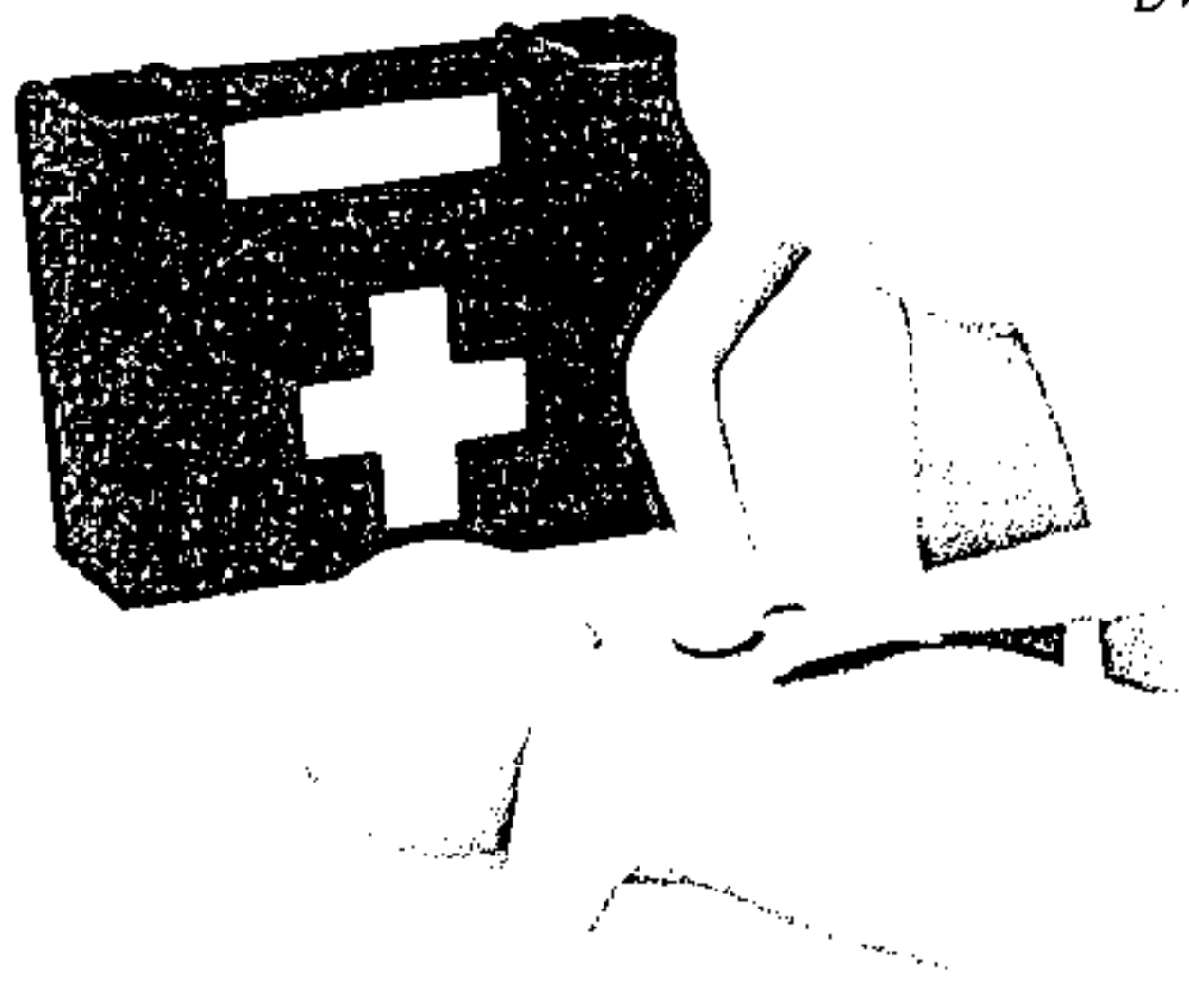
مجھے بہت صدمہ ہوا میں نے اپنی وصیت لکھی اور بستر پر لیٹ کر موت کا انتظار کرنے لگا، اب کوشش کرنا یا غم کھانا بے سود تھا، میں نے سوچنا چھوڑ دیا ذہن کو کچھ سکون دیا اور سو گیا۔ میں دو ہفتوں میں دو گھنٹے بھی نہ سو سکا تھا مگر اب چونکہ میرے دنیاوی مسائل ختم ہو چکے تھے، میں ایک بچے کی طرح گہری نیند سو گیا۔ میری تھکن دور ہوگئی۔ مجھے بھوک محسوس ہوئی اور میں آہستہ آہستہ زندگی کی طرف دوبارہ لوٹنے لگا۔

کچھ ہفتوں کے بعد میں بیساکھیوں کے سہارے چلنے کے قابل ہوگیا، چھ ہفتے بعد میں دوبارہ کام پر جانے لگا اور میرا کاروبار تیزی سے ترقی کرنے لگا، میں نے سال میں 20 ہزار ڈالر کمائے تھے مگر اب میں ایک ہفتے میں 30 ڈالر کما رہا تھا کیونکہ میں نے تمام پریشانیوں اور وہموں سے پیچھا چھڑا کر زندہ رہنا سیکھ لیا تھا۔

اب مجھے کوئی غم نہیں تھا مجھے یہ فکر نہ تھی کہ ماضی میں میرے ساتھ کیا ہوا، مجھے مستقبل کی فکر نہ تھی، میں نے وقت کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا اور اپنے اسی کام میں اپنے اندر قوت اور جوش محسوس کرنے لگا۔ اس طرح ایڈورڈ نے مایوسی کو شکست دے کر نئے عزم سے محنت کرنا شروع کی۔ پھر ایڈورڈ ایک آٹو موبائل کمپنی میں ملازم لگ گیا اور کچھ ہی سال بعد وہ کمپنی کا صدر تھا۔

دی ایونز پروڈکٹس کمپنی کو کئی سال تک نیویارک کے اسٹاک ایکس چینج کی فہرست میں گردانا جاتا رہا، اگر آپ گرین لینڈ کے اوپر پرواز کریں تو آپ ایونز فیلڈ پر لینڈ کرسکتے ہیں۔ یہ اس کے اعزاز میں فلائنگ لینڈ ہے۔ اگر ایونز مشکلات میں دن نہ گزارتا یعنی ہر دن لگن اور ولولے سے محنت نہ کرتا تو شاید اتنی بڑی کامیابی نہ پاسکتا۔

پریشانیوں سے نجات کا آزمودہ نسخہ

87 جم برڈسل اپنی کہانی سناتے ہوئے کہتا ہے: سترہ برس قبل جب میں امریکی ریاست ورجینیا کے ملٹری کالج میں پڑھ رہا تھا تو وہاں پرصرف میں ایک ایسا شخص تھا جو ہر وقت اپنی پریشانیوں میں ڈوبا رہتا تھا، میں اس قدر پریشان رہا کرتا تھا کہ اکثر بیمار پڑ جاتا تھا اور میرے لئے کالج کے چھوٹے سے اسپتال میں ہر وقت ایک بیڈ ریزرو رہتا تھا، جب بھی نرس مجھے اسپتال کی طرف آتے ہوئے دیکھتی وہ فوراً میرے لئے مخصوص دوا پہلے ہی نکال لیتی۔

میں ہر وقت پریشانیوں کے ایک کوہ گراں تلے دبا ہوا تھا۔ مجھے ہر چیز کے بارے میں پریشانی ہوتی تھی۔ جس نے ذہنی کیفیت بھی متاثر ہونے لگی تھی اور بعض اوقات میں یہ بھی بھول جاتا تھا کہ مجھے کیا پریشانی ہے، مجھے یہ خوف بھی پریشان کئے رکھتا تھا کہ امتحان میں کم گریڈ آنے کی وجہ سے مجھے کالج سے نکال دیا جائے گا۔ میں فزکس اور دوسرے مضامین میں پاس نہیں ہوسکا تھا۔

میں جانتا تھا کہ مجھے اپنے گریڈ کو بہتر بنانا ہے، مجھے اپنی صحت کے بارے میں بھی پریشانی تھی۔ مجھے بار بار ہاضمے کی شکایت ہوتی تھی اور پھر بے خوابی کی شکایت بھی رہنے لگی تھی۔ مالی حالات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے تفریح کے لئے نہیں جاسکتا تھا۔ مجھے اس بات کی بھی پریشانی تھی کہ کہیں میری منگیتر میرے بجائے کسی اور سے شادی نہ کرلے۔

میں دن رات ان پریشانیوں کے بارے میں سوچتا کہ میں انہیں کس طرح ختم کرسکوں گا؟ آیا یہ پریشانیاں ختم بھی ہوں گی؟ سخت مایوسی کے عالم میں ایک روز میں نے پروفیسر ڈیوک بیرڈ کو اپنی تمام پریشانیوں سے آگاہ کردیا۔

میں نے پندرہ منٹ پروفیسر ڈیوک بیرڈ کے ساتھ گزارے اور ان پندرہ منٹوں نے میری صحت کو بحال کرنے اور مجھے خوشیاں دینے میں بہت زیادہ مدد دی۔ پروفیسر بیرڈ نے مجھے کہا۔ ''جم تم ایک جگہ آرام اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر حقائق کا مقابلہ کرو، جتنا وقت تم اپنی مشکلات

کے بارے میں پریشان رہتے ہو اس کا آدھا حصہ بھی اگر تم ان مشکلات پر قابو پانے میں گزارو تو تمہیں کوئی پریشانی نہیں رہے گی، پریشانی ایک بُری عادت ہے جو تم نے سیکھ لی ہے"۔

پروفیسر بیرڈ نے مجھے پریشانی ختم کرنے کے تین اصول بتائے۔

1- پہلے بغور اس بات کا جائزہ لو کہ وہ کونسی پریشانی ہے، جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔

2- اس پریشانی کی وجہ تلاش کرو۔

3- اگر وجہ سمجھ میں آجائے تو فوراً ہی مثبت سوچ اور تعمیری رویئے کے ساتھ اسے دور کرنے کی کوشش کرو۔
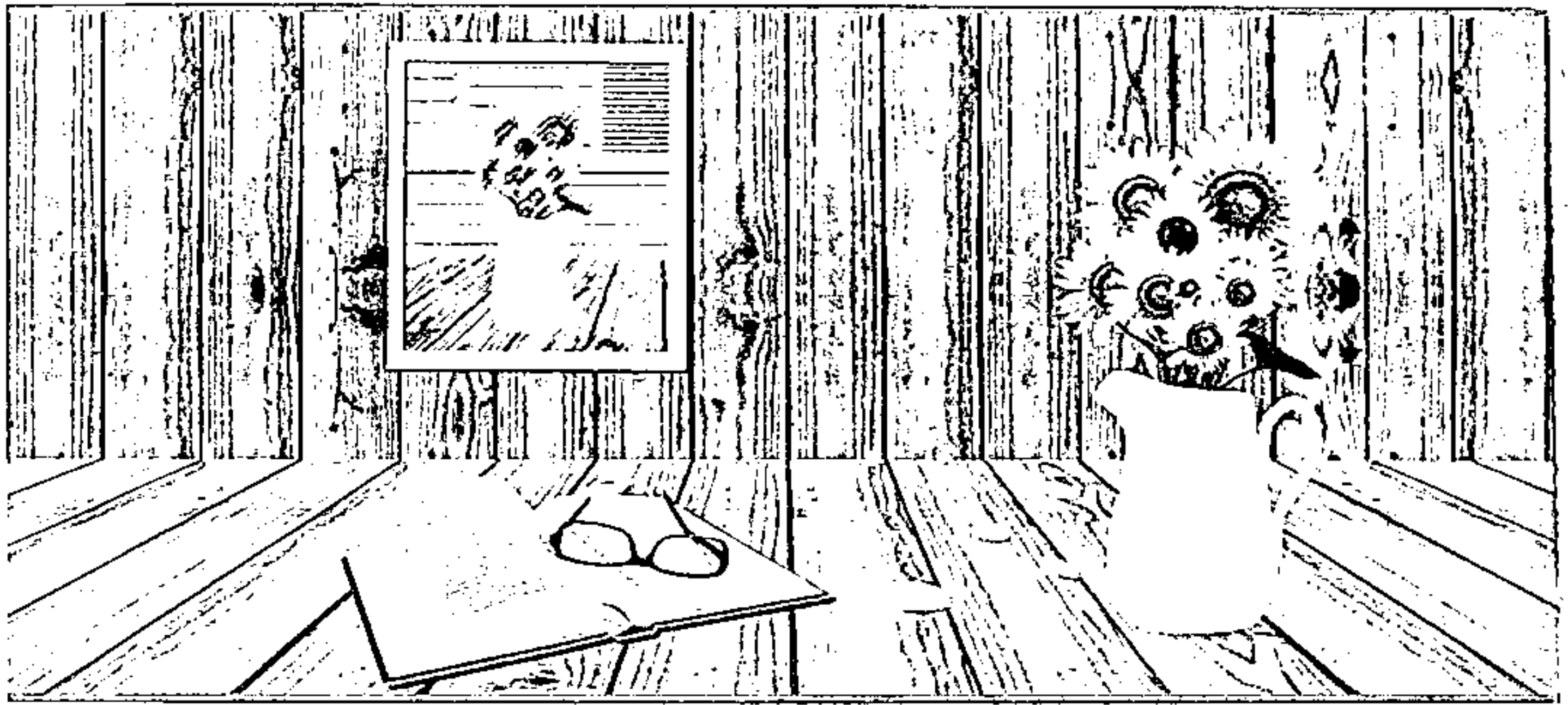
پروفیسر بیرڈ سے ملاقات کے بعد میں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق منصوبہ بندی کی اور اب اس بات پر پریشان ہونے کے بجائے کہ میں فزکس میں فیل ہوگیا ہوں میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں فزکس میں فیل کیوں ہوا، میں فزکس میں کمزور نہیں تھا کیونکہ میں کالج میگزین کا ایڈیٹر رہ چکا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ فزکس میں میری ناکامی کی اصل وجہ اس مضمون میں میری عدم دلچسپی ہے لیکن اب میں نے اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ اس کے بعد میں نے فزکس کا دوبارہ امتحان دیا اور اس دفعہ میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا کیونکہ میں نے اس میں نہ صرف دلچسپی لی بلکہ سخت محنت بھی کی تھی۔

میں نے ایک پارٹ ٹائم ملازمت ڈھونڈ لی۔ جس سے میری مالی پریشانیوں میں کمی ہوئی۔ اب مجھے اپنے دوستوں میں بیٹھ کر شرمندگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں ہر ہفتے اپنی دوست کو آئس کریم کھلانے کے لیے لے جاتا، کچھ ہی ماہ بعد میں نے اپنے چچا کی بیٹی کے لئے شادی کا پیغام دیا اور وہ آج میری بیوی ہے۔

اب جب میں پیچھے مڑ کر اپنی گزری ہوئی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میری پریشانی کی ایک وجہ میری الجھن ہوتی تھی کہ میں اپنی پریشانی کی وجہ معلوم کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا۔ جس سے میں بلاوجہ پریشان ہوتا تھا۔

''جم برڈسل نے اپنی مشکلات کا تجزیہ کر کے اپنی پریشانیوں پر قابو پانا سیکھ لیا۔
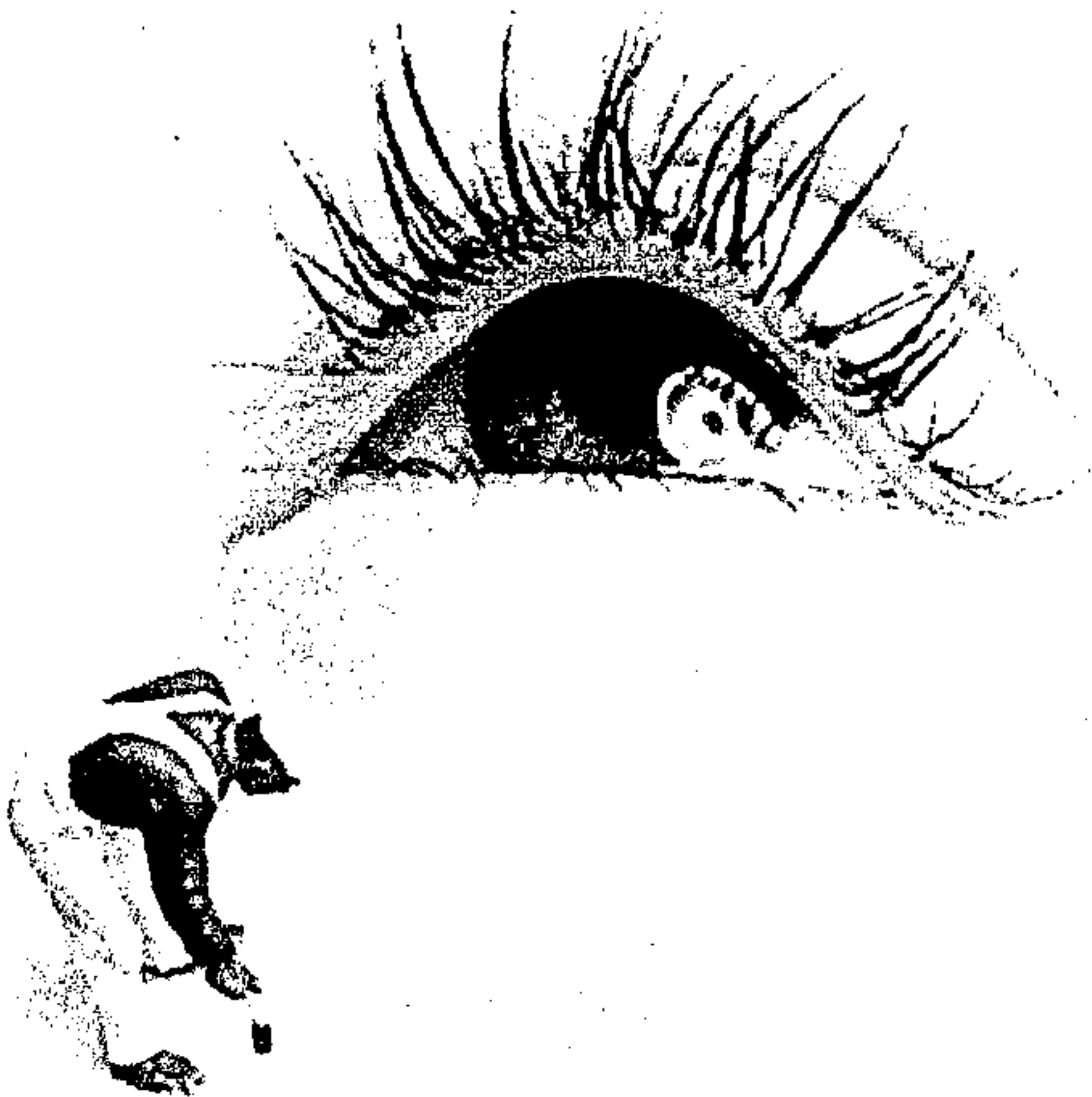
پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے تین طریقے

88 معروف کینیڈین پروفیسر گراہم ڈل نے لکھا ہے کہ میں بہت پریشان رہا کرتا تھا، پریشان ہونا ایک عادت انسانی ہے لیکن اس عادت کو میں نے بہت پہلے ختم کرلیا، میں نے اپنی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے تین طریقے اپنائے جنہوں نے میری بہت مدد کی۔

(1) میں اکثر اپنے کاموں میں مصروف رہتا ہوں۔ میرے تین بڑے کام ہوتے ہیں اور تینوں کو مکمل کرنے کے لئے مجھے پورا وقت درکار ہوتا ہے۔ * میں کولمبیا یونیورسٹی میں طلبا کو لیکچر دیتا ہوں۔ یہ کینیڈا کی دوسری بڑی یونیورسٹی ہے۔ * میں نیویارک شہر کے بورڈ آف ہائر ایجوکیشن کا چیئرمین ہوں۔

* اس کے علاوہ میں ایک مشہور فرم ہارپر اینڈ برادرز نامی ایک اشاعتی ادارے کے ایک ایسے ڈپارٹمنٹ کا سربراہ ہوں جہاں اقتصادیات اور سوشیالوجی (عمرانیات) پر کتابیں چھاپی جاتی ہیں۔ ان تینوں کاموں کی انجام دہی بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور میں اپنے کام کو پوری توجہ اور ذمہ داری سے کرتا ہوں۔ اس لئے میرے پاس اپنی پریشانیوں اور تفکرات پر جلنے اور کڑھنے کے لئے بہت ہی کم وقت ہوتا ہے۔

② میں کسی بھی بات کو بہت جلد اپنے دل و دماغ سے نکال سکتا ہوں۔ جب میں ایک کام ختم کرنے کے بعد دوسرا کام کرنے لگتا ہوں تو میں پہلے کام کرنے کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلات اور ذہن میں آنے والے خیالات کو فوراً ہی اپنے دل و دماغ سے نکال دیتا ہوں اور اس طرح میں اپنے دوسرے کام کرنے کے لیے بالکل ترو تازہ ہوتا ہوں۔ اس سے مجھے آرام ملتا ہے اور میرا ذہن صاف ہو جاتا ہے۔

③ جب میں اپنے دفتر میں کام ختم کرتا ہوں تو میں اپنے تمام مسائل کو وہیں چھوڑ کر دل و دماغ کو بالکل فارغ کر کے گھر لوٹتا ہوں۔

ظاہر بات ہے اگر میں ان تمام معاملات اور پریشانیوں کو اپنے ساتھ گھر لے جاؤں تو میری صحت خراب ہو جائے گی اور اس کے ساتھ میرے اندر کی صلاحیتوں اور قابلیت کو زنگ لگ جائے گا جس سے میرا کام بھی متاثر ہوگا۔ اپنے زندگی کے لیے وضع کردہ مذکورہ تین اصولوں پر عمل کرنے سے میں پریشانیوں سے نجات حاصل کر چکا ہوں۔

رکاوٹوں سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

89 خواجہ جناب ناظم صاحب لکھتے ہیں:

برسوں پرانی بات ہے کہ میں نے اپنے ایک دوست حمید کے ساتھ مل کر ایک اخبار میں کالم لکھنے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے میں ہم دونوں متعلقہ اخبار کے ایڈیٹر سے ملنے گئے۔ ایڈیٹر صاحب بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ مگر جب ہم نے کالم نگاری کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے پوری بات سنے بغیر ہی انکار کر دیا۔

پہلے ہی ہمارے پاس کئی کالم نگار ہیں۔ انہوں نے کہا ''فی الحال تو ہمیں کسی اور کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔'' ظاہر ہے کہ اس صاف انکار کے بعد مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم دونوں واپس آگئے۔ میں مایوس تھا۔ مگر حمید نے ہتھیار نہیں پھینکے تھے۔

''یہی صورت حال ہوتی ہے جب کمال دکھانے کا موقع ملتا ہے۔'' شام کو جب ہم ٹی ہاؤس میں ملے تو حمید نے بات شروع کی۔
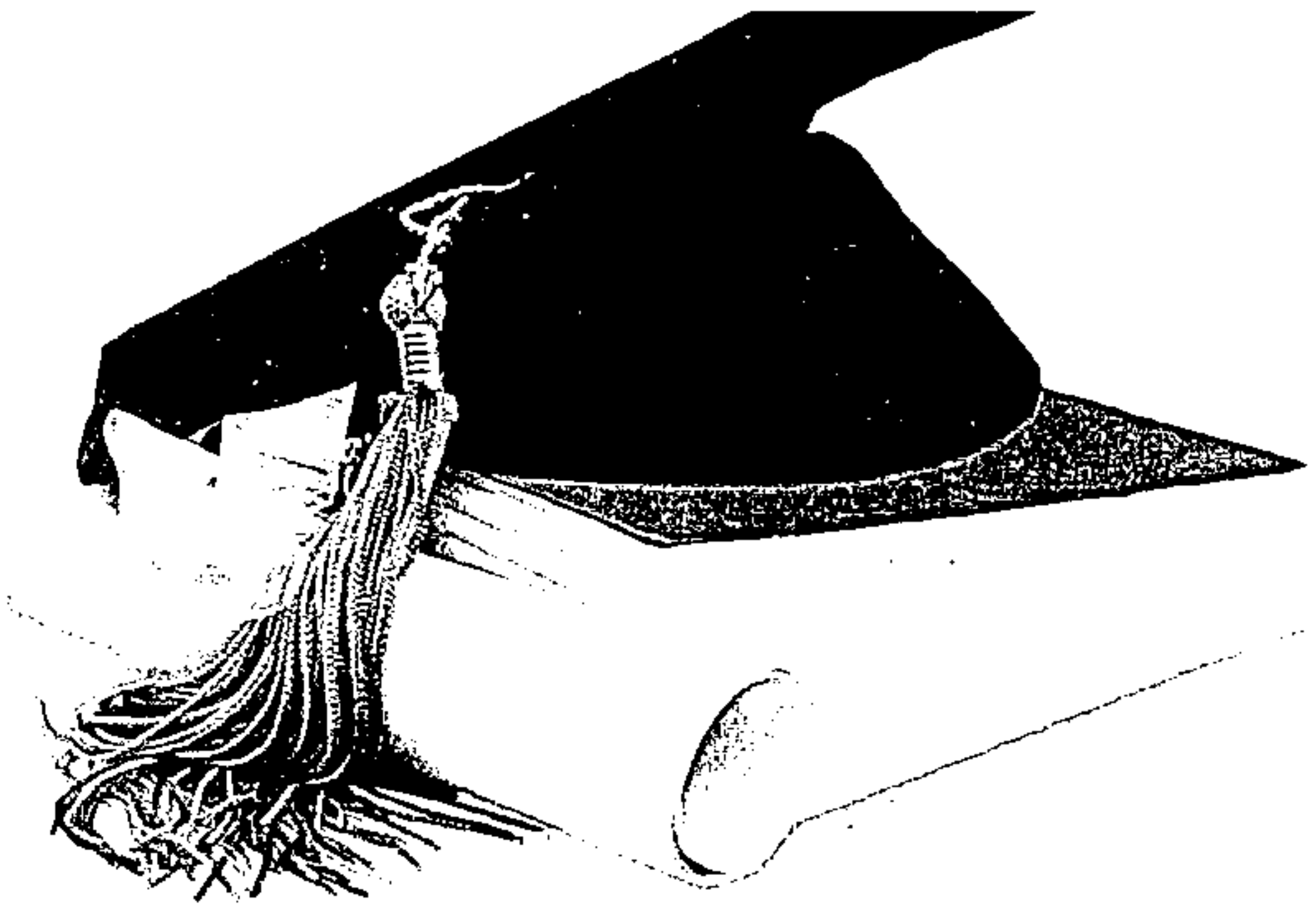
''ایڈیٹر صاحب کے انکار سے حوصلہ ہارنا مناسب نہیں ہے اور اس سے زیادہ فضول بات یہ ہوگی کہ ہم ان کے انکار کو حتمی مان لیں۔ ہم کل دوبارہ ان کے پاس جائیں گے۔ ان کو ان کے اخبار کی ضرورت کا احساس دلائیں گے اور پھر یہ بھی جتلائیں گے کہ یہ ضرورت ہم پوری کرسکتے ہیں دیکھ لینا ایڈیٹر صاحب کو فیصلہ بدلنا پڑے گا۔''

ہم دونوں ایک تجربے سے گزرے تھے، مگر نتائج ہم نے مختلف اخذ کئے تھے۔ میرے خیال میں اس اخبار میں کالم لکھنے کا کوئی امکان نہ تھا، چنانچہ ایڈیٹر کے انکار کو میں ناکامی سمجھ رہا تھا۔ حمید کے نزدیک اس انکار سے محض ایک رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔ اس رکاوٹ کو حسنِ تدبیر سے دور کیا جاسکتا تھا۔ میرے لئے یہ صورتِ حال مایوس کن تھی اس کے حمید کے لیے یہی صورت حال ایک چیلنج تھی۔

دوسرے دن ہم دوبارہ ایڈیٹر صاحب سے ملنے گئے۔ انہوں نے اپنے کمرے میں بلا تو لیا مگر گزشتہ روز والی خوش اخلاقی کا گراف بہت گر چکا تھا۔ وہ غالباً یہ کہنا چاہتے تھے کہ دیکھئے میں پہلے ہی آپ پر ساری پوزیشن واضح کرچکا ہوں۔ ہمارے اخبار میں کسی نئے کالم نگار کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ پھر آپ کیوں میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

حمید نے ان کو یہ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس نے بات شروع کی کہ ''جناب کئی کالم نگار آپ کے اخبار میں لکھتے ہیں۔ وہ اچھے کالم نگار بھی ہیں۔ مگر ایک کمی ہے جناب، آپ کے قارئین کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ معاشی امور کے

تجزیوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اکثر بڑے اخباروں میں اس موضوع پر باقاعدگی سے کالم شائع ہوتے ہیں۔ اب وقت ہے کہ آپ کے اخبار میں بھی معاشی مسائل زیرِ بحث آئیں۔ ہم دونوں دراصل اسی موضوع پر کالم لکھنا چاہتے ہیں۔''

حمید بول رہا تھا ایڈیٹر صاحب کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے، بے زاری کی کیفیت ختم ہوگئی۔ وہ دلچسپی لینے لگے۔ انہوں نے چائے منگوائی، کہنے لگے ''میں خود سوچ رہا تھا کہ ہمارے اخبار میں معاشی امور پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ اصل میں یہ کم بخت اردو کالم نگار سیاست اور اسکینڈل بازی سے باہر نہیں نکلتے۔ آپ ضرور لکھئے، ہمارے اخبار کے صفحات حاضر ہیں۔''

جب ہم نے اجازت لی اور دروازے کی طرف رخ کیا تو کل انکار کرنے والے ایڈیٹر صاحب تاکید کر رہے تھے کہ ہم اپنا وعدہ نہ بھولیں اور ایک دو دنوں میں کالم ان تک پہنچا دیں۔

آپ جانتے ہیں یہ کون شخص ہے۔ یہ معروف کالم نویس قاضی جاوید صاحب ہیں جن کے کالم آج کل کئی اخبار میں چھپتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ کئی مشہور کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔
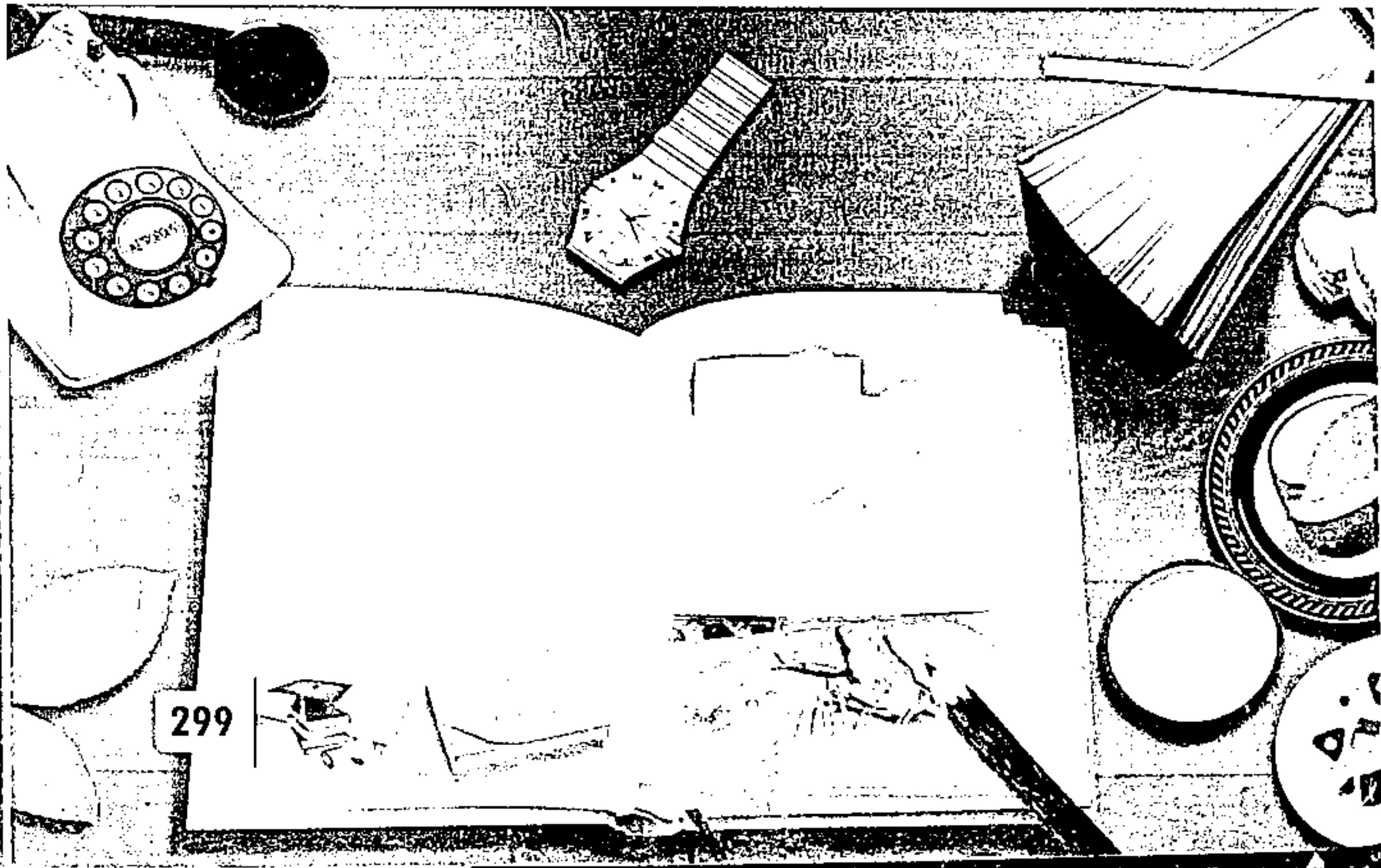
معذور شخص کے دیکھنے سے زندگی بدل گئی

90 ڈاکبس اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

میں بہت زیادہ پریشان رہتا تھا۔ 1934ء کے موسم بہار کا ذکر ہے کہ میں شہروب کی ویسٹ ڈفرل اسٹریٹ کی طرف جا رہا تھا، میں نے ایک ایسا منظر دیکھا۔ جس نے میری تمام پریشانیاں ختم کر دیں اور یہ سب کچھ صرف دس سیکنڈ میں ہوگیا۔ لیکن اس قلیل وقت میں مجھے اپنے سابقہ دس سالوں کے تجربہ سے کہیں زیادہ اس بات کا شعور حاصل ہوا کہ زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔ میں پچھلے دو سالوں سے پرچون کی دکان چلا رہا تھا۔

اس اسٹور میں میری اب تک کی ساری بچت ضائع ہوچکی تھی اور میں اتنا مقروض ہوگیا کہ قرض اتارنے میں مجھے پورے ساٹھ سال لگ گئے۔ میری پرچون کی دکان پچھلے ہفتے سے بند ہوچکی تھی اور میں بینک سے کچھ قرضہ لینے جا رہا تھا تاکہ کنساس جا کر کوئی ملازمت تلاش کرسکوں۔ میں بالکل مُردوں کی سی چال چلتا جا رہا تھا۔

میرا حوصلہ پست ہوچکا تھا کہ دفعتاً میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو دونوں ٹانگوں سے معذور تھا اور لکڑی کے چھوٹے سے تختے کو پہیئے لگا کر اس پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک چھوٹی سے لکڑی کی چھڑی کی مدد سے اپنی تختہ گاڑی کو چلاتا جا رہا تھا۔ جب میری نظر اس پر پڑی تھی، وہ سڑک عبور کرچکا تھا اور فٹ پاتھ پر چڑھنے کے لئے اپنے آپ کو اونچا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جونہی اس نے نیچے اپنے تختہ کی بنی ہوئی ریڑھی کو دیکھا۔ تو اس کی نظر مجھ پر بھی پڑ گئی۔ مجھے دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا: السلام علیکم، آج کا دن کتنا خوبصورت ہے، کیوں ہے نا؟

pic 177
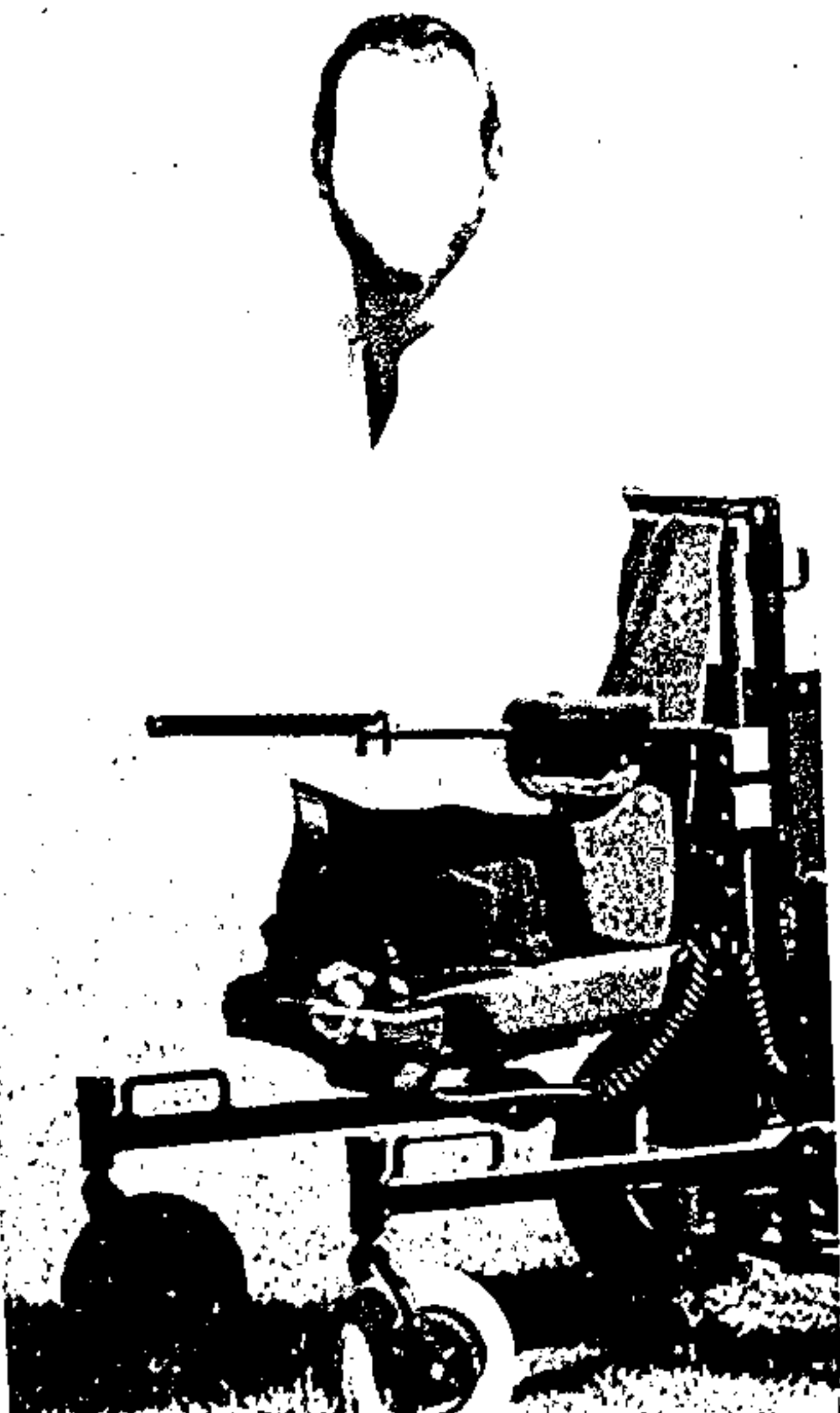
جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ میں کتنا خوش قسمت اور مقدر کا سکندر ہوں کہ میری دونوں ٹانگیں سلامت ہیں۔ جن کی مدد سے میں چل پھر رہا ہوں۔ اس سے پہلے مایوسی کا جو احساس مجھ پر حاوی ہو چکا تھا۔ مجھے اس پر شرم محسوس ہونے لگی۔ اسے دیکھ کر میں نے خود کلامی کرتے اپنے آپ کو مخاطب کیا کہ یہ مجبور انسان جو ٹانگوں کی نعمت سے محروم ہے کس قدر خوش وخرم اور پراعتماد ہے اور مسکرا مسکرا کر باتیں کرسکتا ہے تو میں ایسا کیوں نہیں بن سکتا۔

میری تو ٹانگیں بھی بفضل خدا درست ہیں۔ اس سوچ کا آنا تھا کہ میری چھاتی فخر سے تن گئی۔ اب تک میں نے صرف ایک سو ڈالر قرض لینے کا سوچا تھا۔ لیکن اب میں نے اپنا فیصلہ بدل کر ڈبل یعنی دو سو ڈالر قرض لینے کا پروگرام بنایا۔

جب کہ بینک والوں کو پہلے میں نے یہ بتانے کا سوچا تھا کہ میں نوکری تلاش کرنے کے لئے کنساس جانا چاہتا ہوں۔ لیکن اب میں نے اپنا یہ ارادہ بھی بدل لیا۔ میں نے بینک والوں کو بتایا کہ ملازمت کے لیے کنساس جا رہا ہوں۔ خیر مجھے قرض بھی مل گیا۔ ملازمت بھی میسر آ گئی۔ میں نے اسی دن سے اپنے غسل خانے کے شیشے پر یہ الفاظ لکھ کر چسپاں کر دیے ہیں اور روزانہ شیو کرنے سے پہلے ان کو پڑھتا ہوں۔

"جوتا نہ ہونے کے باعث میرے پاؤں ننگے تھے تاوقتیکہ میں نے گلی میں اس شخص کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے۔" یعنی اسے دیکھنے کے بعد مجھے حوصلہ ملا اور میں نے محنت کی جس کے بعد میرے حالات یکسر بدل گئے۔
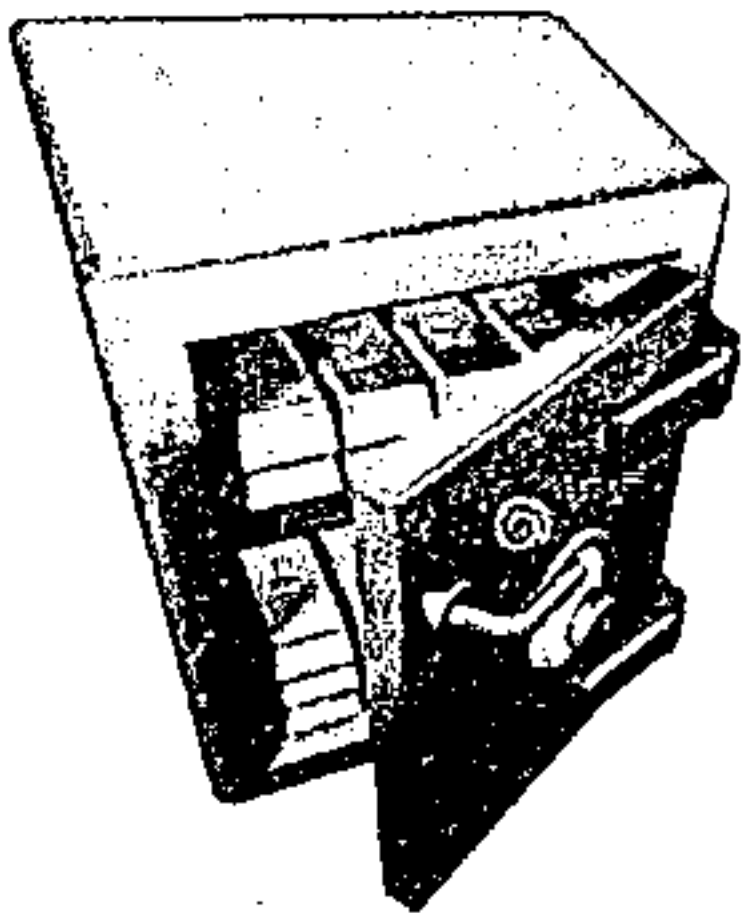
ہلٹن کہتا ہے کہ:

جو شخص مصیبت کا بوجھ خوش اسلوبی سے اٹھا سکتا ہے وہی سب سے بہتر کام کرسکتا ہے۔

ڈالبسن کہتا ہے کہ:

مصیبتیں بیدار کرنے کے لئے آتی ہیں نہ کہ پریشان کرنے کے لئے۔

پریشانی کے بعد راحت ضرور ملتی ہے

91 2 اگست 1990ء میں وہ واقعہ ہوا جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اور جس کی توقع پڑوسی مسلمان تو کیا کوئی بھی مسلمان نہیں کرسکتا تھا۔ اس دن عراقی فوجیں اپنے صدر کے حکم سے پڑوسی ملک کویت میں اتر گئیں۔

عراقی افواج کے اہلکاروں نے لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری اور زور زبردستی کے گھناؤنے انداز اختیار کئے جو زمانہ جاہلیت سے میل کھاتے تھے بلکہ اس سے بھی چند ہاتھ آگے تھے۔ انہوں نے جیلوں کے دروازے کھول دیئے جن سے تمام مجرم اور فاسق و فاجر نکل پڑے۔

جو لوگ رہا ہوئے ان میں اکثریت ان افراد کی تھی جنہیں عمر قید کی سزا سنا دی گئی تھی، کیونکہ وہ کویت کے شیخ بادشاہ پر کئے گئے قاتلانہ حملے میں ملوث تھے، مگر شاہی سواری کے تباہ و برباد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا۔

چنانچہ عراقی افواج کی جانب سے کویت کی جیلوں کے دروازے کھولے گئے تو تمام قیدی فرار ہوگئے ان میں سے ایک شخص کا بیان یہ تھا کہ وہ بالکل بے قصور تھا اور شیخ بادشاہ کے قتل کی سازش میں اس کا کوئی ہاتھ نہ تھا، اس کے باوجود اس قتل کی سازش میں شریک ہونے کے شبہ میں اسے گرفتار کیا گیا تھا، وہ رہا تو ہوگیا تھا لیکن اسے اپنی رہائی کا یقین نہ آتا تھا...... وہ اکثر کہا کرتا تھا: ''پریشانی کے بعد راحت ضرور ملتی ہے۔''

16 برس سے اذیت ناک سزا جھیلنے والا قیدی

92 ابوعلی وکیل فرماتے ہیں:

''میں مقتدر باللہ کے زمانۂ خلافت میں شہر بغداد میں قیدیوں کے حالات معلوم کر رہا تھا۔ تو میں نے زیرزمین قید خانے میں ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا ایک قیدی دیکھا جس کی پیٹھ پر ایک لوہے کی اینٹ تھی جس کا وزن 60 رطل تھا۔ میں نے اس سے اس قصے کے بارے میں پوچھا۔'' اس نے کہا: ''اللہ کی قسم میں مظلوم ہوں۔''

میں نے اس سے کہا: ''تم پر کیا گزری؟''

کہنے لگا: ''ایک رات میں اپنے دوست کے یہاں ضیافت میں گیا۔ میں اس کے یہاں سے اخیر رات کی تاریکی میں نکلا۔

ابھی میں سڑک کے کنارے پر چل ہی رہا تھا کہ مجھے چوکی داروں کی قندیلیں اور مشعلیں دکھائی دیں۔ میں خوف زدہ ہوگیا اور مجھے کچھ سمجھ نہ آیا کہ میں کیا کروں۔ اچانک مجھے بانس کا ایک ڈھیر نظر آیا۔ (جوکہ دکانوں کے دروازوں پر لگائے جاتے ہیں) میں نے ان بانسوں کو اِدھر اُدھر کیا اور دکان میں داخل ہو کر وہ بانس اسی طرح دوبارہ لگا دیئے۔ میں دکان کے اندر کھڑا ہوگیا، تاکہ جب چوکی دار چلے جائیں تو میں نکل جاؤں۔

جب چوکی دار اس جگہ پہنچے تو انہیں اس بانس کے ڈھیر میں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی اور کہنے لگے: اس دکان کی تلاشی لو۔

جب سارے سپاہی مشعلیں لے کر داخل ہوئے تو میں نے اچانک اس کی روشنی میں دکان کی زمین پر ایک شخص کی لاش دیکھی جس کے سینے پر ایک چھرا گھونپا ہوا تھا۔ میں بری طرح سے ڈر گیا۔

ان سپاہیوں نے جب اس لاش کو دیکھا اور مجھے اس کے ساتھ کھڑا ہوا پایا تو انہیں یقین ہوگیا کہ قاتل میں ہی ہوں۔
مجھے سپاہیوں نے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ پھر مجھے بلا کر خوب مارا پیٹا اور مجھے طرح طرح کی سزائیں دی گئیں، لیکن میں جرم ماننے سے انکار ہی کرتا رہا۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں بہت صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہا ہوں اس لئے وہ اور زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔

میرے گھر والے آئے ان کا حاکم کے رشتہ داروں پر ایک احسان تھا، اس لئے انہوں نے میری سفارش کی اور اپنے ساتھ بہت سے لوگوں کو لائے جنہوں نے میری شرافت کی گواہی دی، لیکن ان کی گواہی قبول نہیں کی گئی، چنانچہ ہر قسم کی اذیتیں سہہ لینے کے بعد میرے قتل کی سزا معاف تو ہوگئی، مگر مجھے زمین کے نیچے تہہ خانے میں منتقل کر کے اس لوہے کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا گیا، جو تم دیکھ رہے ہو اور میں 16 سال سے اسی حال میں ہوں، یہ ہے میرا قصہ۔

ابو علی فرماتے ہیں: ''اس مظلوم کی حالت دیکھ کر اور اس کا قصہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا اور 16 سال سے اس آزمائش اور تکلیف و مصیبت پر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میری یہ حالت دیکھ کر وہ مجھ سے کہنے لگا: ''آپ کو کیا ہوگیا۔ اللہ کی قسم! میں اس حال میں ہونے کے باوجود اللہ کی رحمت اور فضل سے مایوس نہیں ہوا۔ آہستہ آہستہ مشکلات تو دور ہو ہی جاتی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ آزمائش ختم ہو ہی جاتی ہے۔''

ابو علی فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! ابھی اس نے یہ بات کی ہی تھی کہ خوب چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہونے لگیں، سلاخیں ٹوٹ گئیں اور حراست ختم ہوگئی۔ کئی لوگ جیل کے تہہ خانے میں پہنچ گئے اور وہاں سے سب لوگوں کو باہر نکالا۔ وہ شخص بھی ان لوگوں کے ساتھ نکل گیا۔ میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے ساتھ اور تمام قیدیوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمایا۔

محنت مزدوری کرنے والا مشہور مصنف کیسے بنا؟

93 وہ تین سال کا تھا جب اس کی ماں فوت ہوگئی اور سات سال کی عمر میں اس کے سر پر باپ کا سایہ بھی نہ رہا جس کی وجہ سے اسے دردر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں، لوگوں کے گھروں میں کام کرنے کا تجربہ کیا مگر ہر جگہ اسے ذلت اور توہین آمیز سلوک کا سامنا کرنا پڑا صبح سے رات گئے تک اس سے کام لیا جاتا، بھاری اور مشکل کام بھی کرنے پڑتے تھے۔ دن بھر اس سے پتھر اٹھوائے جاتے جس سے اس کی انگلیاں زخمی ہو جاتیں اور ان سے خون بہنے لگتا تھا۔ رات کو وہ صفائی ستھرائی کے کاموں سے چور چور ہو جاتا، معمولی معمولی بات پر نہ صرف لاتوں اور مکوں بلکہ کوڑوں سے بھی اسے مار پڑتی، بعض مرتبہ تو بطور سزا اسے کئی کئی وقت بھوکا بھی رکھا جاتا تھا۔ اس طرح اس کا بچپن ظلم وستم کی چکی میں پستے پستے گزر گیا۔

اس سارے عرصے میں اسے کوئی کتاب، رسالہ تک پڑھنے کا موقع ملا نہ ہی اس نے کسی اسکول کا منہ دیکھا، اسے تو پچاس سے زیادہ گنتی بھی نہ آتی تھی۔ اس بات کا تو کوئی تصور بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی شہر بھی دیکھے گا، اس کے باوجود اسے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اکثر وہ جب بھی کسی کو پڑھتے ہوئے دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔

مگر آج نکلنے والے یہ آنسو اس کے آخری آنسو تھے، اس نے سوچا کہ مایوس ہونے سے بہتر ہے کہ میں ہمت اور کوشش کر کے کچھ کر دکھاؤں، یہ سوچ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں، اس کی آنکھوں میں چمک، چہرے پر مسکراہٹ اور لہجے میں عزم پیدا ہو گیا، اسے اپنے اندر موجود بے پناہ طاقت کا احساس ہونے لگا۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ میں نے ایک عظیم آدمی بننا ہے اور پھر اس نے ایک ہوٹل میں کام شروع کر دیا۔ وہ دن بھر کام کرتا اور پچھلے وقت اس نے پڑھائی شروع کر دی۔ اسے خراب حالات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ مالی مشکلات نے بھی کئی بار اس کا راستہ روکا مگر اس

نے صبر اور مستقل مزاجی سے تمام مشکلات کا نہ صرف مردانہ وار مقابلہ کیا بلکہ وہ بوسٹن یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس نے اس پر ہی بس نہیں کی۔ اس کے بعد اس نے ہاورڈ یونیورسٹی سے میڈیکل اور بوسٹن یونیورسٹی سے قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

بعدازاں اس نے کئی کتابیں لکھ کر تہلکہ مچادیا۔ اس یتیم لڑکے جس نے محنت مزدوری کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور امریکہ کا مشہور وکیل، ڈاکٹر، مصنف اور فلسفی بنا، اس کا نام سن سوئیٹ مارڈن (Orison Swett Marden) تھا، اس نے صرف 32 سال کی عمر میں اپنی منزل پالی تھی۔ اس دوران 1890ء کے بعد سوئیٹ مارڈن پر مشکلات بھی آئیں۔ ایک بڑا سانحہ یہ رونما ہوا کہ اس کے ہوٹل میں آگ لگ گئی جس سے اس کی 500 صفحات پر مشتمل کتاب کا مسودہ جل کر خاکستر ہوگیا مگر اس نے اس حادثے پر رونے اور واویلا کرنے کے بجائے حادثے کے اگلے ہی روز سیاس کتاب کو ازسرنو لکھنا شروع کردیا۔

یہ کتاب چھپتے ہی مارکیٹ میں چھا گئی اور ریکارڈ تعداد میں فروخت ہوئی اس کی کتاب کے کئی زبانوں میں تراجم بھی ہوئے۔ ہمیں بھی غور و کرنا چاہئے کہ کیا ہماری صلاحیتیں اس یتیم بچے سوئیٹ مارڈن سے بھی کم ہیں یا ہمارے پاس ترقی حاصل کرنے کے مواقع نہیں ہیں۔
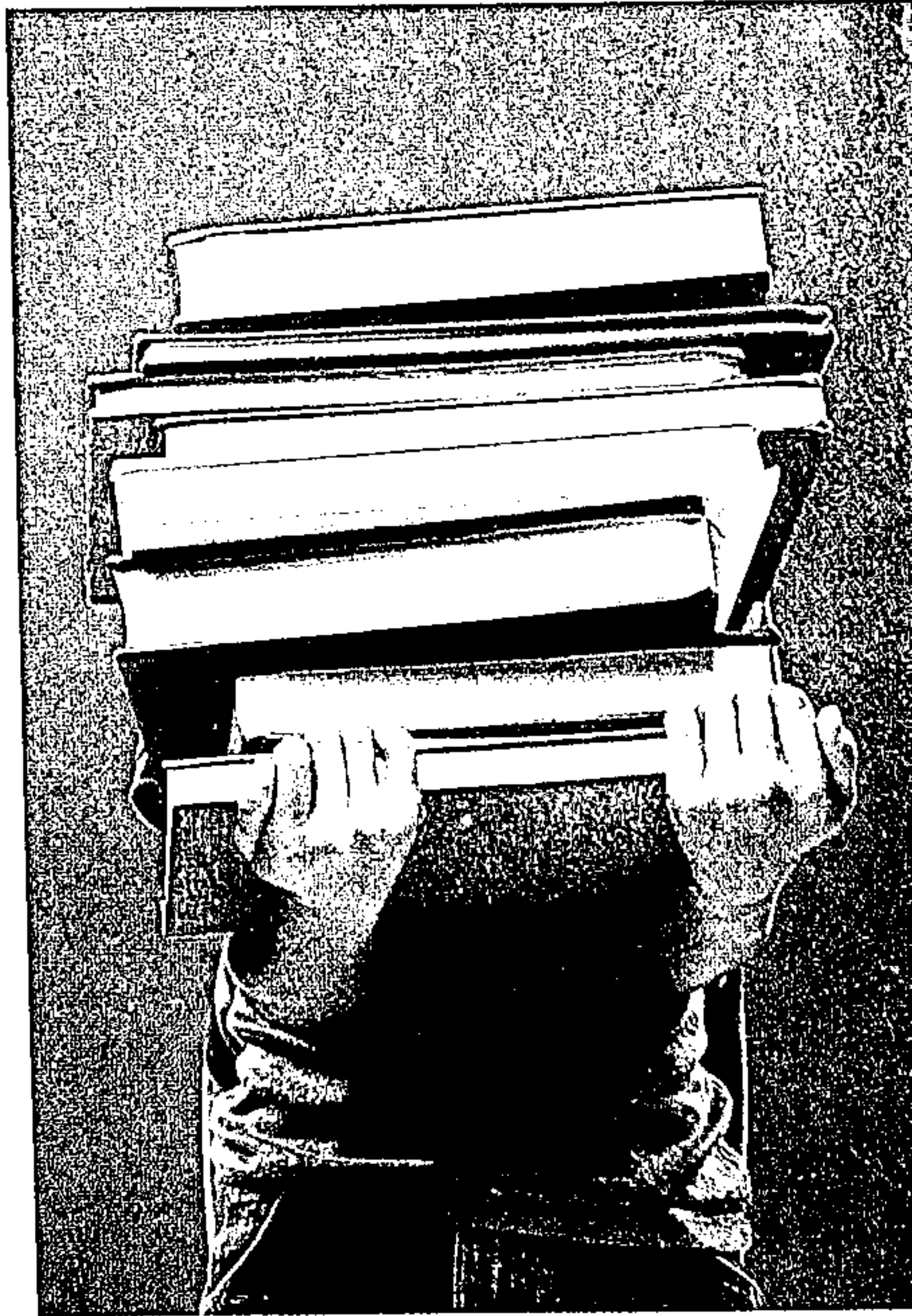
محمد علی دنیا کا طاقتور ترین باکسر کیسے بنا؟

94 محمد علی کلے کے نام سے کون واقف نہیں، اس نے بچپن سے ہی یہ سوچ رکھا تھا کہ میں دنیا کا طاقتور انسان بنوں گا اور اس نے باکسنگ میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ سب لوگ اس کا تمسخر اڑاتے تھے مگر اس نے کبھی بھی کسی کے تمسخر اور تنقید کا برا منایا اور نہ ہی اسے سنجیدہ لیا اس نے اپنی محنت جاری رکھی اور پھر ایک دن عالمی شہرت یافتہ باکسر جارج فورمین کو مقابلے کا چیلنج دے دیا۔

یہ وہ باکسر ہے جس کے سامنے آنے سے ہر باکسر ڈرتا اور کانپتا تھا۔ اس کا مکا گھوڑے کی لات سے بھی زیادہ سخت مشہور تھا جس کو بھی لگتا، وہ دوبارہ اٹھ نہ سکتا تھا۔ اگرچہ محمد علی کلے بھی اس سے خوفزدہ تھا مگر اس کے باوجود اس نے جارج فورمین کو چیلنج دے ڈالا مگر پہلے ہی مقابلے میں جارج فورمین نے محمد علی کو زبردست شکست دی۔ محمد علی کے چہرے پر 12 مکے لگ چکے تھے اور وہ بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ اس کے بازو میں بھی فریکچر ہو گیا تھا۔ اور اس کی حالت غیر تھی۔ وہ کئی دن تک اسپتال میں داخل رہا۔ اس کے خیر خواہوں نے اسے نصیحت کی کہ آئندہ نہ صرف وہ جارج فورمین سے مقابلہ نہ کرے بلکہ باکسنگ کو ہی الوداع کہہ دے۔ جب محمد علی ٹھیک ہوا تو اس نے نہ صرف باکسنگ جاری رکھی بلکہ ایک بار پھر جارج فورمین کو چیلنج دے ڈالا۔

جب اس کی اطلاع جارج فورمین کو ہوئی تو اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ''تم لوگ محمد علی کو دنیا میں آخری بار دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ لو اس کے بعد وہ تمہیں دنیا میں نظر نہیں آئے گا۔ اس نے پہلی بار سے سبق نہیں سیکھا، اب میں اس کا ہمیشہ کے لئے پکا انتظام کرتا ہوں۔'' آخر مقابلے کا دن آ گیا محمد علی نے رنگ میں مختلف حکمت عملی اپنائی، اس نے دیکھو اور
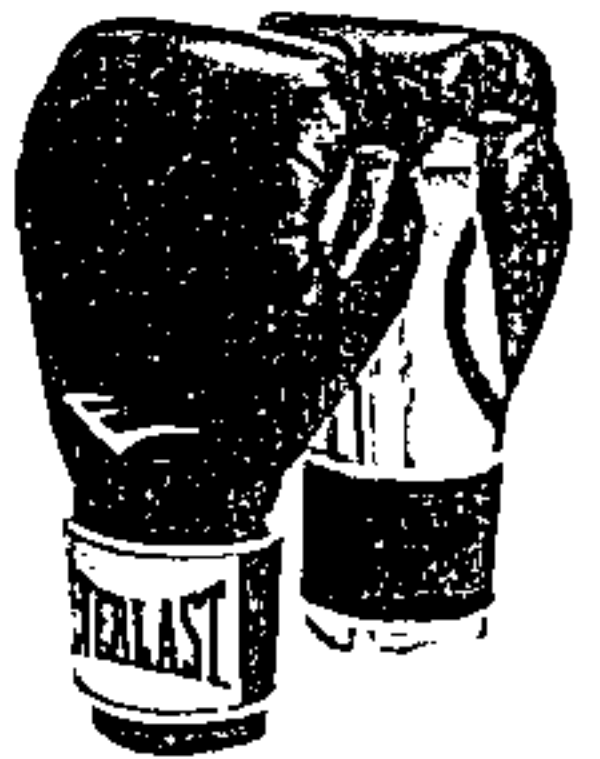
انتظار کرو کی پالیسی اختیار کی، کوئی بھی باکسر جارج
فورمین کے سامنے دو یا تین مرحلوں سے زیادہ نہیں
ٹھہر سکتا تھا مگر محمد علی مسلسل بارہ مرحلوں تک ڈٹا رہا اور
جارج فورمین سے مار کھاتا رہا، اس نے جارج فورمین
کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ اس کی ضربوں کا
اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ اچانک موقع ملتے ہی محمد علی کلے
نے ایک ایسا فیصلہ کن مکا دے مارا کہ جارج فورمین چاروں
شانے چت ہو گیا اور ریفری کے سات تک گنتی کرنے کے باوجود نہ اٹھ سکا۔

اس طرح محمد علی اب دنیا کا مشہور ترین اور نمبر ون باکسر بن چکا تھا، اس کے بعد
اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے اپنی
ذاتی، جدوجہد، مستقل مزاجی اور صبر کی بدولت کامیاب ہوا۔'' اس نے ہر انسان کو یہ
سبق دے دیا کہ کبھی بھی شکست قبول کرنے والے لوگوں کی باتوں میں مت آئیں۔
آپ محنت کرتے رہیں، ایک دن کامیابی ضرور آپ کے قدم چومے
گی۔ آپ راستے کے ہر پتھر، ہر
رکاوٹ کو اپنے بلند عزائم کے
سامنے انتہائی معمولی سمجھ کر گزرتے
جائیں اور منزل کی طرف بڑھتے
جائیں۔ آپ آج دیر سے نہ سہی کل
سویرے تو اپنی منزل تک پہنچ ہی
جائیں گے۔

مایوس نوجوان کی مایوسی کو اللہ نے کیسے ختم کیا؟

95 یہ حسین و جمیل نوجوان ملک کے مشہور و معروف تاجر کا نورِ چشم تھا۔ اس کی دکان اس دریا کی طرح تھی جس میں سونے کی ندیاں گر رہی ہوں۔ وسیع و عریض محل خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس محل میں پچاس کنیزیں موجود تھیں جو اپنی صفائی اور حسن میں گلشن کے رنگا رنگ پھولوں کی طرح تھیں جنہیں شبنم کے قطروں نے دھو ڈالا ہو یا اس گلدستے کی طرح تھیں جسے نئی نویلی دلہن کے حجلہ عروسی میں رکھنا مقصود ہو۔

لیکن یہ خوبرو اور نوابی شان و شوکت رکھنے والا نوجوان، زندگی کے اصل اور پر لطف پہلو سے بے خبر تھا۔ ایک دن غلاموں اور کنیزوں کے بازار میں اس کی نگاہ اچانک اس پری پیکر حور تمثال پر پڑی جس کا چہرہ بدر تمام کو شرما رہا تھا اور سرگیں آنکھیں اپنی باریک باریک سیاہ پلکوں سے بڑے بڑے زاہدوں کو تڑپا رہی تھیں۔ گورے رخسار پر قدرتی گندھا ہوا سیاہ تل دیکھنے والوں کے دلوں کو مقناطیس کی طرح کھینچ رہا تھا۔ اولوں جیسے صاف و شفاف دندان، نیلگوں آسمان پر چمکنے والے تاروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ یہ دراز گردن دلربا جب پھول کی نازک پتیوں جیسے لب کھول کر مسکراتی تو منہ سے بجلی کوندنے لگتی۔

جوں جوں یہ نوجوان اس حور کے انگ انگ پر نظر دوڑاتا ایک سے بڑھ کر ایک خوبی دیکھتا۔ یہ حور اس کی آنکھوں کے شیشے سے ہوتی ہوئی اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ اس نے منہ مانگے دام یعنی 500 طلائی دینار دے کر اسے خرید لیا۔ اسے گھر لے آیا۔ پھر وہ اسی کا ہو کر رہ گیا۔ اب اس کی صورتحال یہ تھی کہ دن بھر ایک گھڑی دکان پر بیٹھتا تو بے قرار ہو کر گھر آجاتا۔

اس کی غیرت گوارا نہ کرتی تھی کہ سورج بھی اس پر اپنی کرنیں ڈالے یا اسے بادِ نسیم کا جھونکا چھوئے۔ جونہی یہ دکان کھولتا جدائی کے تلخ لمحات اسے بے قرار کر دیتے۔ آتش محبت سینے میں مچلنے لگتی تو یہ دکان بند کر کے دلربا کے شیریں آبِ دہن سے آتش شوق بجھانے موجود ہوتا۔ محبوبہ کی محبت اس کا سرمایہ حیات اور زندگانی کا بھید بن گئی ورنہ اس نوجوان کو زندگی کی جنسی لذتوں کا پتہ ہی نہ تھا۔

جوں جوں دن گزرتے گئے، جنونِ محبت بڑھتا گیا۔ تجارت کا برفاب محبت کی آنچ میں پگھلنے لگا۔ دکان بند رہنے لگی۔ جمع شدہ سیم و زر نکلنے لگا۔ سالہا سال کی جمع کی ہوئی دولت شبنم کے قطروں کی طرح بکھرنے لگی۔

لیکن یہ نوجوان ذرا پروا نہ کرتا کیونکہ اسے ایسی محبوبہ مل گئی جس سے ایک گھڑی کا وصل کائنات کی دولت سے بدرجہا بڑھ کر تھا۔ یہ اپنے گاہکوں کو دکان پر کھڑے چھوڑ کر حور تمثال محبوبہ کا دیدار خریدنے چلا جاتا۔ جب کبھی نیک بخت سمجھاتی کہ جاؤ اور مال و دولت کی خبر کرو، تجارت کرو اور ثروت بچاؤ تو یہ کہتا:

مجھے سیم و زر اور دولت و ثروت سے کیا غرض؟ بس تو ہی میری ثروت اور تجارت ہے۔ وہ جب بھی بات کرنا چاہتی یہ نوجوان اس کے پھول کی پتیوں جیسے نازک ہونٹوں کا بوسہ لے کر خاموش کرا دیتا۔

بالآخر تجارت ختم ہوگئی۔ سونے کا کنواں خشک ہوگیا۔ اثاثہ فروخت ہوگیا۔ کنیزیں (خادمائیں) بک گئیں تو اس نے محل کے مرمریں پتھر فروخت کرنے شروع کر دیئے
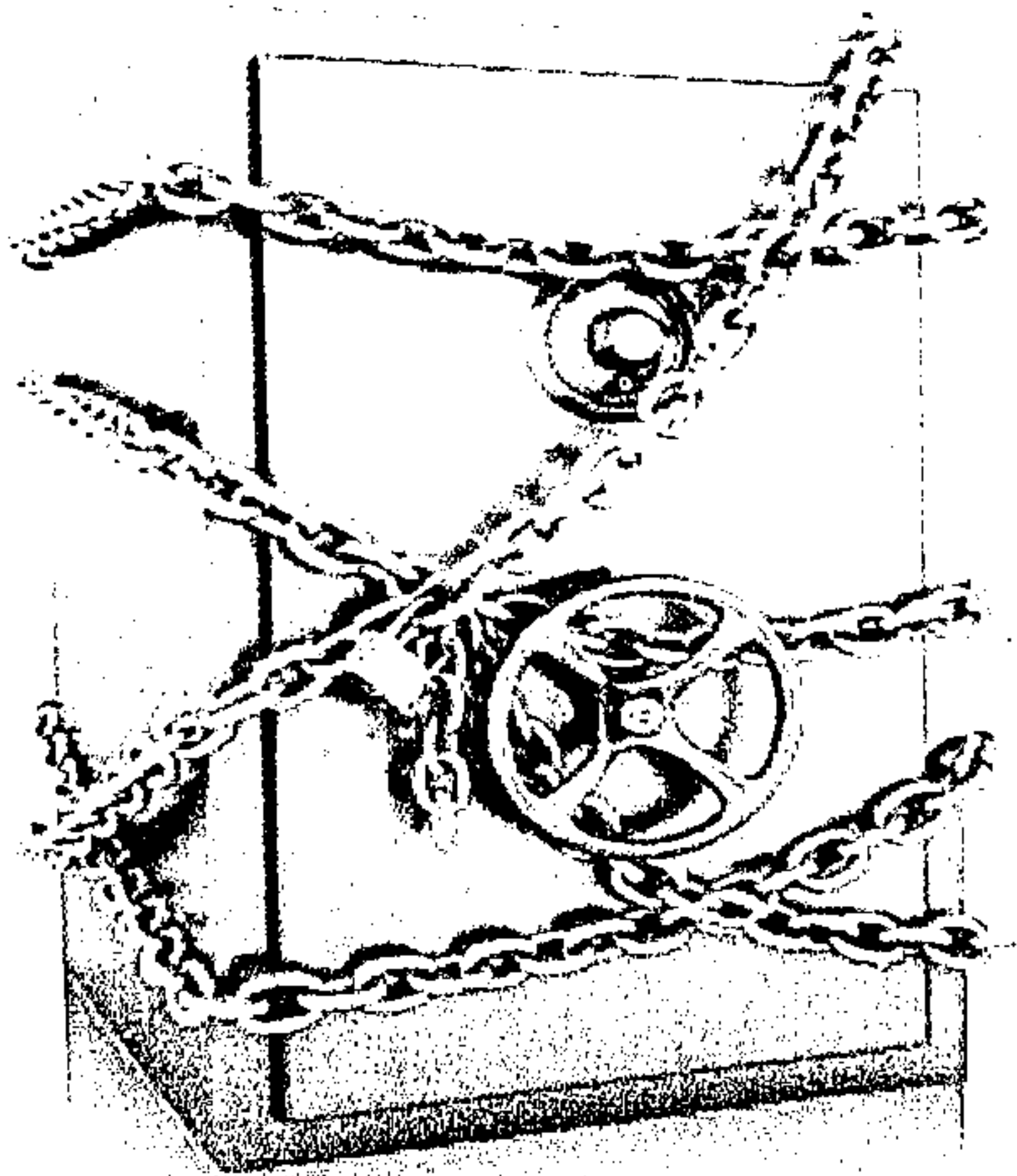
جانے والے مال کا غم نہ گمشدہ خزانے کا افسوس! اسے محبوبہ کی محبت میں بھوک سے غذا اور پیاس سے سیرابی حاصل ہوتی۔ وحشت سے سکون اور سردی سے حرارت نصیب ہوتی۔ اس کے گورے چٹے رخساروں نے اسے پھولوں سے بے نیاز کر دیا۔

الغرض محبت کی فصل پک گئی اور برداشت کا وقت آ گیا لیکن خزاں یا بہار میں نہیں بلکہ شدید ترین سردی کے موسم میں آیا اور ان دنوں گھر میں فقر و فاقہ تھا۔ گھر بھر میں لے دے کر صرف ایک چٹائی رہ گئی تھی جس کے دھاگے ٹوٹ رہے تھے اور روئی کے ٹکڑے مٹی سے میلے ہو رہے تھے۔

اس بیچاری کو دردزہ شروع ہوا تو وہ اس چٹائی پر پچھاڑیں کھانے لگی۔ یہ نوجوان اپنی محبوبہ کے درد کو اپنی پسلیوں میں محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ہر چیخ اس کے دل پر خنجر کی طرح پیوست ہو رہی تھی لیکن بھلا کیا کر سکتا تھا۔ جب تکلیف ناقابل برداشت ہوگئی تو اس بیچاری نے کہا:

اے میرے محبوب! میں مر جاؤں گی۔ جا میرے لئے کچھ روغن، شہد اور آٹا لے آ اور جلدی کر۔ اگر دیر ہوگئی تو مجھے زندہ نہ پائے گا۔

یہ گھر سے نکلا اور دیوانے کی طرح دوڑ دوڑ کر مطلوبہ اشیاء تلاش کرنے لگا۔ دکانیں اور بازار بند تھے۔ لوگ گھروں میں مزے کی نیند سو رہے تھے لیکن محبت کا متوالا پردیسیوں کی طرح مارا مارا پھر رہا تھا۔ یہ دوڑتا ہوا بغداد کے پل پر جا پہنچا۔ اس کا اگر کوئی گھر تھا تو وہی جس سے نکل کر آیا تھا اور اگر کوئی غم خوار تھا تو وہی عورت جو درد سے مر رہی تھی۔ اس کے دل میں خطرناک وسوسے پیدا ہونے شروع ہوگئے۔ اسے اپنی محبوبہ کے خاتمے کے بعد آنے والی وحشت اور کاٹ کھانے والی تنہائی کا خوف لرزا رہا تھا۔
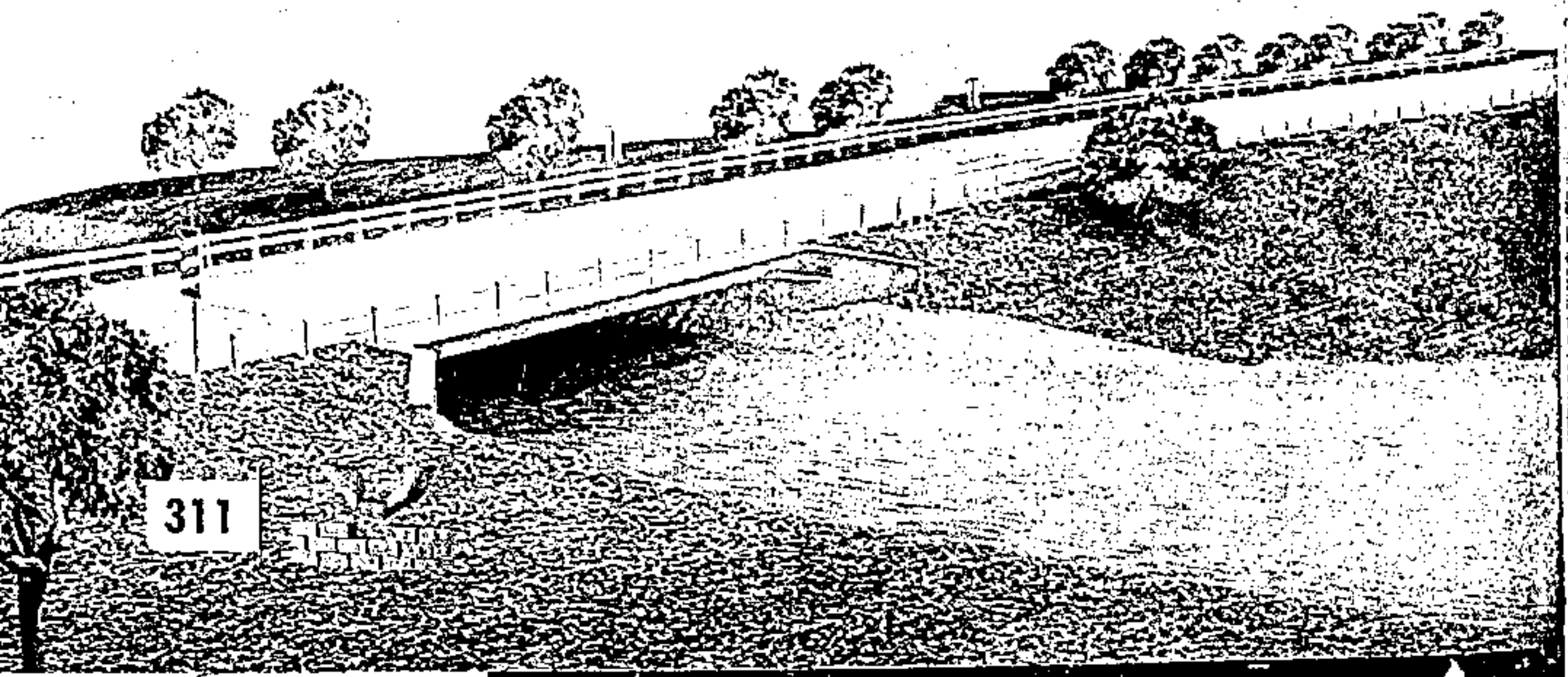
جب وسوسوں نے بھیانک منظر پیش کیا تو سوچنے لگا؛ اگر دجلہ میں چھلانگ لگا کر میں بھی زندگی کا خاتمہ کرلوں تو شاید اگلے جہاں میں ایک ساتھ ہو جائیں۔ دجلہ کا پانی رات کی سیاہ چادر اوڑھے رقص کر رہا تھا۔ چاروں طرف مکمل خاموشی چھا چکی تھی۔ یہ چھلانگ لگانا ہی چاہتا ہے کہ اسے اپنی حبیبہ کا انتظار اور تکلیف یاد آئی۔ اپنی درماندگی اور ناچاری نے اسے یہ دعا مانگنے پر مجبور کر دیا: ''اے اللہ میری حبیبہ اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے وہ تیرے سپرد کرتا ہوں۔''

اس کے بعد لمبے چوڑے خیالات برق رفتاری سے اس کے ذہن پر گزرنے لگے۔ یہ چھلانگ لگانے سے پہلے سوچنے لگا کہ اس یخ بستہ پانی میں موت جلدی آجائے گی یا دیر سے۔ آیا مشکل سے دوچار ہونا پڑے گا یا نہیں۔ کیا اللہ خودکشی کرنے والوں کی جواب طلبی نہیں کرے گا اور حکم عدولی کرنے والوں کو سزا نہ دے گا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے خودکشی حرام نہیں کی؟ کیا میری جان اس کی ملکیت نہیں؟ جو اس نے بطور امانت بندے کو دے رکھی ہے۔

یہ جان نہ میری ہے نہ میں نے پیدا کی ہے پھر یاد آیا کہ میں نے جو اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور محبوبہ کو اس کے سپرد کیا ہے تو کیا وہ ایسے ہی رائیگاں جائے گی۔ مرنے کے بعد میں اللہ کو کیا جواب دوں گا۔ ایمان جاگ اٹھا اور یہ واپس مڑنے پر آمادہ ہوگیا۔

کہ اچانک سے آزان کی آواز سنائی دی یہ مؤذن کی آواز تھی۔ جس کے انتظار میں چوپائے کھڑے اور پرندے بیٹھے رہتے ہیں۔ جسے سن کر بلبلیں چہچہانے لگتی ہیں اور نمازی جاگ پڑتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اشہد الاّ الہ الا اللہ۔

اس نے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے الفاظ سن کر دنیا کی حقارت اور آخرت کی بزرگی نظر آئی۔ اس کے اعصاب میں قوت وتوانائی دوڑنے لگی۔ وہ وہاں سے واپس گھر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ پڑوس کی عورتیں جمع ہیں جو تکلیف میں مبتلا خاتون کی آہ و بکا سن کر آ گئی تھیں۔

اس نے ان خواتین سے اپنی بیوی کی حالت دریافت کی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ فوت ہو چکی ہے، حالانکہ وہ بے ہوش ہو کر سکتہ میں تھی۔ یہ فوتگی کی اطلاع سن کر چیختا چلاتا، روتا پیٹتا، بال نوچتا، کپڑے پھاڑتا ہوا دیوانوں کی طرح جدھر منہ آیا ادھر چل پڑا۔

اس کے ہوش وحواس گم ہو گئے اور یہ بستیوں اور شہروں میں گھومتا ہوا خراسان جانکلا عرب لوگ مروت کی وجہ سے کھانا اور بستر مہیا کر دیتے لیکن یہ نہ پوچھتے کہ تو کون ہے اور کہاں جانا چاہتا ہے۔
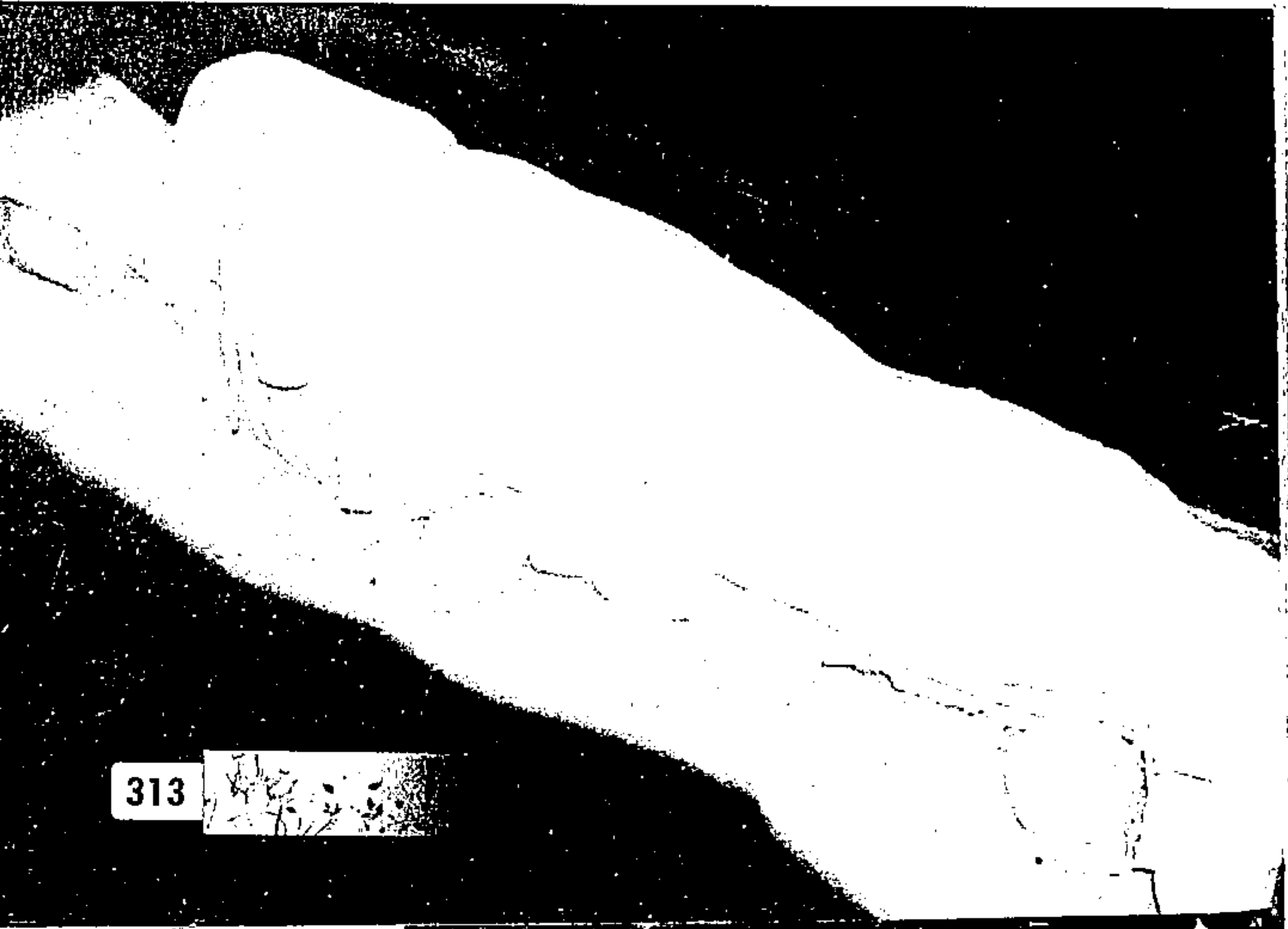
کچھ عرصے کے بعد ہوش و حواس درست ہوئے تو کسی واقف کار نے اسے تجارت کے لیے پیسہ دے دیا۔ چنانچہ یہ تھوڑے ہی عرصے میں مالدار ہوگیا۔ گھر میں سونے چاندی کی ریل پیل ہوگئی۔ یہ اپنے گھر کے پتے پر پڑوسیوں کو خط لکھتا رہا۔ چنانچہ اس نے چھیاسٹھ خط لکھے لیکن جواب ایک کا بھی نہ آیا۔

جس شخص نے ازدواجی زندگی کا لطف اٹھایا ہو اور بیوی کی محبت میں شیریں اوقات گزارے ہوں وہ بھلا کیونکر تنہائی کی زندگی بسر کرسکتا ہے۔ سونے اور چاندی کے درہم و دینار سے عمدہ کھانے، بہترین پوشاکیں، اعلیٰ سواریاں، بلند و بالا کوٹھیاں خریدی جاسکتی ہیں لیکن ہم مزاج، ہم خیال دردمند رفیقہ حیات کا ملنا قسمت پر موقوف ہوتا ہے۔

یہ نوجوان جب رات کو گھر کے دروازے بند کرلیتا تو شاندار ماضی کے پرلطف لمحات اور اپنی حبیبہ کے اوصاف کو یاد کر کے روتا۔ اسے اپنا بغدادی محل جو اپنی خستہ حالی کے باوجود محض دلربا کے دم خم سے گلشن نما تھا، اس محل سے بہت بھلا لگتا تھا جس میں سوائے سونے چاندی کے کوئی غم خوار نہیں تھا۔

اسے خراسان میں اٹھائیس سال بیت گئے۔ عمر کی انتہا ہونے لگی۔ یہ گھبرا گیا کہ اسے کہیں اس حال میں ہی موت نہ آجائے کہ بیوی کی قبر بھی نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ ایک رات یہ تصور وحشت ناک منظر بن کر سامنے گیا تو اس نے بغداد واپسی کا عزم مصمم کرلیا۔

اس نے اٹھائیس سال کی کمائی ہوئی دولت بیس ہزار میں فروخت کر دی اور عمدہ پوشاک اور کچھ سامان خرید کر ایک قافلے کے ساتھ بغداد کی طرف چل پڑا۔ دل میں بس ایک ہی آرزو تھی کہ بیوی کی قبر پر ایک شاندار مقبرہ بنائے اور وہیں کا ہو کر رہ جائے۔

لیکن راستے میں قافلے پر ڈاکو ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے قافلے والوں کو لوٹ کر قتل کر دیا۔ یہ رات کو مردوں کے درمیان سے اٹھ کر پیدل چلتا رہا وہ سمجھتا رہا کہ یہ دنیا دکھوں اور مصیبتوں کا گھر ہے۔ محبوبہ کی جدائی کا جانکاہ صدمہ دل سے نہ دُھلا کہ دوسرا صدمہ آن پڑا۔ یہ پھر خودکشی کا سوچنے لگا مگر ایمان چونک پڑا اور اس نے یہ کہا کہ میں نے اپنی محبوبہ اور اس کے بچے کو اللہ کے سپرد کیا تھا اور اللہ کے پاس ہے میری امانت؟؟

کیا عجب کہ وہ امانت محفوظ ہی ہو۔ یہ انہی سوچوں میں گم ہو کر دریا کے کنارے آ پہنچا۔ اتفاق سے وہاں ایک بحری جنگی جہاز گزر رہا تھا، اس نے ان کی طرف اشارہ کر کے آواز دی جہاز والوں نے اپنا رخ اس کی طرف کر دیا اور اسے اپنے ساتھ سوار کر لیا۔

اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس کے ماننے والے اپنے بھائیوں کو حقیر نہیں سمجھتے۔ خواہ وہ امیر ہوں یا غریب۔ انہوں نے اسے کھانا پیش کیا، کھانا کھا کر اس کی جان میں جان آئی جہاز دن بھر چلتا رہا۔ شام کے وقت یہ بیدار ہوا تو بغداد نظر آ رہا تھا۔ اسے بغداد کا پُرشکوہ منظر تعجب میں ڈالنے لگا۔ دجلہ کی سطح پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور جہاز مچھلیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر جا رہے تھے۔ کھجوروں کے درخت باہم معانقے کر رہے تھے۔ پانی کی موجیں رقص کر رہی تھیں۔ ان کا جہاز ان کشتیوں میں ایسے گزر رہا تھا جیسے کوئی جواں مرد حسیناؤں کے جمگھٹے سے گزر رہا ہو۔

جہاز کے کپتان نے اسے بغداد کے اسی پل پر اتارا، جہاں یہ اٹھائیس سال قبل کھڑا چھلانگ لگانے کا سوچ رہا تھا۔ اس وقت اس کے دل کی کیفیت یہ ہوگئی کہ اب پھر سے روغن اور شہد خرید کر اپنی محبوبہ کو پیش کرے۔ لیکن فوراً متنبہ ہوا کہ یہ کوئی گھنٹوں کی بات نہیں بلکہ اٹھائیس سال کا عرصہ ہے۔ کتنے لوگ پیدا ہوئے اور کتنے فوت ہوگئے۔

یہ وہاں سے اپنے ویران گھر کو ڈھونڈنے چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ اس ویران گھر کی جگہ ایک عظیم الشان مکان تیار ہوچکا ہے اور اس کے گیٹ پر مسلح نوجوان چاک و چوبند کھڑے ہیں۔ یہ سوچنے لگا کہیں میں نہ بھول گیا ہوں۔ واپس مڑا تا کہ پوچھ لے لیکن پوچھے تو کس سے؟ ناشنا سے چہرے ہیں۔ جگہیں تبدیل ہوچکی ہیں۔

اس کو اپنی آخری آرزو بھی پوری ہوتی نظر نہ آئی وہ واپس لوٹنے کا سوچ رہا میں تھا کہ اچانک اس کی نگاہ قدیمی دکان پر پڑی۔ جس میں ایک نوجوان سبزی فروخت کر رہا تھا۔ یہ وہاں پہنچا تو دکاندار نے اسے بتایا کہ یہ محل ایک ایسے نوجوان کا ہے جس کا باپ اٹھائیس سال سے فوت ہوچکا ہے اور یہ وہ نوجوان امیر المومنین مامون الرشید کی دایہ کا بیٹا ہے اور آج کل مملکت اسلامیہ کا سیکریٹری خزانہ ہے۔

اس دکاندار نے مزید بتایا کہ اس نوجوان کا قصہ بھی عجیب ہے اس کا باپ نامور تاجر کا فرزند تھا۔ اس نے کنیز خریدی اور پھر اسی کا ہوکر رہ گیا۔ یہاں تک کہ سال بعد کنیز کو دردزہ شروع ہوا تو وہ اس کے لئے خوردونوش کی اشیاء لینے گیا جو اسے کہیں سے بھی نہ ملیں اور نہ وہ خود ہی واپس آیا لیکن میرے والد نے اس کی کنیز کی طلب پوری کر دی تھی۔

انہی ایام میں امیر المومنین ہارون کے ہاں بچہ پیدا ہوا جو کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا تھا۔ جونہی اسے اس کنیز کا دودھ پلایا

گیا، اس نے فوراً پی لیا۔ اس دن سے یہ کنیز نومولود کی رضائی ماں بن گئی جو اسے کافی عرصہ دودھ پلاتی رہی اور وہ نومولود آج کل امیر المومنین مامون الرشید کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تفصیل سن کر اس آدمی کے گرد زمین گھومنے لگی اور بے شمار شکوک اور امیدیں مختلف صورتوں میں اس کے دل پر برق رفتاری سے گزرنے لگیں۔ اس نے سبزی فروش سے پوچھا کہ امیر المؤمنین کی دایہ کہاں ہے؟

اس سوال کے جواب کا انتظار اس پر عرصہ قیامت کی طرح گزرنے لگا۔ جواب سننے کے لئے بے تابی کا یہ عالم تھا کہ وہ گویا کوئی ملزم ہے جسے عدالت سے قتل یا برأت کا حکم سنایا جانا ہو۔
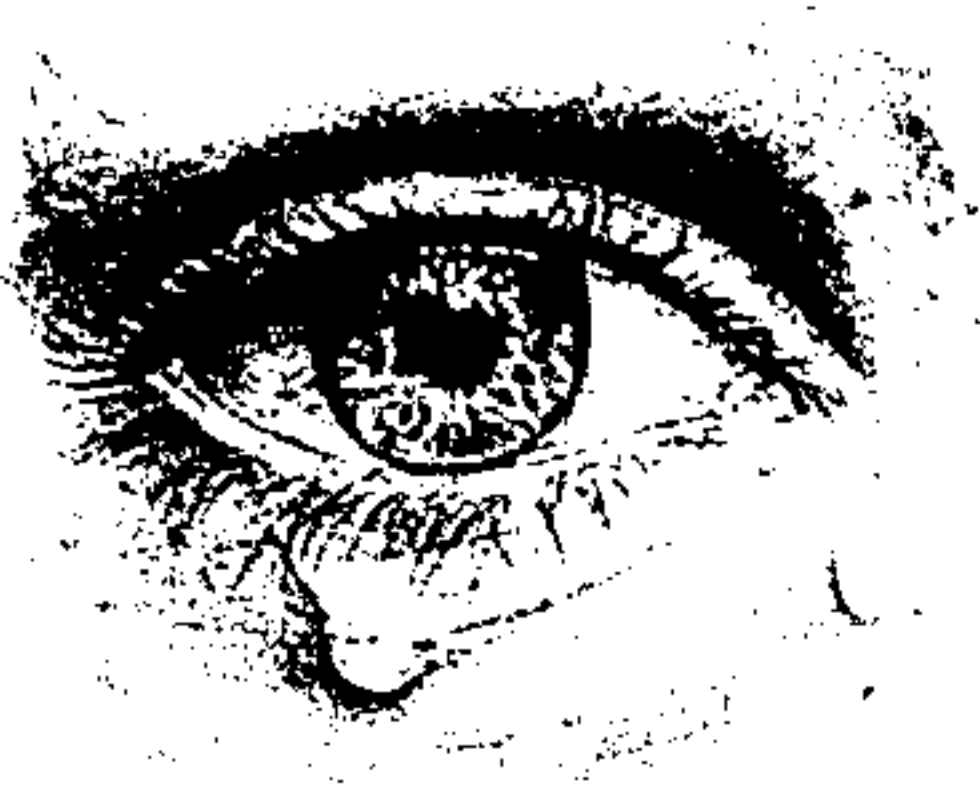
سبزی فروش نے بتایا کہ وہ کچھ عرصہ اپنے بیٹے کے ہمراہ امیر المومنین کے گھر جاتی رہی لیکن آج کل اس سامنے والے محل میں رہ رہی ہے۔ البتہ اس وقت سے آج تک اس کی آنکھوں سے آنسو تھمنے میں نہیں آرہے۔

یہ اسے چھوڑ کر جلدی جلدی محل کی طرف بڑھنے لگا۔ ساری تھکاوٹیں دور ہوگئیں۔ جوانی کی یادیں سینے میں رقص کرنے لگیں۔ یہ حمد الٰہی کے ترانے گاتا ہوا چل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ سبحان اللہ! میں جس محبوبہ کی قبر کے پاس دفن ہونے کے لیے آیا تھا وہ ابھی تک اس انتظار میں ہے کہ محبوب آئے اور وہ اسے عطر اور سینے میں بھری ہوئی محبت پیش کرے اور وہ اس کے پیٹ کا بچہ جو موت کے دروازے پر کھڑا تھا آج مملکت اسلامیہ کا امین بیت المال یعنی سیکریٹری خزانہ بن چکا ہے۔

دروازے پر جا کھڑا ہوا تو گھر کے نوجوان مالک نے پوچھا: صاحب کیا تلاش کرتے ہو؟"

اس کا دل دھڑکنے لگا اور سانس تیز ہوگئی۔ آنکھیں آنسو برسانے لگیں۔ بات کرنے کا یارانہ تھا۔ بس اتنا ہی کہا: "میں تیرا باپ ہوں!"

نوجوان نے تردد کے عالم میں کہا: میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ یہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ دونوں یکے بعد دیگرے کئی صحنوں سے گزرتے ہوئے حرم تک پہنچ گئے۔

نوجوان نے اسے پردے کے پیچھے کھڑا کیا اور خود اندر چلا گیا تاکہ اپنی ماں سے اس کے متعلق پوچھ لے۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ اندر میری محبوبہ ہی ہے۔ اس نے آواز دی تو وہ آواز پہچان کر برق رفتاری سے پردے سے باہر آئی اور اسے زندہ سلامت دیکھ کر خوشی کے آنسو بہانے لگی۔ چاہتی تھی کہ فوراً اس کے سینے سے چمٹ جائے لیکن نوجوان بیٹے کی موجودگی میں حیاء کی وجہ سے ایسا نہ کرسکی۔

سمجھدار نوجوان یہ دیکھ کر بغیر کچھ کہے سنے باہر چلا گیا تاکہ اس کے والدین جی بھر کر اپنی پرانی یادیں تازہ کرلیں۔ واقعی اللہ تعالیٰ کی سپرد کی ہوئی امانتیں کبھی ضائع نہیں ہوتیں!!!

(بحوالہ اسلامی تاریخ کے دلچسپ واقعات۔ 134 تا 142)

کنویں میں گر کر تین دن تک لٹکتا رہا

96 احمد زہرانی ایک چرواہا تھا، ایک دن اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ مغرب کے وقت مندق کے شہر میں باحہ کے علاقے سے لوٹ رہا تھا، اسے اس راستے کے متعلق تمام معلومات حاصل تھیں۔ وہ موسم پر چھائے ہوئے گہرے بادلوں سے بے پروا قطب نما کی سی تیزی سے چل رہا تھا، لیکن وہ خلاف معمول بھٹک گیا اور وہ اس راستے سے جس پر وہ چلا کرتا تھا ہٹ کر دوسری طرف جہاں ایک کھلا ہوا کنواں تھا چلنے لگا، جس کی گہرائی 20 میٹر تھی۔

قبل اس کے کہ کوئی اس کو خبردار کرتا اس نے اپنے آپ کو کنویں میں نیچے گرتا ہوا محسوس کیا۔ تو ایک ہی لمحے میں ان کے حواس روشن ہوگئے۔ انہوں نے اس اچانک غیر محسوس حملے اور زندگی کی بقاء کے بارے میں سوچنے سے پہلے ہی کنویں کے اطراف میں لٹکی ہوئی نرم ٹہنیوں کو پکڑ لیا، لیکن وہ اس کے بھاری جسم کو سہارا نہ دے سکیں اور وہ دوبارہ نیچے گر گیا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے ساتھ نہ ہوتی تو وہ کنویں کی گہرائی میں پہنچ جاتے، لیکن اسے لوہے کی سلاخیں مل گئیں جن پر وہ پورے تین دن تک لٹکتا رہا۔ اسی دوران بکریوں کا ریوڑ جب اس کے بغیر گھر پہنچ گیا تو اس کے گھر والے اور پڑوسی اس کی تلاش میں ہر طرف نکل گئے، یہاں تک کہ ان کی تلاش کرنے میں ان لوگوں سے امید کا دامن چھوٹ گیا۔

احمد زہرانی کہتے ہیں: "جب میرے پاؤں پھسلے اور میں گرا تو میں نے شروع میں سوچا کہ وہ ایک چھوٹا کنواں ہوگا جس میں جانے کا میں عادی ہوں اور چوں کہ گہرے بادل مجھے کچھ دیکھنے کا موقع نہیں دے رہے تھے تو میں نے اپنے پاؤں ڈھیلے کئے، تا کہ اور زیادہ نیچے ہو جائیں تو میں کنویں میں گر گیا۔

میرا گرنا درجہ بدرجہ تھا میرے گرنے کے دوران میرا سر کنویں کے اطراف سے ٹکرایا، لیکن میرے ہاتھ لگاتار کسی ایسی چیز کو تلاش کر رہے تھے جس سے میں سہارا لے سکوں، یہاں تک کہ میں نے کچھ چھوٹی ٹہنیاں پائیں تو میں نے ان سے ایسے سہارا لے لیا جیسا کہ ڈوبنے والا کسی تختے سے سہارا لیتا ہے۔ پھر دوسری مرتبہ گرنے کے دوران مجھے بہت سی چوٹیں لگیں...... یہاں تک کہ میں نے لوہے کی سلاخ کو پکڑ لیا۔
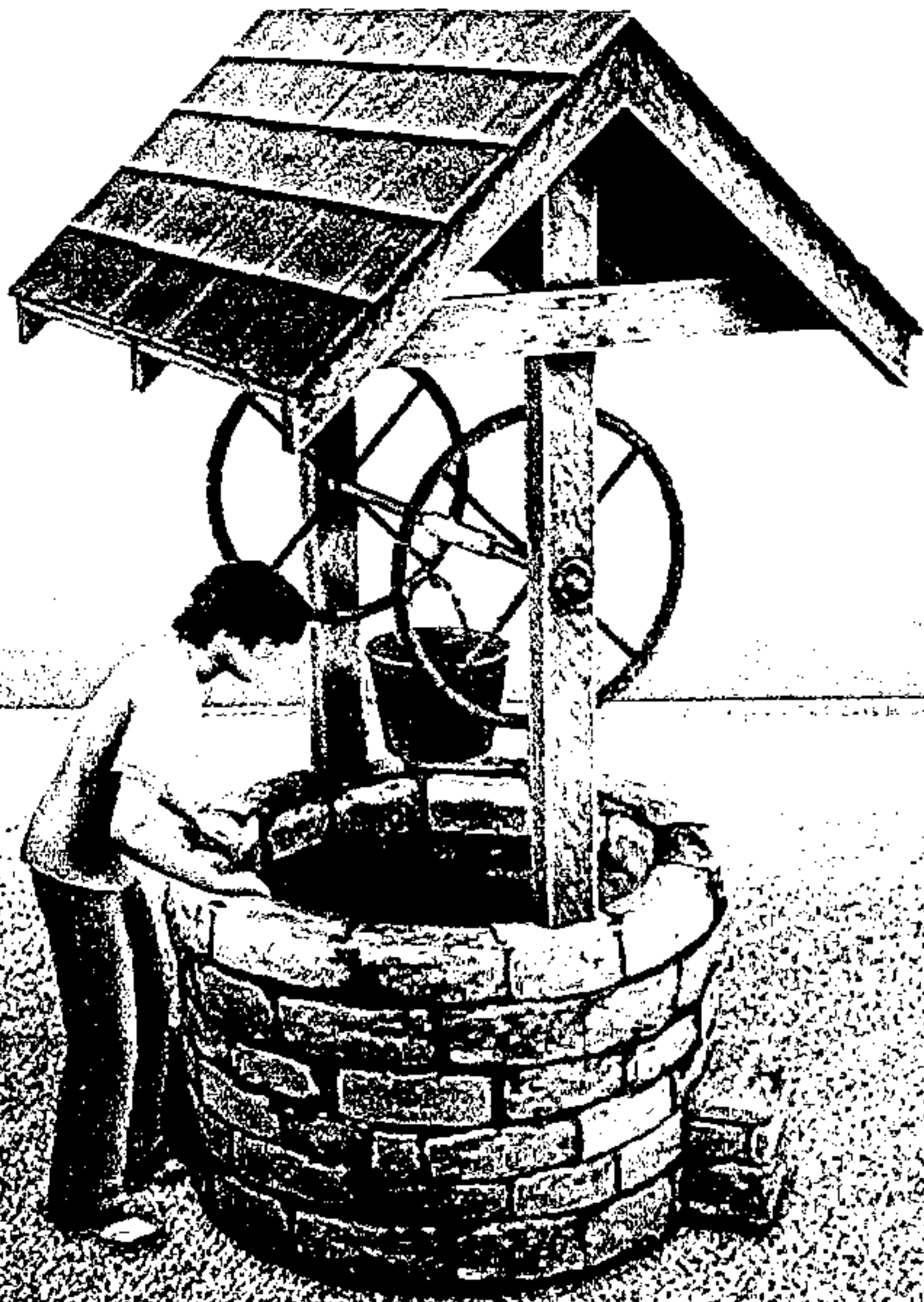
میں پورے تین دن کنویں میں بغیر سوئے لٹکا رہا، کیوں کہ تھوڑی سی اونگھ بھی میری زندگی کو ختم کرسکتی تھی، چنانچہ میں مایوس نہ ہوا۔ میں نے اپنا دایاں پاؤں مٹی کی دیوار کے ایک طرف رکھا اور بایاں پاؤں دوسری طرف اور نکلنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن فاصلہ بہت زیادہ تھا تو میں جس چیز پر تھا اسی پر ٹھہرنے کو ترجیح دی۔ میں نے سورج طلوع ہونے کے وقت ہی اس امید پر اپنی آواز نکالی کہ شاید کوئی اسے سن لے، تو میں مسلسل چیختا اور روتا رہا، لیکن میری چیخیں مجھ ناکام واپس لوٹتی رہیں۔ اس علاقے میں جہاں کنواں تھا پیدل چلنے والوں سے زیادہ گاڑیاں گزر رہی تھیں۔

چوتھے دن کے آغاز کے ساتھ ہی گھبراہٹ، تھکن اور مایوسی آخری مرحلے تک پہنچ گئی تھی کہ میں نے اچانک بچوں کے دوڑنے اور ان کے آپس میں چیخنے کی آوازیں سنیں، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مدرسے جارہے ہوں۔

میرے اندر جتنی طاقت باقی تھی اس کے مطابق میں نے آواز نکالی تو میں نے بھاگتے ہوئے ان کے قدموں کی آواز سنی، وہ بچے بار بار کہہ رہے تھے کہ ''کنویں میں جن ہے، کنویں میں جن ہے'' ان بچوں میں جو سب سے بڑا تھا وہ بہت بہادر تھا، وہ کنویں کے قریب آیا اور اس میں جھانکا تو میں اسے نظر آیا اور وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تیزی سے گیا، تاکہ کوئی بھی راستے میں ملے اسے میرے حالات سے آگاہ کرے۔

چنانچہ شہر کی ریسکیو ٹیم (مدد کرنے والی جماعت) کو اطلاع فوری طور پر پہنچ گئی تو ان لوگوں نے رسی ڈال کر آخری لمحات میں مجھے نکالا۔

شدید تھکن، غیر معمولی چوٹوں اور ہاتھوں کے چھل جانے کی وجہ سے ان لوگوں نے مجھے کلینک میں ابتدائی طبی امداد کے لئے داخل کرایا، طبی امداد سے فارغ کرنے کے بعد میں اپنے گھر لوٹ کر سوگیا اور پورے دو دن میں صحت یاب ہوگیا۔

نابینا استاد کا نابینا شاگرد عزت کی بلندی تک کیسے پہنچا

97 ابن الدھان نحوی نابینا کے ایک شاگرد تھے، اس کا نام صائن الدین تھا، نابینا استاد کے شاگرد ملیکی بھی نابینا تھے۔ 9,8 برس کی عمر میں اس کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ ملیکی کے والد چمڑے کا کاروبار کرتے تھے اور فقر کی حالت میں فوت ہوئے اور انہوں نے بیوی بچوں کے لیے سوائے غربت کے کچھ نہیں چھوڑا۔

بے چارہ صائن الدین تو تھا ہی نابینا، دوسرے کے کندھوں کا بوجھ، گھر میں کوئی کمانے والا بھی نہ تھا، آخر ان کے والد نے چھوڑا ہی کیا تھا، ایک بیوی، ایک بیٹی اور ایک نابینا بیٹا صائن الدین۔ ماں تنگدستی اور گھریلو اخراجات کے ہاتھوں تنگ آ گئی، فاقے پہ فاقے ہونے لگے، بیچاری اپنے لخت جگر صائن الدین پر گھبرانے لگی۔ ہونہار بیٹا سمجھ گیا تھا ماں کی حالت زار اور گھر کی عسرت و افلاس کی کیفیت دیکھی تو نکل کھڑے ہوئے۔

نابینا صائن الدین موصل پہنچا، یہاں قرآن مجید حفظ کیا، فن ادب کی تحصیل اور تکمیل کی، پھر موصل سے بغداد آئے اور راستے میں آنکھوں کی تاریکی اس کی راہ نہ روک سکی۔ ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ، ابن خشاب رحمۃ اللہ علیہ اور مبارک بن دھان رحمۃ اللہ علیہ جیسے باکمال حضرات سے علم و فضل کا بھرپور استفادہ کیا۔
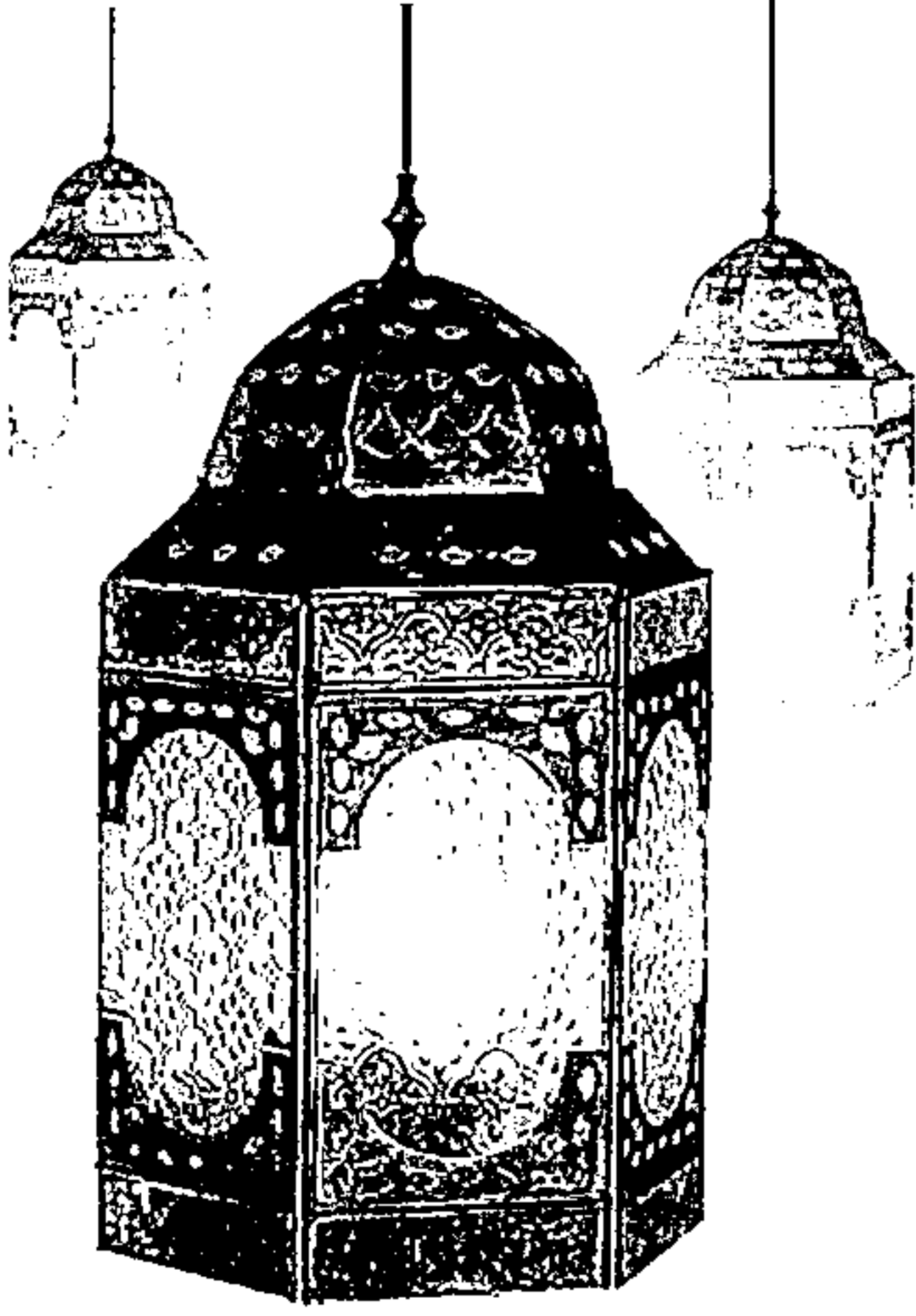
جب یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے تو پھر موصل پہنچے اور مسند درس پر جلوہ افروز ہوگئے، پڑھانا شروع کیا، علم وفضل اور وہبی استعداد و صلاحیت اور علمی کمالات کی قوت شہر شہر اور قریہ قریہ ان کی شہرت کو لے پہنچی۔ پھر کیا تھا طلبہ کی ٹولیوں کی ٹولیاں آ آ کر استفادہ کرتیں۔ ابن مستوفی نے لکھا ہے کہ:

"مرحوم نابینا تھے مگر جامعِ فنون ادب، حجتِ کلام عرب، ان کی دانشمندی اور دینداری پر سب کا اتفاق تھا، حدیث کا علم بہت وسیع تھا، اپنی ذات کو قرآن مجید اور ادب کے سارے شعبوں کی تحصیل کے لیے وقف کر رکھا تھا۔"

تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو وطن یاد آیا، اپنے آبائی گاؤں ماکسین واپس پہنچے جہاں بچپن میں لوگ انہیں ملیکی کہا کرتے تھے، جب عالم بن کر واپس لوٹے تو اہل وطن نے انہیں اپنے شہر کا فخر سمجھ کر ان کا زبردست اکرام کیا اور انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔

دونوں ہاتھوں سے معذور عورت کی ہمت بھری داستان

98 باربِ جویرا کو بچپن میں بجلی کا کرنٹ لگنے سے اس کے دونوں ہاتھ جل گئے تھے جنہیں کاٹ دیا گیا مگر اس باہمت لڑکی نے اس معذوری کو آڑے نہ آنے دیا اور اپنی سہیلیوں کے تمسخر اڑانے
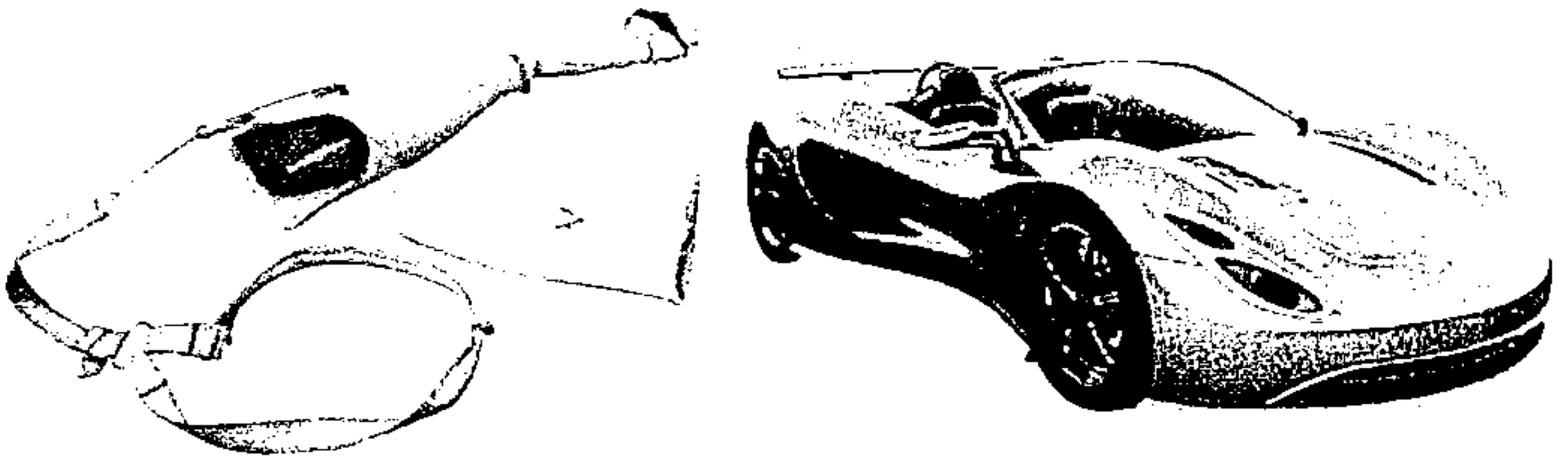
کے باوجود نہ صرف تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ اس نے ایک عام لڑکی کے طرح گھر کے تمام کام کرنے شروع کر دیئے اور پھر اس کا کمال اور حوصلہ دیکھنے کے قابل ہے کہ اس نے ایک خوشگوار ازدواجی زندگی بھی گزاری، اس کے کئی بچے بھی ہوئے، وہ سارے کام اپنے پاؤں سے کرتی تھی، دایاں پاؤں اسٹیرنگ پر رکھتی اور بایاں پاؤں بریک پر اور بڑی مہارت سے گاڑی چلاتی، کھانا پکاتی، کپڑے دھوتی، گھر کی صفائی کرتی، اپنے پاؤں سے لکھتی، وہ نہ صرف اپنے کپڑے پاؤں سے تبدیل کرتی بلکہ اپنے بچوں کی بالکل ایک عام نارمل عورت کی طرح مکمل دیکھ بھال کرتی تھی۔

وہ انہیں کپڑے پہناتی، غسل کراتی، کھانا کھلاتی اور ان کے ساتھ کھیلتی، غرضیکہ وہ اپنے سارے کام اپنے پاؤں سے سرانجام دینے لگ گئی، اس نے یہ کبھی سوچا ہی نہیں کہ میں ایک معذور عورت ہوں، وہ اپنے بچوں کو پاؤں سے پکڑتی اور سینے سے لگا کر پیار کر کے خوب خوش ہوتی، شاید ہی کوئی ایسا کام ہو جو عام لوگ ہاتھوں سے کرتے ہیں اور وہ اسے اپنے پاؤں سے انتہائی مہارت کے ساتھ سرانجام نہ دے سکتی ہو، کیا ہم اس عورت سے زیادہ معذور ہیں؟ ذرا سوچئے اور اپنی خفیہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ترقی کریں۔

مصنوعی ٹانگوں سے دوڑ میں حصہ لینے والی کامیاب لڑکی

99 ایمی مولینز (Aimee Mullins) امریکی ایتھلیٹ ہے، اس نے 1996ء میں اٹلانٹا میں منعقد ہونے والے اولمپک مقابلوں کے دوران دوڑ میں حصہ لیا اور سو میٹر کا فاصلہ صرف 17.01 سیکنڈ میں طے کیا، اسی طرح اس نے 200 میٹر کی دوڑ میں حصہ لینے کے علاوہ 3.14 میٹر طویل جمپ میں شرکت کر کے اپنا نام تاریخ میں درج کروایا، حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ بچی پیدائشی طور پر معذور تھی اور اس کی دونوں ٹانگوں میں ہڈی ہی نہیں تھی۔ ایک سال کی عمر میں ڈاکٹروں نے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ ڈالی تھیں مگر اس کا کہنا تھا:

اِنَّ الْاِعَاقَةَ فِی الْفِکْرِ لَا فِی الْجَسَدِ

''معذوری ذہن اور سوچ کی ہوتی ہے، جسم کی معذوری کوئی معذوری نہیں ہوتی''

پھر اس نے اپنی مصنوعی ٹانگوں سے دوڑ کے عالمی مقابلوں میں شریک ہو کر تاریخ میں اپنا نام ہمیشہ کے لئے نقش کر دیا۔ دنیا میں صرف وہی لوگ ناکام اور پیچھے رہ جاتے ہیں جو صرف ذہنی طور پر معذور ہوں، اگر آپ کا ذہن درست ہے تو پھر ناکامی آپ کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔
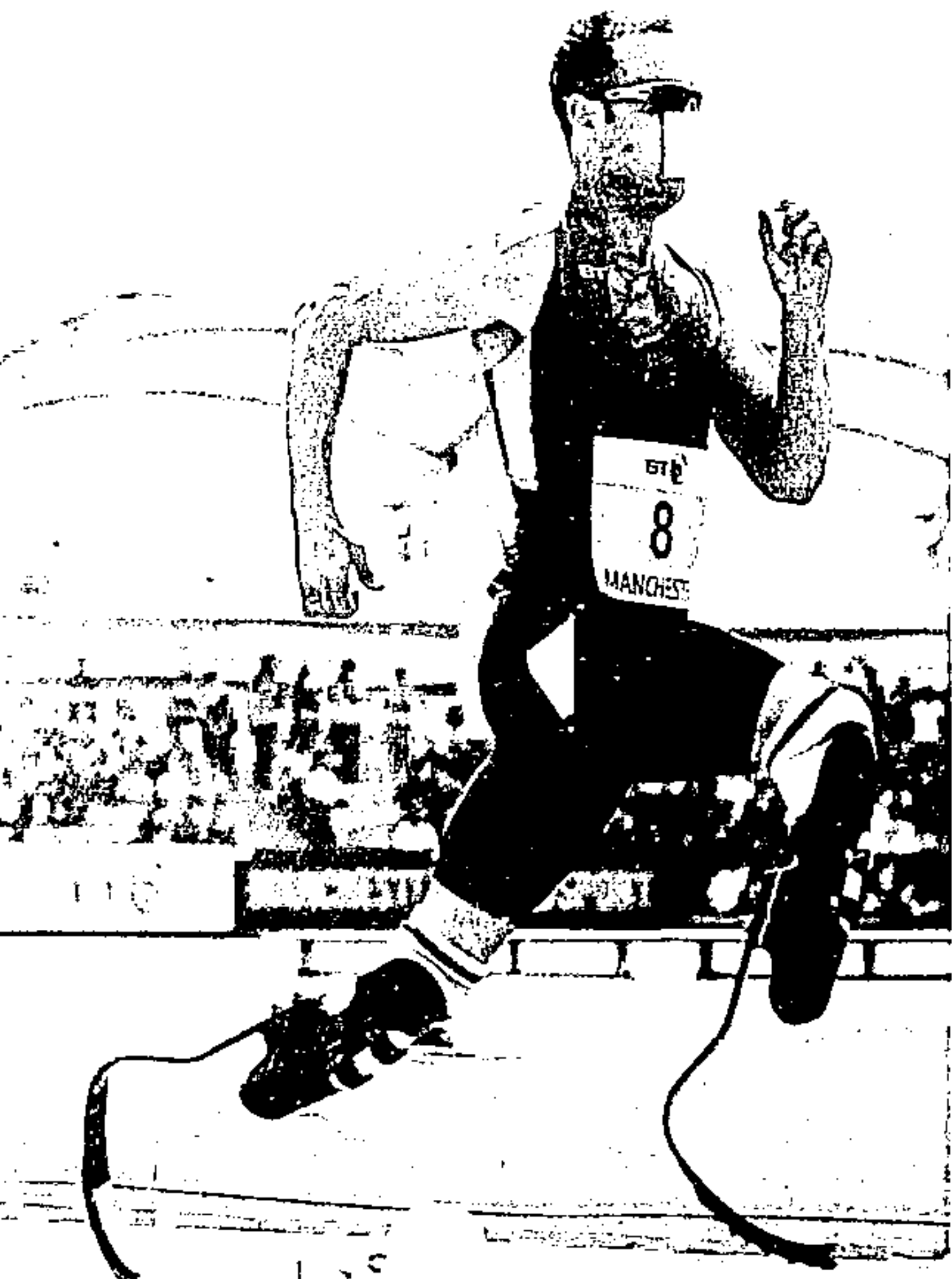
کامیابی کا گُر! محنت، ہمت، کوشش

100 حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی حضور ﷺ کے پاس کچھ مانگنے آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا آپ کے گھر میں کچھ بھی نہیں؟ وہ صحابی کہنے لگے: ہمارے پاس گھر میں صرف ایک کمبل ہے جسے ہم نیچے بھی بچھاتے ہیں اور اوپر بھی اوڑھ لیتے ہیں، اس کے علاوہ صرف ایک ہی پیالہ ہے جس میں ہم کھاتے پیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ! وہ صحابی دونوں چیزیں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے موقع پر موجود صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ان دونوں چیزوں کو کون خریدنا چاہتا ہے؟ تو ایک صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں انہیں ایک درہم پر خریدنا چاہتا ہوں۔
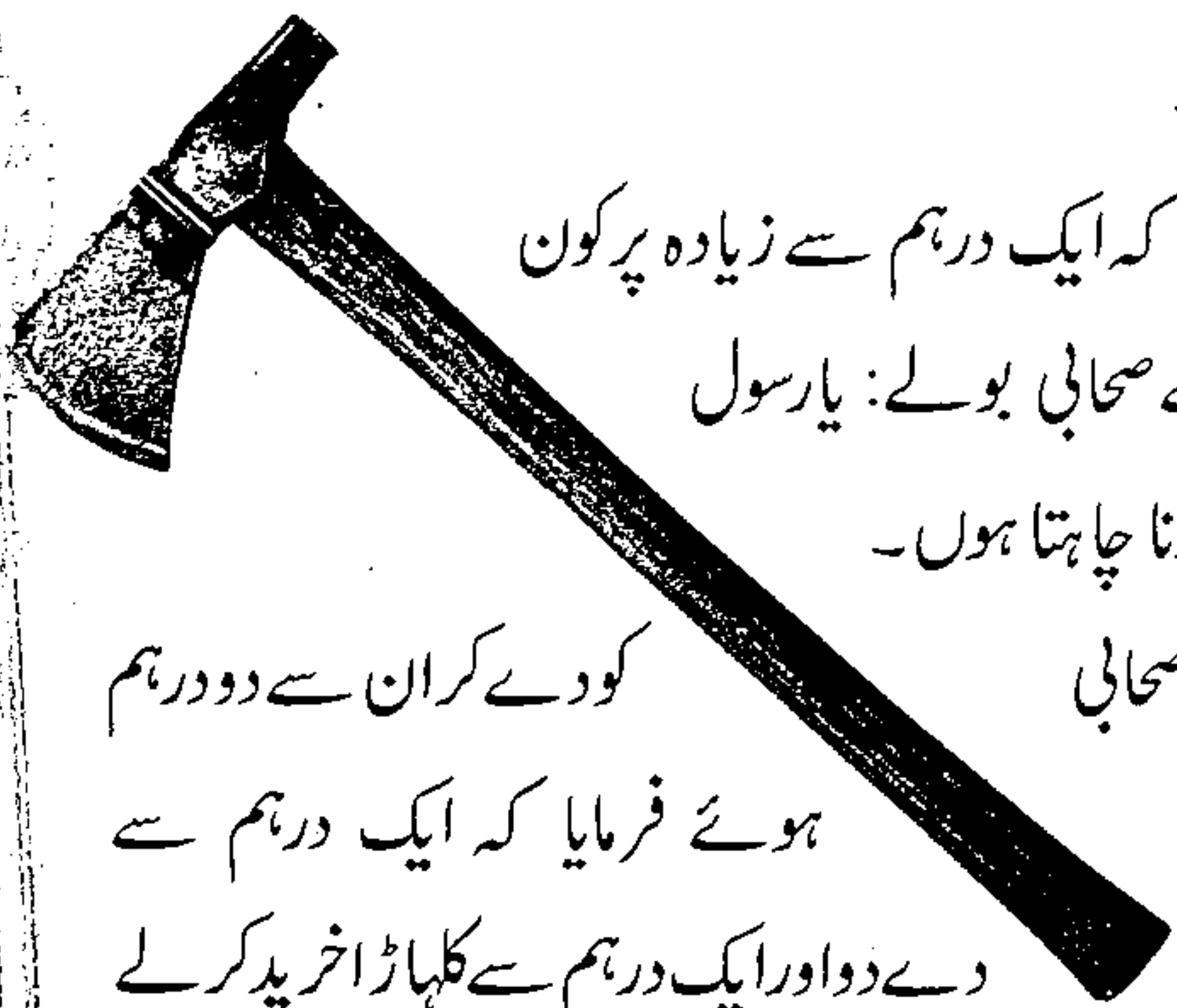
یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک درہم سے زیادہ پر کون خریدنا چاہتا ہے؟ تو ایک دوسرے صحابی بولے: یارسول اللہ ﷺ! میں انہیں دو درہم پر خریدنا چاہتا ہوں۔

حضور ﷺ نے یہ دونوں چیزیں اس صحابی کو دے کر ان سے دو درہم لے لیے اور انصاری صحابی کو دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک درہم سے کھانے کا سامان خرید کر گھر میں دے دو اور ایک درہم سے کلہاڑا خرید کر لے آؤ۔ وہ صحابی گئے اور کلہاڑا خرید کر لے آئے۔ حضور ﷺ نے اس کلہاڑے میں اپنے دستِ مبارک سے دستہ لگایا اور فرمایا:

اِذْهَبْ وَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا أُرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً

''اب جاؤ اور (جنگل سے) لکڑیاں کاٹو (بازار میں لا کر) بیچو اور مجھے پندرہ دن تک نظر نہ آؤ (یعنی مسلسل پندرہ دن تک یہ کام کرو)۔

(چنانچہ وہ صحابی اسی وقت چلے گئے اور) پندرہ دن کے بعد جب حضور ﷺ کے پاس وہ دوبارہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کام اس سے بہت بہتر ہے کہ بھیگ مانگ کر زندگی گزاریں اور کل قیامت کو جب خدا کے دربار میں پیش ہوں تو آپ کے چہرے پر سوال کا داغ ہو۔ (سنن ابو داؤد ج2 صفحہ362)

فائدہ: اس حدیث میں حضور ﷺ نے کامیابی کا ایک عظیم راز (محنت) بیان کر دیا ہے۔ وہی صحابی جو سوال کرنے پر مجبور ہو چکے تھے، پندرہ دن بعد جب دوبارہ تشریف لائے تو نہ صرف خود کفیل ہو چکے تھے بلکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب وہ دوبارہ تشریف لائے تو ان کے پاس دس درہم ہو چکے تھے، جس سے انہوں نے گھر والوں کے لیے کپڑے بھی خریدے۔ لہٰذا ہر انسان دنیا میں صرف ایک پیٹ نہیں بلکہ دو ہاتھ دو ٹانگیں دو آنکھیں اور ایک دماغ بھی لایا ہے۔ اگر ان سب کو حرکت میں لائے گا تو کیا یہ سب مل کر بھی ایک پیٹ کو نہیں پال سکتے؟ ہمارے سامنے ایسے لوگوں کے واقعات ہیں جو جوتے بنانے کی فیکٹری میں کام کرتے تھے مگر آج جوتے بنانے والا مزدور کئی فیکٹریوں کا مالک بن چکا ہے معلوم ہوا جو ہمت کرتا ہے وہ اپنی مراد پا لیتا ہے اور جو مایوس ہو جاتا ہے وہ بھیک مانگنے پر مجبور اور ذلت کے اندھیرے میں گھر جاتا ہے۔
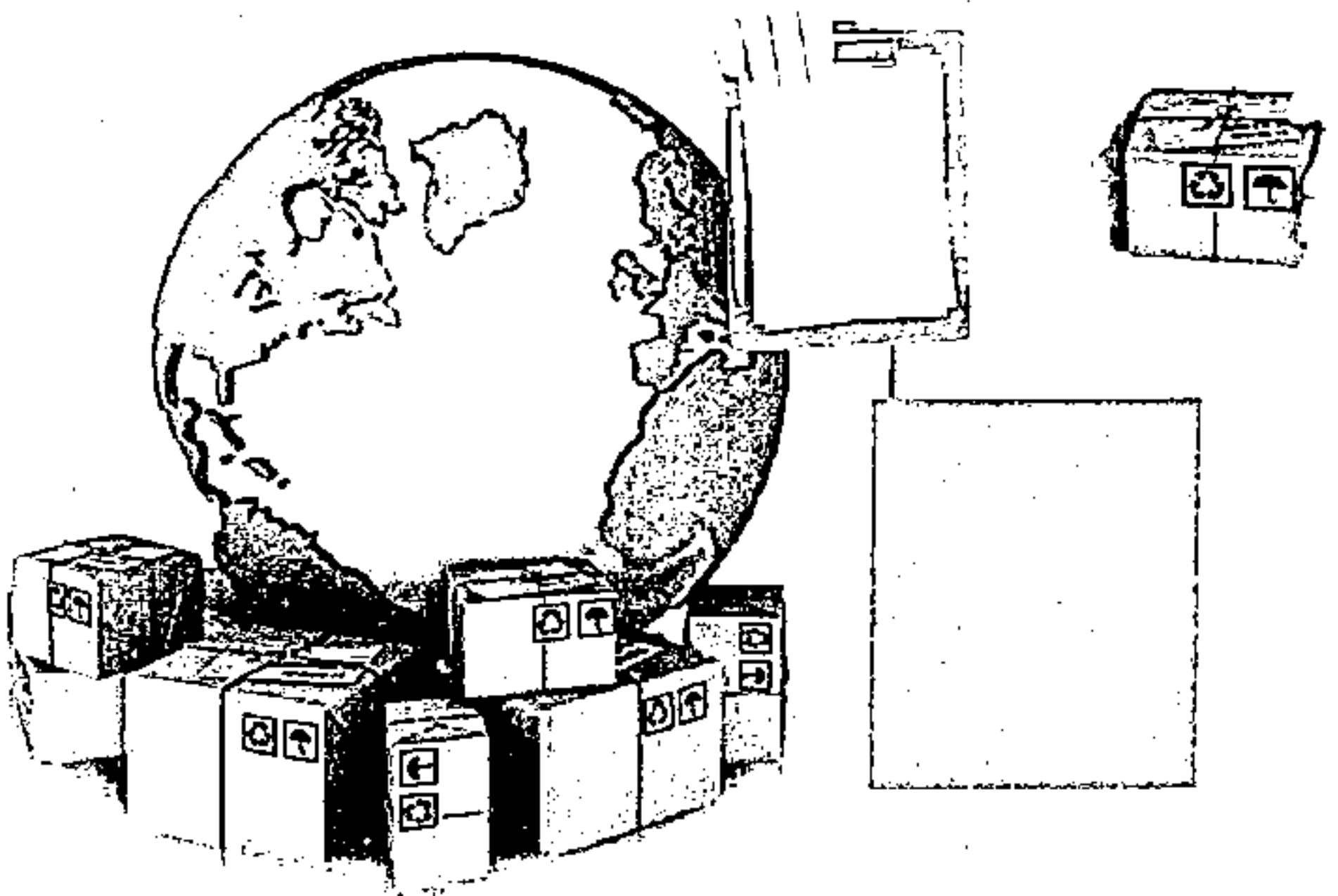
میں مشہور مقرر کیسے بنا؟

101 مشہور یونانی خطیب اور مقرر ''ڈیمو ستھینس (Demosthenes)'' کے اندر مجمع کے سامنے ہی نہیں بلکہ ایک عام آدمی کے ساتھ بھی بات کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ ایک تو اس کی آواز انتہائی پست تھی، دوسری اہم بات یہ تھی کہ اس کی سانس جلد پھول جاتی تھی، وہ ایک مکمل جملہ ایک سانس میں نہیں کہہ سکتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے تقریر کی مگر یہ تقریر اس کے لئے مذاق بن گئی۔ اور لوگوں نے اس کا کافی تمسخر اڑایا۔
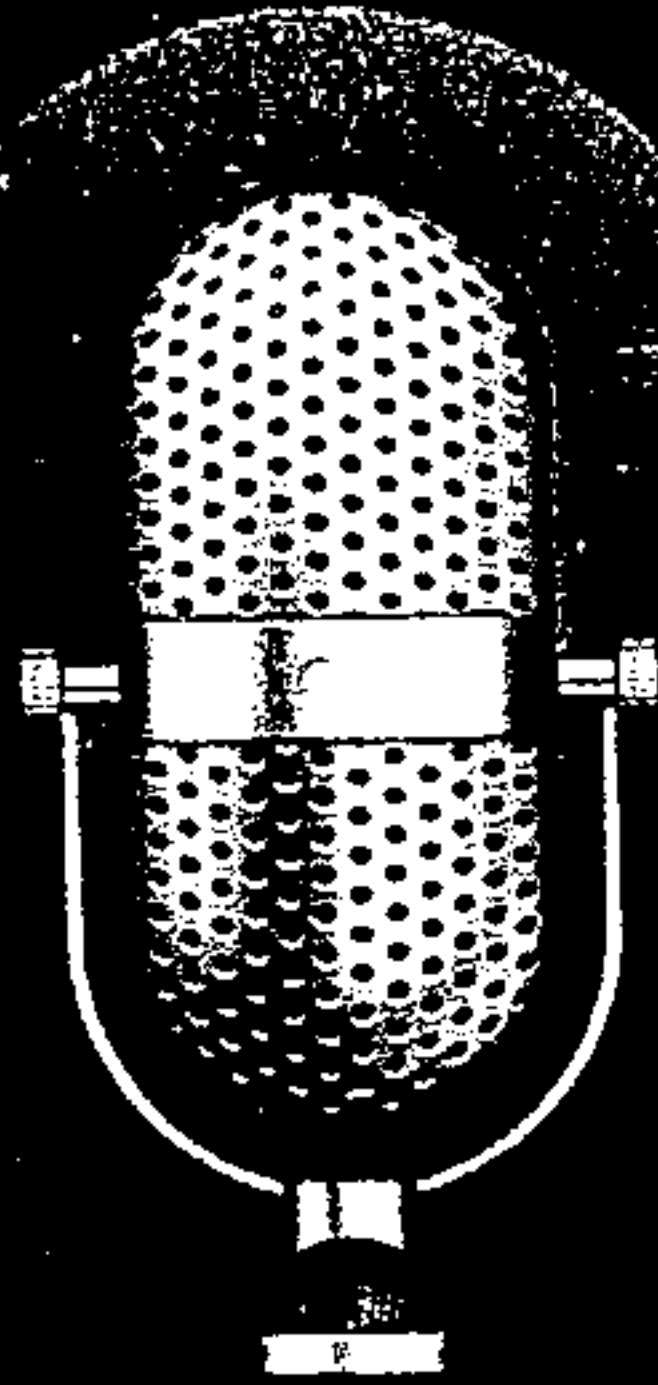
وہ بات کرنے کے دوران اٹک بھی جاتا تھا اور ایک دوسری کوشش میں اسے اسٹیج سے سر نیچے کر کے اترنا پڑا۔ وہ لوگوں سے آنکھ نہیں ملا سکتا تھا۔ اس پر ایک دن اس نے اپنی خامیوں پر قابو پانے اور ایک عظیم مقرر بننے کا تہیہ کر لیا لہٰذا اس نے محنت شروع کر دی اور پھر وہ دریا کے کنارے چلا گیا جہاں موجوں کا شور تھا، کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اس نے اپنے منہ میں چھوٹی سی کنکری بھی رکھ لی تاکہ اس کے ذریعے سے پیدا ہونے والی مزید رکاوٹ کے باوجود اچھے انداز سے تقریر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو کنکری نکال کر مزید

اچھی تقریر کر سکے گا۔

اس کے بعد اس نے دریا کی شور مچاتی موجوں کو مخاطب کر کے بلند آواز سے تقریر شروع کر دی جو کچھ ذہن میں آتا، وہ منہ سے کہتا جاتا چونکہ دریا کی موجوں کا شور تھا اور اسے خود بھی اپنی آواز صحیح طرح سنائی نہیں دے رہی تھی اس لئے اسے خود کو سنانے کے لئے بھی زیادہ زور لگا کر بولنا پڑ رہا تھا۔

اب اس کی آواز بڑھتی اور بلند ہوتی جا رہی تھی اور پھر وہ ساحل سمندر پر چلتے پھرتے تقریر کرنے کی پریکٹس کرنے لگا اس نے سوچا کہ کیونکہ چلتے وقت اس کا ذہن راستے کی طرف بھی ہوگا اور بیک وقت دو طرف ذہن متوجہ کر کے اگر اچھی تقریر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو یکسوئی سے تقریر کرنے میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ گھر آ کر لمبے قد آور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر دن کی تقریر کی دوبارہ پریکٹس کرنے لگ گیا، صرف چند ہی ہفتوں بعد وہ ایک عظیم مقرر اور خطیب بن چکا تھا جس کا دو ہزار سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی نام زندہ ہے۔
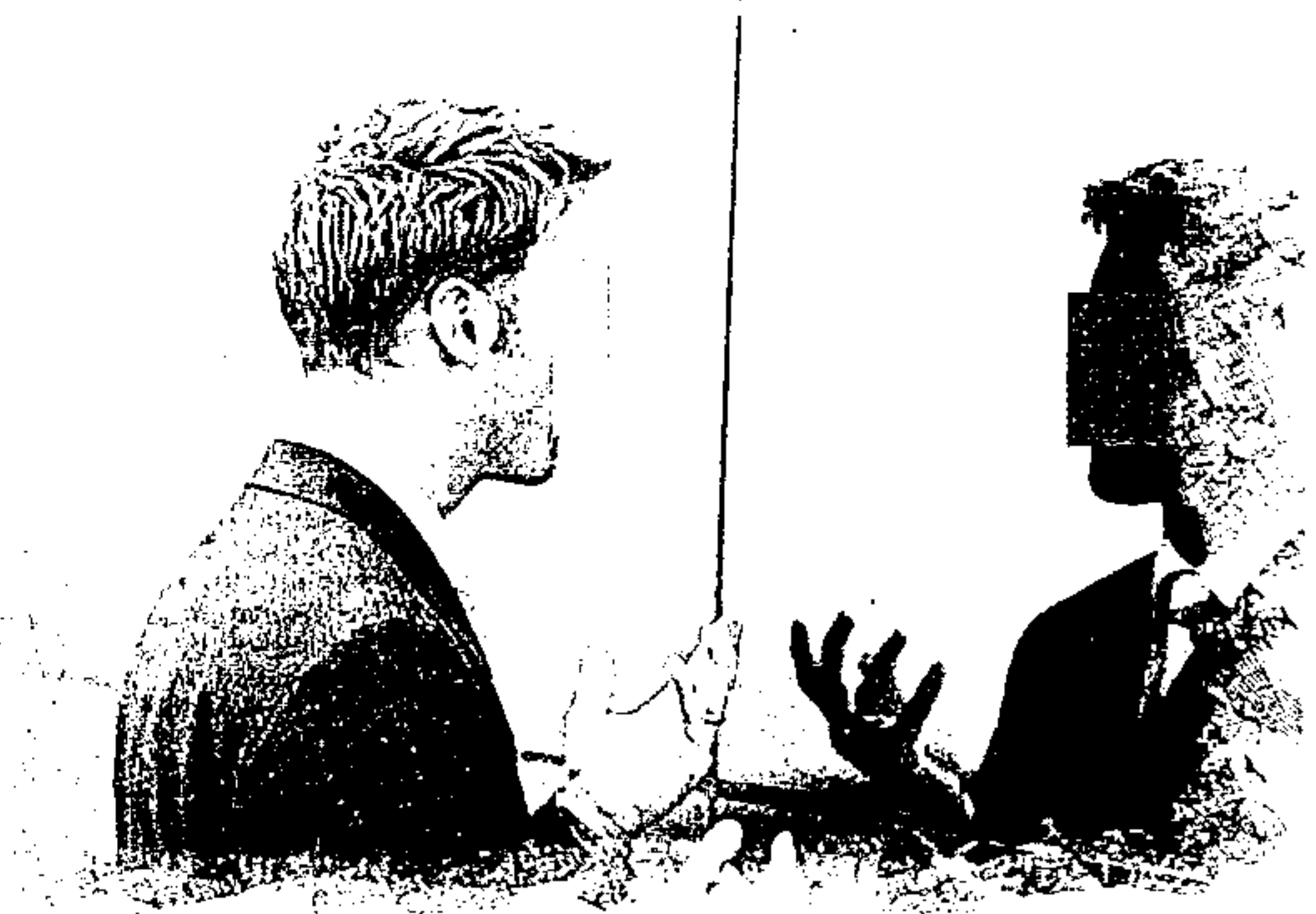
اگر ایک دروازہ بند ہو تو مایوس مت ہوں
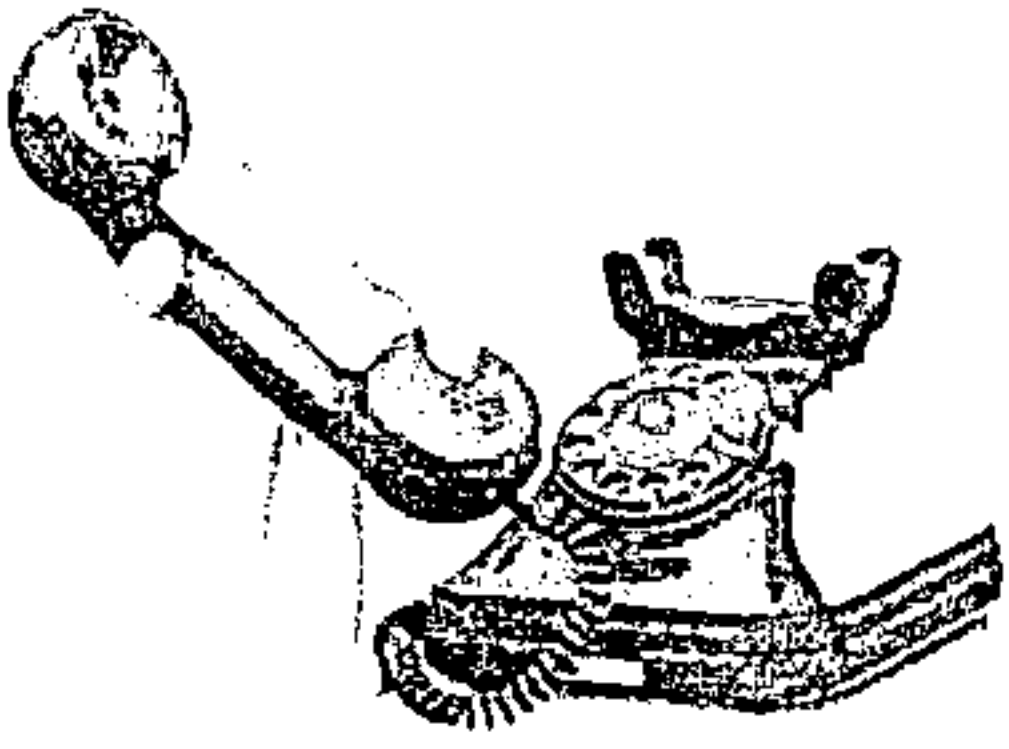
102 گراہم بیل نے جب اپنی مشہور زمانہ ایجاد ٹیلی فون ایجاد کیا اور اسے مشہور کمپنی ویسٹرن یونین کے پاس ایک لاکھ ڈالر کے عوض تمام حقوق سمیت فروخت کے لئے پیش کیا تو کمپنی نے اسے خریدنے سے انکار کر دیا۔ اس پر گراہم بیل نے واپس آ کر امریکن ملٹی نیشنل ٹیلی کمیونیکیشن کارپوریشن (ATCT) قائم کرنے کا منصوبہ بنا لیا، آج گراہم بیل کا ادارہ اس کی محنت اور عزم کی وجہ سے فسکڈ فون اور موبائل سروس فراہم کرنے والی دنیا کی مشہور کمپنیوں میں شامل ہے اور اس کے صرف اثاثہ جات کئی ملین ڈالر پر مشتمل ہیں۔ گراہم بیل کیلئے ایک دروازہ بند ہونا اس بات کی علامت بنا کہ دوسرا اس سے بڑا دروازہ کھلا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے سامنے ایک چھوٹا سا دروازہ بند دیکھ کر مایوس ہو کر بیٹھ جائیں، ہمت کریں گے تو آگے بڑھیں گے، ممکن ہے کہ اس سے بھی وسیع اور بڑا دروازہ آپ کے لئے کھلا ہو۔ یاد رکھئے! راستہ صرف سامنے ہی نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے کہ راستہ دائیں یا بائیں جانب ہو، سامنے کا دروازہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ چھوٹا دروازہ آپ کے قابل نہیں، آپ عظیم انسان ہیں اگر محنت کریں اور دائیں یا بائیں دوسرا راستہ اختیار کریں تو وہ آپ کے لئے زیادہ ترقی کے مواقع پیدا کرے گا۔
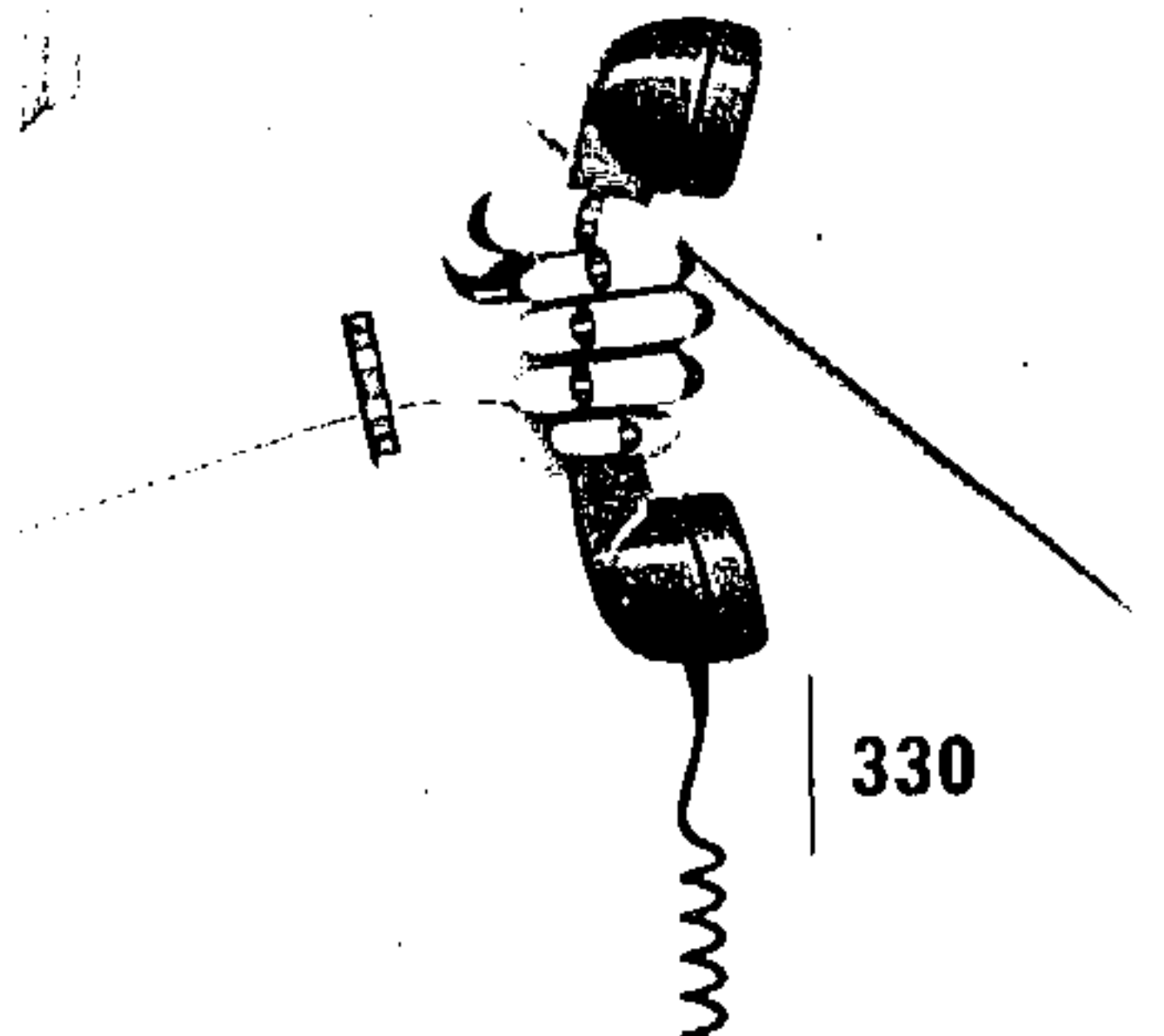
مشکل نے راستہ کھول دیا

103 جمال محمد اور کمال محمد سعودی عرب کے شہر ریاض میں سیکنڈ ہینڈ گاڑیوں کی خرید وفروخت کا کام کرتے تھے، اسی دوران ان کی بہن کو ریاض سے باہر ایک کالج میں ملازمت مل گئی، ملازمت ملنے سے سعیدہ کو خوشی کے ساتھ شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی ملازمت نے دونوں بھائیوں کو بھی شدید مشکل میں ڈال دیا کیونکہ جس کالج میں سعیدہ نے پڑھانے جانا تھا وہ گھر سے کافی دور تھا اور وہاں پہنچنے کے لیے کئی گاڑیاں تبدیل کرنا پڑتی تھیں۔
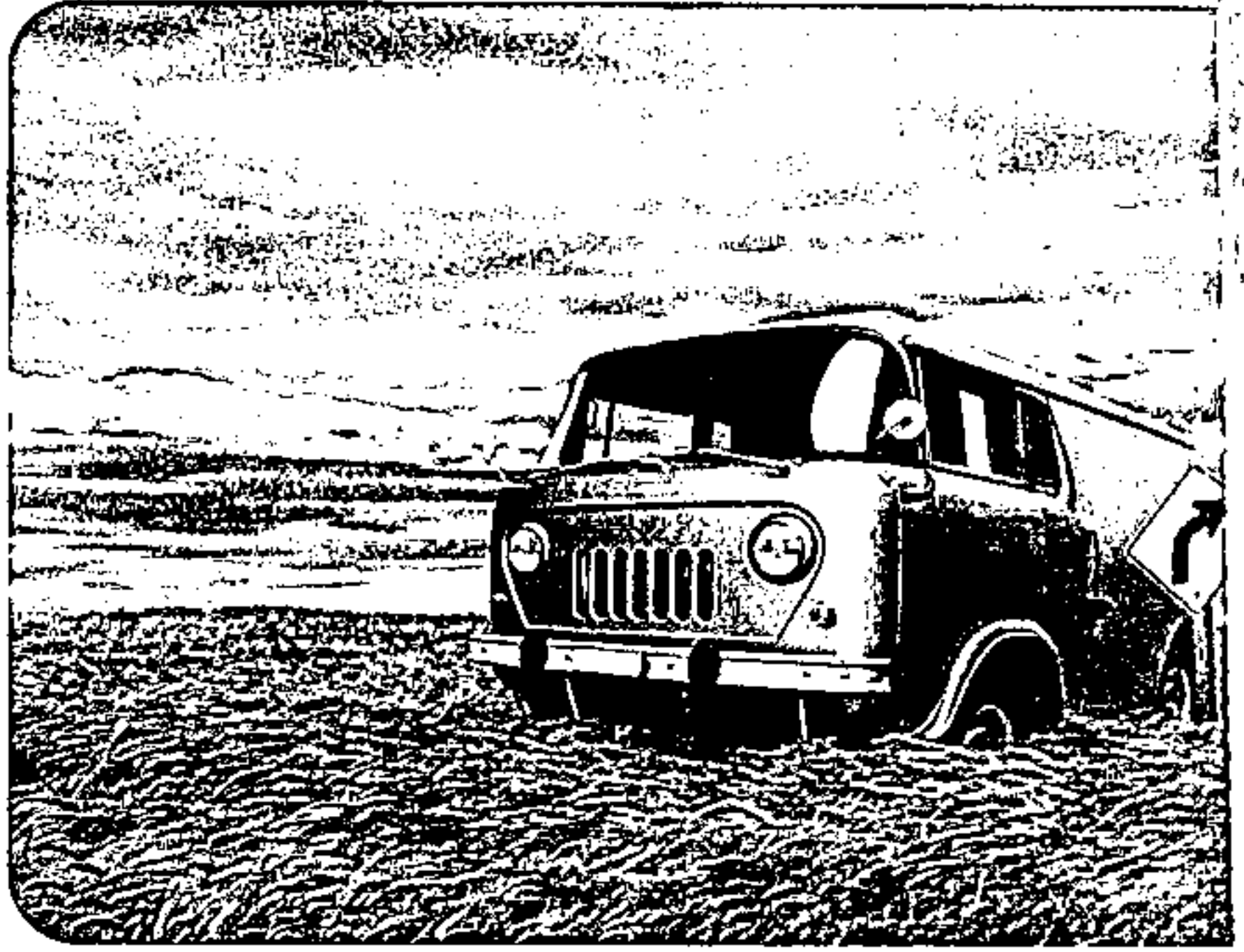
اگر کوئی بھائی اسے کالج لانے، لے جانے کی ڈیوٹی انجام دیتا تو اس کا سارا دن ضائع ہوجاتا اور وہ کوئی اور کام نہیں کرسکتا تھا، اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے سعیدہ نے ملازمت چھوڑنے کا پروگرام بنالیا۔ سعیدہ کے بھائی کمال محمد کے ذہن میں ایک تجویز آئی کہ کیوں نہ ایک ڈرائیور رکھ لیا جائے جو کار کے بجائے ویگن کے ذریعے سعیدہ کو روزانہ کالج لائے اور لے جائے، اس سے سعیدہ کے ساتھ ساتھ دوسری اساتذہ اور ڈیوٹی پر جانے والے لوگوں کو بھی پک اینڈ ڈراپ کی سہولت حاصل ہوجائے گی۔

اگلے ہی دن سے انہوں نے اپنی بہن کو کالج لے جانے اور لانے کے لیے ویگن سروس شروع کردی، چند ہی دنوں میں کالج جانے والی مزید ٹیچرز نے بھی سعیدہ کے ساتھ جانا شروع کر دیا، ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ان کی گاڑی میں سواریاں گنجائش سے زیادہ ہوگئیں، محمد برادران نے دوسری ویگن کی جگہ بس شروع کردی، اس سے نہ صرف سعیدہ کے آنے جانے کا مسئلہ حل ہوگیا اور ایک مزید رکھے جانے والے ملازم کی تنخواہ کا بھی انتظام ہوگیا بلکہ انہیں ایک معقول منافع بھی ملنا شروع ہوگیا، جمال اور کمال کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ صبح سویرے ڈیوٹی پر جانے والے لوگوں کی مشکل حل ہوگئی تھی۔

ایک ماہ بعد اس بس میں بھی سواریوں کی گنجائش نہ رہی، محمد برادران نے مزید ایک بس خرید لی اور صرف تین ماہ کے عرصے میں بسوں کی تعداد چھ تک جا پہنچی۔

محمد برادران کو اپنے سیکنڈ ہینڈ گاڑیوں کے کاروبار سے زیادہ یہاں منافع کی امید نظر آنے لگی، انہوں نے شہر کے مختلف اطراف میں اپنی بس سروس شروع کر دی، یہ سروس بہت بہت مقبول ہوئی اور انہوں نے دوسرے شہروں میں تجرباتی بنیادوں پر کام شروع کر دیا، اس طرح کچھ ہی عرصے میں ڈیوٹی بس سے شروع کیا جانے والا یہ کاروبار ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں تبدیل ہو گیا جس کے سعودی عرب کے مختلف شہروں میں دفاتر قائم ہو گئے، چونکہ روزانہ ایک شہر سے دوسرے شہر کئی بسیں جاتی تھیں، اس لیے انہوں نے کارگو سروس بھی شروع کر دی، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تیز رفتار پرائیویٹ پوسٹل سروس بھی شروع کر دی، صرف دس سال کے عرصے میں ان کی کمپنی سعودی عرب کی نمایاں کمپنیوں میں شمار ہونے لگی اور اس کے ذاتی اثاثے ایک ارب ریال سے تجاوز کر چکے تھے۔

اگر محمد برادران اس چھوٹی سی مشکل کا مثبت ذہن سے مقابلہ نہ کرتے تو آج بھی وہ سالانہ ایک لاکھ ریال سے بھی کم آمدن پر گزارا کر رہے ہوتے، مشکلات اور پریشانیاں وقتی ہوتی ہیں، حوصلہ و ہمت سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو ترقی کے راستے خود بخود کھل جاتے ہیں۔

وارن بوفیٹ ایک عام اخبار فروش سے دنیا کا دوسرا امیر ترین شخص کیسے بنا؟

104 وارن بوفیٹ ایک امریکی شہری ہے جسے 1945ء میں 175 ڈالر ماہانہ پر واشنگٹن پوسٹ اخبار فروخت کرنے پڑے مگر اپنی محنت سے ترقی کرتے کرتے 2005ء میں مائیکرو سافٹ کے بانی بل گیٹس (Bill Gattes) کے بعد دنیا کا دوسرا بڑا امیر ترین آدمی قرار پایا، امریکی رسالے فوربس کے مطابق وارن بوفیٹ ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوا، اس نے پہلا سودا گیارہ سال کی عمر میں شہری خدمات کی ایک کمپنی کے کچھ حصص 28 ڈالر میں خرید کر کیا تھا۔

جب یہ حصص 40 ڈالر کے ہوئے تو اس نے یہ حصص بیچ ڈالے، مگر بعد میں اسے کافی افسوس ہوا کیونکہ ان حصص کی قیمت دو سو ڈالر تک پہنچ گئی تھی، اس نے کولمبیا یونیورسٹی سے اقتصادیات میں ایم اے بھی کیا، جہاں اسے ماہر اقتصادیات پروفیسر بنجمن گراہم سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ وارن بوفیٹ نے کسی بھی کام کو کبھی بھی حقیر نہیں سمجھا کچھ عرصہ اس نے اخبار فروش بن کر کام کیا، اس دوران اسے اشتہارات کی اہمیت کا اندازہ ہوا کہ کاروبار کی کامیابی کے لیے جدید انداز سے لوگوں تک اپنی مصنوعات کی تشہیر بھی کامیابی کا ایک اہم زینہ ہے۔

آغاز میں اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر اس نے ہمت نہ ہاری، جلد ہی وہ نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا کے مالدار ترین افراد کی صف میں کھڑا ہو گیا، اس نے کوکا کولا کمپنی کے حصص بھی خرید لیے۔ ایک شخص جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا نہیں ہوا تھا لیکن وہ اپنی محنت و ہمت کے بل بوتے پر دنیا کے مشہور لوگوں میں اپنا نام ہمیشہ کے لیے رقم کر گیا۔

اس کے سالانہ عطیات اور امداد جو وہ مختلف اداروں کو دیتا تھا، ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر سے بھی زیادہ تھے، اس کا کہنا تھا کہ "مختلف اقسام کے کاروبار میں سرمایہ کاری کرنا زیادہ مفید رہتا ہے۔" اکثر سرمایہ کاروں کو اس کی اہمیت کا اندازہ بھی نہیں۔ اس کا یہ قول بہت ہی مشہور ہے کہ "اپنی کمپنی کی پیداوار کا کچھ حصہ ورکروں کے لیے بھی مختص کر دیا جائے، جس سے آپ کے کاروبار کو چار چاند لگ جائیں گے بصورت دیگر آپ کی تجارت اور کمپنی ترقی ہی نہیں کر پائے گی۔"

ماچس فروخت کرنے والا دنیا کا امیر ترین شخص کیسے بن گیا؟

105 انگرار کمپراڈ (Ingrar Kamprad) کو مشہور امریکی رسالہ فوربس (For bes) نے سن 2006ء میں دنیا کا چوتھا امیر ترین شخص قرار دیا تھا جس کی دولت کا اندازہ 28 ملین ڈالر لگایا گیا ہے مگر جرمنی کے اخبار اسے دنیا کا پہلا امیر ترین شخص قرار دینے پر مصر ہیں کیونکہ اس کے 31 ممالک میں 200 سے زیادہ تجارتی مراکز ہیں جہاں 75 ہزار ملازمین کام کرتے ہیں اور اس کا سالانہ کاروباری حجم 15 ملین ڈالر سے زیادہ ہے۔

مگر یہ سب کچھ انگرار کمپراڈ نے اپنی محنت ولولہ اور لگن سے حاصل کیا ہے، ایک وقت تھا جب وہ اپنی سائیکل پر ماچس فروخت کرنے کے لیے دیہات کے چکر لگایا کرتا تھا۔

انگرار کمپراڈ 1926ء میں سوئزرلینڈ کے جنوبی حصے میں پیدا ہوا، شروع شروع میں اس نے کھیلوں کا سامان فروخت کیا، اس کے بعد مچھلی اور دیگر غذائی اشیاء کی تجارت شروع کی۔ سترہ سال کی عمر میں جب اس کے والد نے اس کی تعلیمی کامیابی پر اسے انعام دیا تو اس نے یہ رقم اور دیگر کاروبار سے حاصل ہونے والی رقم سے ایک چھوٹی سی کمپنی ''ایکیا'' قائم کی اور گھڑیاں، جواہرات اور کچھ خام مال کی تجارت شروع کر دی، مسلسل دن رات کی محنت سے آخر کار اس کی کمپنی نے بین الاقوامی تجارت میں قدم رکھا اور جلد ہی دنیا بھر میں اس کا کاروبار پھیل گیا۔

انگرار کمپراڈ نے ایک رفاہی اور فلاحی ادارہ Ingka بھی قائم کیا تھا، مشہور امریکی رسالہ اکنامسٹ انگرار کے اس رفاہی ادارے کو دنیا کا سب سے بڑا رفاہی ادارہ قرار دیتا ہے، جس سے اس بات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ دنیا کے مالدار ترین لوگوں کی ترقی اور کامیابی میں معاشرے کے پسے ہوئے نادار اور مفلوک الحال غریب لوگوں کی دعائیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ جہاں ان لوگوں نے دن رات دلجمعی اور محنت سے کام کیا وہیں اپنی دولت کا ایک حصہ معاشرے کے پسماندہ طبقے کے لیے بھی وقف کر دیا۔

انگرار کمپراڈ کا کہنا تھا کہ صرف سوئے ہوئے لوگ ہی غلطی نہیں کرتے بلکہ جاگا ہوا ہر آدمی غلطی کرتا ہے، اس لیے کبھی غلطی اور ناکامی سے مت گھبرائیں، ایک بار کی غلطی اور ناکامی سے آپ کو اتنے تجربے اور سبق مل جائیں گے جو ایک سال پڑھنے سے بھی نہ مل پائیں گے۔

اور تیز انسان کے پاس سب سے قیمتی چیز اس کا وقت ہے لہٰذا اسے غیر ضروری کام میں کم سے کم صرف کریں۔
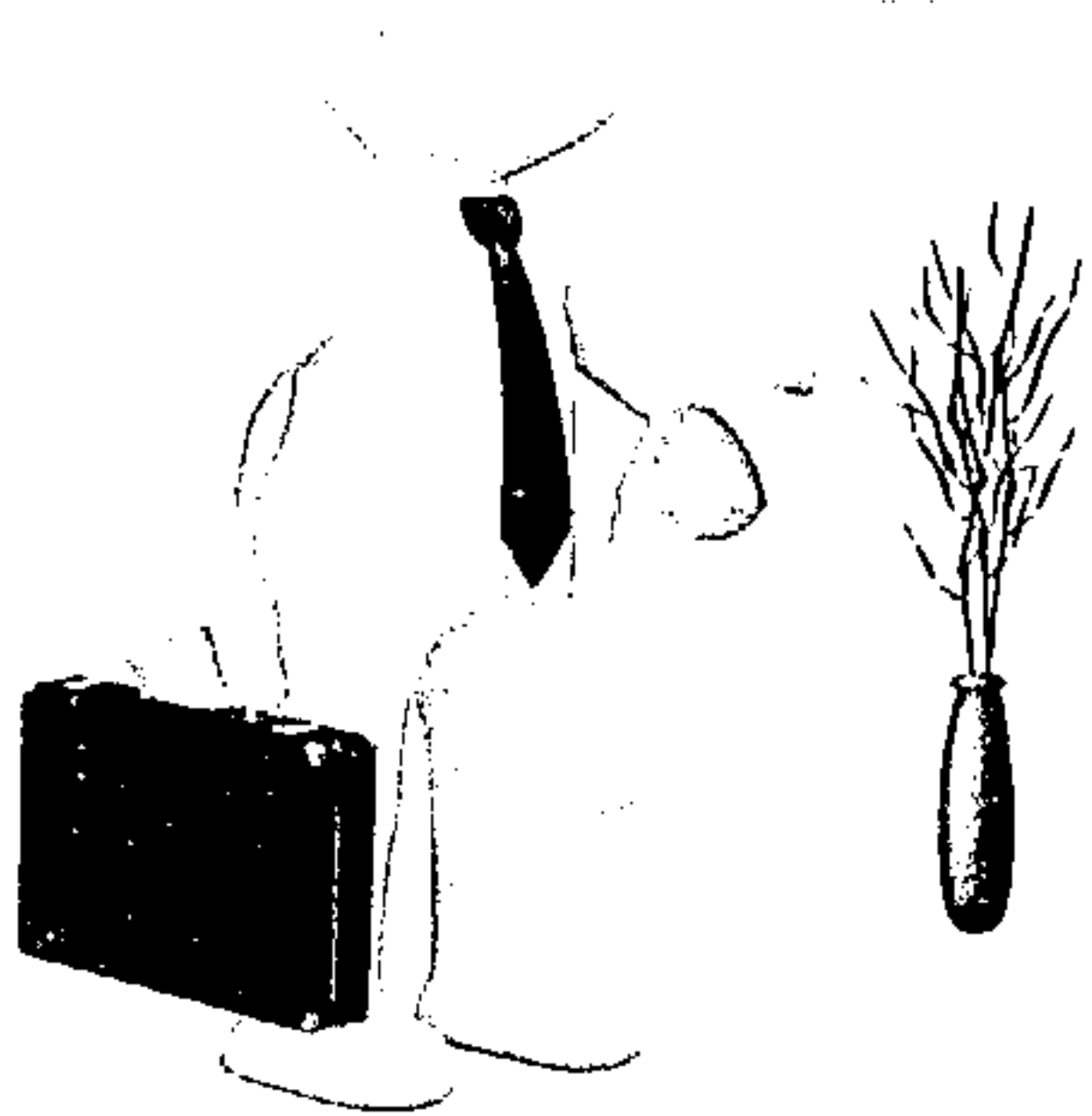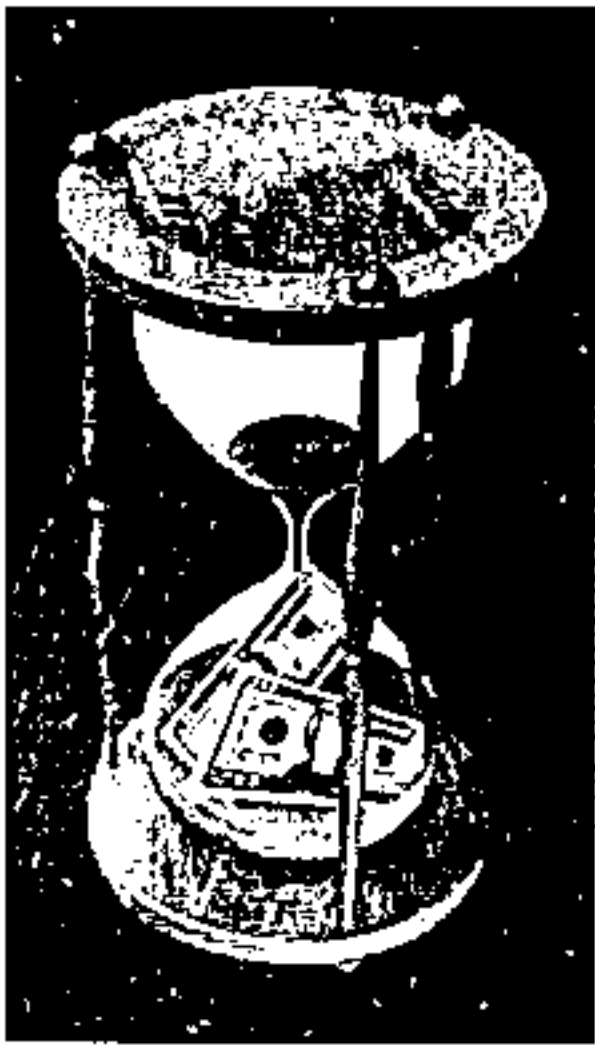
اسکول کا چوکیدار پرنسپل کیسے بنا؟

106 کسی بھی انسان کے بلند مقام تک پہنچنے میں اس کی مستقل مزاجی، محنت اور جدو جہد کا انتہائی اہم کردار ہوتا ہے، جس کی بدولت اس کے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹیں ایک ایک کر کے ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال سعودی عرب کا ایک شہری عارف ہے، عارف 1368 ہجری میں پیدا ہوا، ابھی وہ پرائمری اسکول میں زیر تعلیم تھا کہ اس کے والد فوت ہو گئے جس سے گھر کی تمام تر ذمہ داری اس کے کندھے پر آن پڑی اور اسے تعلیم کا سلسلہ ختم کرنا پڑا کیونکہ یہ تمام بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔

عارف نے مختلف جگہ پر کام کی کوشش کی مگر اسے کوئی مناسب کام نہ مل سکا، آخر کار اسے اپنے ہی علاقے کے ایک اسکول میں چوکیداری کی ملازمت مل گئی، جس سے اس کے گھر کے اخراجات چلانے میں کچھ آسانی پیدا ہوئی مگر اس کے دل میں حصول تعلیم کی آرزو اور خواہش بدستور انگڑائیاں لیتی رہی، اس نے پرائیویٹ طور پر تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی، بالآخر 1386 ہجری میں اس نے شہادہ متوسط (مڈل) کا امتحان پاس کر لیا۔

اس دوران اس نے کچھ رقم بچا کر مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا پروگرام بنایا اور طائف ٹیچر ٹریننگ اسکول میں داخلہ لینے پہنچ گیا لیکن اسے بتایا گیا کہ پہلے ہی طلبہ کی تعداد بڑھ چکی ہے اس لیے مزید داخلہ کی قطعاً گنجائش نہیں، عارف اس کے باوجود مایوس نہیں ہوا، وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرنے کے بعد اس دور کے وزیر تعلیم عبدالوہاب عبدالواسع کے پاس پہنچ گیا اور ان کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا، وزیر صاحب نے بھی معذرت کر لی کہ طائف ٹیچر ٹریننگ اسکول میں پہلے ہی طلبہ کی تعداد زیادہ اور مزید درخواستیں بھی موجود ہیں، ایسی صورت میں صرف ایک طالب علم کو کیسے داخلہ دیا جا سکتا ہے؟

عارف نے کہا ”جناب میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے جس سے نہ صرف میرا

بلکہ ان سینکڑوں طلبہ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا جن کو داخلہ نہیں ملا۔'' وزیر صاحب نے پوچھا ''کونسی تجویز ہے؟'' عارف کہنے لگا کہ ''ہمارے پورے علاقے میں ایک بھی ٹیچر ٹریننگ اسکول نہیں ہے، اگر آپ باحہ میں اسکول کھول دیں گے تو اس علاقے کے تمام طلبہ طائف سے واپس آجائیں گے، اس طرح طائف اسکول سے بوجھ بھی کم ہو جائے گا اور باحہ کے ان طلبہ کو بھی اپنے علاقے میں ہی تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا جو صرف مقامی طور پر تعلیمی ادارہ نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں اور مجھ سمیت سینکڑوں طلبہ کا قیمتی سال بھی ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔'' وزیر صاحب کو یہ تجویز بہت پسند آئی، وہ کہنے لگے ''بیٹا تم نے کمال کی تجویز پیش کی ہے، انہوں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں باحہ میں نیا ٹیچر ٹریننگ اسکول کھولنے کے انتظامات شروع کر دیئے۔

چھٹیاں ختم ہونے کے بعد باحہ میں ٹیچر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم ہو چکا تھا، عارف نے اگلے تین سال تک اس میں تعلیم حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد عارف کا نجران کے ایک اسکول میں بحیثیت استاد تقرر ہو گیا، وہاں کافی عرصہ تک اپنی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اسے ایک مسجد کے خطیب اور مشہور اخبار عکاظ کے نمائندے کے طور پر بھی اضافی خدمات سرانجام دینے کا موقع ملا۔
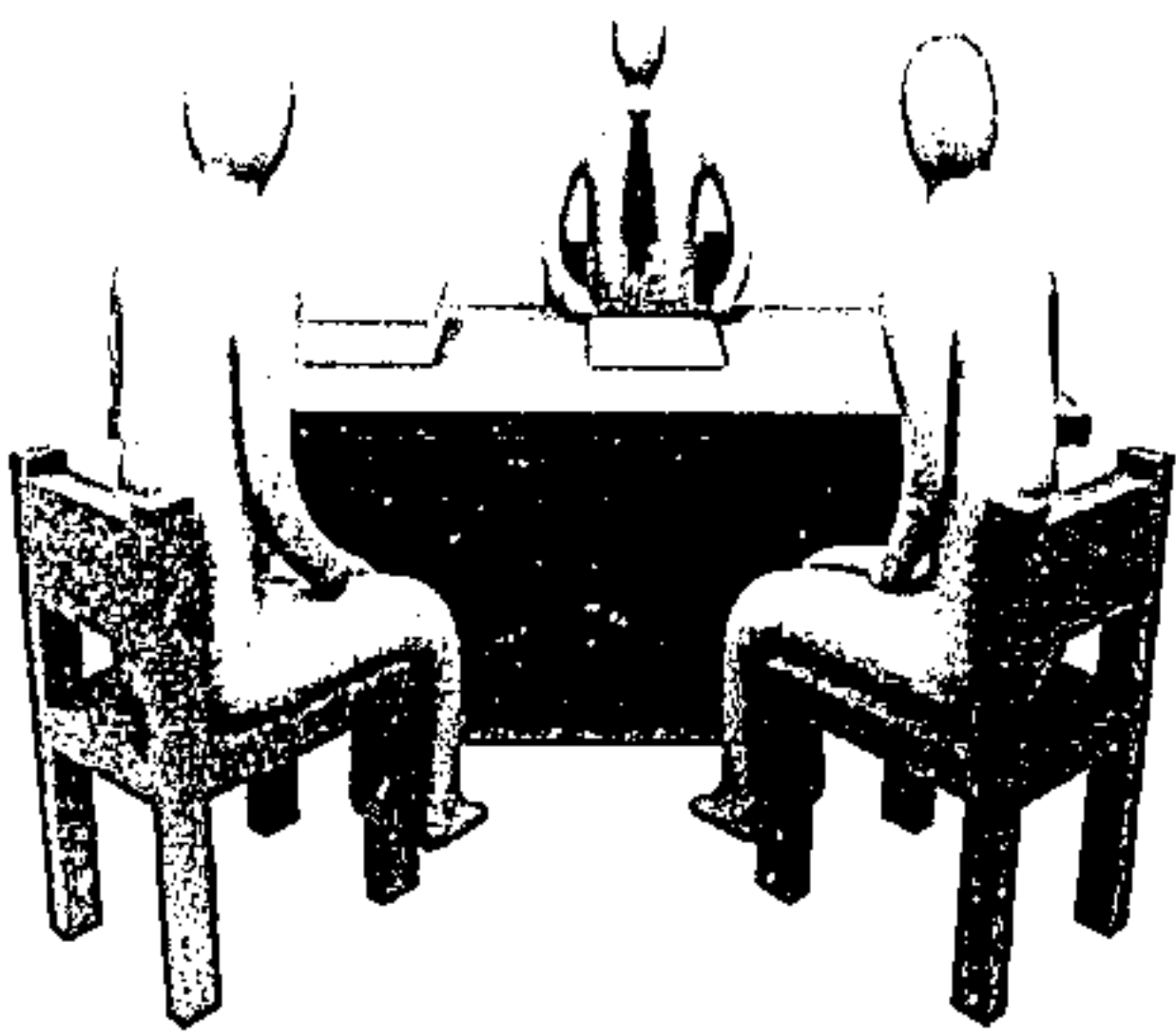
بالآخر عارف کے علاقے باحہ کی اسکول میں پرنسپل کی پوسٹ خالی ہوگئی اسے بطور پرنسپل اسی اسکول میں بھیجا گیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر عارف بھی محنت اور جدوجہد نہ کرتا تو آج بھی وہ ایک عام قسم کا مزدور ہوتا مگر اب وہ نہ صرف ایک اسکول کا پرنسپل بلکہ ایک مشہور صحافی ہونے کے علاوہ کئی کتابوں کا مصنف اور امام وخطیب بھی ہے اور اس کے شاگردوں کی تعداد اس وقت ہزاروں میں ہے۔

بکریاں چرانے والا فوجی اسپتال کا سربراہ کیسے بنا؟

107 عتیبی 1362ھ میں سعودی عرب کے شہر نجد میں پیدا ہوا، اس کا والد ایک تاجر تھا جو اپنے تجارتی امور کے سلسلے میں اکثر سفر پر ہی رہا کرتا تھا۔ اس لیے اس کے خاندان نے اسے پیشکش کی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ ریاض لے آئے تاکہ اس کی عدم موجودگی میں اس کا خاندان اس کے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کر سکے، کچھ شش و پنج کے بعد اس نے خاندان کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے اپنے بیوی بچوں کو ریاض منتقل کر دیا۔

ریاض پہنچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد عتیبی کی چھوٹی بہن کچھ ماہ شدید بیمار رہی اور پھر فوت ہوگئی، اس کے بعد ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں اس کی دوسری بہن بھی اچانک بیمار ہوئی اور فوت ہوگئی، دونوں بہنوں کی اچانک موت کا عتیبی پر سخت اثر ہوا، ابھی عتیبی اس امتحان سے نکلا بھی نہ تھا کہ اس کا والد بھی بیمار ہوگیا، اس کا کافی علاج کیا گیا اور ایک حکیم نے اس کا فصد (خون نکالنے) کے ذریعے علاج کیا۔

مگر خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے کمزوری زیادہ ہوگئی اور کھڑا ہونے سے بھی قاصر ہوگیا اور چند روز بعد وہ بھی فوت ہوگیا، ابھی عتیبی کی مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوا تھا کیونکہ اس کے والد کی وفات کے صرف 68 دن بعد اس کی والدہ بھی انتقال کر گئی۔ جس دن عتیبی کی والدہ فوت ہوئی اس دن اسے بھی شدید بخار تھا۔ والدہ کی تجہیز و تکفین اور دوسرے تمام کام اس کے عزیز و اقارب نے ہی سرانجام دیئے، اس کے بعد تو عتیبی بالکل ہی بے آسرا ہوگیا، اس کے ساتھ اس کا نہ کوئی بہن بھائی تھا اور نہ ہی ماں باپ زندہ رہے تھے، اسے مجبوراً چچا کے گھر رہنا پڑا۔ اس کے چچا نے اس کے لیے ایک الگ کمرہ بنا کر دیا اور اسے بکریاں چرانے کے کام پر لگا دیا، اب عتیبی دن بھر بکریاں چرایا کرتا تھا۔

ایک بار عتیبی کا بھائی اس سے ملنے آیا تو عتیبی نے اس کے سامنے اپنی تعلیم حاصل

کرنے کی خواہش ظاہر کی، جس پر اس کے بھائی نے اسے قریب ہی ایک فوجی اسکول میں داخل کرادیا۔ رہائش کا انتظام بھی اسکول کے ہاسٹل میں ہوگیا۔ عتیبی کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا اس لیے وہ خوب محنت کرنے لگا جس کی وجہ سے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے پر وہ اسکول کی جانب سے وظیفہ کا بھی مستحق قرار دیا گیا۔

اس وظیفہ سے وہ اپنی کتابیں، یونیفارم اور دیگر ضروریات پوری کرتا۔ آخر کار اس کی محنت رنگ لائی اور کیڈٹ اسکول سے ثانویہ کا امتحان دینے کے بعد وہ پولیس میں بھرتی ہوگیا، مگر علم حاصل کرنے کا شوق ابھی کم نہیں ہوا تھا، اس لیے دن بھر ڈیوٹی سرانجام دینے کے بعد اس نے رات کو پڑھائی شروع کر دی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ میڈیکل کی تعلیم حاصل کرے، اس وقت ملک میں میڈیکل کے اعلیٰ تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر تھے۔

عتیبی نے اپنے محکمہ سے تعلیمی چھٹی (Study Leave) لی اور جرمنی چلا گیا۔ یہاں اسے ایک دوسرا مسئلہ درپیش تھا، اسے جرمن زبان نہیں آتی تھی۔ انسان کے اندر مستقل مزاجی اور لگن ہو تو کوئی کام ناممکن نہیں رہتا۔ عتیبی نے صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں جرمن زبان سیکھ لی اور پھر 1396 ہجری میں سرجری میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے تبوک آرمی ہاسپٹل میں دو سال تک ڈیوٹی سرانجام دینے کے بعد ایک بار پھر پیشاب کے امراض میں اسپیشلائزیشن کے لیے جرمنی چلا گیا، وہاں سے واپسی پر مسلح افواج کے ریاض اسپتال میں کچھ عرصہ ڈیوٹی سرانجام دینے کے بعد وہ اسی اسپتال کا سربراہ بن گیا۔
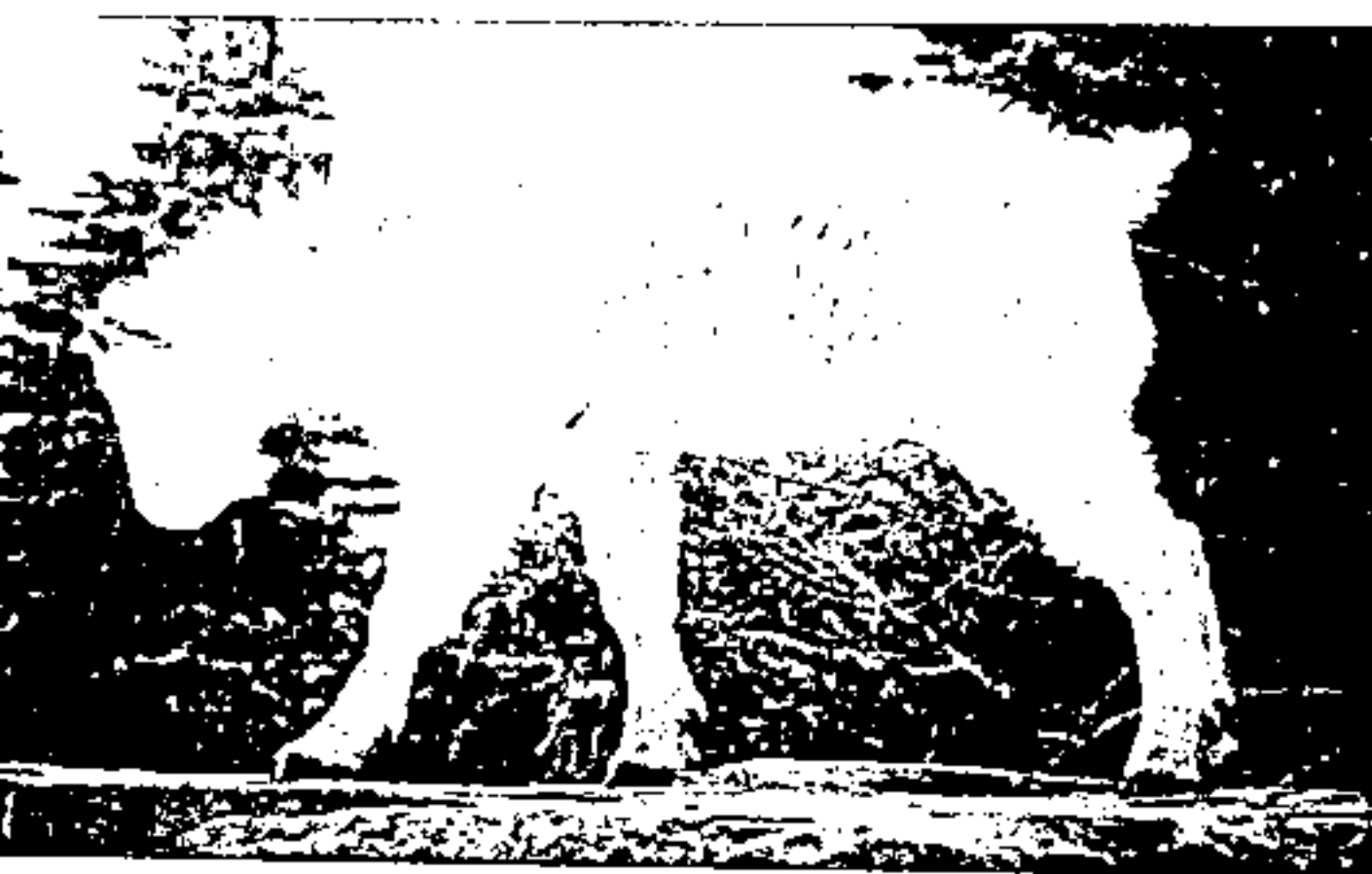
فالج زدہ شخص نامور مصنف کیسے بنا؟

108 جان ڈومینیک بوبی (Jean Domnique Bauby) 1952ء میں فرانس میں پیدا ہوا، اس نے اپنی عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا اور اس شعبے میں خوب نام کمایا اور وہ ایک کامیاب صحافی شمار ہونے لگا، مگر اسی دوران صرف 43 سال کی عمر میں اس کے دماغ پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے اسے 21 دن بعد ہوش آیا، لیکن اب وہ چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ بات چیت کرنے سے بھی محروم ہو چکا تھا، صرف اس کی بائیں آنکھ درست کام کر رہی تھی، باقی اعضاء ہاتھ پاؤں حتیٰ کہ منہ نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

چند ہی ماہ میں اس کا وزن 27 کلو کم ہو چکا تھا مگر اس سب کے باوجود بھی اس نے ہمت نہیں ہاری، اس حالت میں بھی اس نے اپنی ذاتی زندگی کے تجربات پر اپنے سیکریٹری کی مدد سے ایک کتاب لکھ دی، اس کتاب کا املاء کرانے میں اس کی زبان سے زیادہ اس کی آنکھ کا عمل دخل تھا۔ اس کتاب کو نہ صدی کی عظیم کتابوں میں شمار کیا گیا بلکہ اس پر اسے انعام سے بھی نوازا گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی زندگی پر بننے والی فلم نے بھی عالمی ایوارڈ جیتے اور اس نے دنیا کو یہ سبق دیا کہ انسان کی ہمت اور مستقل مزاجی کے سامنے پہاڑ بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔
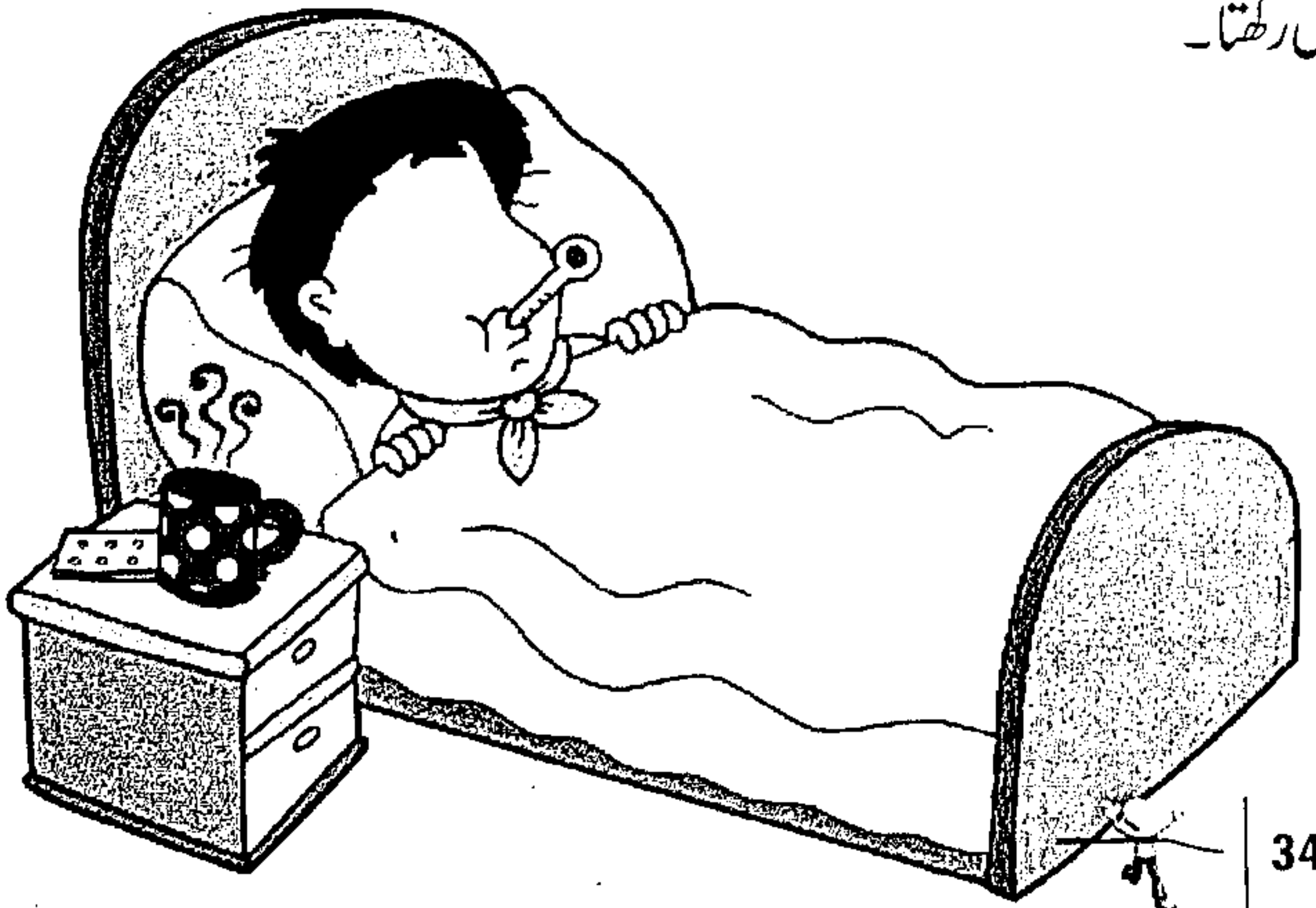
مایوس لڑکی مشہور لیڈی ڈاکٹر کیسے بنی؟

109 لیڈی ڈاکٹر فاخرہ اپنی کہانی یوں بیان کرتی ہیں کہ میرے والد نے دو شادیاں کی تھیں، میں پندرہ بہن بھائیوں میں اپنی ماں کی سب سے بڑی لڑکی تھی، میرے والد نے بچپن ہی میں نہ صرف میری والدہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی بلکہ ہمیں بھی بے آسرا اور بے سہارا چھوڑ دیا تھا۔ گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے میں نہ صرف اسکول میں مسلسل فیل ہونے لگی بلکہ اسکول ہی چھوڑ دیا، میں سخت اذیت پریشانی اور مشکلات کا شکار ہوگئی تھی۔ میری ماں کو میری دونوں بہنوں، میرا اور اپنا پیٹ پالنے کے لیے سخت جتن کرنا پڑے۔

ان تمام حالات کو دیکھ کر میں ہر وقت گہری سوچوں میں ڈوبی رہتی، میں نے اسکول اس لیے بھی چھوڑا، نہ صرف میری کلاس فیلو لڑکیاں بلکہ میری ٹیچرز بھی مذاق اڑانے لگی تھیں، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ہماری مالی حالت بہت کمزور ہو چکی تھی، پیٹ پالنا مشکل ہو رہا تھا تو تعلیمی اخراجات کہاں سے پورے ہوتے۔ جب میں اپنی بوڑھی ماں کو لوگوں کے گھروں میں کام کرتے دیکھتی تو میرا دل خون کے آنسو روتا تھا مگر میں کیا کر سکتی تھی میں خود ایک بچی تھی۔
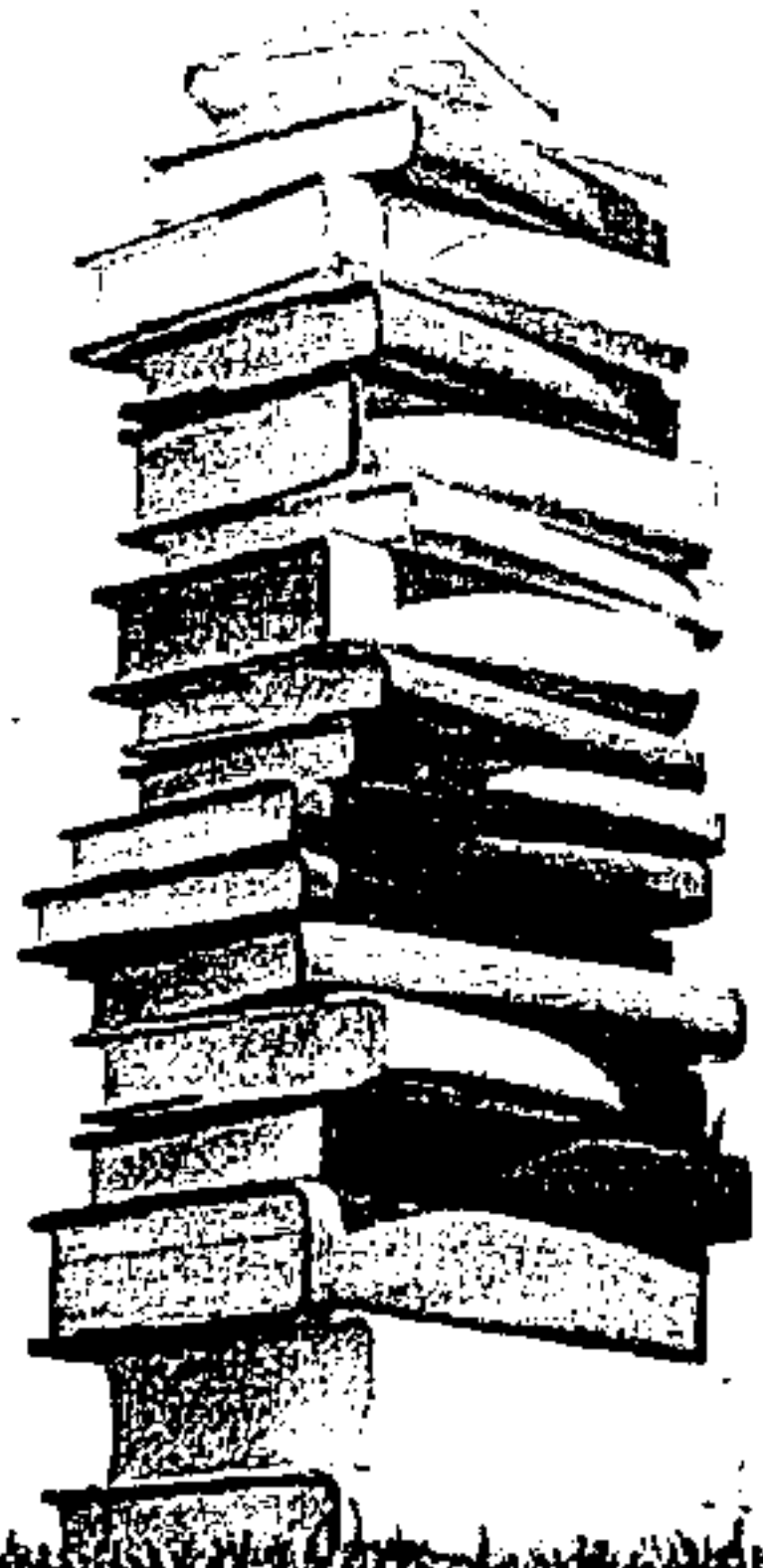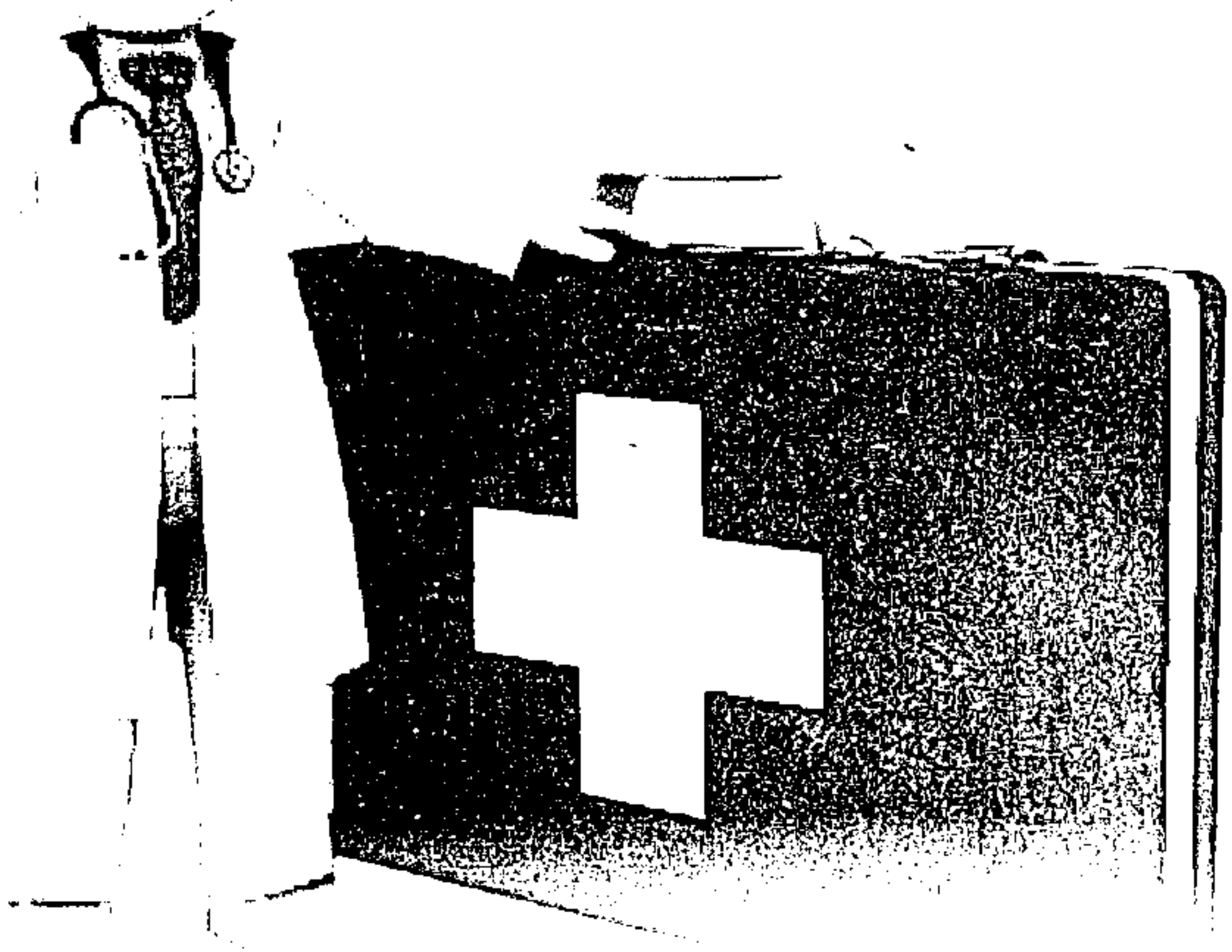
ایک دن میں نے سوچا کہ آخر کب تک یوں روتی رہوں گی اور دوسروں کے مذاق اور تمسخر کا نشانہ بنتی رہوں گی، کیا خدا تعالیٰ نے مجھے بے شمار نعمتوں سے نہیں نوازا، میرے پاس دماغ، زبان، ہاتھ پاؤں سمیت اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں موجود ہیں، یہ سوچ کر میں نے پکا اور مصمم ارادہ کرلیا کہ ہر حال میں تعلیم حاصل کرنی ہے اور ایک ڈاکٹر بننا ہے، اب آپ ذرا خود اندازہ لگائیں کہ جس خاندان کو پیٹ پالنے کے لیے پاپڑ بیلنا پڑتے ہوں تو اس کی ایک بے آسرا، بے بس اور بے سہارا لڑکی ڈاکٹر بننے کا ارادہ کرے تو کیا لوگ اس کی عقل و دماغ پر شک نہیں کریں گے۔

مگر میں ہزاروں مشکلات، تکالیف اور اپنی خواہشوں کا خون کر کے آخر کار اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی، وہ دن میرے لیے انتہائی خوشی کا تھا جس دن مجھے میڈیکل کی ڈگری ملی، اس دن نہ صرف میری بلکہ میری والدہ کی آنکھوں سے بھی آنسو کنٹرول کرنے کے باوجود نہ رکنے والے آنسو بہہ رہے تھے۔

مشہور ماہر اقتصادیات

110 یہ کہانی ایک سعودی شہری تویجری کی ہے جسے گھریلو حالات ومسائل کی وجہ سے تعلیم کو خیر باد کہہ کر اور پیشہ اختیار کرنا پڑا۔ اس عمر میں ملازمت ملنا بھی بڑا مسئلہ تھا۔ آخر کار اسے ریلوے کے محکمہ میں ایک ٹھیکیدار کے ساتھ معمولی اجرت پر کام کرنا پڑا، مگر اس نے اسے سیڑھی کا ایک زینہ سمجھ کر اس پر آگے بڑھنے کے جذبہ سے پاؤں رکھ دیا، کیونکہ سیڑھی چڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر ٹھہرا نہیں جاتا، اس دوران اس نے اس سے بہتر کام کی تلاش جاری رکھی۔

کافی کوششوں کے بعد آخر ایک بینک میں اسے کام مل گیا اور یہ کام مختلف ملازمین اور افسران کی ٹیبل سے کاغذات اِدھر اُدھر لانے لے جانے کا تھا، اگرچہ یہ کام کچھ آسان تھا مگر تویجری نے اسے بھی ایک زینہ ہی سمجھا دن بھر بینک میں ڈیوٹی اور رات کو پڑھائی کرتا تھا، اس دوران اس نے متوسطہ کا امتحان پاس کرلیا اور بینک میں ہیلپر (Helper) سے ترقی کر کے خطوط کے شعبہ میں چلا گیا۔ اس نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور ثانیہ (میٹرک) کی ڈگری لینے کے بعد اسے کلرک کی پوسٹ مل گئی۔ اس دوران کچھ اس نے بچت بھی شروع کردی تا کہ یونیورسٹی سے تعلیم کے اخراجات پورے کر سکے، بالآخر تویجری نے بیچلر (B.A) کی ڈگری بھی حاصل کر لی مگر اس کی حصول علم کی پیاس ابھی بجھی نہیں تھی۔ وہ محکمہ سے چھٹی لے کر اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلا گیا جہاں اس نے نہ صرف ماسٹر کی ڈگری لی بلکہ اقتصادیات میں پی ایچ ڈی بھی کر لی، اس دوران اسے شدید مشکلات اور مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ ہوٹل میں پارٹ ٹائم کام کر کے مستقل مزاجی سے تعلیم مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وطن میں واپسی پر کچھ عرصہ تدریس کے بعد وہ سعودی عرب کی انتظامی ترقی کے ادارے کا سربراہ بن گیا جو عرب ممالک کی خصوصی تنظیموں کے ساتھ وابستہ انتہائی اہمیت کا حامل ادارہ ہے۔
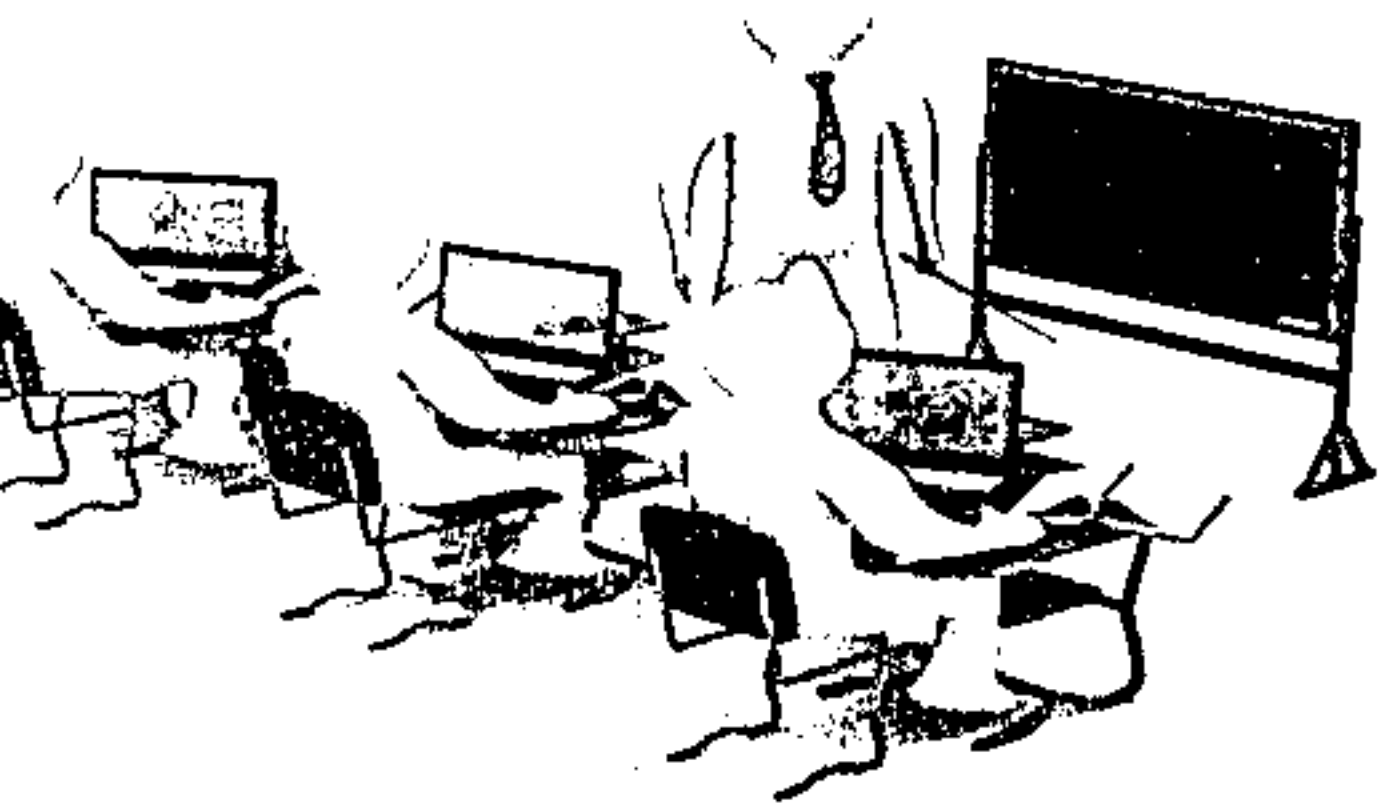
جب تو یجری سے پوچھا گیا کہ وہ بینک میں آفس بوائے (Office Boy) کی ملازمت سے ادارہ برائے انتظامی ترقی کا سربراہ کیسے بنا تو اس کا ایک ہی جواب تھا کہ مستقل مزاجی سے محنت کرنا۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو تو انسان کو مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ اسے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اس کی مسلسل مدد کیے جا رہا ہے۔

Hot Mail (Email) ایجاد کرنے والا مسلمان نوجوان

111 دنیا بھر میں سب سے پہلے مفت برقی خطوط Email (ای میل) کا پروگرام ہاٹ میل (Hotmail) ایجاد کرنے والا مسلمان کمپیوٹر پروگرامر صابر بھاٹیا جس نے اس سوفٹ ویئر کے ذریعے 400 ملین امریکی ڈالر کمائے ایک عام سا نوجوان ہے، یہ نوجوان بھارتی صوبہ بنگلور میں 1968ء میں پیدا ہوا، ایک انتہائی پسماندہ علاقے کے پسماندہ ماحول میں پرورش پانے والا لڑکا دنیا کا انتہائی مشہور ترین آدمی بن گیا جس کے بنائے گئے پروگرام کو ایک وقت میں 90 ملین سے زائد لوگ استعمال کر رہے تھے اس کی شہرت کا موازنہ سابق امریکی صدر بل کلنٹن، سابق فرانسیسی صدر یارک شیراک اور سابق ہندوستانی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی سے کیا جانے لگا تھا۔
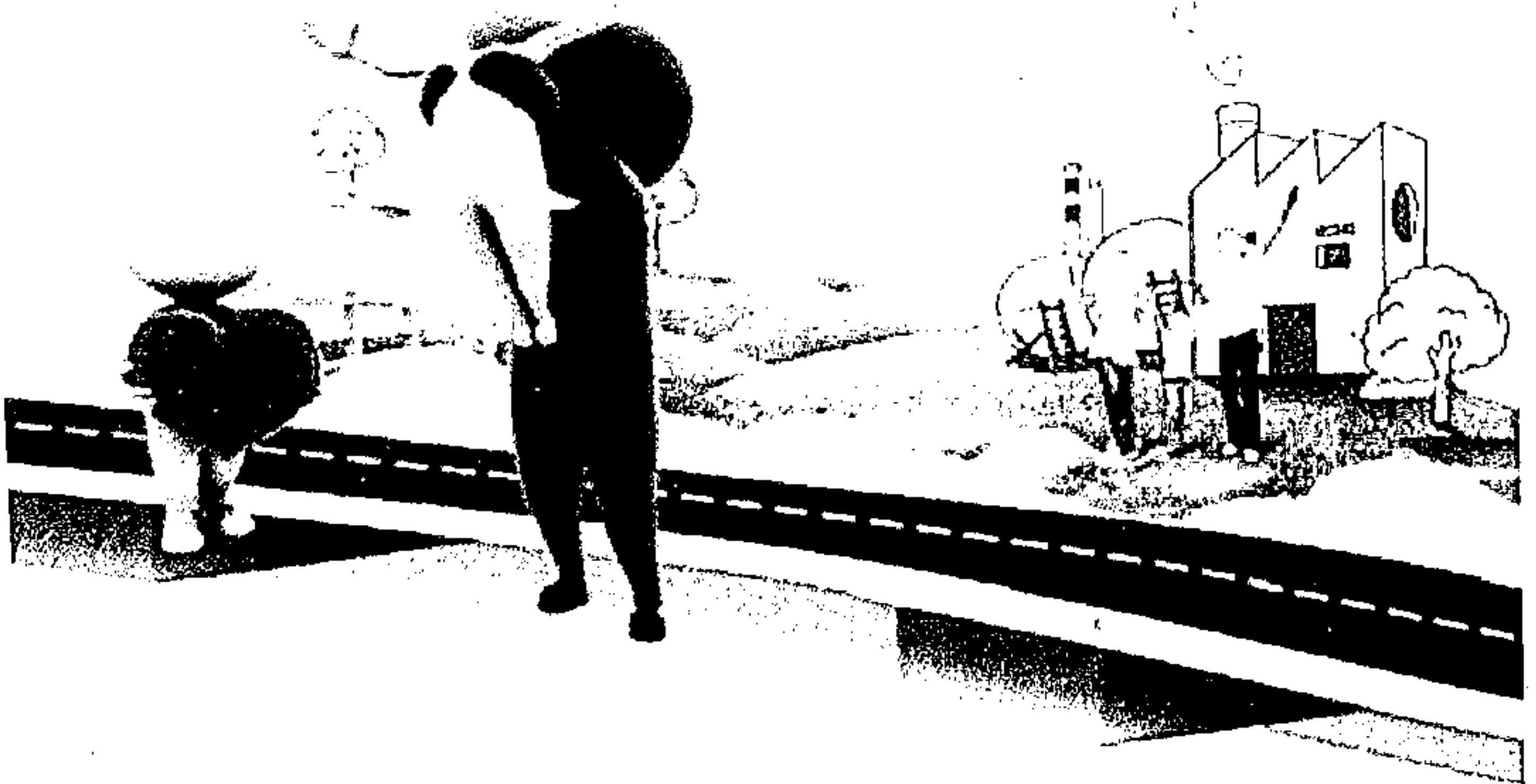
صابر بھاٹیا نے 1988ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے امریکی یونیورسٹی اسٹین فورڈ میں داخلہ لیا جہاں سے کامیابی کے بعد اس نے ایک کمپنی میں ایک پروگرامر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی، اس دوران اس نے ایک انوکھے خیال کو عملی جامہ پہنانے پر کام شروع کر دیا کہ انٹرنیٹ پر ایک ایسا خصوصی اکاؤنٹ بنایا جائے جو مفت اور ہر آدمی کا انفرادی اکاؤنٹ ہو، اس کے ساتھ ساتھ یہ اکاؤنٹ محفوظ اور خفیہ بھی ہو اور دنیا کے ہر کونے سے اس تک رسائی بھی ہو، جلد ہی اس نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی، پہلے ہی سال دس ملین افراد نے اپنا اکاؤنٹ بنا لیا، اس طرح اس نے مائیکروسافٹ کے بانی بل گیٹس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

بل گیٹس اسے 50 ملین ڈالر کے بدلے پروگرام فروخت کرنے کی پیشکش کی مگر صابر بھاٹیا نے اس کے لیے 500 ملین ڈالر کا مطالبہ کیا جس کی وجہ سے سودا طے نہ ہوسکا لیکن 1998ء میں بل گیٹس نے اس پروگرام کو 400 ملین ڈالر میں خرید کر کمپیوٹر پروگرام ونڈوز Windows کا حصہ بنا لیا۔
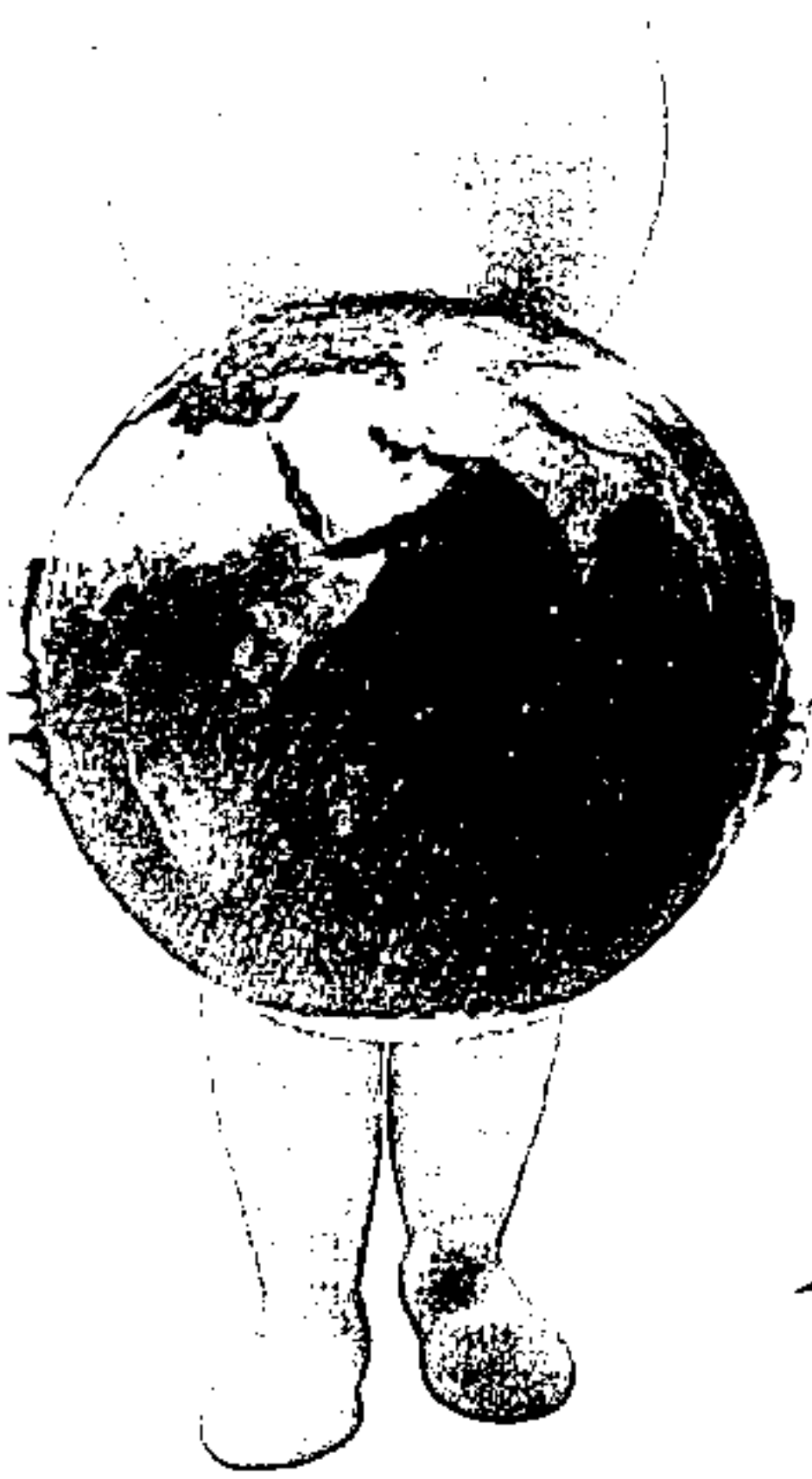
صابر بھاٹیا کی زندگی کا ایک دوسرا رخ یہ ہے کہ اس نے اپنی دولت کا زیادہ حصہ اپنے ملک میں تعلیم کے شعبے کی ترقی کے لیے صرف کر دیا جس سے اس کی دولت 400 ملین ڈالر سے کم ہو کر 100 ملین ڈالر رہ گئی۔ یعنی اس نے تقریباً 300 ملین ڈالر ملکی تعلیمی ترقی کے میدان میں خرچ کر دیے۔

دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں

112 مشہور جرنیل نپولین (Napoleon) کا بیشتر وقت اپنے دشمنوں کے خلاف جنگوں اور معرکوں میں گزرا، ایک دفعہ اسے ایک معرکہ کے سلسلے میں الپ کے پہاڑ کی دوسری جانب جانا پڑ گیا، یورپ کا یہ پہاڑی سلسلہ انتہائی دشوار گزار اور پیچیدہ ہے کہ جب نپولین اس پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچا اور وہاں کے بڑے بوڑھے لوگوں سے پہاڑی راستہ عبور کرنے کے بارے میں معلوم کرنے لگا تو ایک بوڑھی عورت ہنس کر بولی کہ اس پہاڑ کو عبور کرنے کا خیال ذہن سے نکال دو، تم سے پہلے بھی کئی بیوقوف لوگ اس پہاڑ کو عبور کرنے کی کوشش میں اپنی جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔
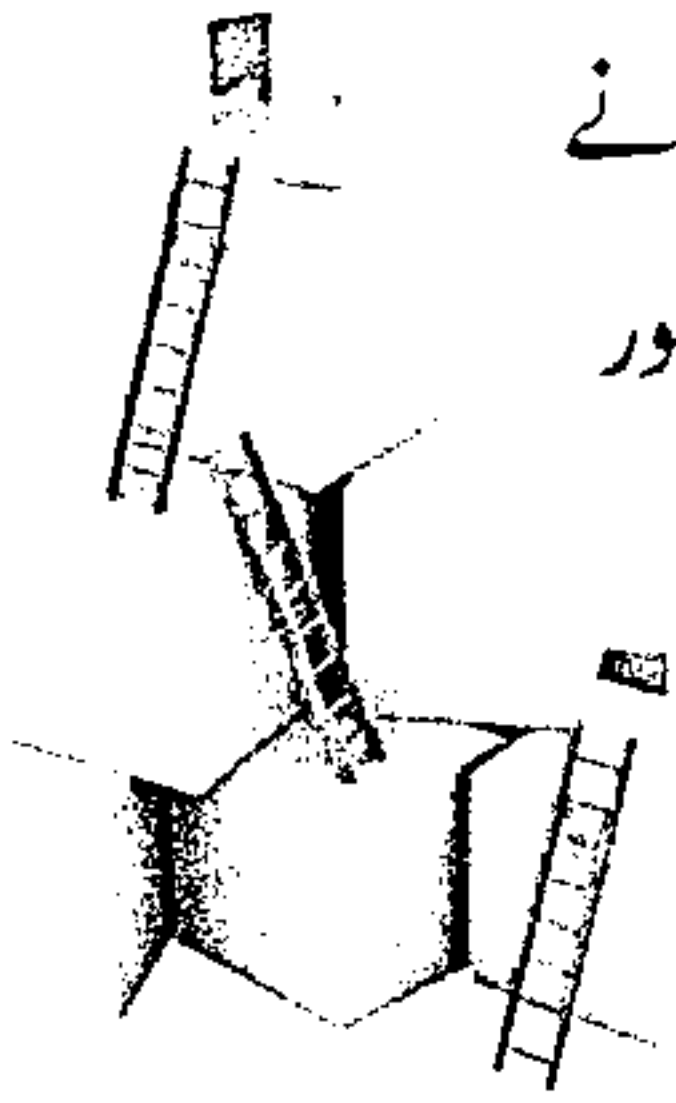
یہ سن کر نپولین کہنے لگا کہ:

''دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں''۔

البتہ مشکل ضرور ہوسکتا ہے جسے بزدل لوگ سرانجام نہیں دے سکتے، اسے صرف بہادر ہی سرانجام دے سکتے ہیں اور یہ کام بہادروں کی پہچان کے لیے ہی ہوتے ہیں اور تم دیکھو گی کہ میں اس پہاڑ کو عبور کر کے دکھاؤں گا اور پھر وہ کہنے لگا:

''تیرے اس چیلنج نے مجھ میں ایک تازہ روح اور جذبہ بیدار کر دیا ہے۔ اب میں خوب احتیاطی تدابیر کے ساتھ یہ معرکہ بھی سر کرلوں گا، میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک اس پہاڑ کو عبور نہ کرلوں''۔

یہ سن کر نہ صرف وہ بوڑھی عورت بلکہ اس علاقے کے تمام لوگ حیران رہ گئے۔ نپولین کا یہ عزم مصمم دیکھ کر وہ عورت کہنے لگی ''یہ صحیح ہے کہ اس پہاڑ کو عبور کرنا انتہائی مشکل ہے مگر تیرے جیسے بلند اور مضبوط عزائم والے شخص کے لیے کوئی مشکل نہیں اگر تمہارا ارادہ اسی طرح مضبوط رہا تو ایک دن ضرور اسے عبور کرلو گے۔'' اور پھر ایسا ہی ہوا، نپولین نے نہ صرف وہ پہاڑ اپنی فوج سمیت عبور کیا بلکہ دشمن پر فتح بھی حاصل کرلی اور بتا دیا کہ دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں۔

ناکام مصنف ہمت کر کے امریکی صدر بن گیا

113 مسز جونسن کہتی ہیں کہ میں پیرا ماؤنٹ سینما کمپنی کے اسٹوری ڈپارٹمنٹ میں بطور ایڈیٹر کام کرتی تھی، ایک دن مجھے اپنے شعبہ کے سربراہ ایڈولف جا کر نے بلایا اور مجھے ایک کہانی دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ اسٹوری مشہور امریکی فیملی روز ویلٹ نے کمپنی کو فروخت کرنے کے لیے بھیجی ہے۔

میں نے ان سے اسٹوری لے کر سرسری طور پر دیکھی اور پوچھا کہ ''کیا آپ کو یہ کہانی پسند آئی؟'' تو انہوں نے کندھے ہلا کر نفی میں جواب دیا اور کہنے لگے کہ اس کہانی کا مرکزی خیال ایک کامیاب فلم کے لیے قطعاً مناسب نہیں، میں نے ان سے پوچھ لیا کہ ''پھر آپ کا کیا خیال اور پروگرام ہے، مجھے کیا کرنا چاہئے کیونکہ روز ویلٹ فیملی اس کہانی کے بارے میں مجھ سے ہی بات کرے گی۔''

ایڈولف جا کر کہنے لگا ''روز ویلٹ فیملی بڑی اہمیت کی حامل ہے، ان سے ہمیں کام پڑتے رہتے ہیں تم انہیں مناسب انداز میں ٹال دینا۔'' اسی شام روز ویلٹ کا فون آ گیا۔ میں نے انہیں آگاہ کیا کہ ''میں آپ کو تفصیل سے تمام صورت حال بتانا چاہتی ہوں۔'' تو وہ کہنے لگے ''اگر آپ فارغ وقت میں میرے گھر آ جائیں تو چائے پر ملاقات کر لیتے ہیں۔'' میں راضی ہو گئی اور شام کو ان کے گھر پہنچ گئی، چائے پینے کے بعد وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ ''ہماری کہانی کا کیا بنا، مسٹر جا کر کیا کہتے ہیں۔'' اس موقع پر گھر کے تمام افراد کی نظریں مجھ پر تھیں، ان کی آنکھوں میں عجیب سا اطمینان اعتماد، یقین سا تھا جس پر میں نے فوراً واشگاف اور صاف الفاظ میں بتانے کے بجائے مبہم انداز میں بات کو گول مول کر دیا اور اگلے تین ماہ تک مختلف حیلے بہانوں سے انہیں ٹالتی رہی مگر بالآخر میں تھک گئی اور تین ماہ بعد مجھے جھوٹ بولنے کا سلسلہ بند کرنا پڑا اور انہیں بڑے ڈپلومیٹک انداز میں بتانے کی کوشش کی کہ ان کی کہانی ہمارے معیار پر پوری نہیں اترتی۔

میری تمام احتیاط اور کوشش کے باوجود انہیں سخت صدمہ پہنچا اور انہیں ایک شدید قسم کا دھچکا سا لگا، اس کے بعد ہمارا آپس میں رابطہ ختم ہو گیا، اس واقعہ کے ڈیڑھ سال بعد مجھے وائٹ ہاؤس کی جانب سے روز ویلٹ کی صدارتی تقریب میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ میں اس تقریب میں شریک تھی کہ اچانک امریکی صدر روز ویلٹ کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اور پوچھنے لگے کہ ''کیا تم مسز جونسن ہو؟'' میں نے اثبات میں جواب دیا جس پر وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے اور کہنے لگے کہ ''کیا تمہیں یاد ہے جب میں نے اپنی کہانی پیراماؤنٹ کمپنی کو فروخت کے لیے پیش کی تھی، مگر انہوں نے اسے خریدنے سے انکار کر دیا تھا؟''

میں نے کہا کہ ''جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' روز ویلٹ کہنے لگے کہ ''وہ دن میری زندگی کا تاریک ترین اور بھیانک ترین دن تھا۔'' میں نے کہا ''مجھے یقین ہے کہ کمپنی کو اب اس پر ندامت ہوگی۔'' روز ویلٹ کہنے لگے کہ ''مگر مجھے اسی ناکامی نے بہت کچھ پہلے ہی دے دیا ہے۔ اس لیے مجھے یہ سبق یاد ہے کہ ناکامی خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو اور اس سے سارا مستقبل تاریک ہوتا نظر آرہا ہو، پھر بھی وہ کسی آدمی کے مستقبل کا فیصلہ قطعاً نہیں کر سکتی، اس بات سے مجھے یہ سبق ملا کہ:

''ناکامی پر غالب آنے کا سب سے بڑا طریقہ اسے اور اس کے جملہ لوازمات کو بھول جانا ہے اور ہر اس چیز کو بھی بھول جانا جس سے اس کی یاد آجاتی ہو''۔

''انسان کو عزم و حوصلہ اور کامیابی کے حصول کے لیے نئی جدوجہد شروع کر دینی چاہیے۔'' میں کہنے لگی کہ ''شاید آپ کی سیاسی میدان میں کامیابی کے پیچھے اسی نظریہ کا ہاتھ ہے۔'' امریکی صدر روز ویلٹ کہنے لگے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر پیراماؤنٹ کمپنی میری اسٹوری کو منظور کر لیتی تو میں اور آپ آج وائٹ ہاؤس میں بیٹھ کر یوں باتیں نہ کر رہے ہوتے''۔

ہاتھ پاؤں سے محروم دو امریکی کمپنیوں کا سربراہ

114 کوئی بھی انسان اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوگا کہ ایک شخص جو دونوں ہاتھوں اور پاؤں سے معذور ہی نہیں بلکہ محروم بھی ہے وہ نارمل زندگی گزار سکتا ہے مگر آسٹریلوی نوجوان نیکولاس نہ صرف نارمل زندگی گزار رہا ہے بلکہ وہ دو امریکی کمپنیوں کا سربراہ بھی ہے۔

نائیک نیکولاس پیدائشی معذور تھا، اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں نہیں تھے، اس کا تعلق بھی ایک غریب خاندان سے تھا مگر اس نے اپنی اس محرومی اور کمزوری کو اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا، اس کے باوجود اس کے راستے میں ہر طرف مشکلات ہی مشکلات تھیں۔ اس نے جب ہوش سنبھالا تو اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ ضرور ایک عظیم انسان بنے گا۔

اس کو اس بات کا یقین تھا کہ یہ معذوری اس کا راستہ نہیں روک سکتی کیونکہ دنیا میں کوئی بھی آدمی ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نقص اور کمی نہ ہو، ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہوتا ہے کسی میں ڈر اور خوف ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تو کسی میں شرم کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، کوئی ذہنی طور پر کمزور ہوتا ہے تو کوئی مالی طور پر کمزور ہوتا ہے مگر بنیادی اور اصل چیزیں مضبوط یقین، حوصلہ اور مستقل مزاجی ہیں جن کی بدولت کوئی بھی شخص اپنی خامیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا ہے۔

نیکولاس نے مالی مشکلات کے باوجود بچپن ہی سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی مگر اسے اس وقت شدید مشکلات کا سامنا پڑا جب 1990ء میں آسٹریلوی حکومت نے معذور بچوں کے عام اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے پر پابندی لگا دی مگر نیکولاس کے والدین نے انتہائی مشکل حالات کے باوجود بیٹے کی خواہش کی خاطر گھر پر ہی اس کی تعلیم کا بندوبست کر دیا۔

ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ اور اس کے والدین امریکہ چلے گئے جہاں نیکولاس نے نہ صرف اقتصادیات اور ایڈمنسٹریشن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تیراکی، گھڑ سواری اور گالف کے کھیل میں بھرپور حصہ لینے لگا اور پھر ایک دن وہ معذوروں کے لیے قائم امریکی ادارے کے علاوہ دو امریکی کمپنیوں کا بھی سربراہ بن گیا۔ یہ قصہ ان لوگوں کے لیے سبق آموز ہے جو ہاتھ پاؤں ہونے کے باوجود اپنی ناکامی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ ایک دانشور نے کیا خوب کہا ہے:

لَنْ يَكُوْنَ الْاِنْسَانُ حُرًّا مَالَمْ يَكُنْ سَيِّدَ نَفْسِهٖ

"کوئی انسان اس وقت تک آزاد اور خود مختار نہیں کہلا سکتا جب تک وہ خود پر قابو نہ پا لے"۔

پھٹے پرانے کپڑے پہننے والا ادیب نوبل انعام یافتہ بن گیا

115 مشہور برطانوی ادیب جارج برناڈ شو جسے 1925ء میں دنیا کا سب سے عظیم نوبل انعام ملا، کی ابتدائی زندگی مسلسل ناکامیوں سے عبارت تھی، وہ مسلسل نو سال تک کتابیں لکھتا رہا مگر اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ روزانہ کم از کم پانچ مکمل صفحات لکھنے ہیں، اس دوران اس نے پانچ افسانے بھی لکھے اور انہیں امریکہ اور انگلینڈ کے متعدد پبلشرز کو بھیجا لیکن ہر جگہ سے اس کے افسانے واپس بھیج دیئے گئے کہ یہ ناقابل اشاعت ہیں، اس کی ہر کوشش ان افسانوں کو مزید بہتر بنانے کی ہدایت کے ساتھ مسترد کر دی جاتی تھی، آخر کار اس کے حالات انتہائی دگرگوں ہو گئے، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کے پاس اپنے مضامین بھیجنے کے لیے ٹکٹوں کے پیسے بھی نہیں رہے تھے۔

اس کے کپڑے تک بوسیدہ ہو کر پھٹ چکے تھے جن میں اس نے پیوند لگائے ہوئے تھے اور انہی پھٹے پرانے کپڑوں میں وہ لندن کی سڑکوں پر پیدل گھوما کرتا تھا اور اپنے پرانے کپڑوں اور جوتوں میں لگے پیوندوں کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتا تھا مگر اس نے اپنا حوصلہ نہیں ہارا۔ اپنے کام کی لگن اور فکر میں وہ کھانا بھی بھول جاتا تھا، اس کی ماں کو کھانے کے لیے تندور والے سے ادھار روٹی خریدنا پڑتی تھی، اسی طرح وہ سبزی فروش کی بھی مقروض ہو چکی تھی۔

برناڈ شو نے ان پہلے نو سالوں میں صرف اور صرف چھ جنیہہ (مصری کرنسی) کے برابر رقم کمائی، وہ اپنی ان تمام ناکامیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا اور اپنی محنت اور کوشش ترک نہیں کی یہاں تک کہ آخر کار کامیابی نے ایک دن اس کے قدم چوم لیے اور وہ دنیا کے عظیم ترین نوبل انعام کا مستحق قرار پایا۔

محنت کش جاپانی لوگ

116 اگر کسی امریکی ماں سے اس کے بچے کی کمزوری اور خامی کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کا فوری جواب ہوگا کہ اس کی ذہنی صلاحیت کمزور ہے لیکن اگر یہی سوال کسی جاپانی ماں سے کیا جائے تو اس کا جواب اس سے یکسر مختلف ہوتا ہے، وہ کہتی ہے کہ اس کے بچے کی نالائقی اور کمزوری کی وجہ صرف اور صرف محنت کی کمی ہے۔ اس لیے جاپانیوں کا یہ اصول اور طریقہ کار ہے کہ اگر آپ کامیابی چاہتے ہیں تو دگنا یا پھر تین گنا محنت کریں، مشکلات کا استقامت سے مقابلہ کریں۔ اس سلسلے میں مشہور سائنسدان اور موجد تھامس ایڈیسن کا کہنا ہے:

''میری ایجاد اور تحقیقات میں 98% حصہ محنت اور کوشش کا اور صرف دو فیصد حصہ الہام اور قدرتی انکشافات کا ہے''۔

اس لیے اگر کامیابی چاہتے ہیں تو اپنی کوششوں اور محنت کو بڑھا دیں اور کسی بھی صورت ہتھیار پھینکنے کا نام نہ لیں تو ایک دن آپ کو ضرور کامیابی ضرور ملے گی۔

ممکن ہے آپ کو ایک دو یا دس بیس دفعہ بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے لیکن آپ ایک بار ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے اپنی ساری قوت اپنے ہدف اور مقصد کے حصول کے لئے صرف کر دیں۔ ناکامی کا خیال ہی ذہن سے نکال دیں کیونکہ جتنے بڑے اور کامیاب لوگ گزرے ہیں وہ سب ہی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہرگز نہیں تھے البتہ انہوں نے غیر معمولی جدوجہد ضرور کی جس کی بدولت انہیں کامیابی نصیب ہوئی۔

عظیم لوگوں کے ماں باپ کون تھے

117 عظیم انسان اور کامیاب شخصیت بننے کے لیے عظیم گھرانے اور کامیاب خاندان سے تعلق ہونا بالکل ضروری نہیں، سینکڑوں عظیم لوگوں کا تعلق معمولی خاندانوں کے ساتھ تھا۔

1 مشہور انگریزی شاعر اور ادیب شیکسپیئر کا باپ ایک قصاب تھا جب کہ اس کی ماں ایک اَن پڑھ عورت تھی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔

(2) الیکٹرک موٹر بنا کر الیکٹرک پاور کی دنیا میں دھماکہ کرنے والے مائیکل فراڈے کا والد ایک لوہار تھا۔

3 مشہور انگریزی مصنف بن جانسن شروع میں معمولی اجرت پر مزدوری کیا کرتا تھا، مشہور سائنسدان نیوٹن جس نے کشش ثقل کا انکشاف کیا، اس کا باپ ایک غریب کسان تھا۔

4 جارج اسٹیفن جس نے ریلوے انجن ایجاد کیا ایک عام لوہار تھا۔

5 مشہور ماہر طبیعات کا والد موچی تھا جو جوتے سینے کا کام کیا کرتا تھا۔

6 سابق امریکی صدر انڈریو جونسن کا والد ایک درزی تھا، جب ان لوگوں کی اولاد محض اپنی محنت کے بل بوتے پر تاریخ میں اپنا نام اور مقام بنا سکتی ہے تو پھر ہمیں اس بات کا شکوہ قطعاً نہیں کرنا چاہئے کہ ہم سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوئے اور ہمارے مالی وسائل محدود ہیں یا پھر دیگر مشکلات آڑے آ رہی ہیں۔

اگر تعلیم کا وقت گزر چکا ہے تو پھر بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ زندگی کے کسی اور شعبے میں محنت سے اپنا مقام پیدا کریں۔

فیکٹری مزدور محنت کر کے مشہور سائنسدان بن گیا

118 اسکاٹ لینڈ کے مشہور سائنسدان ڈیوڈ لرنگسٹن (David Liringstone) تیرہ سال تک ایک ٹیکسٹائل مل میں کام کرتا رہا، کام کے دوران فیکٹری ہی میں وہ اپنے ساتھ کتاب رکھتا تھا اور کام کے ساتھ ساتھ کتاب پر بھی ایک اچٹتی سی نظر ڈال لیتا تھا۔ ڈیوٹی کے بعد وہ ایک سیکنڈ شفٹ کے اسکول میں پڑھنے چلا جاتا۔ وہاں سے گھر واپس آ کر تھوڑا سا آرام کرتا اور پھر مطالعہ شروع کر دیتا، اس کا مطالعہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک اس کی ماں آ کر اس پر ترس کھاتے ہوئے اس کا چراغ اٹھا کر نہ لے جاتی کہ اس کا بیٹا اب آرام کر لے کیونکہ صبح اسے پھر ڈیوٹی پر جانا ہے۔

جب اس کی عمر 23 سال ہوگئی اور اسے کچھ فرصت ملی تو وہ نہ صرف انگریزی لٹریچر میں عبور حاصل کر چکا تھا بلکہ اس نے بیالوجی میں ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کر لی تھی اور دنیا کے مشہور سائنسدانوں میں اپنا نام بھی ہمیشہ کے لیے درج کروا چکا تھا۔
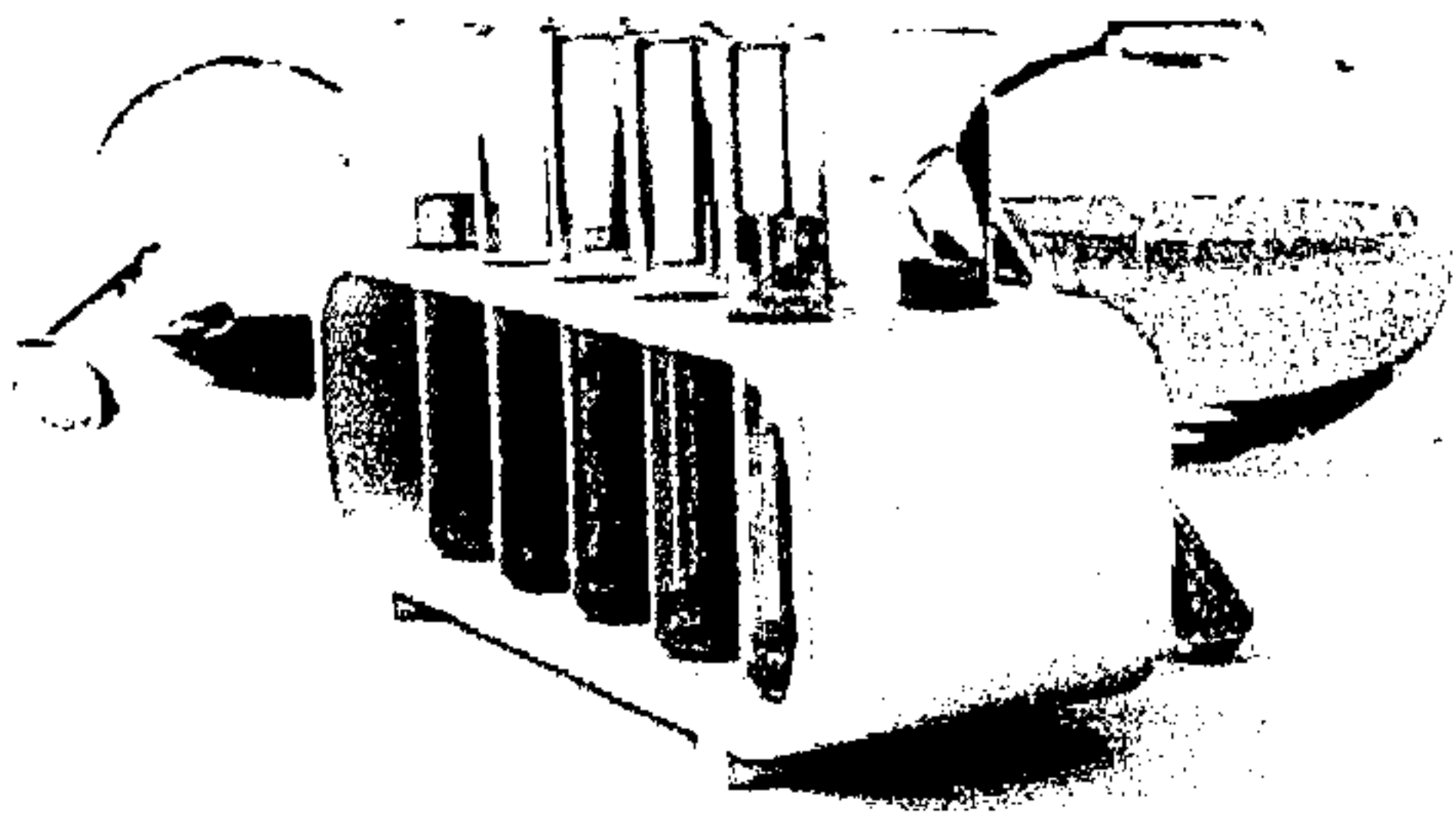
مایوس والدین نے مرحوم بیٹے کے نام پر یونیورسٹی بناڈالی

119 امریکی ریاست بوسٹن کے ایک ریلوے اسٹیشن پر ٹرین آکر رکی جس سے ایک جوڑا اترا، اس نے معمولی حیثیت کے کپڑے پہن رکھے تھے، دونوں میاں بیوی ہاورڈ یونیورسٹی پہنچ گئے اور یونیورسٹی کے سربراہ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر سیکریٹری نے انہیں بتایا کہ پیشگی اجازت کے بغیر یونیورسٹی کے سربراہ سے ملاقات نہیں ہوسکتی اور وہ بہت مصروف ہیں، عورت کہنے لگی ''کوئی بات نہیں ہم انتظار کرلیں گے۔ جب وہ فارغ ہوجائیں تو آپ ہمیں بتادیں ہم صرف تھوڑی دیر کے لیے ان سے ملیں گے'' اس کے بعد پھر دونوں میاں بیوی بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔

سیکریٹری نے بھی انہیں نظرانداز کردیا تھا کہ تنگ آکر خود ہی واپس چلے جائیں گے مگر ایسا کچھ نہ ہوا، کافی دیر گزرنے کے بعد ایک بار پھر دونوں سیکریٹری کے پاس چلے گئے، سیکریٹری نے تنگ آکر یونیورسٹی کے چانسلر سے درخواست کی کہ یہ دونوں میاں بیوی صبح سے آپ سے ملنے کی ضد کررہے ہیں۔ آپ ان کے لئے تھوڑا سا وقت نکال لیں۔

یونیورسٹی سربراہ نے انہیں اپنے دفتر بلالیا، اس کے چہرے سے ناگواری کا واضح اظہار ہورہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے پاس تو اہم اجلاسوں میں شرکت کے لیے وقت نہیں، وہ پرانے بوسیدہ کپڑے پہنے کسی دیہاتی کے لیے وقت کیسے نکال سکتا ہے، دونوں میاں بیوی اس سے ملے اور کہنے لگے کہ ''ہمارا لڑکا اس یونیورسٹی میں طالب علم تھا، وہ ایک حادثہ کا شکار ہوکر فوت ہوگیا، ہم چاہتے ہیں کہ یونیورسٹی کو کچھ عطیہ دیں تاکہ ان کے بیٹے کا نام ہمیشہ کے لیے یونیورسٹی میں زندہ رہ جائے۔''

ان کی اس پیشکش کا یونیورسٹی کے چانسلر نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ وہ انتہائی درشتی سے کہنے لگا کہ "یہ ایک یونیورسٹی ہے کوئی قبرستان نہیں، جہاں ہر مرنے والے کے نام کی ایک تختی لگا دی جائے، اس طرح تو اگر ہر مرنے والے کے نام کی تختی لگتی گئی تو یہ یونیورسٹی یادداشتی تختیوں والا قبرستان نظر آنے لگے گی۔" عورت بولی "ہم صرف تختی نہیں لگوانا چاہتے بلکہ ایک بلڈنگ اور عمارت بنا کر دینا چاہتے ہیں جس پر ہمارے بیٹے کا نام کندہ ہوگا" مگر یونیورسٹی کے سربراہ نے ان کی اس تجویز کا بھی مذاق اڑایا اور ان کے بوسیدہ کپڑوں کو سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد کہنے لگا "تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ یونیورسٹی بنانے پر کتنی رقم صرف ہوئی ہوگی۔ ہم نے اس پر ہزاروں ڈالر خرچ کیے ہیں۔" یاد رہے کہ یہ واقعہ 1884ء کا ہے۔ جب یہ یونیورسٹی بنی ہے۔ یہ سن کر محفل میں خاموشی چھا گئی۔

چانسلر سوچنے لگا کہ اب اس کی ان دیہاتیوں سے جان چھوٹ گئی ہے، اب یہ لوگ ایسی تجویز کو دوبارہ بھول کر بھی خاطر میں نہیں لائیں گے مگر اچانک عورت اپنے خاوند کو متوجہ کر کے کہنے لگی "کیوں نہ ہم نئی یونیورسٹی بنالیں جو مکمل طور پر ہمارے بیٹے اور ہمارے خاندان کے نام کو تادیر تاریخ میں زندہ رکھے گی۔" خاوند نے یہ سن کر اپنا سر اثبات میں ہلا دیا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ ہاورڈ یونیورسٹی سے نکل آئے اور واپس اپنے علاقے کیلیفورنیا چلے گئے۔

انہوں نے اپنے خاندانی نام اسٹینفورڈ پر ایک عظیم یونیورسٹی قائم کر ڈالی ان کا یہ خواب 1884ء میں شرمندہ تعبیر بھی ہوگیا، وہ یونیورسٹی آج بھی نہ صرف مشہور ہے بلکہ لیلنڈ اسٹینفورڈ اور جین اسٹینفورڈ کی کاوش کو زندہ رکھے ہوئے ہے، اس طرح ان کے بیٹے کا نام آج بھی زندہ ہے۔
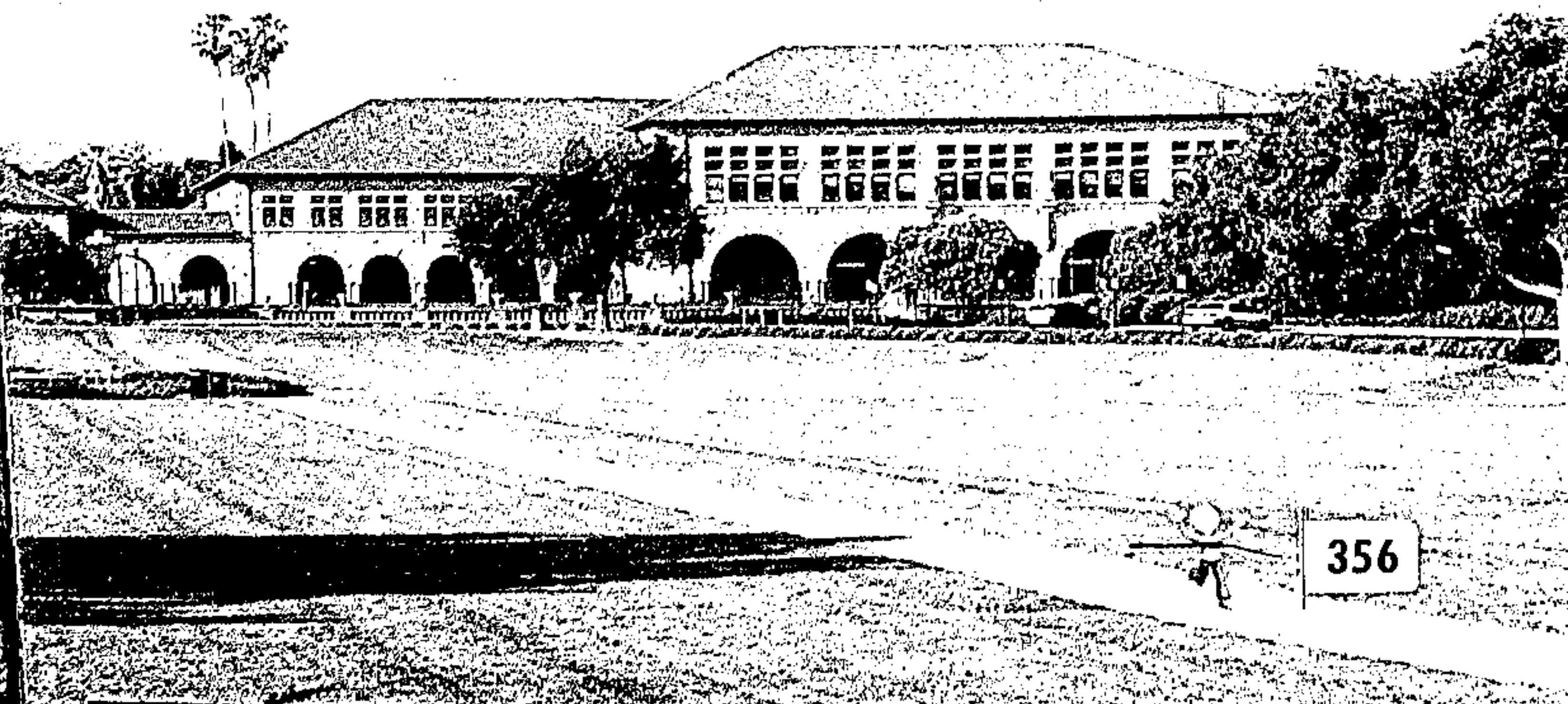
مقصد کے سامنے عمر کچھ بھی نہیں

120 اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ بچپن اور جوانی گزر گئی، اب مشن اور مقصد کا حصول صرف آرزو اور ناممکن ہے تو یہ غلط ہے، بے شمار لوگوں نے بڑھاپے میں عظیم اور روشن کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

سقراط نے موسیقی کا علم 80 سال کی عمر میں حاصل کیا تھا, کولمبس کی عمر امریکہ دریافت کرنے کے پہلے سفر پر روانگی کے وقت 50 سال سے تجاوز کر چکی تھی۔

عظیم اور مشہور شخصیات نیوٹن تھامسن، ایڈیسن، جیفرسن، والیئر (Volaire) 80 سال کے بعد بھی تازہ دم تھے، گلیلیو (Galileo) نے چاند کے بارے میں اپنی تحقیقات 73 برس کی عمر کے بعد بھی جاری رکھیں۔

(Stanford University / سٹینفورڈ یونیورسٹی) کا بیرونی منظر
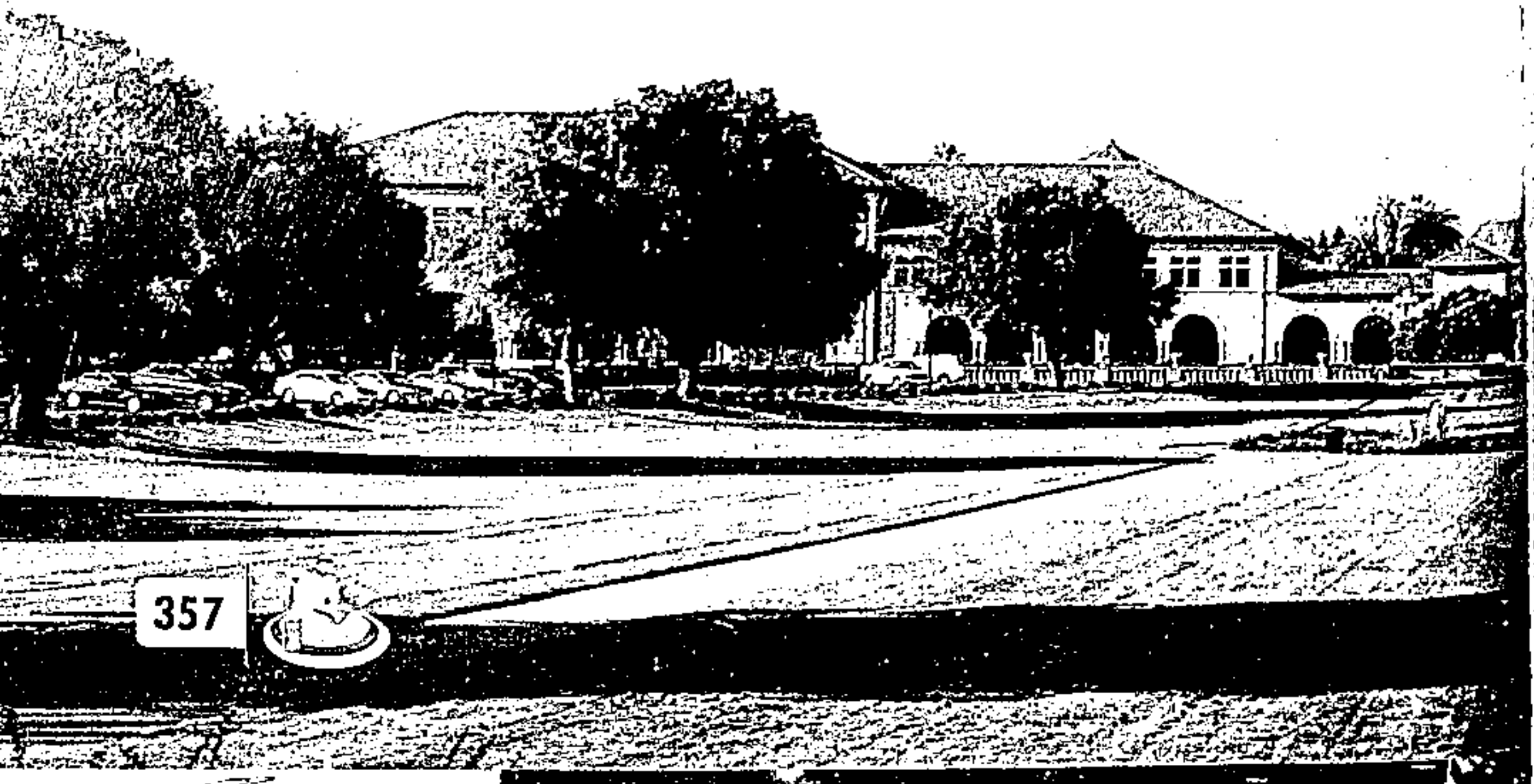
مشن کی تکمیل بغیر قربانیوں کے ناممکن ہے

121 براعظم انٹارکٹیکا سرد ترین علاقہ ہے جہاں دنیا بھر سے زیادہ سرد ترین ہوائیں چلتی رہتی ہیں مگر پینگوئن (Penguin) پرندے وہیں رہتے ہیں، موسم سرما میں جب ہر طرف برف ہی برف ہوتی ہے پھر بھی پینگوئن بڑی بہادری سے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ نر پینگوئن مسلسل چار ماہ تک انڈوں کو اپنے پاؤں پر رکھ کر انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ کر رکھتے ہیں، اگر کچھ دیر کے لیے بھی ان کے انڈے زمین یعنی برف پر گر جائیں تو وہ جم جائیں گے، اس لیے وہ اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی آئندہ نسل کے لیے ایسی عظیم اور بے مثال قربانی دیتے ہیں کہ چار ماہ تک اپنے انڈوں کو زمین پر نہیں گرنے دیتے اور اپنے پاؤں پر رکھ کر پروں سے ڈھانپے رکھتے ہیں اور خود مسلسل چار ماہ تک اسی حالت میں کھڑے رہتے ہیں اور انڈے سہتے رہتے ہیں۔

کیا قربانی اور صبر ہے ان پرندوں میں کہ وہ اپنی اولاد کے لیے کس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں، جب سردیوں کے چار ماہ گزرتے ہیں اور موسم بہار آتا ہے تو ان انڈوں سے بچے اپنے باپ کے قدموں پر ہی نکلتے ہیں، ذرا سوچیے کہ اگر ایک پرندہ یہ کارنامہ انجام دے سکتا ہے تو انسان تو اشرف المخلوقات ہے، یہ اس پرندے سے ہزاروں گنا زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہے پھر یہ مشکل حالات کا مقابلہ کر کے کامیابی کیوں نہیں حاصل کر سکتا۔

نابینا شخص محدث زمانہ کیسے بنا؟

122 باہمت شخص کبھی اپنی خامیوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ ہمیشہ کوشش اور جستجو میں لگا رہتا ہے، وہ اپنی خامی کو اپنے راستے کی رکاوٹ نہیں سمجھتا، حدیث کے مشہور امام عیسیٰ ترمذی جنہوں نے حدیث کی مشہور کتاب ترمذی لکھی ہے نابینا تھے مگر اس کے باوجود وہ امام حدیث بن گئے، ان کی قوت یادداشت مثالی تھی، امام ترمذی خود فرماتے ہیں کہ ایک بار ان کے استاذ نے بطور امتحان کچھ احادیث بیان فرما کر مجھ سے سنانے کا کہا، میں نے فوراً اوّل تا آخر احادیث سنا ڈالیں، اس پر میرے استاد کافی حیران ہوئے اور فرمانے لگے:

مَارَأَیْتُ مِثْلَكَ

''میں نے آپ جیسا ذہین شخص کبھی نہیں دیکھا''

2 حضرت سعید بن المسیب مشہور عالم ہیں بلکہ انہیں علماء کا استاذ (فقیہ الفقہاء) قرار دیا گیا ہے، وہ بھینگے تھے۔ طہٰ حسین مشہور دانشور اور ادیب ہیں، وہ بچپن ہی سے آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے مگر انہوں نے کبھی اپنی معذوری کو آڑے نہیں آنے دیا اور اپنی وفات سے صرف ایک روز قبل اقوام متحدہ سے حقوق انسانی کے لیے خدمات پر 1973ء میں انعام حاصل کیا۔

3 مشہور اندلسی عالم ابن سیدہ نے نابینا ہونے کے باوجود علم لغت پر عبور حاصل کیا تھا۔

4 مشہور فقیہ اور عالم حضرت عطاء بن ابو رباح رحمہ اللہ نہ صرف بھینگے تھے بلکہ لنگڑے بھی تھے۔

5 کمیت بن زید الاسدی معروف اموی شاعر ہیں، وہ سماعت سے محروم تھے۔

6 ماہر طبیعات اور مشہور اٹالین عالم مارکونی کے کان بہت بڑے تھے، اس کی والدہ اسے کہتی تھیں کہ تم ان کانوں کی بدولت ہلکی آواز بھی سن پاؤ گے بالآخر اس نے لاسلکی نظام ایجاد کیا۔

ناکامیوں سے سبق سیکھنے والا زیادہ کامیاب ثابت ہوتا ہے

123 مشہور و معروف کمپنی جنرل موٹرز کا مالک مسٹر موٹرز انتہائی سمجھ دار، ہوشیار اور جہاندیدہ انسان تھا۔ وہ جب بوڑھا ہوگیا تو اس نے اپنی وفات سے قبل اپنی کمپنی کے لیے سربراہ کا انتخاب کرنا چاہا، چنانچہ اس نے اپنی تمام اولادوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے کمپنی کے نئے سربراہ کی ضرورت کا اشتہار شائع کرا دیا جائے۔ اشتہارات شائع ہونے پر مسٹر موٹرز کی فیملی نے کمپنی کی سربراہی کے لیے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جس کا دعویٰ تھا کہ وہ زندگی میں کبھی بھی ناکام نہیں ہوا اور پھر یہ نام مسٹر موٹرز کے سامنے پیش کر دیا مگر حیران کن طور پر مسٹر موٹرز نے اس نام کو نامنظور کر دیا اور کہنے لگا "جس شخص نے زندگی میں کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھا ہو وہ کبھی بھی ایک کمپنی کا کامیاب سربراہ نہیں بن سکتا کیونکہ اسے تو ناکامیوں سے نمٹنے کا تجربہ ہی نہیں۔" اس پر اس کی فیملی نے ایک دوسرے آدمی کا نام پیش کیا جس کا کہنا تھا کہ اس نے اپنی ناکامیوں سے سبق سیکھ کر کامیابیاں حاصل کی ہیں اور اس مقام تک پہنچا ہے۔

مسٹر موٹرز نے اس شخص کو منتخب کرلیا اور اپنی کمپنی کا سربراہ بنا دیا، اس نئے سربراہ کے دور میں جنرل موٹرز کمپنی نے حیرت انگیز طور پر ترقی کی اور دنیا بھر میں اپنے کاروبار کا جال پھیلا دیا اس طرح مسٹر موٹرز کا یہ کہنا درست ثابت ہوا کہ ناکامیوں سے سیکھنے والا آدمی زیادہ کامیاب ثابت ہوتا ہے تو پھر آپ بھی اٹھیں اور ناکامیوں سے سبق حاصل کر کے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیں۔

لوگوں کو بدلنے کے بجائے اپنے اندر تبدیلی لائیں

124 دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک فوجی یونٹ کو اپنا علاقہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کا حکم ملا، جس کی وجہ سے ایک فوجی کی بیوی کو بھی اپنے خاوند کے ساتھ نئے علاقے میں جانا پڑا مگر وہ جلد ہی وہاں جاکر بور ہونے لگی کیونکہ وہاں کا سارا ماحول اس کے لئے نیا تھا، وہاں کوئی اس عورت سے واقف نہیں تھا، اس نے اپنے والد کو خط لکھا کہ ''یہاں میں اکیلی رہ رہ کر بور ہو چکی ہوں، میں کچھ عرصے کے لیے آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں، جب تک کہ اس کے خاوند کا کہیں دوسری جگہ تبادلہ نہیں ہو جاتا۔'' والد نے جوابی خط لکھا کہ ''اگر دوسری جگہ کا بھی یہی ماحول ہوا اور تمہیں پسند نہ آیا تو پھر کیا کرو گی لہٰذا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنا انداز بدلو۔''

باپ کی بات کو سمجھتے ہوئے اس نے وہاں کی عورتوں سے خود ہی تحفے تحائف دے کر جان پہچان بنانی شروع کر دی، کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ وہ علاقے بھر کی چہیتی اور قابل عزت واحترام خاتون بن گئی، ہر ایک اسے اپنی خوشی میں شامل کرنے لگا اور اسے تحفے تحائف دینے لگا، اس کی نہ صرف بوریت ختم ہوگئی بلکہ مریضوں اور دوسرے نادار لوگوں کی مدد کرنے سے اسے عجیب قسم کا سکون بھی ملنے لگا جس سے وہ آج تک محروم تھی۔

فیکٹری ملازم فیکٹری کا صدر کیسے بنا
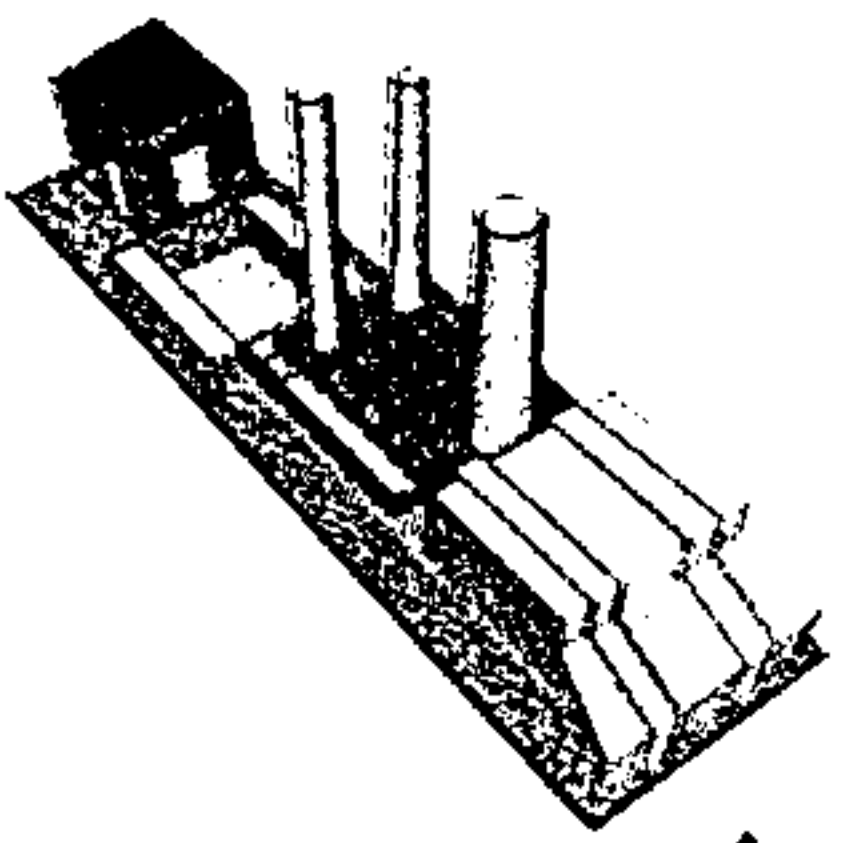
125 سعودی عرب میں مشہور کمپنی آرامکو میں ایک سخت گرم دن میں ایک مزدور دن بھر کے سخت کام کے بعد تھکا ہارا آفیسرز اسٹاف روم میں پہنچا اور وہاں رکھے گئے ٹھنڈے پانی سے گلاس بھر کر پینے ہی لگا تھا کہ ایک امریکی انجینئر وہاں آ گیا، اس کے چہرے سے نفرت ٹپک رہی تھی، وہ اس مزدور سے کہنے لگا۔

أَنْتَ عَامِلٌ وَلَا يَحِقُّ لَكَ الشُّرْبُ مِنَ الْخَدَمَاتِ الْخَاصَّةِ بِالْمُهَنْدِسِيْنَ

"تم ایک معمولی ورکر اور مزدور ہو، تمہیں انجینئرز کے لیے رکھے گئے پانی سے پینے کا کوئی حق نہیں"
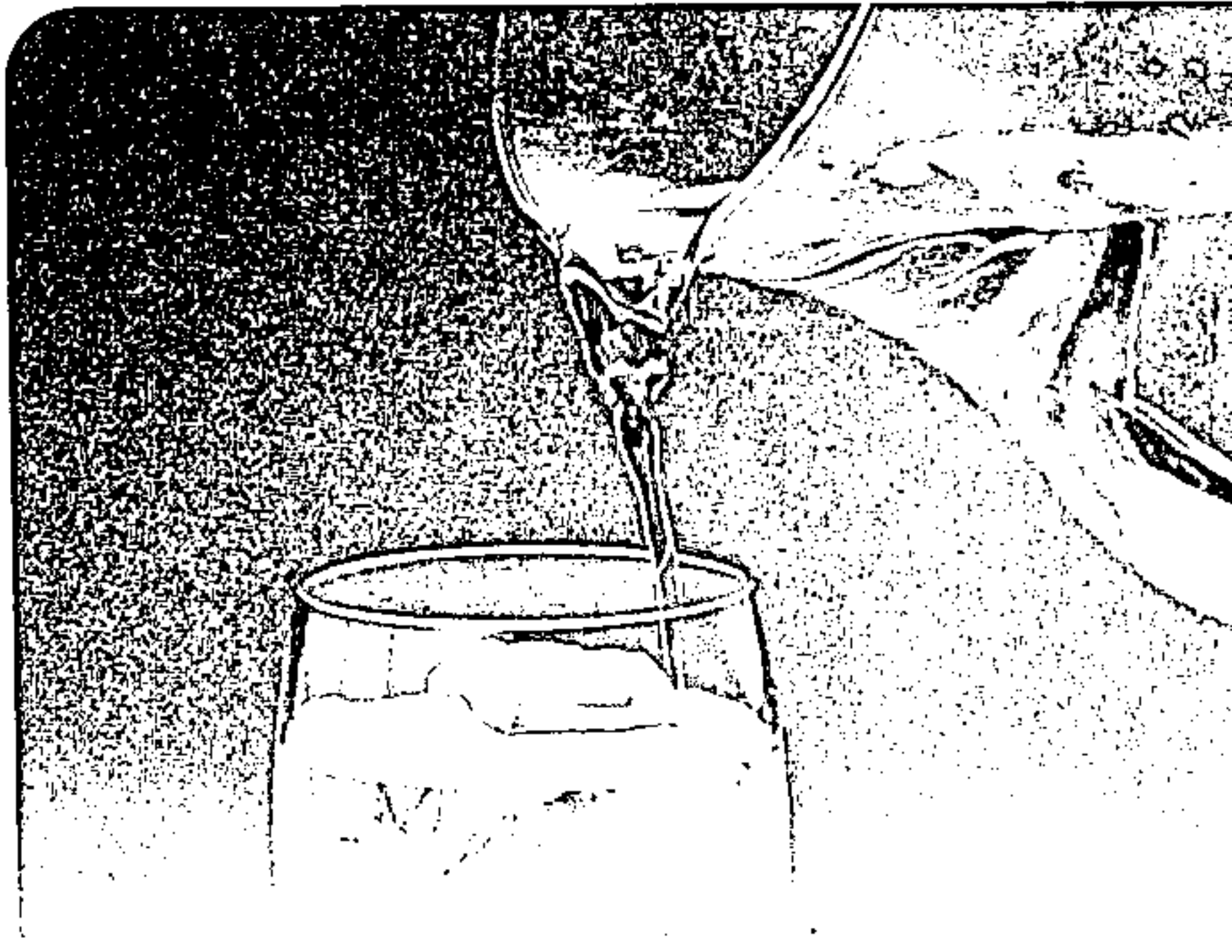
یہ سنتے ہی یہ مزدور اٹھ کھڑا ہوا اور پانی وہیں چھوڑ دیا، اسے دن بھر دھوپ میں کام کر کے شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ میں بھی ایک انجینئر بن جاؤں تا کہ یہ ٹھنڈا اور خاص پانی میں بھی پی سکوں اور پھر اس نے وہاں کھڑے کھڑے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے میں نے ایک دن انجینئر بننا ہے۔

اس سعودی شخص نے خدا پر توکل کر کے کام کے ساتھ ساتھ تعلیم شروع کر دی، اس نے شام کے اوقات کے تعلیمی اداروں اور اکیڈمیوں میں داخلہ لے لیا اور اپنی پڑھائی شروع کر دی، سخت جدوجہد کے بعد اس نے ثانویہ (میٹرک) کا امتحان پاس کر لیا، اس کے بعد اس نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر امریکہ جانے کے لیے کمپنی سے چھٹی لے لی، امریکا جا کر اس نے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے دن رات ایک کر دیا۔

اسے اپنے تعلیمی اور دیگر اخراجات پورے کرنے کے لیے جز وقتی طور پر ہوٹلوں میں بھی کام کرنا پڑتا تھا مگر اس نے ہمت نہ ہاری، آخر کار اس کی محنت رنگ لے آئی اور انجینئرنگ کی ڈگری لینے میں کامیاب ہوگیا، اس نے وطن واپس آکر دوبارہ اسی کمپنی میں کام شروع کر دیا اور اس نے خوب محنت سے کام کیا، کچھ ہی عرصہ بعد اسے اس کے گروپ کا انچارج بنا دیا گیا، پھر رفتہ رفتہ پورے شعبہ کا سربراہ بن گیا، اس نے محنت، ایمانداری اور خلوص سے کام کیا جس کی وجہ سے وہ کمپنی کی نظر میں ایک مخلص اور ایماندار افسر شمار ہونے لگا، جلد ہی اسے اس یونٹ کا سربراہ بنا دیا۔ اس نے پورے ضلع کو پیداوار کی سپلائی کا کام اس خوش اسلوبی اور احسن طریقے سے سرانجام دیا کہ چند ہی سالوں میں اس پوری ملٹی نیشنل کمپنی کا نائب صدر بن گیا۔

ایک دن جب یہ اس یونٹ کے معائنے کے لیے آیا تو وہی امریکی انجینئر جس نے اسے آفیسر اسٹاف روم سے پانی پینے سے منع کیا تھا آکر اس سے معذرت معافی مانگنے لگا مگر اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ "تم نے میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا تھا، میری اس ترقی کا سبب اور ذریعہ بھی تم بنے ہو، اگر تم مجھے اس وقت ٹھنڈا پانی پینے دیتے تو شاید عام دنوں کی طرح میں اس دن کو گزار لیتا اور اس کے بعد آنے والے دن بھی یونہی گزر جاتے مگر تم نے تو مجھے اس کمپنی کا نائب صدر بننے کا راستہ دکھایا ہے۔" اس کے بعد اس نے اپنی ایک آئل کمپنی بنالی، جس نے جلد ہی خوب ترقی کی، اس چیز کو دیکھتے ہوئے بالآخر سعودی حکومت نے اسے وزیر بھی بنا دیا۔ اگر اس دن وہ امریکی انجینئر کے رویے کی وجہ سے انجینئر بننے کا فیصلہ نہ کرتا تو کبھی بھی وزیر کے عہدے تک نہ پہنچ پاتا۔
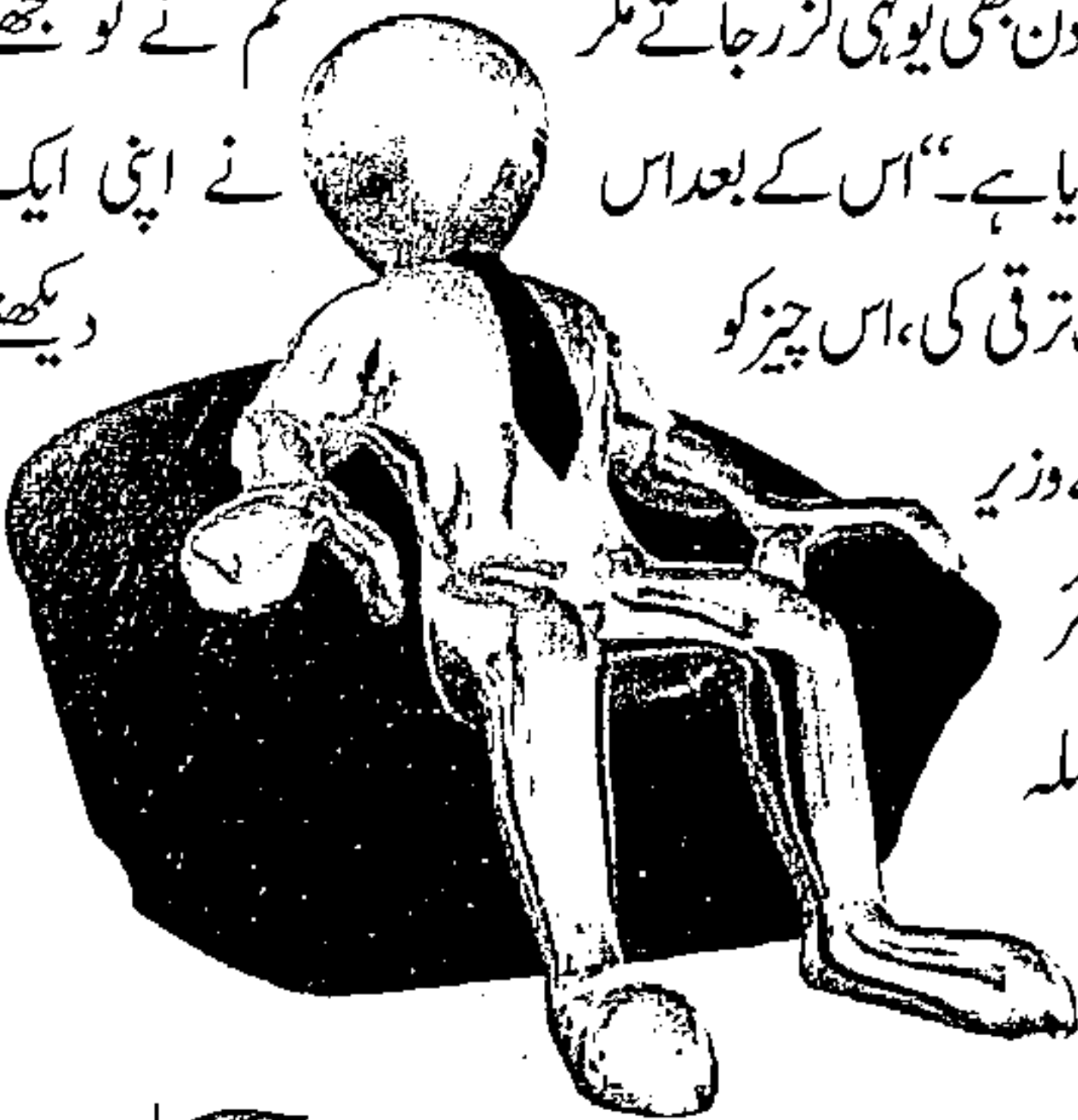
ناقابل حل سوال کا جواب ڈھونڈنے والا نوجوان

126 امریکی ریاست کولمبیا کی ایک یونیورسٹی میں ریاضی کے ایک پروفیسر کا لیکچر جاری تھا، تمام طلبہ بڑے انہماک سے اس پروفیسر کا لیکچر سن رہے تھے مگر ایک طالبعلم کو لیکچر کے دوران نیند آ گئی اور وہ پچھلی سیٹوں پر جا کر سر نیچے کر کے سو گیا۔ لیکچر ختم ہونے پر طلبہ کے اٹھنے اور کلاس سے باہر جانے کے شور کی وجہ سے یہ طالبعلم بھی جاگ اٹھا، اس نے دیکھا کہ پروفیسر صاحب نے بورڈ پر دو سوال لکھے ہیں" اس نے جلدی سے وہ دونوں سوال نقل کیے اور گھر چلا گیا۔ گھر جا کر وہ ان سوالوں کو حل کرنے لگا مگر مشکل ہونے کی وجہ سے سوال حل نہ ہو سکے۔ وہ طالبعلم یونیورسٹی کی لائبریری میں چلا گیا جہاں لگا تار چار دن کی مسلسل کوشش کے بعد اسے صرف ایک سوال حل کرنے میں کامیابی ہوئی، وہ پریشان تھا کہ پروفیسر صاحب نے انتہائی مشکل ہوم ورک دیا ہے۔

اگلے ہفتے کے لیکچر کے بعد جب پروفیسر صاحب نے ہوم ورک کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھا تو یہ طالبعلم خود پروفیسر صاحب کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ" آپ نے اپنا دیا ہوا ہوم ورک تو چیک ہی نہیں کیا، میں نے بڑی مشکل سے چار دن کی محنت کے بعد صرف ایک سوال حل کر کے لایا ہوں۔" یہ سن کر پروفیسر صاحب بھی حیران رہ گئے اور کہنے لگے" میں نے تو کوئی ہوم ورک دیا ہی نہیں تھا۔" طالبعلم کہنے لگا" آپ نے بلیک بورڈ پر جو دو سوال لکھے تھے۔"

پروفیسر صاحب کہنے لگے" وہ تو میں نے ان دو سوالات کی نشاندہی کی تھی جو انتہائی مشکل ہیں اور ان کا حل کسی کو نہیں آتا، یہ سوال تو مجھے بھی نہیں آتے، میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ ان سوالوں کو حل نہیں کیا جا سکتا مگر کمال ہے کہ تم نے ان میں سے ایک سوال صرف چار دن میں حل کر لیا ہے۔" پھر اس طالبعلم کا حل کردہ جواب یونیورسٹی کے ریکارڈ کا حصہ بنا دیا گیا۔

اس واقعہ سے عام انسانی نفسیات کا اندازہ ہوتا ہے جسے حرف عام میں بھیڑ چال کہا جاتا ہے، ایک یا دو آدمی کوئی بات کہہ دیں کہ یہ کام تو مشکل ہے تو باقی بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ دنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں جو ناممکن ہو۔
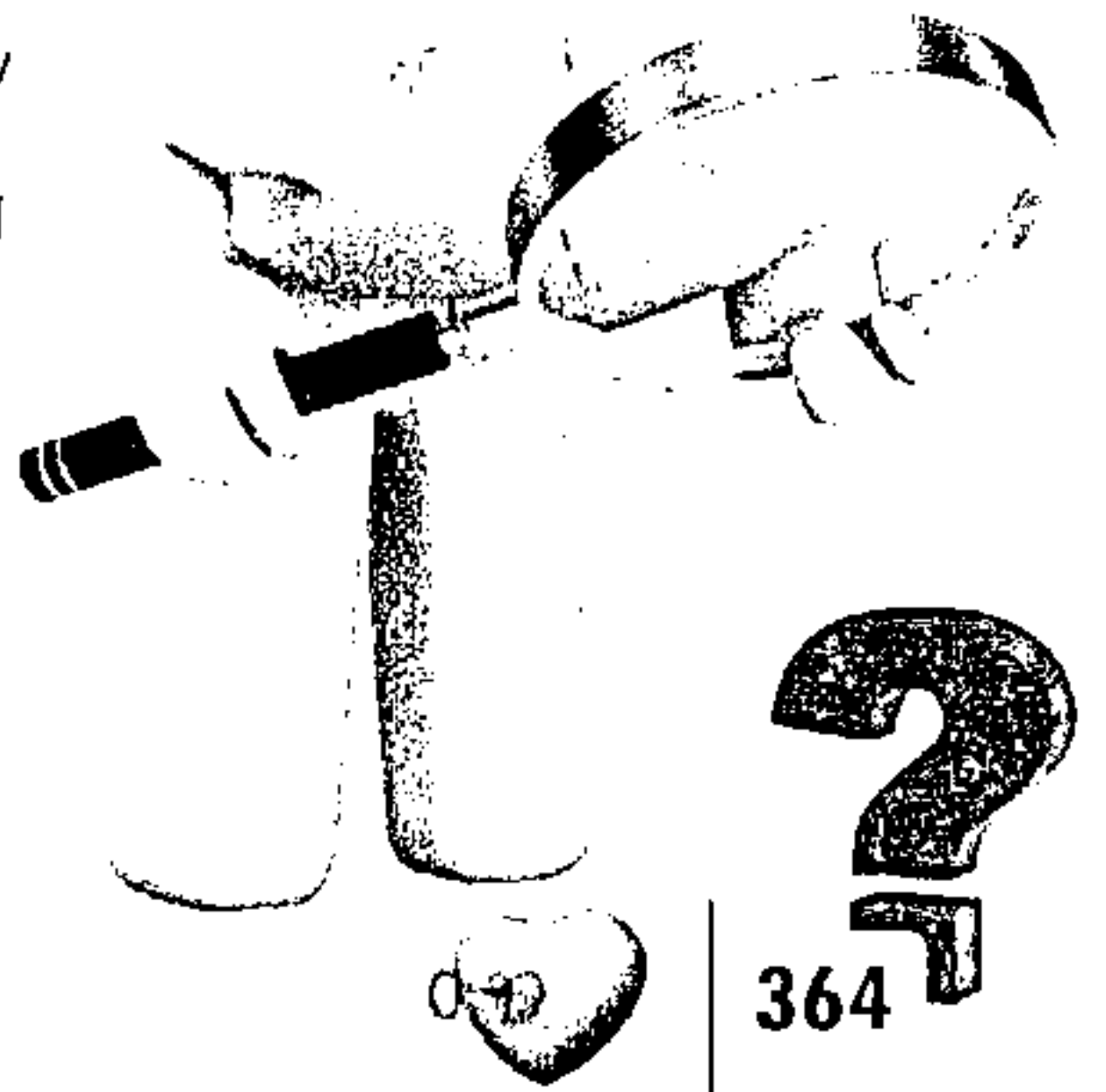
ناممکن کو اپنی ڈکشنری سے نکالئے

127 کسی بھی میدان میں کسی بھی انسان کی پہلی سیڑھی اور زینہ یہ جملہ ہے کہ میں یہ کام بھی کرسکتا ہوں، اس کے ساتھ صرف ایک لفظ ''نہیں'' لگانے سے ناکامی کا وسیع وعریض صحراء سامنے آجاتا ہے، جسے کم ازکم اس زندگی میں تو عبور نہیں کیا جاسکتا۔ مگر دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جنہوں نے ناممکن کو ممکن کردکھایا اور ان چیزوں کو ناممکن قرار دینے والے چند گنتی کے افراد نہیں تھے بلکہ ایک اجتماعی اور متفقہ فیصلہ تھا، ذرا درج ذیل فیصلے پڑھئے۔

1830ء تک یہ نظریہ تھا کہ 30 میل فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار سے سفر کرنے پر دم گھٹنے لگتا ہے۔

1901ء تک یہ نظریہ عام تھا کہ انسان کا کسی بھی آلے کے ذریعے پرندوں کی طرح اڑنا ناممکن ہے۔

1926ء تک یہ نظریہ موجود تھا کہ چاند پر پہنچنے کا خیال ایک احمقانہ سوچ ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے۔

اگر سائنسدان بھی ان نظریوں ہی کو تسلیم کرلیتے تو آج ہم تمام جدید ایجادات سے محروم ہوتے مگر انہوں نے کسی بھی ناممکن کو ناممکن تصور ہی نہیں کیا، ساری دنیا ایک طرف اور دوسری طرف انہوں نے اپنی محنت اور مستقل جدوجہد سے کامیابی حاصل کی اور پوری دنیا تک اس کے ثمرات پہنچائے۔ اس لیے دورِ حاضر کے انسان کی کامیابی کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی ڈکشنری اور لغت سے ''ناممکن'' اور ''میں نہیں کرسکتا'' کے الفاظ نکال دے۔

چوکیدار امریکہ کی مشہور شخصیت کیسے بنا؟

128 انتھونی رابنس (Anthony Robins) امریکی مصنف، اداکار اور ایک پروفیشنل مقرر ہے، اس کی دو کتابوں کو دنیا کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی (Best Seller) کتابوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ایک کتاب کا نام Unlimited Power لامحدود طاقت اور دوسری کتاب کا نام (Awaken the Gaint Within) اپنی خفیہ طاقت کو جگاؤ ہے، اس کے علاوہ اس نے متعدد دیگر کتابیں بھی لکھی ہیں اور بے شمار ٹی وی پروگرام بھی کیئے ہیں، بڑے لوگوں کو کامیاب زندگی گزارنے کے طور طریقے سکھانے میں اسے کافی مہارت اور شہرت حاصل کی تھی لیکن اگر اس کی ذاتی زندگی کا جائزہ لیں تو حیران کن صورتحال سامنے آتی ہے جس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

انتھونی رابنس کی ابتدائی زندگی انتہائی مشکلات کا شکار رہی، صرف سات سال کی عمر میں اس کے والدین میں علیحدگی ہوگئی جس کی وجہ سے اسے مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور پھر اسے ایک بلڈنگ کی چوکیداری کی ملازمت اختیار کرنا پڑی، اسے ہم عمر لڑکوں کے طعنے بھی برداشت کرنا پڑے، جوانی کے آغاز ہی میں اس پر انکشاف ہوا کہ اس کے جسم میں ٹیومر ہے، اسے روزانہ یہ بھی فکر رہتی تھی کہ کیا وہ اپنی خستہ پرانی کار پر ڈیوٹی پر پہنچ سکے گا یا معمول کے مطابق وہ راستے میں ہی خراب ہوجائے گی، یا اسٹارٹ ہی نہ ہوگی۔

کوئی شخص اس کی مدد کرنے کو تیار نہیں تھا جبکہ اسے مختلف رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، یہ مشکلات اس حد تک بڑھ گئیں کہ ایک دفعہ تو اس نے خودکشی کا مصمم ارادہ کرلیا تھا مگر عین موقع پر وہ سوچنے لگا کہ ایک انسان اپنے مضبوط عمل اور مسلسل جدوجہد سے دنیا کو بدل سکتا ہے تو خود کو کیوں نہیں بدل سکتا، بس یہیں سے اس کی زندگی کا مقصد تبدیل ہوگیا اور پھر اس نے اپنی زندگی کی کچھ خواہشوں اور آرزوؤں کی ایک لسٹ بنالی جیسے کہ اس کا ایک عالی شان مکان کسی امریکی ساحل پر ہو، اس کے آس پاس ایک عمدہ کار ہو وغیرہ وغیرہ۔

پھر اس نے اپنے ان اہداف کا ایک ٹائم فریم بھی مقرر کرلیا کہ فلاں کام اتنے عرصہ کے اندر مکمل کرنا ہے، فلاں کام دو سال میں، فلاں کام پانچ سال میں اور فلاں کام دس سال میں مکمل کرنا ہے، پھر اس نے اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور حیرت انگیز طور پر اس نے تمام اہداف اپنے مقررہ وقت سے پہلے حاصل کرلیے۔

اب اس کا امریکہ میں کاروباری، تجارتی اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی مشکلات کے حل کے لیے ایک مشاورتی دفتر (Consultation Office) ہے اس کے علاوہ اس کا ذاتی جہاز ہے، وہ امریکہ کی ایک مشہور شخصیت بن چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک بار ایک اسی قسم کے ایک مشاورتی پروگرام میں شرکت کے لیے بذریعہ جہاز جانا پڑا، اس نے فضاء سے جائزہ لیا تو اسے سڑکوں پر شدید رش نظر آیا جس کی وجہ سے اسے خیال پیدا ہوا کہ اس رش کی وجہ سے اس کے پروگرام میں شریک ہونے کے خواہشمند لوگ شامل نہیں ہوسکیں گے لیکن جب وہ پروگرام میں پہنچا تو پتہ چلا کہ یہ رش صرف اس کے پروگرام میں شرکت کرنے والے لوگوں کا ہی تھا۔

انتھونی رابنس اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ''میں اپنے لیے ہمیشہ چھوٹے کام ہوں یا بڑے کام ان کا ہدف اور ٹائم مقرر کر لیتا ہوں، پھر انہیں واضح چارٹ کی صورت میں اپنے کمرے کی دیوار اور میز پر آویزاں کر دیتا ہوں اور میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ ہر مقررہ ہدف اپنے وقت سے پہلے مکمل کر لیا جائے اور اس کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہوں۔

اس طریقے سے میں نے اپنے تمام اہداف حاصل کر لیے ہیں۔''

اگر آپ بھی کامیابی چاہتے ہیں تو یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ آپ بھی پہلے اہداف مقرر کریں کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں اور کیا بننا چاہتے ہیں۔ ہر ہدف کا ایک وقت مقرر کر لیں پھر اس مقررہ ہدف کے الگ الگ حصے بنا کر ان سب کا الگ الگ ٹائم فریم بنا لیں اور روزانہ اپنے ان اہداف کی رفتار کا جائزہ لیتے رہیں، یہ ٹائم فریم بالکل نمایاں اور واضح جگہ پر آویزاں ہونا چاہیے، جہاں ہر وقت نظر پڑتی رہے، روزانہ ان مطلوبہ اہداف کو دہرانا اور ہر دن نئے عزم اور حوصلے اور ولولے سے روٹین کا کام نمٹائے بغیر چین سے نہ بیٹھیں۔

اپنے کسی بھی ہدف کو مشکل نہ سمجھیں ورنہ آپ شکست کھا جائیں گے۔ آپ یہ بھی سوچتے رہیں کہ انتھونی رابنس محض ایک چوکیدار تھا جس کا سب لوگ تمسخر اڑایا کرتے تھے، لیکن اس نے تمام باتوں کو نظرانداز کر کے اپنا مقصد پالیا، اہداف مقرر کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رہے کہ کوئی ایسا ہدف نہ بنائیں جو آپ کی قدرت اور صلاحیت سے ہی باہر ہو۔
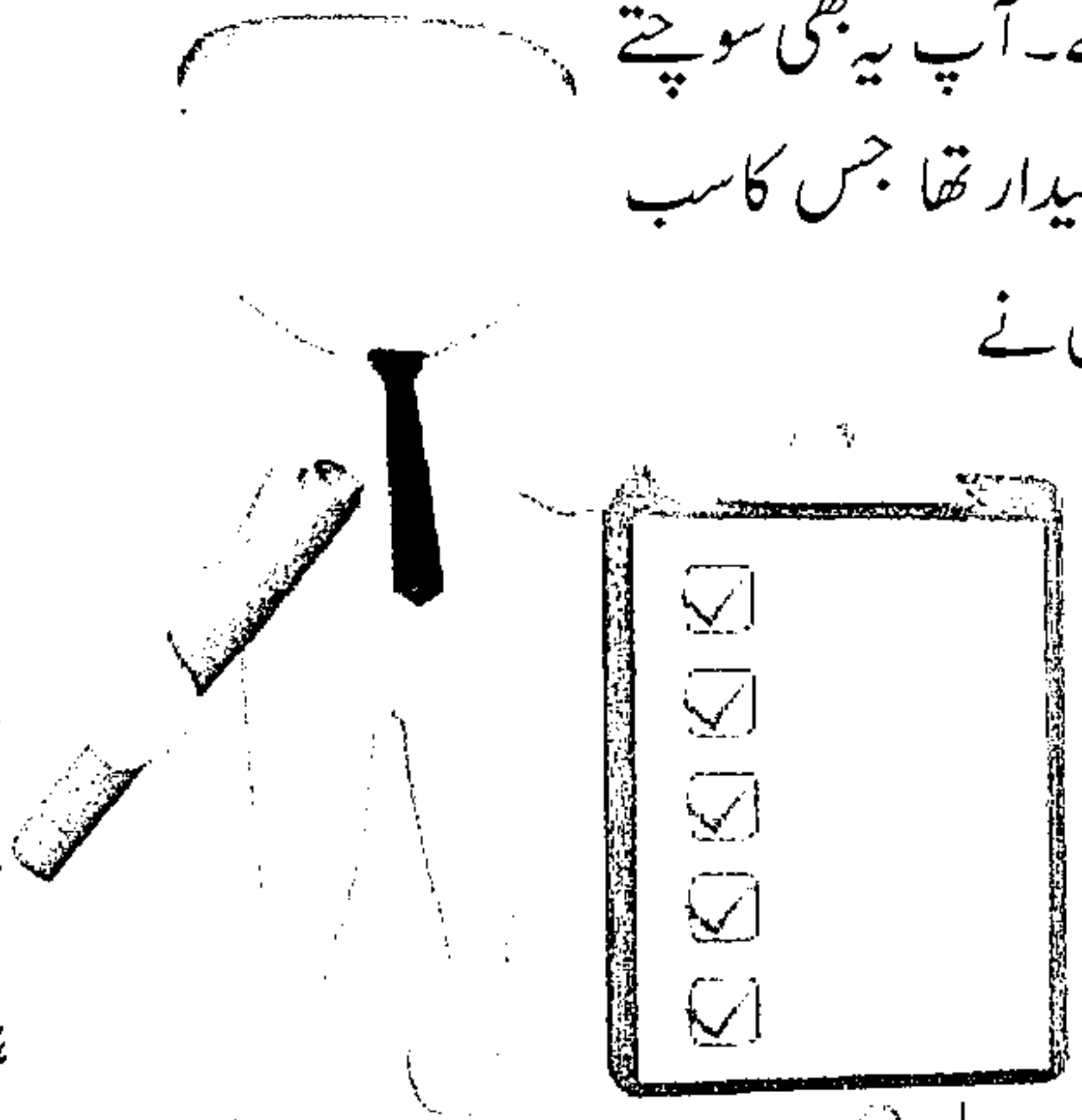
قلم کو پکڑ نہیں سکتا تھا پھر بھی وہ نامور پینٹر بن گیا

129 مشہور فرانسیسی پینٹر اگسٹ رینائر (Auguste Renoir) دنیا کا مشہور ترین پینٹر ہے حالانکہ اسے جوڑوں کے درد کے علاوہ ہڈیوں اور جلد کی متعدد بیماریاں لاحق ہو چکی تھیں۔ اور وہ اپنے ہاتھ میں قلم نہیں پکڑ سکتا تھا نہ ہی وہ چل پھر سکتا تھا۔ وہ وہیل چیئر پر کام کرتا اس نے قلم کو اپنے ہاتھ سے باندھ کر اپنی مشہور زمانہ پینٹنگ بنائیں جو اس وقت نہ صرف فرانس میں ہیں بلکہ اٹلی، اسپین اور امریکہ کے میوزیم کی بھی زینت بنی ہوئی ہیں۔ اگر یہ اگسٹ رینائر نے جسمانی طور پر معذور ہو کر بھی قلم نہیں چھوڑا، جب اس کی انگلیوں میں طاقت باقی نہ رہی تو اس نے قلم کو اپنے ہاتھ سے باندھ لیا آپ کی انگلیوں میں بھی جب طاقت نہ رہے تو اپنے بازوؤں کو آزمائیں اور سر دھڑ کی بازی لگائیں۔

تیز ترین قیمتی گھوڑا

130 امریکہ میں گھوڑوں کی ریس میں ایک گھوڑے نے چند منٹ میں نہ صرف مقابلہ جیت کر دنیا کے تیز ترین گھوڑے کا خطاب حاصل کیا بلکہ ایک ملین (دس لاکھ) ڈالر کا انعام بھی حاصل کرلیا۔ دوسرے نمبر پر آنے والے گھوڑے نے 50 ہزار ڈالر کا انعام حاصل کیا، ان دونوں کے درمیان صرف ایک انچ فاصلے کا فرق تھا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں یہ گھوڑا اتفاقاً ریس جیت گیا نہیں ہرگز نہیں، اس کے پیچھے مہینوں نہیں بلکہ اس گھوڑے کے مالک کی سالوں کی محنت اور جدوجہد، کا عمل دخل ہے، تب جاکر یہ گھوڑا نہ صرف تیز ترین گھوڑے کا خطاب حاصل کر پایا بلکہ اس نے اپنے مالک کو ایک ملین ڈالر بھی کما کر دیئے۔

اس گھوڑے کی اپنی قیمت دو ملین ڈالر طے پائی حالانکہ اس رقم سے تو سینکڑوں گھوڑے خریدے جاسکتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس گھوڑے کی قیمت اتنی زیادہ کیوں ہوگئی؟ کیا یہ سینکڑوں گھوڑوں کی کل رفتار سے زیادہ تیز دوڑتا ہے ایسا قطعاً نہیں، یہ تو بالکل ناممکن اور محال ہے بلکہ اس گھوڑے کی رفتار یقینی طور پر نہ صرف 50 گھوڑوں کی مجموعی رفتار سے بھی کم ہے بلکہ دو گھوڑوں کی بھی مجموعی رفتار اس سے کہیں زیادہ ہوگی پھر آخر فرق کیا ہوا۔؟

اس کی قیمت کیوں سینکڑوں گھوڑوں سے زیادہ بڑھ گئی، اس کی صرف اور صرف ایک ہی وجہ ہے کہ اس کی جدوجہد، محنت اور حوصلہ ان تمام گھوڑوں سے زیادہ تھا، اسی طرح اگر آپ بھی اپنی قیمت سینکڑوں یا ہزاروں انسانوں سے زیادہ کرنا چاہتے ہیں تو اسی تناسب سے محنت اور جدوجہد کو بھی بڑھانا ہوگا۔ آپ محنت تو بالکل نہ کریں اور سوچیں کہ میں اعلیٰ مقام نمایاں پوزیشن حاصل کرلوں اور ترقی پالوں تو ایسا قطعاً ممکن نہیں۔

چھوٹے سے بچے کا صدر امریکہ بننے کا خواب

131 امریکہ کے ایک اسکول میں ٹیچر نے بچوں سے پوچھا کہ "آپ بڑے ہو کر کیا بننا پسند کرو گے۔" ہر ایک نے اپنی پسند کا جواب دیا، کسی نے ڈاکٹر، کسی نے انجینئر، کسی نے پائلٹ اور کسی نے پروفیسر اور استاد بننا پسند کیا مگر ایک بچہ بالکل خاموش رہا، ٹیچر نے اس سے پوچھا کہ "آپ بولے نہیں آپ بھی بتائیں۔" وہ بچہ بولا کہ "میں بڑا ہو کر امریکہ کا صدر بنوں گا۔" یہ سن کر کلاس کے تمام بچے ہنس پڑے بلکہ استاد صاحب بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے، مگر پھر کیا ہوا، اس بچے کا یہ خواب پورا ہوا یا ادھورا رہا۔

جی بالکل پورا ہوا مگر ایک بار نہیں دو بار یہ بچہ امریکہ کا صدر بنا، اس بچے کا نام بل کلنٹن تھا۔ بڑے آدمی ہمیشہ بڑے خواب جبکہ چھوٹے آدمی چھوٹے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ آپ بھی بڑے خواب دیکھیں اور پھر ان کو پورا کرنے کے لئے محنت میں جت جائیں۔
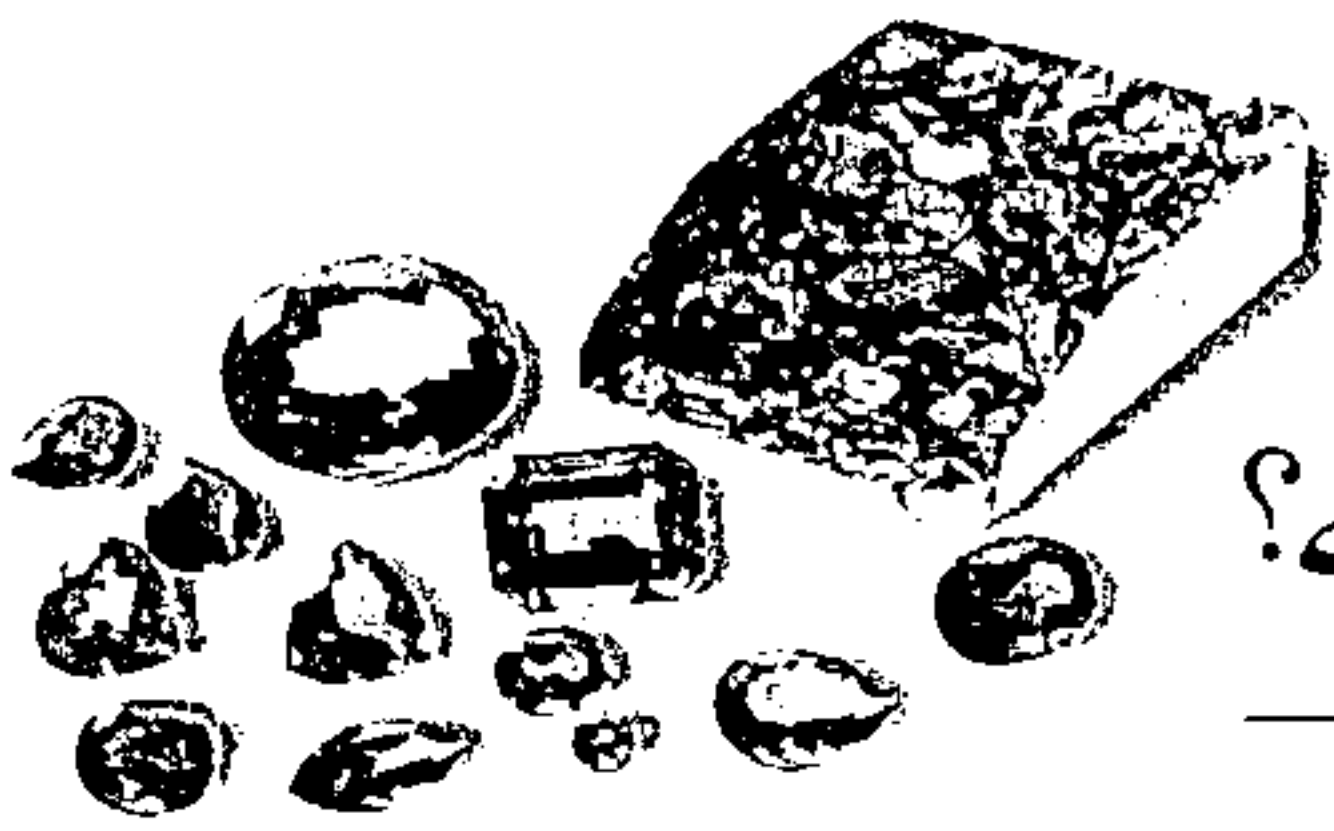
کیا آپ کو اپنی دولت کا اندازہ ہے؟

132 1948ء میں ماہرین ارضیات کی ایک ٹیم الماس اور دیگر قیمتی پتھروں کی تلاش کے لیے افریقہ گئی، اس ٹیم میں موجود ایک ماہر جیالوجسٹ کا تعلق جاپان سے تھا، جس کا نام یوکی تھا۔ یوکی کی عمر تقریباً 35 برس تھی۔ وہ روزانہ پانچ بجے اٹھتا اور الماس اور دیگر قیمتی پتھروں کی تلاش میں نکل جاتا، رات تقریباً دس بجے کے لگ بھگ وہ اپنے ہوٹل واپس لوٹتا۔

دو ہفتے تک وہ قیمتی پتھر تلاش کرتا رہا مگر اسے ناکامی ہوئی بالآخر اس نے وطن واپسی کا پروگرام بنالیا۔ اس کی ساری محنت ضائع ہو چکی تھی، اس لئے وہ آخری دن شام پانچ بجے ہی واپس ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے ایک بچہ ملا، اس کے ہاتھ میں ایک عجیب قسم کا پتھر نظر آیا، اس نے اس بچے سے کہا کہ ''میں تمہیں چاکلیٹ اور ٹافیاں دیتا ہوں، تم مجھے یہ پتھر دے دو۔'' بچے نے خوشی خوشی وہ پتھر یوکی کے حوالے کر دیا۔ ہوٹل میں پہنچ کر یوکی نے کسوٹی کے ذریعے جب پتھر کو چیک کیا تو اسے پہلے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، اس نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ اسے چیک کیا تو پتہ چلا کہ یہ الماس پتھر ہے۔

اتنا بڑا الماس پتھر یوکی نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا تھا اور اس کی قیمت دس ملین ڈالر سے بھی زیادہ تھی مگر اس بچے نے صرف چند چاکلیٹوں کے عوض پتھر یوکی کے حوالے کر دیا تھا کیونکہ اسے اس کی قیمت کا اندازہ نہیں تھا، اگر بچے کو اس پتھر کی قیمت معلوم ہو جاتی تو نہ صرف اس کی بلکہ اس کے سارے خاندان کی زندگی بھر کے لئے کافی تھا۔ اسی طرح ہمارے اندر بھی خدا تعالیٰ نے لامحدود قیمتی الماس رکھ دیئے ہیں مگر ہمیں ان کا احساس نہیں اور ہم انہیں کھیل کود، آوارہ گردی یا پھر نیند میں ضائع کر دیتے ہیں۔

معمولی ملازم 10 ہوٹلوں کا مالک کیسے بنا؟

133 مجھے میری فیکٹری کے مالک نے بتایا کہ آپ کو کئی ماہ کا ایڈوانس دینا ناممکن ہے، اس کا یہ فیصلہ مجھ پر بجلی بن کر گرا کیونکہ میں نے اس سے درخواست کی تھی کہ مجھے صرف چھ ماہ کی تنخواہ ایڈوانس دیدے اور پھر دو سال میں اس کی قسطیں میری تنخواہ سے کاٹ لے۔ میرا پروگرام تھا کہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر ایک چھوٹا سا ہوٹل کھول لیتا ہوں جہاں صرف ایک وقت فاسٹ فوڈ آئٹم رکھ دوں گا تا کہ میرے گھریلو اخراجات پورے کرنے میں آسانی پیدا ہو مگر فیکٹری مالک کے انکار سے میرا سارے کا سارا پروگرام دھرا رہ گیا۔

میرے خواب بکھر چکے تھے، مجھے یاد نہیں کہ میں گھر واپس کب پہنچا اور کیسے پہنچا میں سیدھا جا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا، میری ایک سالہ بچی گھسٹتی ہوئی میرے پاس آئی کہ میں اسے اٹھا کر روزانہ کی طرح اپنے گلے لگاؤں مگر آج وہ اپنے ہاتھ میرے طرف اٹھاتی رہی اور بابا، بابا کہتی رہی مگر میں اپنا سر تکیے کے نیچے دے کر لیٹ گیا، بیوی بھی آ کر پوچھتی رہی کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے مگر میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی میں نے کھانا کھایا۔
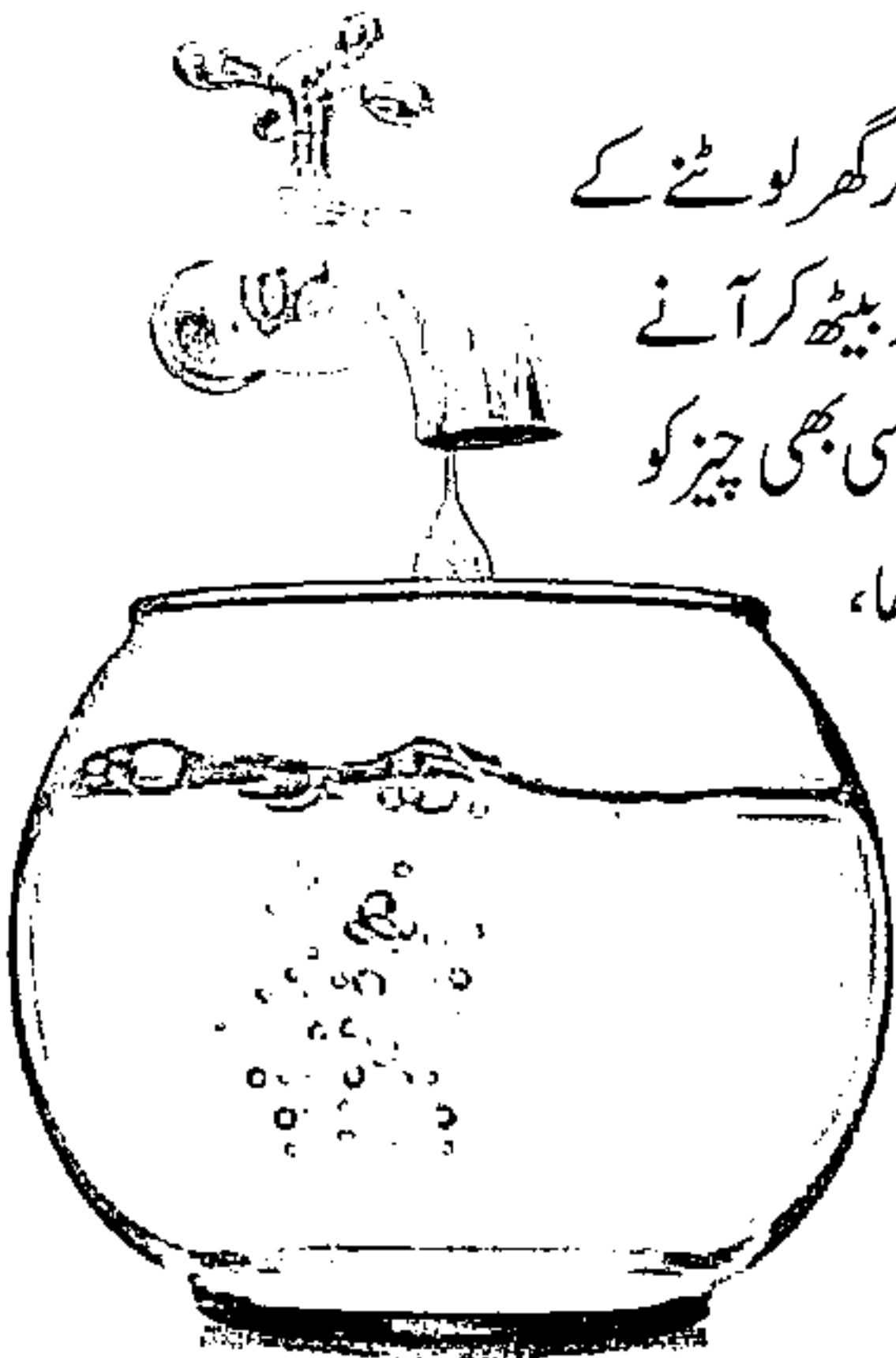
عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، مسجد میں نماز پڑھ کر گھر لوٹنے کے بجائے قریبی پارک میں چلا گیا وہاں ایک کرسی پر بیٹھ کر آنے جانے والوں کو دیکھنے لگ گیا مگر حقیقت میں میں کسی بھی چیز کو نہیں دیکھ رہا تھا، میں تو اپنی سوچوں میں گم تھا، اچانک میری نظر باغ میں موجود ایک چھوٹے سے بچے پر پڑی جس کی عمر بمشکل سات سال ہوگی، اس کے پاس پلاسٹک کا ایک برتن سا تھا جسے اس نے باغ میں موجود نلکے کے نیچے رکھ دیا نلکے سے قطرہ قطرہ پانی بہہ رہا تھا۔

وہ اسے نلکے کے نیچے رکھ کر بیٹھ گیا، کافی دیر بعد جب یہ برتن بھر گیا تو اسے لے جا کر ایک جگہ مٹی پر بہا کر آ گیا اور پھر برتن پانی کے نلکے کے نیچے دوبارہ رکھ دیا، مجھے حیرانی ہو رہی تھی کہ اتنا طویل اور صبر آزما انتظار وہ کس خوش اسلوبی سے کر رہا تھا وہ برتن بھرنے پر پھر اسے لے گیا اور اس سے پانی گرا کر واپس آ گیا، اس طرح اس نے تین چار بار کیا۔ میں نے اسے بلایا اور اس سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تو وہ کہنے لگا کہ ''میں مٹی سے یہاں گھر بنانا چاہتا ہوں اور باغ میں اس نلکے کے علاوہ پانی نہیں، میں یہاں سے پانی لے جاتا ہوں اور مٹی میں ڈالتا ہوں تاکہ گارا بنا کر اپنا گھر بنا سکوں۔ میں نے اس سے کہا: بہت اچھا لیکن اگر اس باغ میں یہ پانی کا نلکا نہ ہوتا تو پھر کیا تم اپنا گھر بنانا چھوڑ دیتے۔

اس پر اس نے مجھے عجیب انداز سے دیکھا کہ گویا میں نے کوئی نامعقول بات کہہ دی ہو اور اپنی ایک انگلی سر کی ایک سمت رکھ کر کہنے لگا پھر مجھے اس کا کوئی دوسرا حل نکالنا ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ بچہ تو چلا گیا مگر مجھے جھنجھوڑ گیا۔ کافی دیر تک اس کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے۔ مجھے تو یہ محسوس ہونے لگا کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس باغ میں لایا ہی اس چھوٹے سے بچے سے سبق حاصل کرنے کیلئے تھا جس نے مجھے سبق دیا کہ اگر ایک دروازہ بند ہو تو دوسرا دروازہ دیکھو کتنے ہی دوسرے دروازے کھلے ہوں گے، اس بچے نے تو مجھے زندگی بھر کیلئے ایک سبق دے دیا تھا کہ کام اور ہدف کو کسی صورت چھوڑنا نہیں مشکل پیش آئے تو دوسرا راستہ اور دوسرا انداز اختیار کرو۔

اگلے دن میں ایک دوست کے پاس گیا اور اس سے اپنا مسئلہ بیان کیا، اس نے بڑی خوشی سے نفع ونقصان کی بنیاد پر رقم دیدی، میری تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، واقعی میں نے تو صرف ایک دروازہ کھٹکھٹایا تھا جسے بند پا کر پریشان ہو گیا مگر اس چھوٹے سے بچے کے سبق نے مجھے نیا عزم اور حوصلہ دیدیا۔ اس موقع پر جب میرے کچھ دوستوں کو میرے اس نئے کاروبار کے بارے میں پتہ چلا تو انہوں نے مجھے بہت سمجھایا بلکہ ڈرایا بھی کہ تمہیں اس کام کا تجربہ نہیں ہے نقصان اٹھاؤ گے۔ اور تم اس وقت پچھتاؤ گے جب اصل رقم بھی گنوا بیٹھو گے۔

بعض دوستوں اور واقف کاروں نے مجھے دیوانہ، ضدی، اور ہٹ دھرم قرار دیا اور انہوں نے بار بار وقت نکل جانے سے پہلے سوچنے کا مشورہ دیکر مجھے مایوس کرنے کی کافی کوشش کی لیکن میں نے سوچا جب تک قدم نہیں اٹھاؤں گا تو یہیں پڑا رہوں گا پتھر رگڑ کھانے سے قیمتی ہوتا ہے۔ اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ میرے ذہن میں اس چھوٹے بچے کا دیا ہوا سبق محفوظ تھا۔

اور چنانچہ میں نے ضروری سامان خریدا اور اپنا کام شروع کر دیا، اپنے ساتھ دو ملازم بھی رکھ لئے، دن، ہفتہ اور پھر مہینہ گزر گیا، ایک آدھ گاہک ہی آتا، میری پریشانی میرے چہرے سے ظاہر ہونے لگی، پورا مہینہ گزر گیا، دکان کا کرایہ اور مزدوروں کی اجرت اپنی جیب سے دینی پڑ گئی، سخت پریشان ہو گیا کہ اگر ایک مہینہ اور اسی طرح حال رہا تو میں تو دیوالیہ ہو جاؤں گا۔ میں اسکا دوسرا حل سوچنے لگا مگر میرے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا، مجھے تو کوئی صورت سجھائی ہی نہیں دے رہی تھی کہ آخر کہاں کمی رہ گئی ہے، اسکا دوسرا حل کیا ہوگا۔ میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا کچھ دیر کیلئے میں نے سوچا کہ ابھی بھی وقت ہے، میں دست بردار ہو جاؤں اور ہار مان لوں تا کہ مزید نقصان سے بچ جاؤں۔

مگر میں نے اس منفی سوچ کو یک لخت جھٹک دیا اور پھر اٹھا اور اپنے ایک تاجر دوست سے ملا اور اس سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا، یہ شخص انتہائی تجربہ کار تھا اس نے اپنا کام صفر (زیرو) سے شروع کیا تھا اور آج لاکھوں کروڑوں میں کھیل رہا تھا۔ اس نے میری کہانی سنی اور مسکرا دیا، وہ کہنے لگا "جب لوگوں کو تیرے کام کا پتہ ہی نہیں ہوگا تو وہ کیسے تیرے پاس آئیں گے۔"

کیا تم نے ان کو اطلاع دی ہے یا مناسب اور دلچسپ انداز میں تشہیر کی ہے، تم ان تک اپنا پیغام تو پہنچاؤ، پھر نتیجہ دیکھو، میرے تو ذہن کے دریچے کھل گئے تھے، میں اگلے ہی دن ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی کے پاس گیا جہاں سے اشتہارات چھپوائے، اس کے علاوہ مختلف اقسام کے پمفلٹ اور بروشر چھپوانے کا آرڈر دیا، اس کے علاوہ میں نے پبلک مقامات پر اپنے کاروبار کی مناسب انداز سے تشہیر کی اور پھر اپنے ہوٹل کے سامنے مختلف قسم کے متحرک غبارے اور دیگر دلچسپی کا سامان بھی رکھ دیا اور پھر ایک اہم اعلان یہ کیا کہ نئے ہوٹل کے افتتاح کی خوشی میں فلاں دن آدھی قیمت پر کھانا دیا جائے گا۔

غرض یہ کہ اس دفعہ میں نے اپنے ہوٹل کی تشہیر پر ایک معقول رقم خرچ کر دی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے ہی ہفتے میرے ہوٹل پر گاہکوں کا رش اتنا بڑھ گیا کہ مجھے مزید دو ملازم رکھنا پڑ گئے اور پھر اگلے ماہ میں نے تین مزید ملازم اپنے ہوٹل پر رکھ لئے حتیٰ کہ یہ ہوٹل چھوٹا پڑ گیا لہٰذا میں نے مزید جگہ کرایہ پر حاصل کر لی، اب میرا ہوٹل کافی بڑا بن چکا تھا اور پورا دن مسلسل چلنے لگا، اسی دوران کئی اسکولوں کے ساتھ میرا معاہدہ بھی ہو گیا، پہلا سال مکمل ہونے سے پہلے ہی میں ایک اور ہوٹل بھی قائم کر چکا تھا، میرا کام اب اتنا زیادہ بڑھ چکا تھا کہ مجھے کارخانے کا کام چھوڑنا پڑا اور پھر میں نے یکسوئی کے ساتھ اپنے کاروبار کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اب میرے پانچ بڑے اور کئی چھوٹے ہوٹل ہیں اور میرے پاس اپنی گاڑی ہے، اس دوران میں نے نیا مکان بھی بنا لیا ہے، میرے ان ہوٹلوں میں 100 سے زیادہ ملازم کام کر رہے ہیں جبکہ میری سالانہ آمدن ایک ملین ریال سے تجاوز کر چکی ہے۔ میری ہر ایک کو یہ نصیحت ہے کہ کبھی بھی ہمت نہ ہاریں، جب آپ دیکھیں کہ کوئی دروازہ بند ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی محنت اور کوشش کا امتحان شروع ہو گیا ہے اگر آپ اس میں سرخرو ہو گئے تو کامیابی ضرور آپ کے قدم چومے گی، مجھے جو سبق اس چھوٹے سے استاد نے دیا تھا آپ بھی اسے زندگی بھر یاد رکھیں ایک راستہ بند نظر آئے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے بجائے مسئلے کا دوسرا حل ڈھونڈیں، آپ خود سمجھ میں نہ آئے تو کسی تجربہ کار آدمی سے مشورہ ضرور کریں، جتنی ناکامیاں زیادہ ہوں گی اتنے ہی آپ تجربہ کار ہوتے جائیں گے۔

ناکام طالب علم ڈاکٹر کیسے بنا؟

134 پانچویں کلاس کا پہلا دن تھا، ایک ٹیچر کلاس میں آئی اور پوری کلاس پر ایک نظر دوڑانے کے بعد مسکرا کر کہنے لگی "مجھے آپ سب بہت اچھے لگتے ہیں، آپ بہت محنتی ہیں مگر حقیقت میں یہ بات درست نہیں تھی کیونکہ اسے پہلی ہی صف میں بیٹھنے والا ایک لڑکا سلمان احمد Salman بالکل پسند نہیں تھا، وہ اس سے پچھلے سال سے واقف تھی، اس ٹیچر نے نوٹ کیا تھا کہ ٹیڈی سٹوڈرڈ نہ تو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے اور نہ ہی کپڑوں کی صفائی کا خیال رکھتا ہے، ہمیشہ میلا کچیلا رہتا ہے، غسل بھی نہیں کرتا اور وہ غیر سنجیدہ قسم کا طالبعلم ہے، وہ ہمیشہ اس کے کام کو چیک کرنے میں آسانی محسوس کرتی تھی وہ یوں کہ ہر صفحہ پر سرخ پین سے بڑا سا کراس کا نشان لگا نیچے فیل لکھ دیا کرتی تھی۔
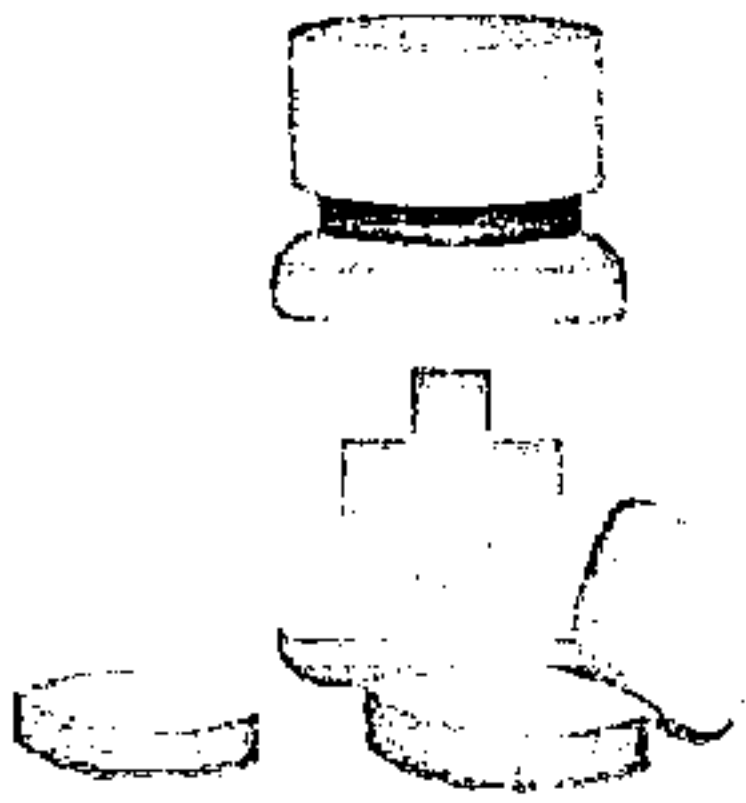
ایک دن ٹیچر مسز سارہ نے تمام طلبہ کا پرانا ریکارڈ منگوالیا اور ہر اسٹوڈنٹ کی فائل چیک کرنے لگ گئیں، اس موقع پر انہوں نے ٹیڈی سٹوڈرڈ کی فائل کو نکال کر الگ رکھ دیا اور باقی تمام طلبہ کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔

مگر آخر میں جب اس کی نظر سلمان احمد کی فائل پر پڑی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اس کی پہلی سال کی رپورٹ میں اس کی ٹیچر نے لکھا تھا کہ ٹیڈی ایک بہت ذہین اور لائق بچہ ہے، اپنا تمام کام بڑے اہتمام سے کرتا ہے اور یہ بہت ہی مؤدب اور با اخلاق بچہ ہے، دوسرے سال کی رپورٹ میں اس کی ٹیچر نے لکھا تھا سلمان ایک شریف اور پیارا بچہ ہے، اس کی کلاس کے تمام بچے اس کو پسند کرتے ہیں لیکن بعض دفعہ اپنے والد کی بیماری کی وجہ سے وہ پریشان اور بے چین سا ہو جاتا ہے، اس کے والد کی بیماری نے اسے کافی متاثر کر رکھا ہے۔ تیسرے سال کی رپورٹ میں اس کی ٹیچر نے اپنے ریمارکس میں لکھا کہ سلمان کی والدہ کی وفات کے بعد سخت صدمے سے دوچار ہے اور یہ خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر اس کا والد اس کی کوئی خاص پرواہ نہیں کرتا، اگر اس کا مناسب انتظام اور دیکھ بھال نہ کی گئی تو اس کی گھریلو زندگی سخت تلخ ہو جائے گی۔

جب کہ چوتھے سال کی رپورٹ میں اس کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ یہ بچہ تنہائی پسند ہے، تعلیم پر بالکل توجہ نہیں دیتا، کوئی بچہ اس کا دوست نہیں، بعض دفعہ پیریڈ کے دوران کلاس ہی میں سو جاتا ہے۔ یہ رپورٹ پڑھ کر مسز سارہ کو سخت ندامت اور شرمندگی کا احساس ہوا کہ انہوں نے بچے کی نفسیات کا جائزہ بھی نہیں لیا اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا، وہ سوچنے لگیں کہ انہوں نے بچے کے موجودہ حالات کے اسباب کا آج تک جائزہ لے کر اس کا تدارک کیوں نہیں کیا اور پھر انہوں نے اپنی اس کوتاہی کی تلافی کا پروگرام بنا لیا۔ اس دوران عید کی چھٹیاں بھی ہوگئیں، عید کے بعد ہر بچہ اپنی ٹیچر کے لیے رنگ برنگے اور خوبصورت پیکنگ میں نفیس اور قیمتی تحفے لایا، ٹیڈی سٹوڈرڈ کے تحفے کے علاوہ باقی سب طلبہ کے تحفے کافی مہنگے تھے۔

البتہ سلمان کا تحفہ نہ قیمتی تھا اور نہ ہی اسے خوبصورت انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی، دیگر طلبہ کے تحائف رنگ برنگے چمکتے کاغذوں میں پیک تھے مگر سلمان کا تحفہ ایک عام سادہ سے لفافے میں معمولی سے چمڑے کے کور میں رکھا گیا ایک پرانا سا ہار تھا جس میں کچھ موتی موجود ہی نہیں تھے، یا تو وہ ٹوٹ چکے تھے یا پھر گر گئے تھے، اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی عطر کی شیشی تھی مگر اس کا بھی تین چوتھائی حصہ خالی تھا، صرف اس ایک چوتھائی ہی عطر ہوگا، طلبہ کے سامنے جوں ہی مسز تھامسن نے تحفہ کھولا تو تمام طلبہ نے اسے دیکھ کر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پھر اس پر ہنسنے لگتے۔
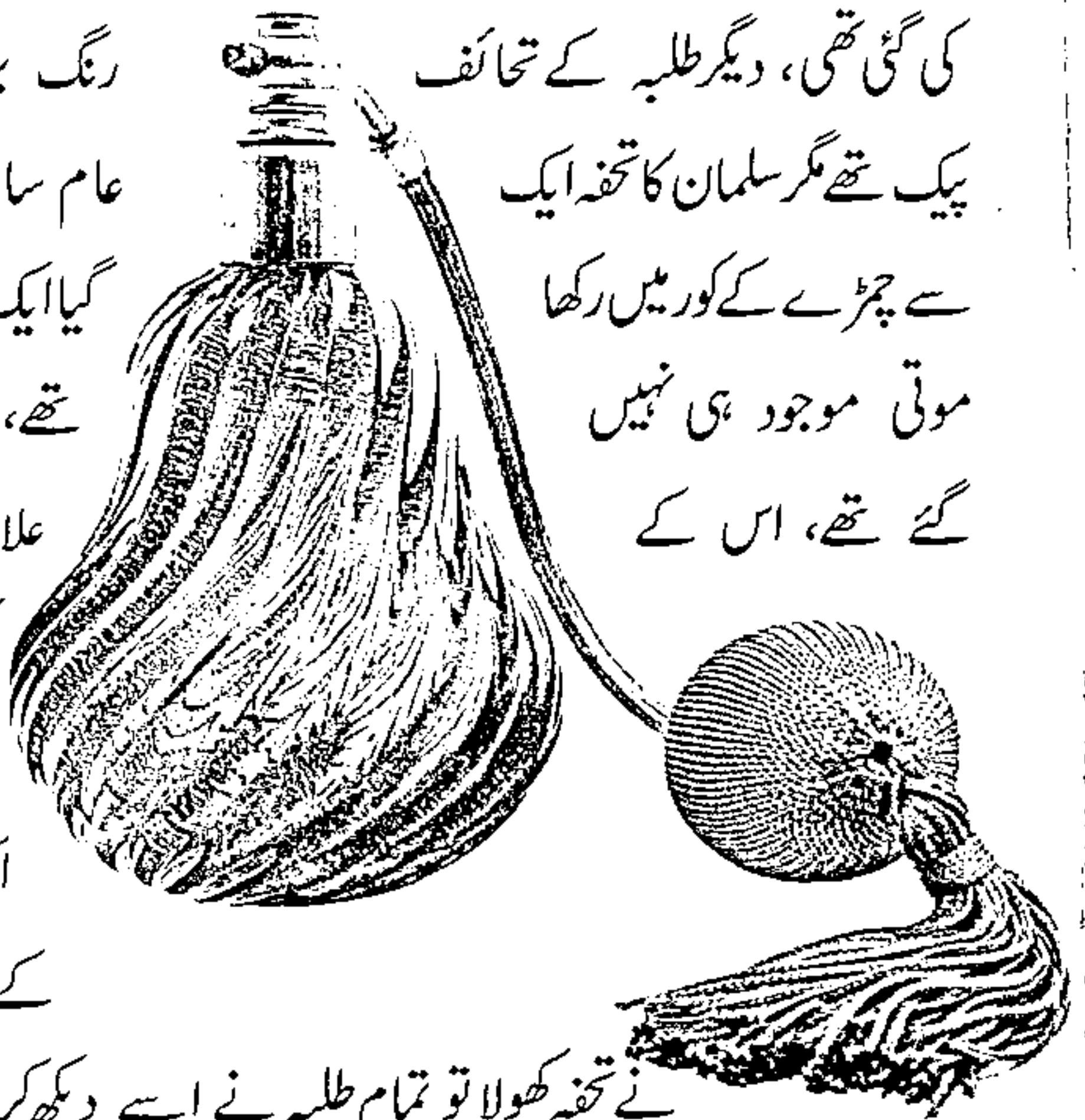
بچوں کا ہنسنا اچانک رک گیا کیونکہ ٹیچر مسز سارہ نے اس ہار کی تعریف کی اور اسے نہ صرف پسند کیا بلکہ اسی وقت وہ ہار اپنے گلے میں پہن کر کہنے لگیں کہ مجھے آپ کا یہ تحفہ بہت پسند آیا ہے اور پھر عطر کی شیشی سے کچھ عطر نکال کر اپنے ہاتھ اور کلائی پر مل دیا، اس دن سلمان چھٹی کے بعد گھر نہ گیا بلکہ وہ ٹیچر کو ایک پیغام دینے کے لئے رک گیا، جوں ہی ٹیچر فارغ ہوئیں تو سلمان کے پاس گیا اور کہنے لگا ''آج مجھے آپ سے اپنی ماں جیسی خوشبو آ رہی ہے۔'' ٹیچر نے دیکھا کہ سارے بچے چلے گئے ہیں، وہاں قریب میں کوئی بھی موجود نہیں ہے، وہ اپنے اس اسٹوڈنٹ کا یہ جملہ سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، کم از کم ایک گھنٹہ تک وہ کلاس میں بیٹھی روتی رہیں کیونکہ آج ٹیڈی نے اپنی ماں کی خوشبو محسوس کی اور اسے اپنی ماں والی محبت کا کچھ حصہ دیا ہے، مسز سارہ نے سلمان میں خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی۔

چند ہی دنوں میں سلمان کے رویئے میں کافی تبدیلی نظر آنے لگی، اب وہ کلاس میں کبھی نہیں سوتا تھا، ہوم ورک انتہائی اہتمام اور محنت سے کرنے لگا تھا، جب بھی مسز سارہ اس کی حوصلہ افزائی کرتیں وہ حیرت انگیز طور پر عام لڑکوں سے زیادہ محنت کرنے لگ جاتا، پہلے ہی سال کے سالانہ امتحان میں اس نے حیرت انگیز طور پر نمایاں پوزیشن بھی لے لی، سال کے اختتام پر وہ اپنی ٹیچر سے ملنے آیا اور کہنے لگا ''آپ تمام ٹیچروں میں سب سے بہترین ٹیچر ہیں۔''

اس کے بعد ٹیڈی نے ثانوی اسکول میں داخلہ لے لیا جہاں وہ چھ سال تک پڑھتا رہا، اس نے فائنل امتحان
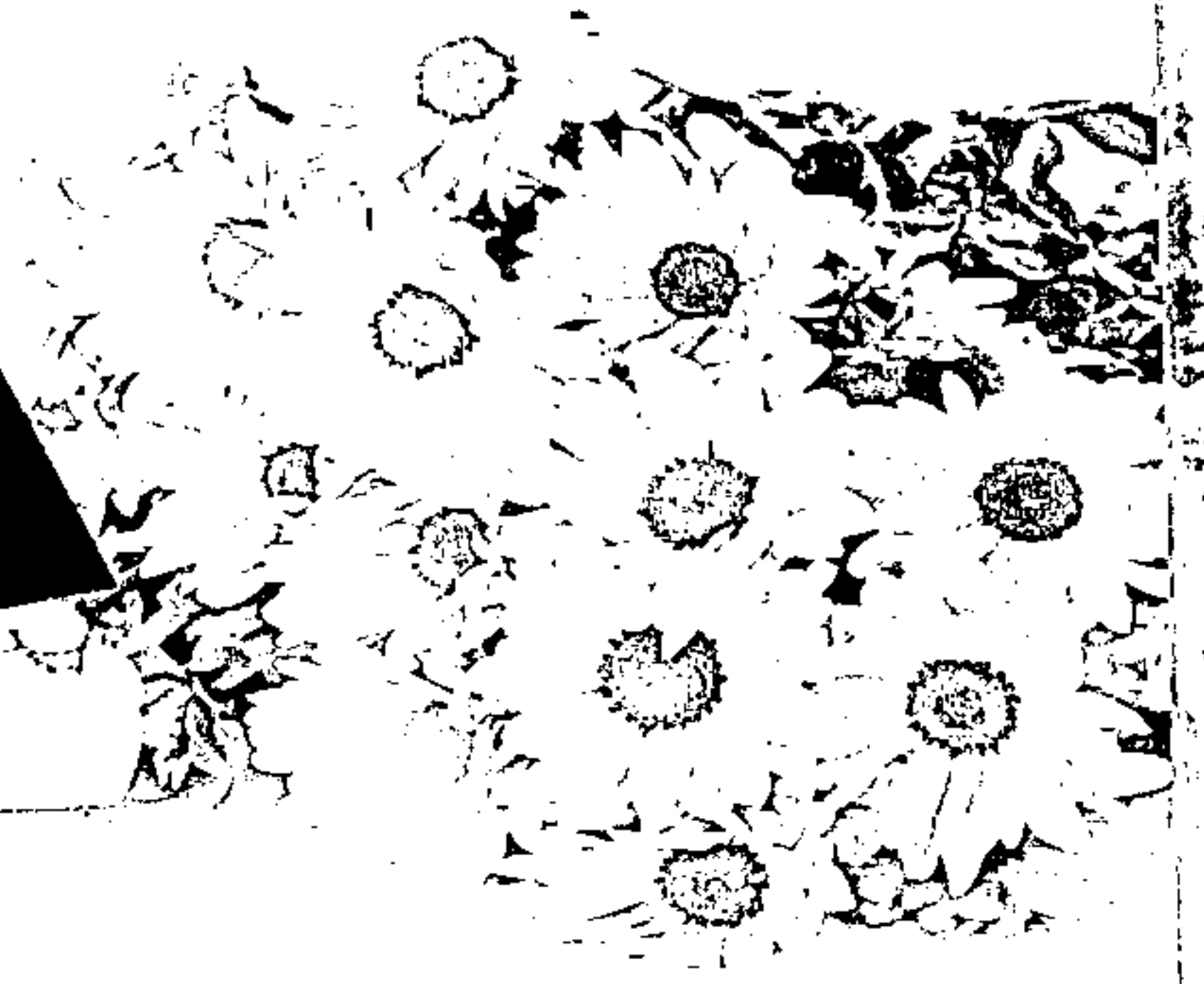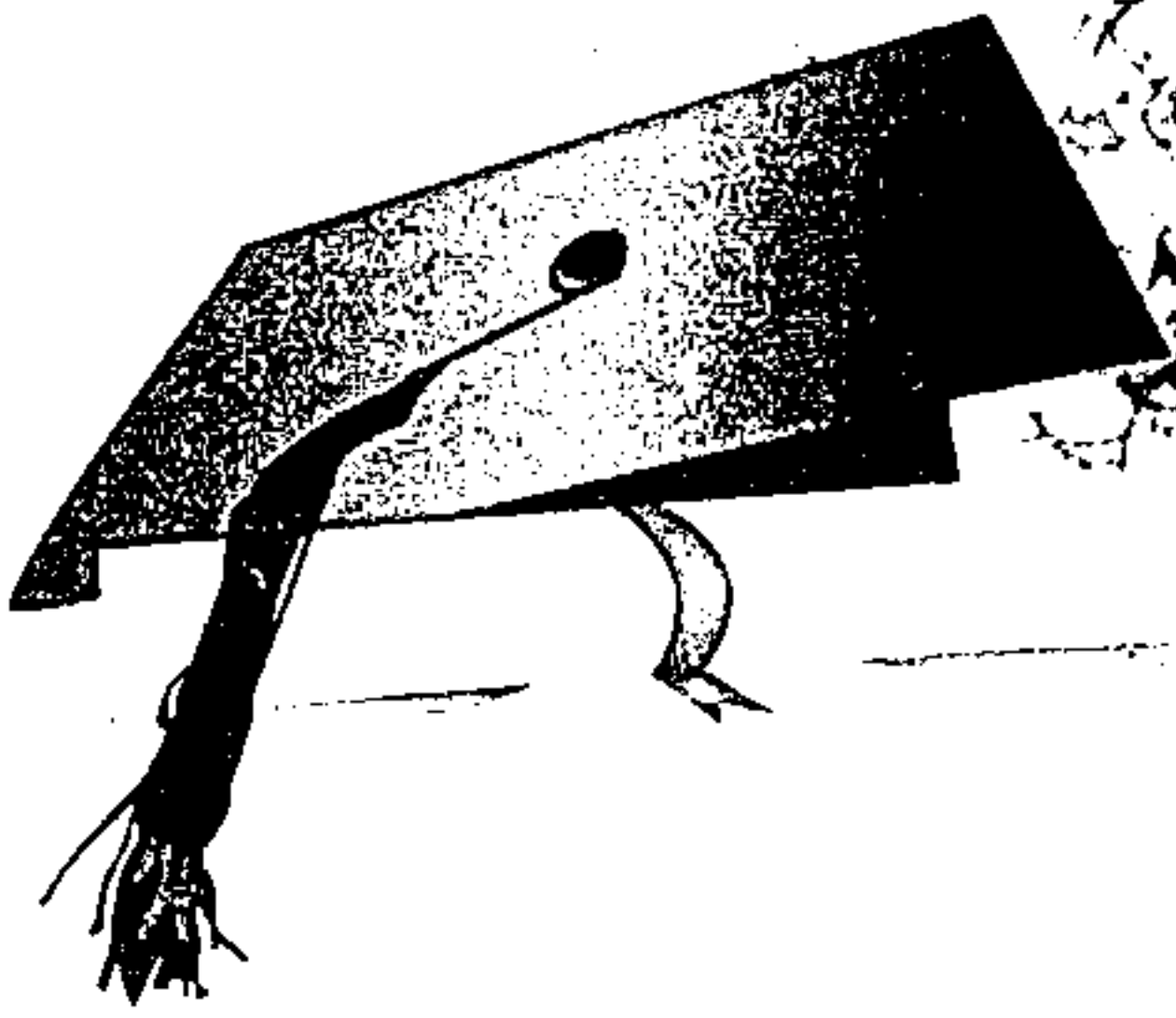
اس کے بعد سلمان نے ثانوی اسکول میں داخلہ لے لیا جہاں وہ چھ سال تک پڑھتا رہا، اس نے فائنل امتحان میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور پھر اس نے اس دن اپنی اس ٹیچر کو مبارکباد کا خط لکھتے ہوئے کہا ''میری زندگی میں اب تک کوئی ٹیچر آپ سے زیادہ بہتر نہیں آئی۔'' پھر اگلے چار سال بعد ٹیڈی نے اپنی ٹیچر کو خط لکھا کہ ''کالج کی زندگی بڑی ہی مشکل ہے، اب میں کالج سے فارغ ہونے والا ہوں لیکن اب تک کے میرے تمام اساتذہ میں سے سب سے بہترین اور پسندیدہ ٹیچر آپ ہی ہیں اور شاید زندگی بھر مجھے آپ سے زیادہ بہترین ٹیچر نہ مل سکے۔''

اس کے کچھ عرصہ بعد ایک طویل خط ٹیچر کے پاس آیا، خط لکھنے والے کا نام بھی کافی لمبا تھا، اس کا نام تھا، ڈاکٹر سلمان احمد۔ اب یہ پی ایچ ڈی کر چکا تھا مگر اس نے اعتراف کیا کہ زندگی اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں گزار چکا ہوں، سینکڑوں ٹیچروں اور اساتذہ سے واسطہ پڑا، ہزاروں اساتذہ کو قریب سے دیکھا مگر آپ جیسا کوئی ٹیچر نہیں ملا، میرے آج تک کے تمام اساتذہ میں سب سے زیادہ یادگار، بہترین اور پسندیدہ آپ ہی ہیں۔ آپ کی عظمت کو سلام۔ یہیں پر بس نہیں ہوئی بلکہ مسز سارہ کو کچھ عرصہ بعد ایک اور خط موصول ہوا کہ اب میری شادی تیار ہے۔

چونکہ آپ میری پسندیدہ ٹیچر ہیں اس لیے آپ میری شادی میں میری ماں کی جگہ سنبھالیں گی، چنانچہ مسز سارہ نے یہ دعوت قبول کر لی اور ڈاکٹر سلمان کی شادی میں مسز سارہ نے وہی ہار پہن رکھا تھا جو کلاس پنجم کے طالب علم سلمان نے انہیں عید کے موقع پر تحفے میں دیا تھا اور خوشبو بھی وہی لگائی تھی جو ڈاکٹر سلمان نے اپنے بچپن میں انہیں تحفے میں دی تھی، ڈاکٹر سلمان نے اپنی ٹیچر کا شکریہ ادا کیا کہ آپ کی بدولت میرے اندر اعتماد پیدا ہوا کہ میرا کام بھی اہمیت والا ہو سکتا ہے اور میں بھی ایک کامیاب آدمی بن سکتا ہوں۔
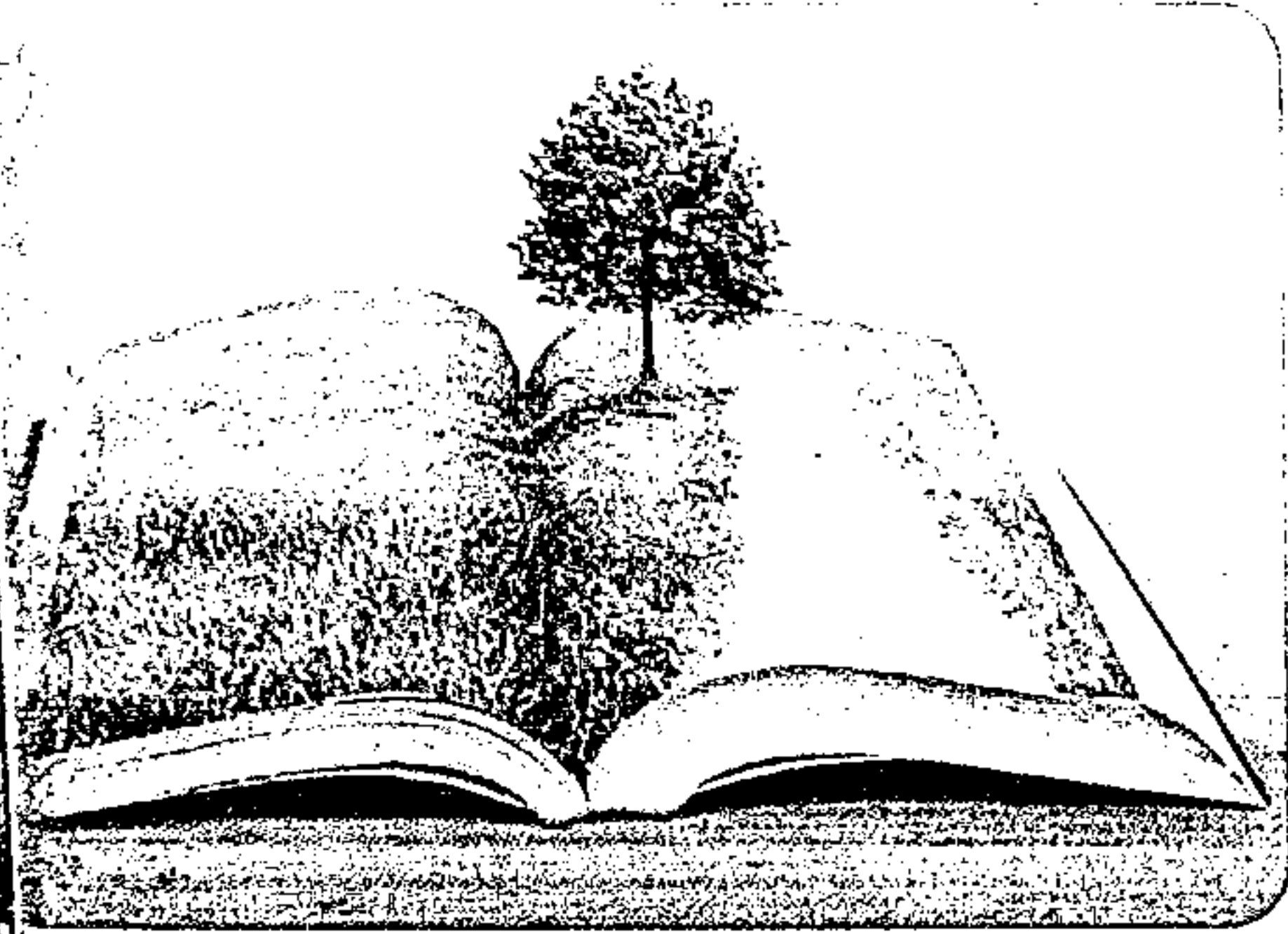
مسز سارہ نے روتے ہوئے جواب دیا کہ ''نہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں، آپ ہی نے تو مجھے ایک کامیاب نمایاں اور طلبہ کے دلوں میں تادیر رہنے والی ٹیچر بننے کا موقع دیا، جب تک مجھے آپ سے واسطہ نہیں پڑا تھا، مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ ایک کامیاب اور نمایاں استاد کیسے بنا جاتا ہے۔'' پھر وہ کہنے لگیں کہ ''صرف آپ ہی نہیں بلکہ میرے اکثر شاگرد آج بھی مجھے باقاعدگی سے یاد کرتے ہیں، ابھی تک تحائف بھیجتے ہیں، اپنی خوشیوں میں مجھے شریک کرتے ہیں، بغیر اجرت اور مزدوری کے میرے کام بخوشی کرتے ہیں۔

آپ سے واسطہ پڑنے سے پہلے میں ایک روبوٹ تھی، انسان نما مشین تھی، یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا، اسکول میں کتنے ہی خداداد صلاحیت رکھنے والے بچے ہوتے ہیں مگر ہمارے پڑھانے کے روایتی انداز سے ان کی خفیہ صلاحیتیں نہ صرف دب جاتی ہیں بلکہ مردہ ہو جاتی ہیں، کتنے ہی آپ جیسے مستقبل کے معمار پی ایچ ڈی ڈاکٹر صرف معمولی سی توجہ کی کمی سے پورا سال ٹیسٹ میں فیل ہوتے ہوں گے اور پھر تعلیم ہی کو خیر باد کہہ دیتے ہوں گے۔
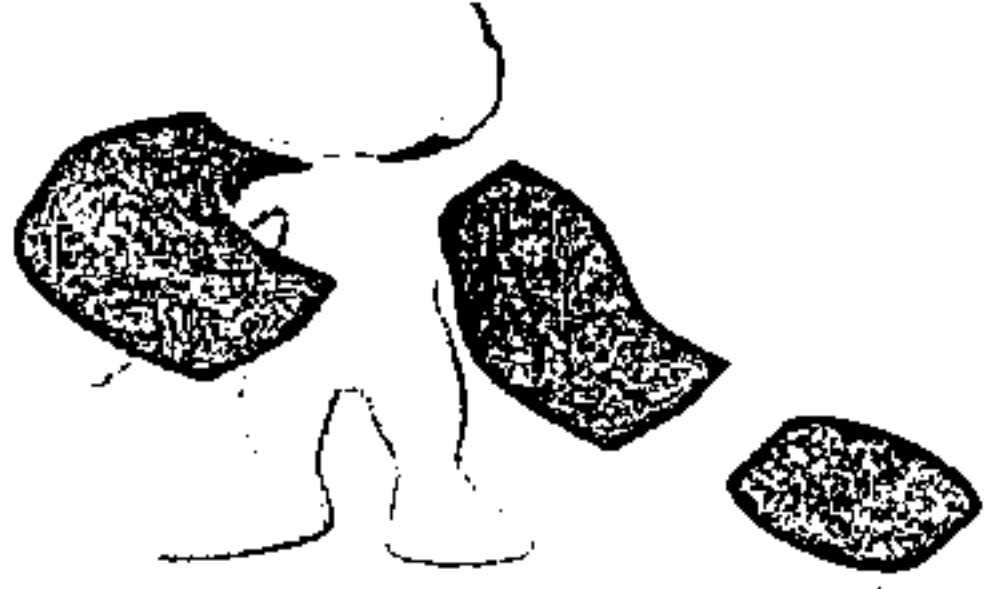
میں دنیا کی تیز ترین عورت کیسے بنی؟

135 ویلما روڈلف (Wilma Rudolf) امریکی ریاست ٹینسی (Tennessee) میں 1940ء کو پیدا ہوئی۔ ابھی اس کی عمر صرف چار سال تھی کہ اسے سخت جان لیوا بیماری کا سامنا کرنا پڑا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اب یہ بچی زندگی بھر کسی سہارے کے بغیر زمین پر قدم نہیں رکھ سکے گی اور اسے ہمیشہ بے ساکھیوں کے سہارے چلنا ہوگا۔ اس کے 22 بہن بھائی تھے۔ وہ جب انہیں کھیلتے ہوئے دیکھتی تو اس کا دل بھی کھیلنے کیلئے کو مچلنے لگ جاتا، خصوصاً اپنی بڑی بہن جو کہ باسکٹ بال ٹیم میں سلیکٹ ہو چکی تھی کا کھیل دیکھ کر اسے بھی کھیلنے کا شوق پیدا ہوا۔

ایک دن وہ کہنے لگی کہ میں بھی کھیل میں حصہ لینا چاہتی ہوں۔ اس کی ماں نے اس کی ہمت اور حوصلہ بڑھایا اور پھر نو سال کی عمر میں وہ ڈاکٹروں کی ہدایت کے برعکس بے ساکھی کے بغیر چلنے کی کوشش کرنے لگی اور اس نے چند قدم لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے اٹھا لئے اور پھر بتدریج اس نے بے ساکھیوں کو خیر باد کہہ دیا وہ روزانہ چلنے اور دوڑنے کی پریکٹس کرنے لگی، پھر اس نے تیرہ سال کی عمر میں پہلے دوڑ کے مقابلے میں حصہ لینے کا پروگرام بنا لیا مگر دوڑ میں اس نے سب سے آخری نمبر حاصل کیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے، تیسرے اور چوتھے مقابلے میں بھی حصہ لیا مگر ہمیشہ آخری نمبر پر آتی رہی۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ ٹینیسی یونیورسٹی میں داخل ہوگئی۔

وہاں اس نے اپنے کوچ ایڈٹمبل سے کہا کہ ''میں دوڑ کے میدان میں دنیا کی تیز ترین لڑکی بننا چاہتی ہوں اور ورلڈ ریکارڈ بنانا چاہتی ہوں۔ کوچ ایڈٹمبل نے کہا ''انسان کے جذبے کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی، میں تمہاری بھرپور مدد کروں گا''۔ اور پھر اس کے بعد اس نے بھرپور تیاریاں شروع کر دیں اور اولمپک کھیلوں میں حصہ لینے کا پروگرام بنا لیا۔
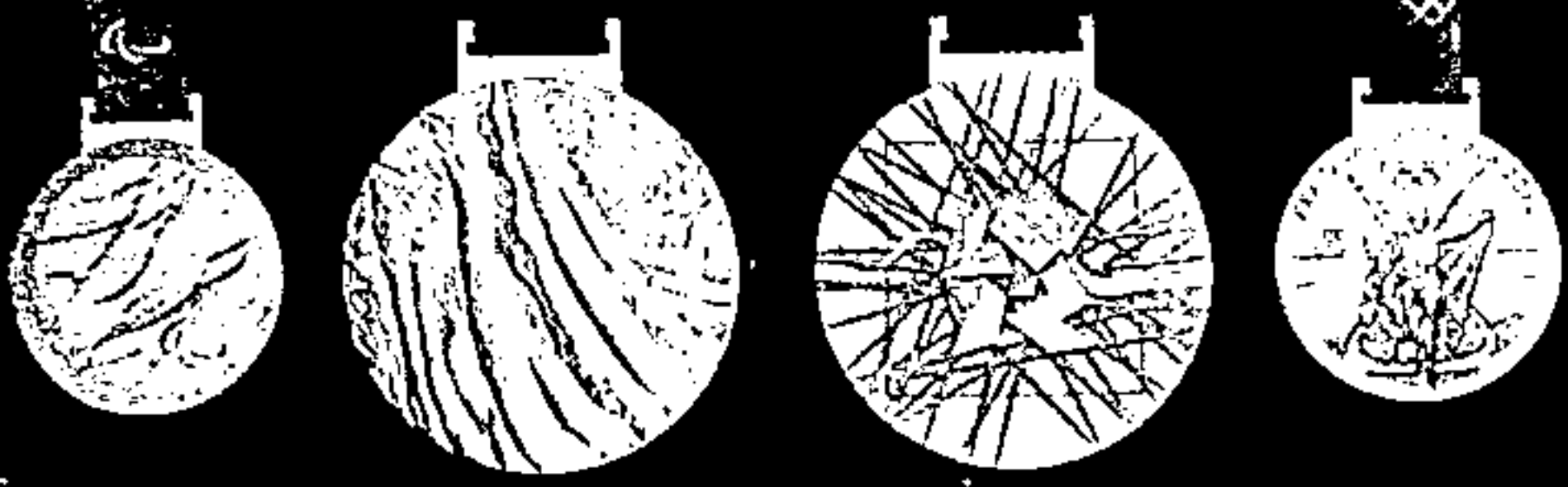
ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔
پہلا مقابلہ 100 میٹر دوڑ کا تھا۔
جو حیرت انگیز طور پر ویلما روڈلف
نے جوٹا کو ہرا کر گولڈ میڈل
حاصل کر کے جیت لیا۔

دوسرا مقابلہ 200 میٹر دوڑ کا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ مقابلہ بھی ویلما روڈلف نے سابق دفاعی چیمپئن جوٹا کو ہرا کر جیت لیا اور گولڈ میڈل حاصل کر لیا۔ تیسرا مقابلہ 400 میٹر کا تھا۔ سارے تماشائی اپنی سانسیں روکے حیرت سے نظارہ کر رہے تھے۔

اس بار بھی ویلما نے نہ صرف تیسرا مقابلہ جیت کر گولڈ میڈل حاصل کیا بلکہ بیک وقت تین گولڈ میڈل حاصل کرنے کا ورلڈ ریکارڈ بھی قائم کر دیا حالانکہ تمام ڈاکٹروں کی اس کے بارے میں متفقہ رائے، تجزیہ اور فیصلہ تھا کہ یہ زندگی بھر بے ساکھیوں کے سہارے ہی چل سکے گی مگر اس نے اپنی قوت ارادی، محنت اور ہمت سے نہ صرف اپنی معذوری کو شکست دے دی بلکہ اسے 1960ء کی اولمپک دوڑ کے مقابلوں میں دنیا کی تیز رفتار عورت قرار دیا گیا جس نے ایک ہی گیم میں تین گولڈ میڈل حاصل کیے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر وہ کون سی قوت تھی جس نے اس کی معذوری کو شکست دے دی۔ اگر ویلما روڈلف اپنی معذوری کو مجبوری بنا لیتی تو کبھی بھی یہ مقام حاصل نہ کر سکتی۔ آپ کا کیا خیال ہے، آپ کی صلاحیتیں اس معذور بچی سے بھی کم ہیں۔ ناکامیوں کے خطرے سے مت گھبرایئے۔ ایک دانشور نے کیا خوب کہا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ آپ گر سکتے ہیں یا ناکام ہو سکتے ہیں بلکہ اہم سوال یہ ہے کہ آپ گرنے اور ناکام ہونے کے بعد اٹھ سکتے ہیں یا نہیں۔
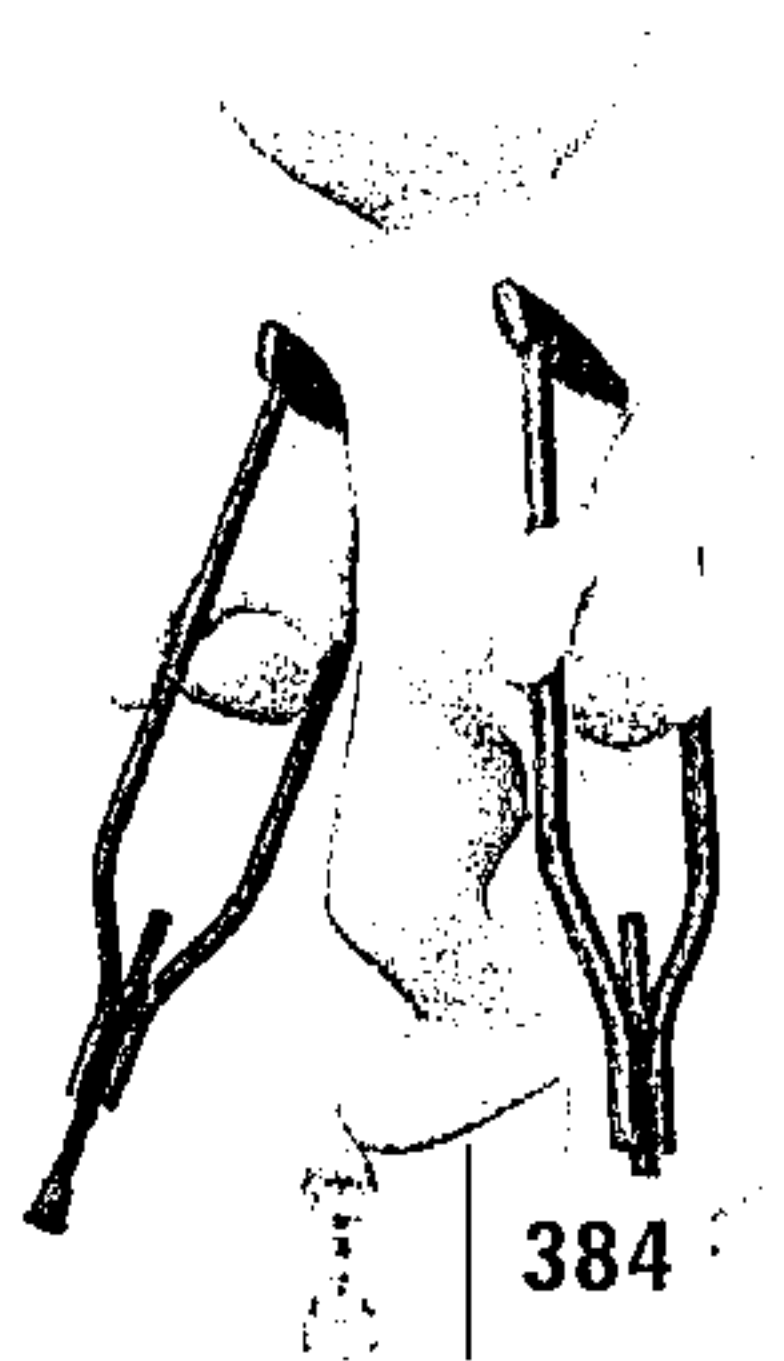
چند بار کی ناکام کوششوں کی وجہ سے ہمت نہیں ہارنی چاہئے؟

136 کینیڈا کے کینیڈین ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں بار بار کوشش کی نفسیات پر تحقیق کے لئے ٹڈیوں پر تجربہ کیا گیا، ٹڈیوں کو شیشے کی آدھے پانی سے بھری بوتل میں ڈال کر اوپر سے منہ بند کر دیا گیا۔ ٹڈیوں نے اپنی جان بچانے کے لئے چھلانگیں لگانا شروع کر دیں مگر ہر بار انہیں ناکامی ہوتی اور وہ واپس پانی میں گر پڑتیں۔ تمام ٹڈیوں نے متعدد کوششیں کیں مگر بوتل کا منہ بند ہونے کی وجہ سے انہیں ہر دفعہ ناکامی ہوئی، آخر کار انہوں نے اپنی کوششیں ترک کر دیں۔

اس کے بوتل کا منہ کھول دیا گیا مگر حیرت کی بات تھی کہ جو ٹڈیاں اس سے قبل بوتل سے نکلنے کیلئے جان کی بازی لگا رہی تھیں، انہوں نے اپنی کوشش بالکل ہی ترک کر کے خود کو پانی کے سپرد کر دیا تھا کیونکہ انہیں اپنی پہلی کوششوں کا نتیجہ معلوم تھا اور وہ تھوڑی دیر بعد پانی میں ڈوب کر مر گئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان بھی چند بار کی کوششوں پر ناکامی کی وجہ سے ہمت ہار بیٹھتا ہے، اسے پتہ ہی نہیں ہوتا کہ قدرت نے اب بوتل سے ڈھکن اٹھا لیا ہے، اب صرف ایک ہی کوشش اس کی کامیابی کی نوید ہوگی مگر وہ اس اصول قدرت اور قانون فطرت پر عمل کرنے کے بجائے اس ٹڈی کی عقل اور ذہنیت کے مطابق سوچتا ہے حالانکہ وہ اشرف المخلوقات اور انسان ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے عقل و شعور جیسی دولت سے نوازا ہے، اسے قانون قدرت کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلسل جدوجہد اور محنت جاری رکھنی چاہئے۔

ہمت کر کے ناکامی کو کامیابی میں بدلئے

137 آج سے کچھ عرصہ قبل تک یہ نظریہ عام تھا کہ کوئی بھی انسان چار منٹ سے کم وقت میں ایک میل کا فاصلہ طے نہیں کر سکتا کیونکہ ایسا کرنے سے دوڑنے والے کا دل پھٹ جاتا ہے۔

ایک موقع پر دوڑ کے کھلاڑی نے سوچا کہ آج تک چار منٹ فی میل سے زیادہ تیز رفتاری سے دوڑنے والے کتنے لوگوں کے دل پھٹے ہیں مگر اسے اس بات کا جواب نفی میں ملا، اس پر اس کھلاڑی نے پہلی بار چار منٹ سے بھی کم وقت میں ایک میل کا فاصلہ کامیابی سے طے کر لیا۔ شروع میں لوگوں نے اسے دیوانہ اور مجنوں قرار دیا کہ شاید اس کی گھڑی خراب ہو یا اسے مغالطہ لگا مگر اس کی تصدیق ہو جانے کے بعد اسی سال مزید 100 سو کھلاڑیوں نے چار منٹ فی میل سے زیادہ تیز رفتاری سے فاصلہ طے کرنے کا کارنامہ سرانجام دے دیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ نظریہ اور خیال بالکل غلط تھا۔ اگر یہ کھلاڑی ہمت نہ کرتا تو نہ جانے مزید کتنے عرصے تک لوگ اس نظریئے کو ہی درست تسلیم کرتے رہتے۔
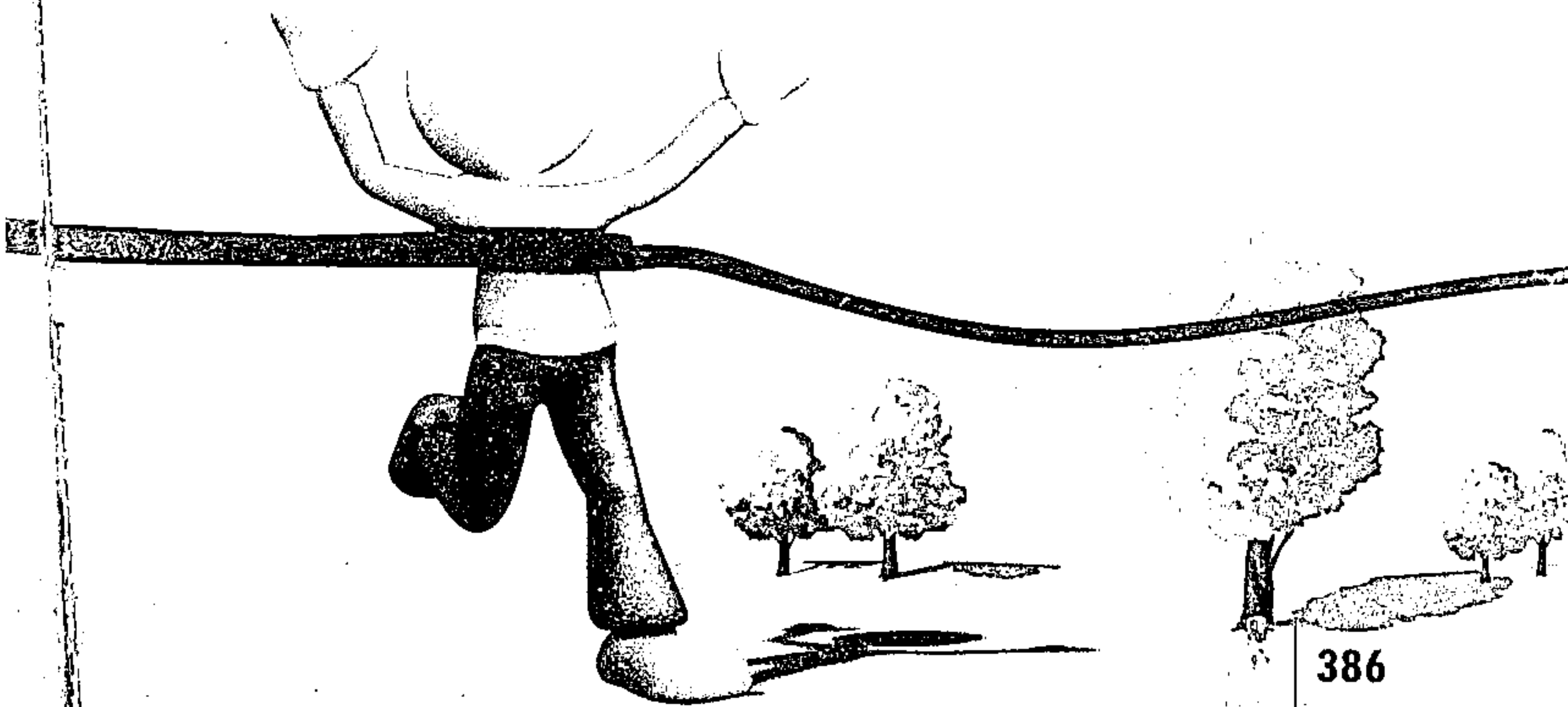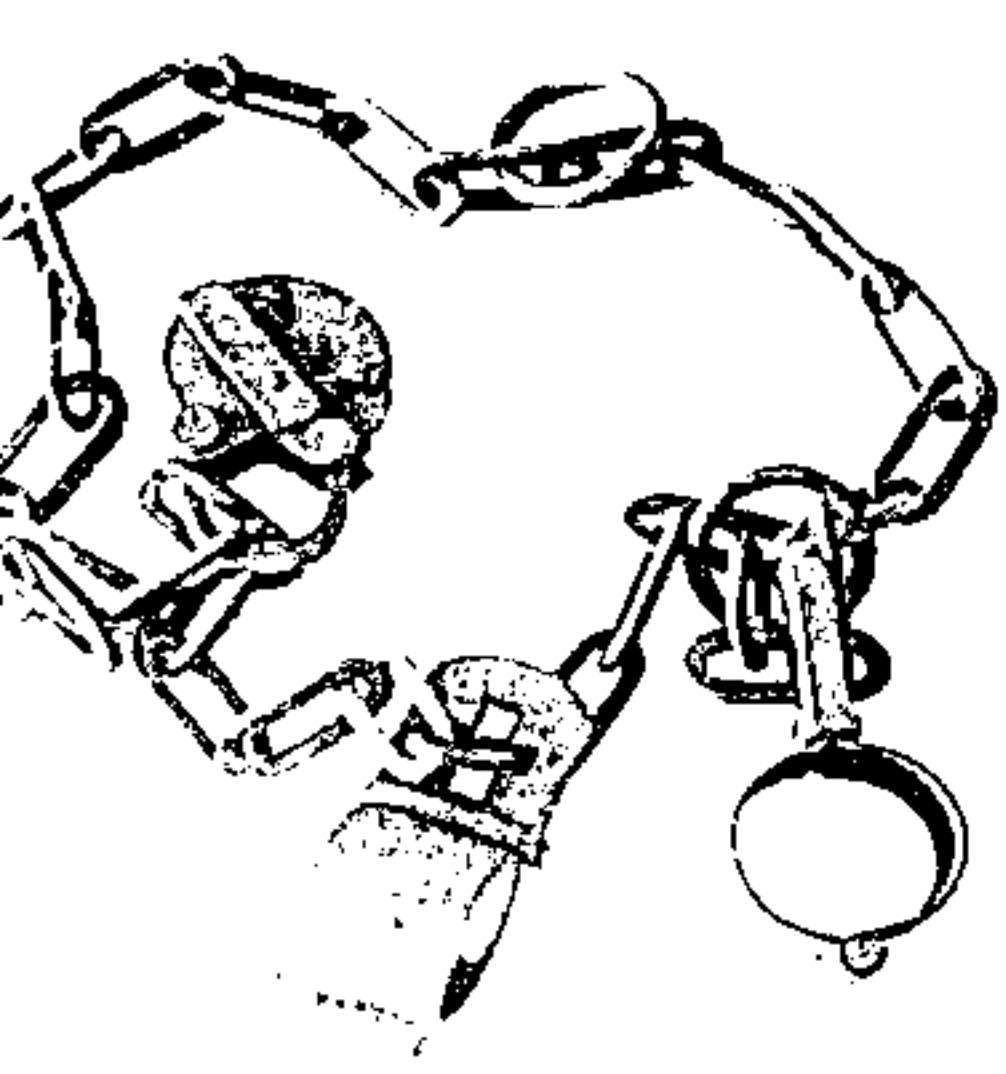
ایک غلام امریکی سفیر بن گیا! مگر کیسے؟

138 فریڈرک ڈگلس (Freedrick Douglass) میری لینڈ میں پیدا ہوا۔ اس کے ماں باپ دونوں غلام تھے۔ اس نے بھی غلامی کی زندگی میں آنکھ کھولی۔ وہ بھی اگر یہ سوچتا کہ میں تو ایک غلام ہوں، میں کیا کر سکتا ہوں، مجھے تو تعلیم حاصل کرنے کی سہولت ہی میسر نہیں اور میرے باپ دادا کی زندگیاں کھیتوں میں اپنے مالکوں کی غلامی کرتے کرتے گزر گئی ہیں، اگر میں تعلیم حاصل کرنا بھی چاہوں تو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ غلاموں کے لئے تو تعلیم کے دروازے ہی بند ہیں، وہ تو صرف اور صرف غلام ہیں اور انہیں زندگی بھر اپنے مالکوں کی غلامی میں زندگی گزارنی ہے۔

مگر فریڈرک ڈگلس نے اس کے برعکس سوچنا شروع کر دیا کہ آخر میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح آزاد اور مہذب انداز سے زندگی گزار سکتا ہوں۔ میں نے غلامی سے نجات حاصل کرنی ہے اور ایک نمایاں مقام پانا ہے اور پھر اس کے لئے اس نے جدوجہد شروع کر دی۔ اس نے ہر قسم کی رکاوٹوں کا بہادری، ہمت، حوصلے اور مستقل مزاجی کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیا۔ اس نے کھیتوں کی دیواروں پر کندہ کئے گئے حروف تہجی سیکھنے سے خود ہی تعلیم کا آغاز کیا۔

پھر گرے پڑے کاغذوں پر لکھے ہوئے فقرے اور جملے سیکھنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ایک دفعہ اسے پرانا اخبار مل گیا۔ اس نے اخبار کے کچھ جملے روزانہ سیکھنے شروع کر دیئے۔ اس نے پہلی دفعہ کوئی بھی کتاب اس وقت دیکھی تھی جب وہ خود اسے پڑھنے کے قابل ہو چکا تھا اور پھر اپنی کوشش میں اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی، آخر ایک وقت ایسا آیا کہ اسے ہیٹی میں امریکہ کا سفیر بنا دیا گیا۔ 1965ء میں اس کی خدمات کے اعزاز میں امریکہ نے ایک یادگاری ٹکٹ بھی جاری کیا۔

مشہور اسکالر مولیفی کیٹے (Molefi Kete Asante) نے فریڈرک ڈگلس کو اپنی مشہور کتاب 100 سو مشہور افریقی امریکن شخصیات (100 Greatest African American) میں شامل کیا۔ 2003ء میں فریڈرک کے مکان کو قومی تاریخی ورثہ قرار دیا گیا 2010ء میں نیویارک سٹی کے سینٹرل پارک میں اس کا یادگاری مجسمہ بھی نصب کر دیا گیا اور پھر 2011ء میں میری لینڈ میں ان کا سات فٹ بڑا کانسی کا مجسمہ بطور یادگار نصب کر دیا گیا فریڈرک نے کئی کتابیں بھی لکھیں اور غلاموں کے حقوق کے لئے ایک مؤثر آواز اٹھائی۔

آپ کا کیا خیال ہے، کیا آپ فریڈرک ڈگلس سے بھی زیادہ سخت حالات اور مسائل کا شکار ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اٹھیں اور اپنی توانائی مستقل مزاجی سے آگے بڑھنے کے لئے خرچ کر دیں تاکہ اچھا نتیجہ برآمد ہو، ورنہ یہ ساری توانائیاں اسی طرح آپ کے ساتھ قبر میں دفن ہو جائیں گی۔ اگر آج اٹھ گئے اور محنت سے کوئی مقام حاصل کر لیا تو یہ صرف آپ کے لئے ہی مفید اور اعزاز نہیں ہوگا بلکہ اپنے دوست، احباب، والدین، بیوی، بچوں سب کی ترقی اور خوش حالی کا ذریعہ بنے گا۔ اس کے لیے صرف جذبہ، ہمت، حوصلہ اور مستقل مزاجی درکار ہے، ناکامی کا ڈر ذہن سے نکال دیجئے۔

فریڈرک کا مجسمہ جو نیویارک سٹی کے پارک میں آج بھی موجود ہے
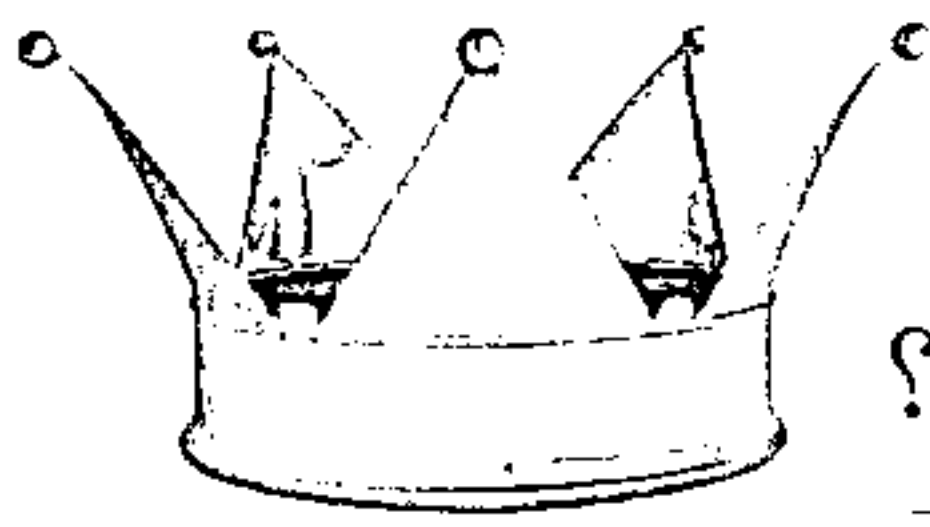
گدھوں پر سامان لے جانے والا بادشاہ کیسے بنا؟

139 ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بازار میں گدھوں پر لوگوں کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے والے مزدور بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں ایک مزدور نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے پوچھا کہ ''تم مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہو؟'' کسی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ ان میں سے ایک نے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔ کہ ''آپ مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہیں؟'' گدھے پر لوگوں کا سامان ڈھونے والا یہ مزدور کہنے لگا کہ ''میں مستقبل میں اندلس (موجودہ اسپین) کا حاکم بننا چاہتا ہوں۔'' سوال پوچھنے والے نے تعجب اور حیرانی سے پوچھا کہ ''کیا کہا تم نے، اندلس کا حاکم بننا چاہتے ہو۔'' اس پر اس نے پرعزم اور زوردار لہجے میں کہا ''جی ہاں''۔

مزدور نے ساتھی سے پوچھا ''اگر میں حاکم بن گیا تو تمہاری کیا خواہش ہوگی۔'' وہ بولا ''اگر تم بادشاہ بن گئے تو مجھے گدھے پر الٹا بٹھا کر پوری بستی میں گھمانا اور اپنے آدمیوں سے میری پٹائی کروانا اور ساتھ اعلان کرواتے جانا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اسے دیکھو، اس نے جھوٹ بولا تھا''۔ اس نے کہا ''اچھی بات ہے''۔ پھر اس نے دوسرے سے پوچھا کہ ''میرے حاکم بننے پر تم کیا چاہو گے۔''
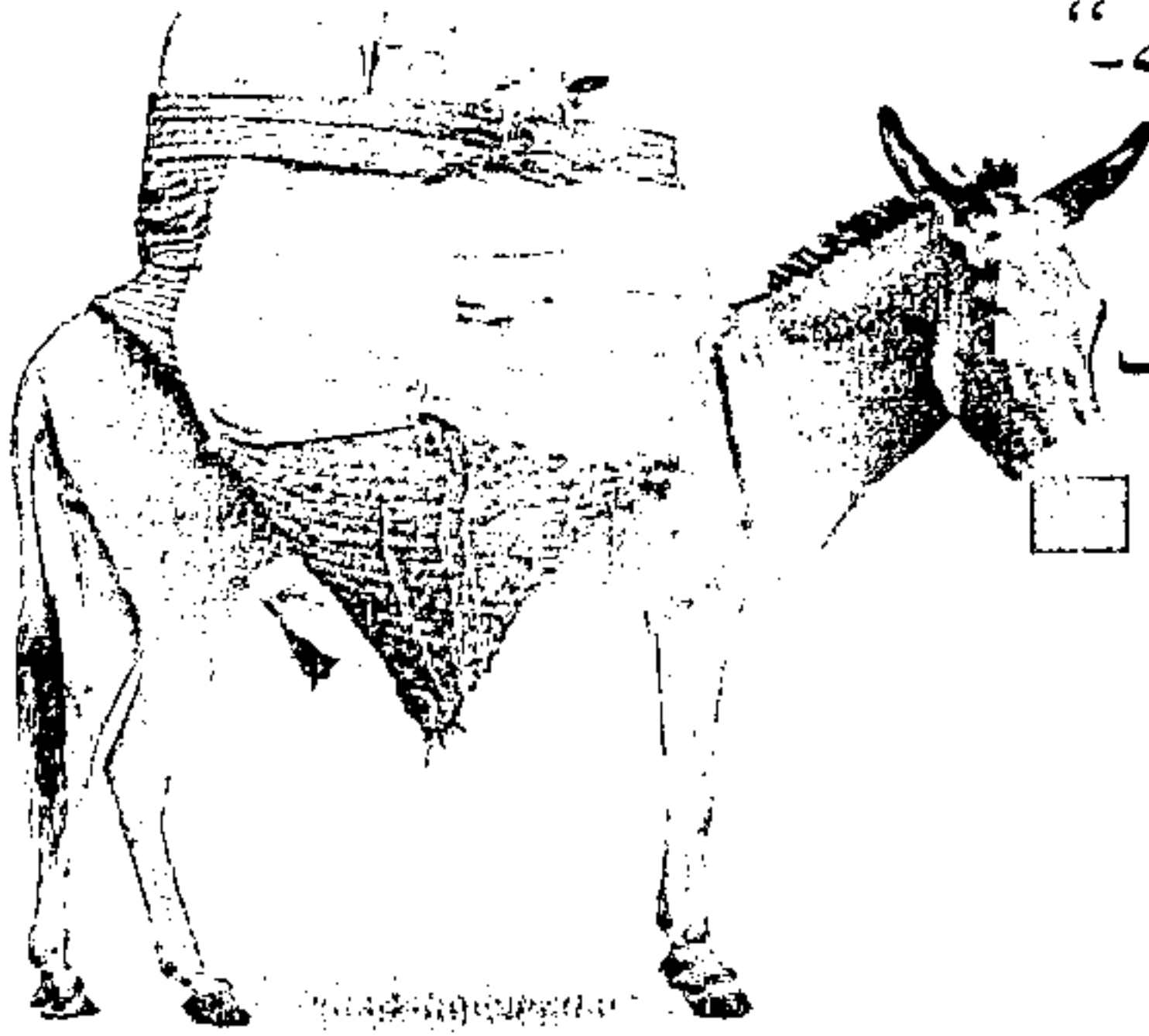
تو وہ کہنے لگا کہ ''میری خواہش ہے کہ ایک خوب صورت باغ میں ایک خوب صورت ترین محل ہو جس میں گھوڑوں کے علاوہ بہت سے غلام اور لونڈیاں ہوں وہ مجھے دیئے جائیں۔''
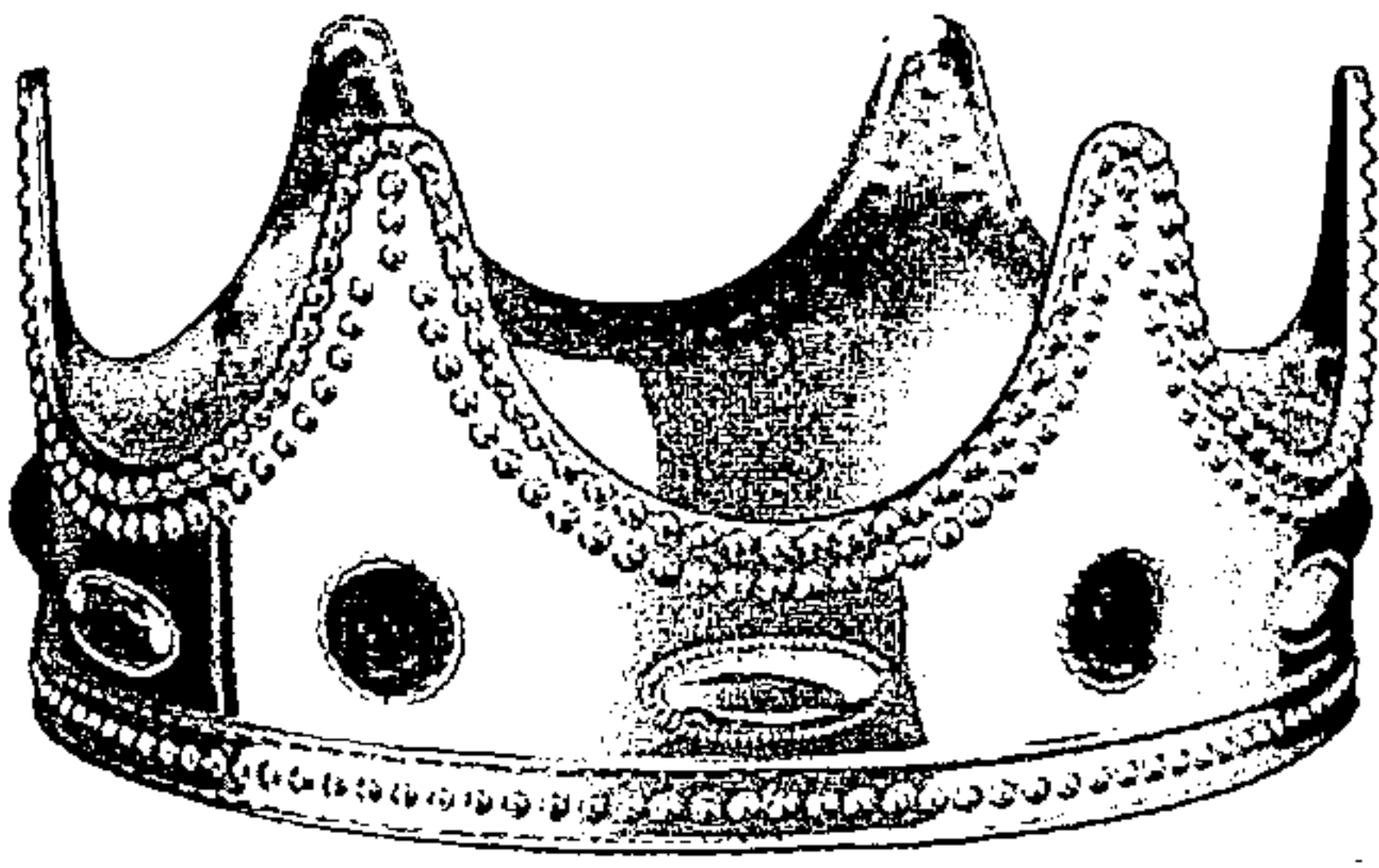
بات آئی گئی ہوگئی۔ اس آدمی نے اپنے ہدف کے حصول کیلئے محنت شروع کردی۔ اس کی موجودہ حیثیت کتنی کم اور مطلوبہ ہدف کس قدر بلند تھا مگر اس کی مستقل مزاجی رنگ لے آئی اور پھر ایک دن وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ جی ہاں، اس کا لقب تاریخ میں حاجب منصور ہے۔ اس کا اصل نام محمد بن ابو عامر المعافری تھا جو خلافت امویہ کی جانب سے اندلس کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، اس وقت اموی خلیفہ کا دور خلافت تھا۔ حاجب منصور 8 اگست 1002ء میں فوت ہوا۔ حاکم بننے سے پہلے حاجب منصور خلیفہ مستنصر باللہ کے دور میں پولیس کا سربراہ اور بعد میں خزانہ (بیت المال) کا نگران بھی رہا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن محمد العامری اندلس کا حاکم بنا۔

حاکم بننے کے کچھ دن بعد حاجب منصور نے اپنے لوگوں کو بازار سے ان دو آدمیوں کو تلاش کر کے لانے کا حکم دیا جنہوں نے آج سے کئی سال پہلے مستقبل کے پروگرام پر حاکم حاجب منصور کا تمسخر اڑایا تھا۔

جب یہ لوگ بازار گئے تو دیکھا کہ وہ دونوں آج بھی اسی طرح گدھوں پر لوگوں کا سامان لا اور لے جا رہے تھے۔ پولیس نے ان دونوں آدمیوں کو پکڑ کر حاکم کے دربار میں پیش کردیا۔ حاکم حاجب منصور نے پہلے شخص سے پوچھا کہ ''تم نے اس وقت کیا کہا تھا'' تو وہ کہنے لگا کہ ''وہ تو مذاق کی بات تھی۔ زمانہ گزر گیا تو بات بھی ختم ہوگئی'' مگر حاکم منصور نے کہا کہ ''نہیں بات ابھی ختم نہیں ہوئی، اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جس کی اس نے خود خواہش ظاہر کی تھی۔'' چنانچہ اس پر اسے گدھے پر الٹا بٹھا کر سارے قرطبہ شہر میں گھمایا گیا اور ساتھ ہی باقاعدہ اعلان کروایا گیا کہ یہ ایک جھوٹا شخص ہے۔

اس نے خدا کے ساتھ اچھا گمان رکھنے والے شخص سے مذاق کیا تھا اس کے بعد اس نے دوسرے آدمی سے اس کی پرانی خواہش پوچھی اور فوراً حکم جاری کیا کہ اسے ایک خوب صورت باغ میں ایک خوب صورت محل دیا جائے جس میں بہت سی لونڈیاں اور غلام ہوں اور اسے بہت سے گھوڑے بھی دیئے جائیں۔ اس پر ایک وزیر کہنے لگا ''آپ نے پہلے کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے، اس کی ایک زبانی بات پر اتنی بڑی سزا دے دی'' حاکم کہنے لگا، میں اسے اور سب لوگوں کو سبق دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور ایک حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ فَلْيَظُنْ عَبْدِيْ بِيْ مَا يَشَاءُ

''میں اپنے بندے کے میرے بارے میں گمان کے مطابق ہوں بندہ جو چاہے میرے بارے میں گمان کرلے، یعنی میں اس کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق سلوک کروں گا''

''اس شخص نے خدا کے بارے میں یہی گمان کیا تھا تو آج اس سلوک کا یہ حقیقی طور پر مستحق ہے۔''
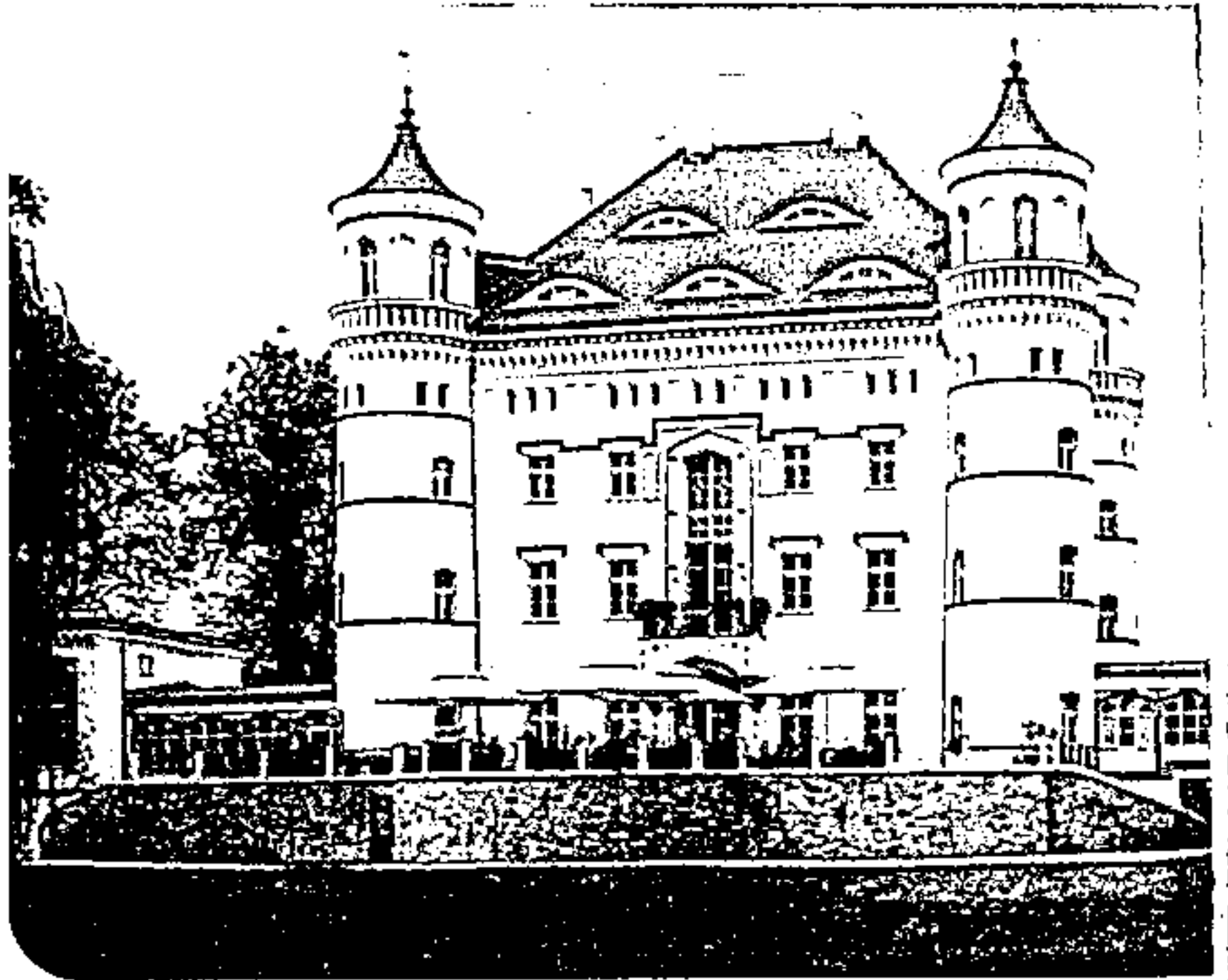
اس لئے کبھی بھی کسی کی خواہش اور اس کے خوابوں کا تمسخر اڑانا اس کے خدا کے ساتھ گمان پر تنقید ہے۔ جب خود اللہ تعالیٰ اس آدمی کے ساتھ اس کے گمان اور خیال کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس پر تنقید کا کوئی حق نہیں، ہماری تنقید اور تمسخر اس آدمی کے خواب اور خیال پر نہیں بلکہ یہ تو خدا کے فیصلے پر ہے جو کہ بہت ہی خطرناک بات ہے۔

گر کر اٹھنا میری کامیابی کا ذریعہ بن گیا

140 چارلز روبرٹ ڈارون (Charles Robert Darwin) مشہور ماہر طبعیات اور نظریہ ارتقاء کا موجد سائنسدان تھا، وہ اسکول میں انتہائی نالائق مشہور تھا، کتنی بار اسے اپنے والد سے ڈانٹ پڑی، اس کا والد ہمیشہ اسے طعنہ دیتا تھا کہ تم خاندان کا نام بدنام کرو گے اور ہمارے لئے شرمندگی کا باعث بنو گے۔

اڈنبرا سے میڈیکل کی تعلیم میں فیل ہونے کے بعد اس نے کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لیا، لیکن وہ وہاں سے بھی فیل ہو گیا۔ اس کے باوجود آخر کار وہ مشہور ماہر طبعیات بنا۔

اسکاٹ لینڈ کے مشہور سائنسدان موجد اور انجینئر جیمز واٹ (James Watt) جس کی ایجادات نے صنعتی ترقی میں انقلاب برپا کر دیا اور توانائی کی پیمائش کو اس کے نام واٹ کے ساتھ منسوب کیا گیا وہ بچپن سے ہی بیمار رہتا تھا، اسے ہمیشہ نصف سر کا درد رہتا تھا اور وہ بہت ہی ڈرپوک اور بزدل تھا۔ اس کے کلاس فیلو اسے ڈرا کر لطف اندوز ہوتے تھے۔ وہ بہت ہی سست، کند ذہن اور نالائق لڑکا تھا۔ لیکن بعد میں اپنی جدوجہد سے اس نے مقام پیدا کیا۔

اگر یہ لوگ اپنے گرنے کے بعد نہ اٹھتے تو کیا آج ہم ان ایجادات سے اس طرح استفادہ کر سکتے تھے جیسے آج کر رہے ہیں۔ یہ گرنے کے بعد اٹھے، اٹھے ہی نہیں چلے، پھر چلے ہی نہیں دوڑے اور دوڑنے کے بعد خود کو بلند مقام تک پہنچا دیا اگر یہ لوگ اٹھ سکتے ہیں تو آپ کیوں نہیں، کیا اس پر کبھی غور کیا۔
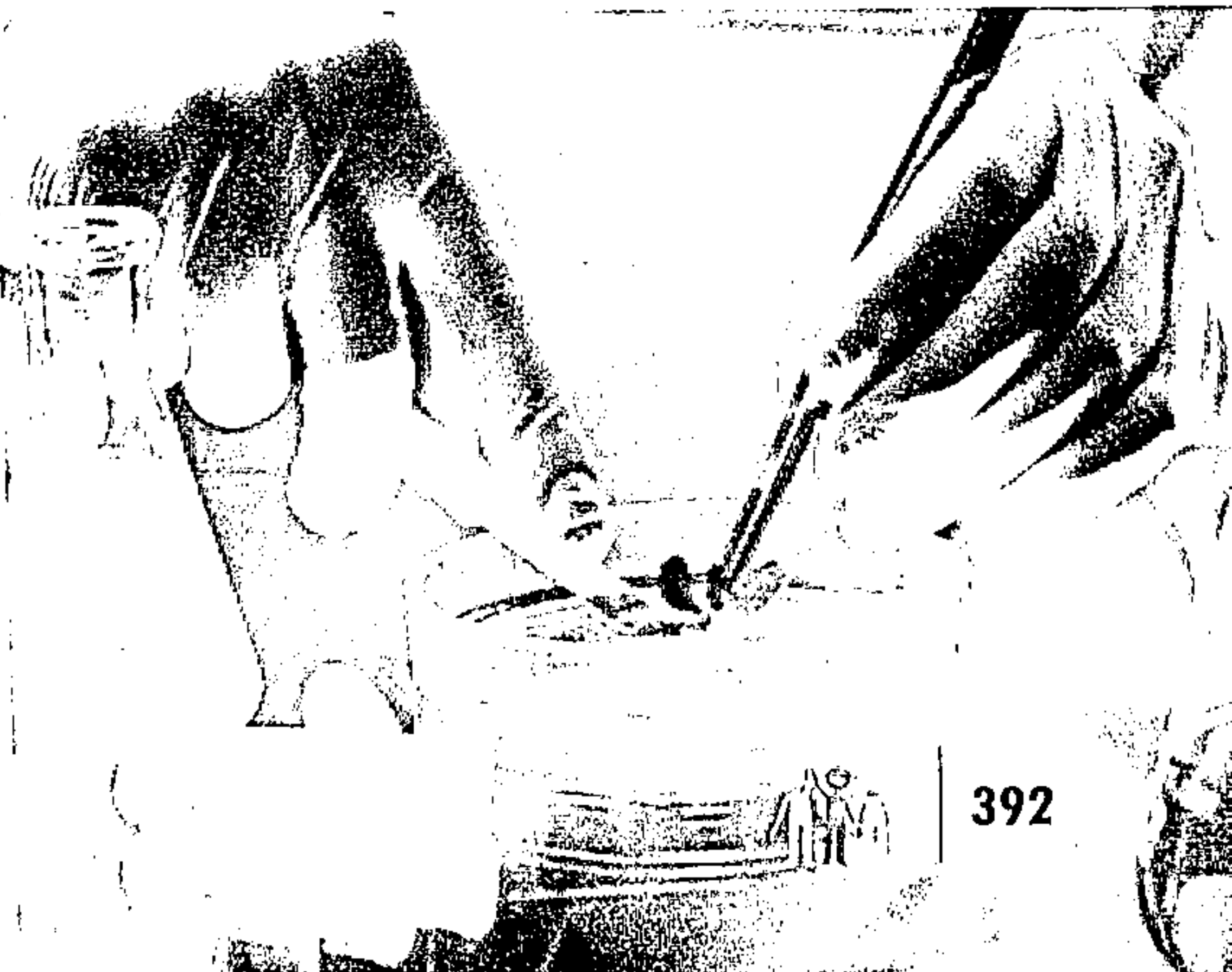
پہاڑ کو شکست دینے والا بہادر شخص

نیوزی لینڈ کے

141 مشہور کوہ پیما ایڈمونڈ ہیلری (Edmund Hillary) نے دنیا کی مشہور اور بلند ترین پہاڑی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ (Mount Everest) کو سر کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، اس کوشش کے دوران اس کے تین ساتھی کوہ پیما موت کی وادی میں چلے گئے۔ اس کی جان مشکل سے بچی چونکہ یہ دل، گردے اور ہمت کا کام تھا اس لئے انگریز حکومت نے اس کی حوصلہ افزائی کی خاطر اسے پارلیمنٹ میں مدعو کیا، جوں ہی وہ پارلیمنٹ میں داخل ہوا سب لوگ کھڑے ہو کر کافی دیر تک اس کے لئے تالیاں بجاتے رہے۔

پارلیمنٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا کہ وہاں ماؤنٹ ایورسٹ پہاڑ کی ایک تصویر لگی ہے۔ ایڈمونڈ ہیلری اسے دیکھ کر رک گیا۔ پھر تصویر کو مخاطب کر کے کہنے لگا "اے ماؤنٹ ایورسٹ! اب کی بار تو تو جیت گیا، اس بار تو بڑا ہے مگر تو ہمیشہ بڑا نہیں رہے گا۔ ایک دن میں غالب آجاؤں گا" اور پھر دنیا نے 11 مئی 1953ء کی صبح یہ منظر دیکھا کہ ایڈمونڈ ہیلری نے ماؤنٹ ایورسٹ کو سب سے پہلے سر کرنے کا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا۔

کیا اس نے پہاڑ کو شکست نہیں دی؟ کیا ایک مستقل مزاج شخص اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوا؟ کیا اس نے تاریخ میں اپنا نام زندہ اور محفوظ نہیں کر لیا؟ حالانکہ پہلی مرتبہ اسے بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر شکست کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہمت ہار کر بیٹھ جائے۔ تجربہ اس صورت میں مفید ہے کہ پہلی خامی دور کر کے نئے سرے سے اپنے مقصد اور ہدف کو حاصل کر لے۔

اگر مشن ہی چھوڑ دیا تو تجربہ کیسا، پھر تو پہلے صرف ہونے والا وقت اور مال سب کچھ اکارت (ضائع) گیا۔ اس لئے غیر مستقل مزاج کا نہ صرف وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ مال بھی برباد ہو جاتا ہے اور مستقل مزاجی سے جدوجہد کرنے والے کی نہ صرف یہ دونوں چیزیں محفوظ رہتی ہیں بلکہ اسے عزت، شہرت اور تاریخ میں بلند مقام بھی مل جاتا ہے۔

مزدور بچہ محنت کر کے 10 دکانوں کا مالک بن گیا

142 میں ایک پسماندہ علاقے کے انتہائی غریب خاندان میں پیدا ہوا جہاں کے باشندے غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے تھے، میں پانچ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا، ہم کبھی بھی لوگوں کی جانب سے بڑی عید کے موقع پر ملنے والے گوشت کے علاوہ گوشت نہیں کھا سکتے تھے۔
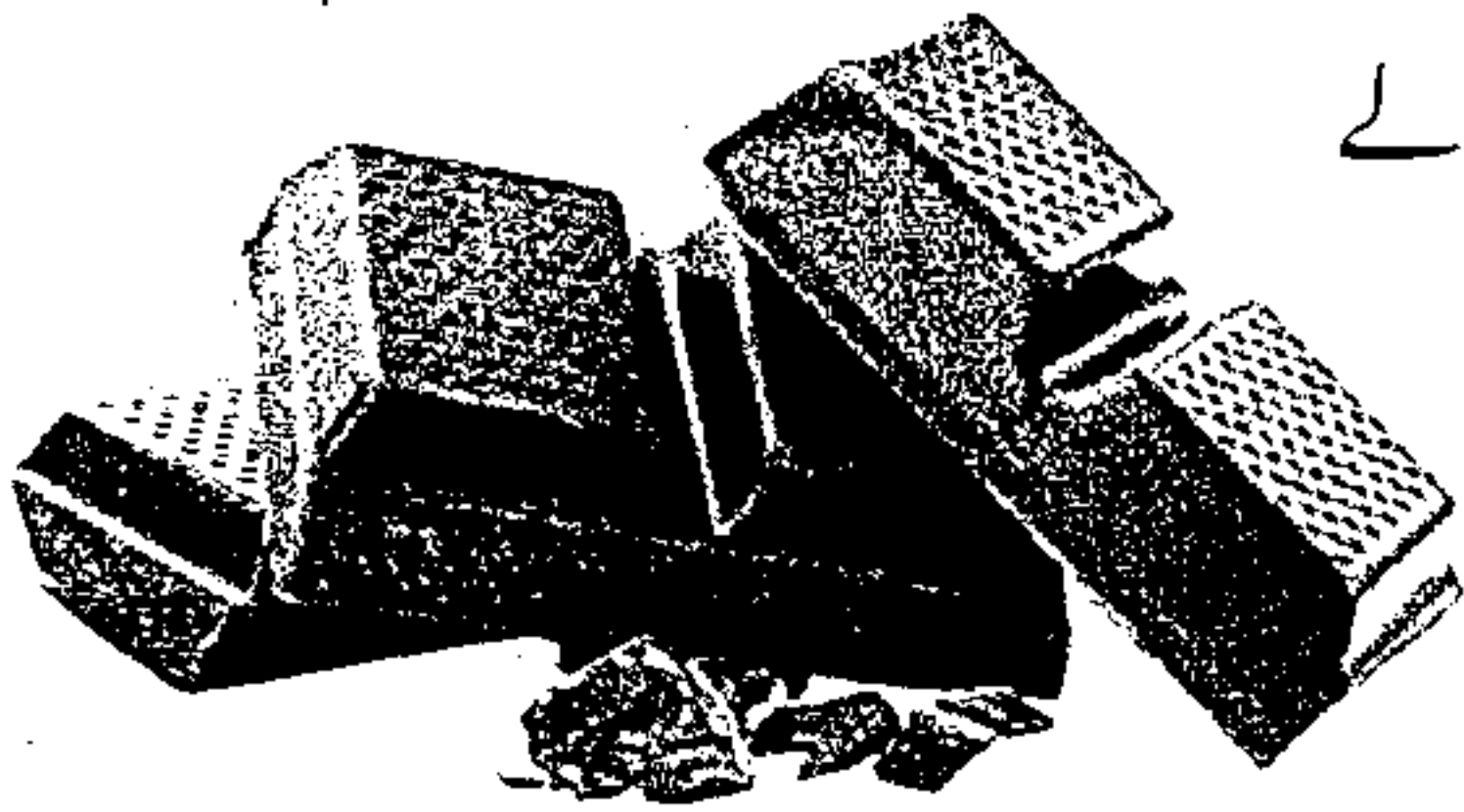
میں اور میرے بہن بھائی چاکلیٹ اور ٹافی کھانے کو ترستے تھے یہ ہمارے لئے ایک انمول اور قیمتی چیز کی طرح تھی میں نے بس ایک ہی بار چاکلیٹ کا ذائقہ چکھا تھا جب میرے ایک کلاس فیلو نے مجھے مارا اور میرے سر سے خون بہنے لگا تھا تو اس نے ٹیچر کو نہ بتانے کے بدلے مجھے چاکلیٹ کی پیشکش کی تھی میں نے اس کے ہاتھ سے جھپٹا مار کر چاکلیٹ چھین لی تھی، میں اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنے سر سے بہنے والا خون صاف کر رہا تھا میں نے وہ چاکلیٹ فوراً اپنے جیب میں چھپا کر رکھ لی اور اوپر سے مضبوطی سے پکڑ کر گھر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا کہ کہیں راستے میں گر نہ جائے گھر پہنچ کر میں نے اپنے تمام بہن بھائیوں کو بلایا اور ان کے ساتھ مل کر چاکلیٹ کھائی۔

اس دن ہماری خوشی کا نہ پوچھیں، بس بیان سے باہر تھی۔ میں آپ کو اپنے والد کے بارے میں بتانا ہی بھول گیا کہ میرے والد خاکروب (صفائی کا کام کرنے والے) تھے اسی وجہ سے محلے کے بہت سے لوگ مجھے خاکروب کا بیٹا کہہ کر طعنے دیتے تھے مگر میری نظر میں میرے والد ایک عظیم انسان تھے، وہ بہت ہی خوددار اور محنتی تھے، انہوں نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا خواہ کتنی ہی بڑی مجبوری کیوں نہ پیش آجائے۔ انہوں نے ہمیشہ ہمیں حلال کھلایا اور ہمیں بھی محنت و جدوجہد کا سبق دیا۔ وہ ہمیں ہر وقت خدا کی عبادت کرنے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے کی نصیحت کرتے وہ کہتے تھے کہ تم کسی سے مانگو گے اگر وہ تمہیں کچھ دیں گے تو تم پر احسان جتلائیں گے اور اگر نہیں دیں گے تو تمہاری ذلت اور رسوائی ہوگی، دونوں صورتوں میں خسارہ ہے اس لئے مانگنا ہی چھوڑ دو۔

ہمارے والد کی تنخواہ اتنی معمولی تھی کہ ہمیں انتہائی کفایت شعاری سے گزارا کرنا پڑتا تھا۔ میری والدہ بھی کپڑوں کی سلائی کر کے گھر کے اخراجات چلانے میں والد کا ہاتھ بٹاتی تھیں وہ اپنی اس کمائی سے بازار سے ہمارے لئے پرانے استعمال شدہ کپڑے وغیرہ لاتی تھیں، ہماری زندگی اسی طرح چل رہی تھی کہ ایک دن ایسا حادثہ پیش آ گیا جس نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا، میرے والد سڑک کے کنارے جا رہے تھے کہ ایک گاڑی والے نے انہیں ٹکر دے ماری اور خود بھاگ گیا میرے والد موقع پر ہی فوت ہو گئے گاڑی والے کا آج تک پتہ نہ چل سکا، ہمارے پڑوسی تعزیت اور تسلی دینے کیلئے کچھ دن تو آتے رہے مگر آہستہ آہستہ سب غائب ہو گئے، میں کسی کو بھی قصوروار نہیں ٹھہراتا کیوں کہ دنیا غریب کے ساتھ یہی سلوک کرتی ہے۔
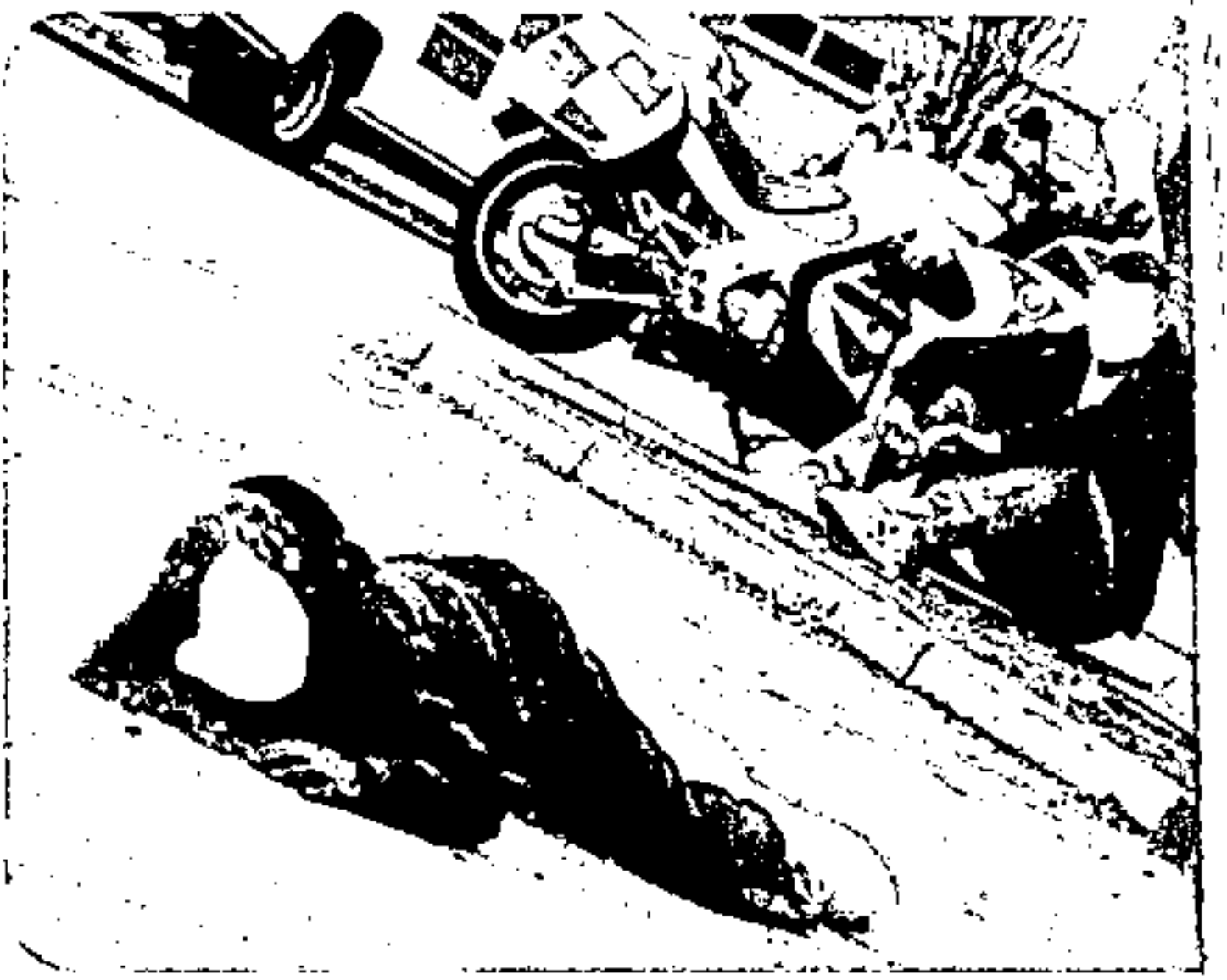
میں اس وقت پندرہ سال کا تھا۔ ہماری تو دنیا ہی اجڑ چکی تھی، میری راتوں کی نیند اڑ چکی تھی، میری والدہ خاموشی سے روتی رہتیں اور کپڑے سیتی رہتیں مگر صرف سلائی سے ملنے والی اجرت سے گھر کا خرچ کہاں چل سکتا تھا۔ مسلسل سلائی کرنے اور مشین پر جھکنے کی وجہ سے والدہ کی کمر ٹیڑھی ہو چکی تھی۔ والد کی وفات کے ایک ماہ بعد ہماری زندگی تنگ ہو کر رہ گئی تھی، فاقوں پر فاقے ہونے لگے، والدہ نے دن بھر میں ایک وقت کا کھانا کر دیا، ہم رات کو اندھیرے میں سونے لگے، ہم سب بہن بھائیوں کے کپڑوں پر کئی کئی پیوند نظر آتے تھے، میں نے کوئی کام کاج کرنے کا سوچا مگر میری ماں نے تعلیم چھوڑنے سے منع کر دیا اور کہا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے تعلیم جاری رکھنی ہے تعلیم ہی سے انسان ترقی کرتا ہے، میں نے جواب دیا اچھا تعلیم کے بعد کوئی کام کر لیتا ہوں'' اس پر وہ کہنے لگیں کہ ''پہلے میرے ساتھ پکا وعدہ کرو کہ تم نے کسی بھی حال میں تعلیم نہیں چھوڑو گے''۔ میں نے خدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کر لیا جس پر میری ماں نے اسکول کے بعد مجھے کام کرنے کی اجازت دیدی۔

میں نے اپنے لئے کوئی کام ڈھونڈنا شروع کر دیا، میں ظہر میں اسکول سے واپس آتا، کھانا کھاتا، کھانا کیا ہوتا، خشک چاول پانی کے ساتھ کھانے کے بعد پیدل شہر کی طرف چلا جاتا، وہاں مختلف شاپنگ سینٹروں اور دکانوں پر لگے اشتہار برائے ضرورت ملازم ڈھونڈتا، میں بہت سے دفتروں میں گیا مگر ہر جگہ مجھے میری چھوٹی عمر کی وجہ سے مسترد کر دیا گیا، پورا ایک ماہ میں اسی طرح نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا، میں بالکل مایوس ہو چکا تھا۔

ایک دن میں سارا بازار گھوم کر تھک ہار چکا تھا کہ اچانک میری نظر چوک میں کھڑے ایک شخص پر پڑی، وہ آدمی کچھ سامان لئے کھڑا تھا، اچانک میری ہی عمر کا ایک لڑکا آیا اور اس سے کہنے لگا کہ کیا آپ کو بوجھ اٹھانے والے کی ضرورت ہے'' اس شخص نے نفی میں جواب دیا اس لڑکے کی بات سن کر میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں یہ کام شروع کر دوں اور پھر میں اسی وقت اٹھا اور منڈی میں چلا گیا جہاں گاڑیوں سے سامان اتارا اور ان پر لادا جاتا ہے۔

وہاں جا کر میں ہر ایک سے پوچھنے لگا کہ کیا سامان اٹھوانا ہے، پہلے دوسرے اور تیسرے شخص نے مجھے دیکھ کر انکار کیا مگر چوتھے نے کہا کہ ہاں اٹھوانا ہے اور پھر اس رات اس کام کے مجھے دس ریال ملے۔ آج مارے خوشی کے مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا میں خود کو ہوا میں اڑتا محسوس کر رہا تھا کہ کس طرح جا کر اپنی ماں کو خوشخبری سناؤں، جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ ماں مشین پر جھکی کپڑوں کی سلائی میں مصروف تھی، میں نے جا کر انہیں سلام کیا اور ان کا سر چوما اور پھر دس ریال ان کے ہاتھ میں دیدیئے ماں نے مجھے گلے لگا لیا اور دیر تک مجھے گلے لگا کر روتی رہی اس طرح میرا یہ معمول بن گیا کہ میں صبح سے ظہر تک اسکول جاتا، وہاں سے شام کو منڈی چلا جاتا جہاں سے کام کرنے کے بعد رات کو دیر سے واپس گھر لوٹتا۔

میں تعلیم پر بھی خوب توجہ دیتا ہاف
ٹائم میں کبھی نہیں کھیلتا بلکہ سارا ہوم
ورک تفریح کے وقفے میں ہی
اسکول میں مکمل کر لیتا تھا، میرے
سارے ٹیچرز بھی مجھ سے خوش تھے اور
میں اپنا کام منڈی میں بھی انتہائی دیانت
داری سے کرتا، میرے باپ نے مجھے نصیحت کی
تھی کہ کبھی بھی حرام نہیں لینا، اس پر میں آج تک سختی سے عمل پیرا ہوں۔ کتنی بار ایسا ہوا
کہ منڈی میں لوگوں کا سامان اور نقدی بھول گئی اور میں نے واپس کر دی جس سے
پوری منڈی میں میری عزت اور احترام ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک بہت بڑے تاجر نے
250 ریال ماہوار پر مجھے اپنے ہاں ملازمت کی پیشکش کر دی جو میں نے بخوشی قبول
کر لی۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھے اتنی اچھی ملازمت مل سکتی ہے میں خوشی سے پاگل
ہوئے جا رہا تھا، دل چاہتا تھا کہ پر مل جائیں اور میں اڑ کر اسی وقت ماں کو جا کر خوشخبری
سنا دوں، شام کو گھر جا کر ماں کو بتایا تو وہ اٹھی، وضو کیا اور نماز شکرانہ ادا کی اور پھر مجھے
گلے لگا لیا، ماں کہنے لگی ''بیٹا ہماری وجہ سے تو نے بہت تکلیف اٹھائی ہے۔'' میں تین
سالوں تک مستقل مزاجی سے اس تاجر کے ساتھ کام کرتا رہا، میری دیانت اور سچائی
کے اتنے چرچے ہو گئے تھے کہ کئی دوسرے تاجروں نے اس سے زیادہ تنخواہ پر اپنے
ہاں کام کی پیشکش کی مگر میں نے کہا کہ اس تاجر نے اس وقت مجھے ملازم رکھا جب کوئی
مجھے پہچان نہیں رہا تھا، میں اب اسے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ یہ دیکھتے ہوئے
میرے تاجر نے میری تنخواہ میں ہر پانچ چھ ماہ بعد اضافہ کرنا شروع کر دیا۔
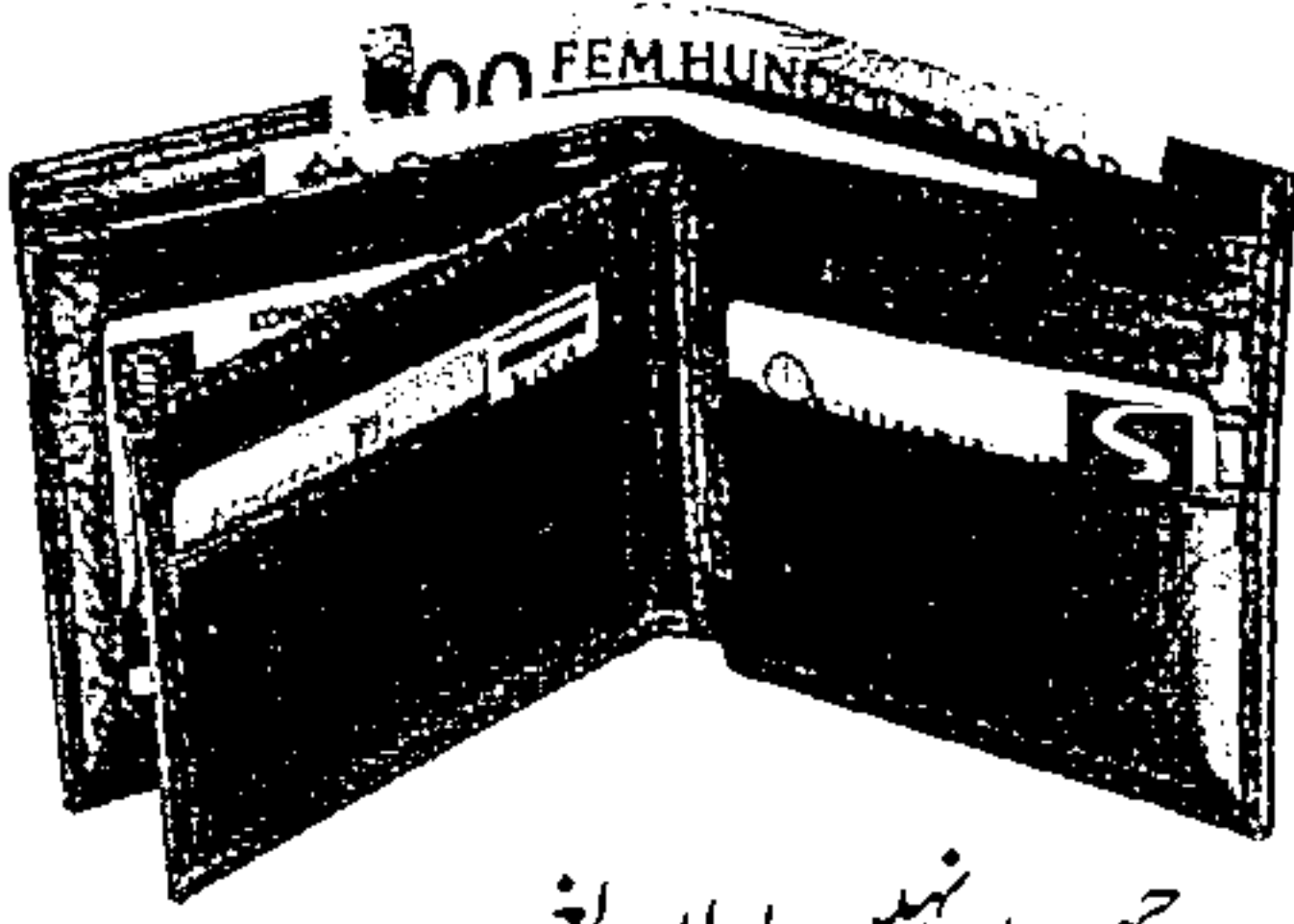
میں نے اپنی ماں اور باپ کی نصیحت پر اس قدر سختی سے عمل کیا کہ اس تاجر کو اپنی اولاد سے زیادہ مجھ پر یقین ہونے لگا تھا اور یہ یقین اسے ایک دم نہیں آیا یہ بھروسہ قائم کرنے میں دو سال لگے تھے، میں نے کبھی بھی اس سے جھوٹ نہیں بولا، بغیر اجازت کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا، ایک بار تاجر دکان پر موجود نہیں تھا ایک گاہک آیا، وہ سامان خریدا اپنا بٹوہ وہیں بھول گیا، میں نے بٹوے کو کھولا تک نہیں بلکہ اسی طرح سنبھال کر رکھ دیا جب تاجر واپس آیا تو بٹوہ اس کے حوالے کر دیا اور اس کے مالک کا سارا حلیہ بھی بتا دیا۔ تاجر نے جب بٹوہ کھولا تو اس میں 20 ہزار ریال تھے۔

تاجر نے پوچھا کہ ''کیا تم نے یہ رقم گنی ہے۔'' میں نے کہا ''یہ میرے لیے حلال ہی نہیں تو پھر میں کیوں اسے دیکھوں اور گنوں'' اس پر تاجر بہت متاثر ہوا، اتنے میں بٹوہ کا مالک آ گیا اور پوچھنے لگا کہ ''میرا بٹوہ کہیں کھو گیا ہے'' میں نے اسے بتایا کہ وہ بٹوہ ہمارے پاس محفوظ ہے، اس نے بٹوہ کھول کر دیکھا تو سب کچھ اسی طرح محفوظ تھا، وہ بہت حیران ہوا اور مجھے فوراً 500 ریال دینے لگا۔ میں نے کہا ''یہ میرا فرض بنتا تھا، یہ آپ کی چیز ہے، کیا میں اپنے فرض اور ڈیوٹی پوری کرنے کیلیے پر آپ سے اتنی بڑی رقم لے لوں یہ نہیں ہوسکتا یہ سن کر وہ سکتے میں آ گیا۔

اتنے میں ہمارے اسٹور پر کافی رش ہو گیا، وہ آدمی کہنے لگا ''خدا کی قسم میں نے آج تک ایسا نیک اور ایمان دار لڑکا زندگی میں نہیں دیکھا''۔ چند دنوں میں پوری منڈی میں میری ایمانداری اور دیانت داری کا چرچا ہر عام اور خاص کی زبان پر تھا جب کہ دگنی تنخواہ کی پیشکش کو اپنے پہلے تاجر کے ساتھ کام کے بدلے ٹھکرا کر میں اپنی وفاداری ثابت کر چکا تھا، ساری منڈی والے حیران تھے۔ مجھے ان تین سالوں میں کاروبار کا خوب اچھی طرح تجربہ بھی ہو گیا، میری ڈیلنگ کو میرا تاجر بہت حیران کن قرار دیتا تھا اس کا کہنا تھا کہ ''جو گاہک تم سے ایک بار لین دین کرتا ہے وہ دوبارہ تمہارے پاس ضرور آتا ہے''۔

اصل میں میں ہر گاہک کی خوب عزت اور احترام کرتا تھا اس پر میرا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہوتا لیکن اس کا پورا دل و دماغ خرید لیتا تھا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے ثانویہ کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کرلیا، اس عرصہ میں اتنی رقم اکٹھی کر چکا تھا جس سے اپنے علاقے میں ایک چھوٹی سی دکان کھول سکوں، میں نے ایک سائیکل بھی خرید لی تھی جس پر میں گھر سے اسکول اور اسکول سے دکان پر آتا جاتا تھا۔

میں نے ایک دکان کرایہ پر حاصل کر کے خود ہی اسکی صفائی اور رنگ و روغن کا کام کیا اور سبزی فروخت کرنا شروع کردی، یہاں بھی میں نے سچائی اور دیانت داری کو مقدم رکھا۔ ہر روز میں تازہ سبزی لاتا اور پرانی سبزی کو الگ کر دیتا اور میری اس دیانت داری کی وجہ سے میری دکان خوب چلنے لگی، اب میں روزانہ سائیکل پر کالج جاتا اور گھر واپس آکر کھانا کھانے کے بعد دکان پر چلا جاتا۔ میری والدہ کی دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے کام کے اندر جدت پیدا کی میں نے ایک آدمی رکھا جو سائیکل پر لوگوں کے گھروں پر جا کر اسی قیمت پر فروخت کرتا جس پر میں دکان میں فروخت کرتا تھا، اس سے میرے کاروبار میں مزید ترقی ہونے لگی۔ یہ ایک نئی اور انوکھی سوچ تھی اور ہر نئی سوچ اور نئی فکر والا کاروبار ہی ترقی کرتا ہے اس کیلئے تو بڑی کمپنیاں مستقل بجٹ رکھتی ہیں اور باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد میں نے سبزیوں کے ساتھ پھل بھی فروخت کرنا شروع کردیئے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ یونیورسٹی کے امتحانات کے دوران کتنی ہی بار مجھے اونگھ آجاتی اور پھر نگران کی تنبیہ پر آنکھ کھلتی تھی مگر میں نے تمام مشکلات کے باوجود مستقل مزاجی سے تعلیم بھی جاری رکھی اور اپنا کام بھی۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب میں سخت سرد موسم میں بارش کے پانی میں گر گیا تھا جس سے میرے سارے کپڑے گیلے ہو گئے تھے اور پھر اگلے دو دن تک میں بخار میں مبتلا رہا مگر میں نے کبھی بھی اپنے ہدف اور مقصد سے پیچھے ہٹنے کا نہیں سوچا۔ چار سال بعد میں نے یونیورسٹی سے نمایاں اور اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی مگر میں نے سوچا کہ میں سرکاری ملازمت نہیں کروں گا کیونکہ میرے اس کاروبار سے مجھے ملازمت سے چار گنا زیادہ نفع مل رہا تھا۔
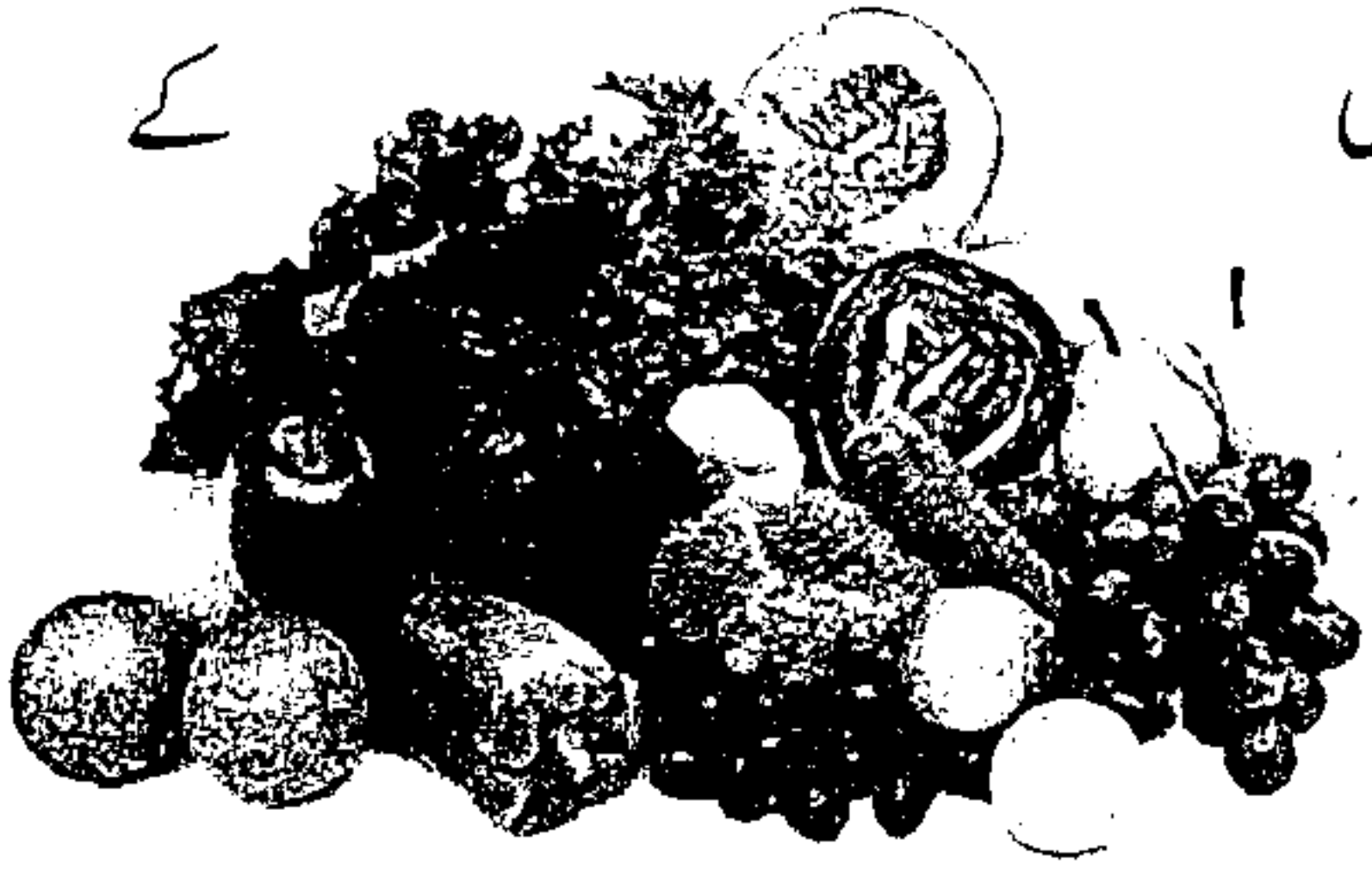
اس طرح مزید تین سال بعد میں نے ایک اور دکان بھی کھول لی، میری ہمیشہ کوشش رہی کہ گاہک کو خوش رکھوں، کتنی ہی بار لوگوں نے خریدا ہوا سامان واپس کرنا چاہا مگر وہ جھجک رہے تھے مگر میں نے خوشدلی سے نہ صرف سامان واپس کیا بلکہ انہیں اپنی طرف سے چائے بھی پلائی اس طرح وہ میرے مستقل گاہک بن گئے۔ اب لوگوں کو مجھ پر اتنا اعتبار ہو چکا تھا کہ وہ فون پر آرڈر دیدیتے تھے اور میں ان کے گھر سامان بھیج دیتا تھا۔ میرا ایک اصول یہ بھی تھا کہ میری نظر گاہک کی جیب پر کبھی نہیں ہوتی تھی بلکہ میری نظر اس کے دل اور دماغ کو قابو کرنے پر ہوتی تھی، ان کی جیب تو خود ہی میرے قابو میں آجاتی تھی، جب میرے کام میں مزید ترقی ہوئی تو میں نے اپنا مکان بنانے کا پروگرام بنایا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک تیار فلیٹ آسان قسطوں پر مجھے مل گیا، پہلی دفعہ ہم واقعی ایک مکان میں داخل ہوئے اس کے وسیع و عریض کمرے دوسری تمام سہولیات سے مزین تھے ہم سب کے خوشی کے مارے آنسو نکل آئے تھے، پھر میں نے شہر میں ایک بڑی دکان کھولنے کا پروگرام بنالیا۔
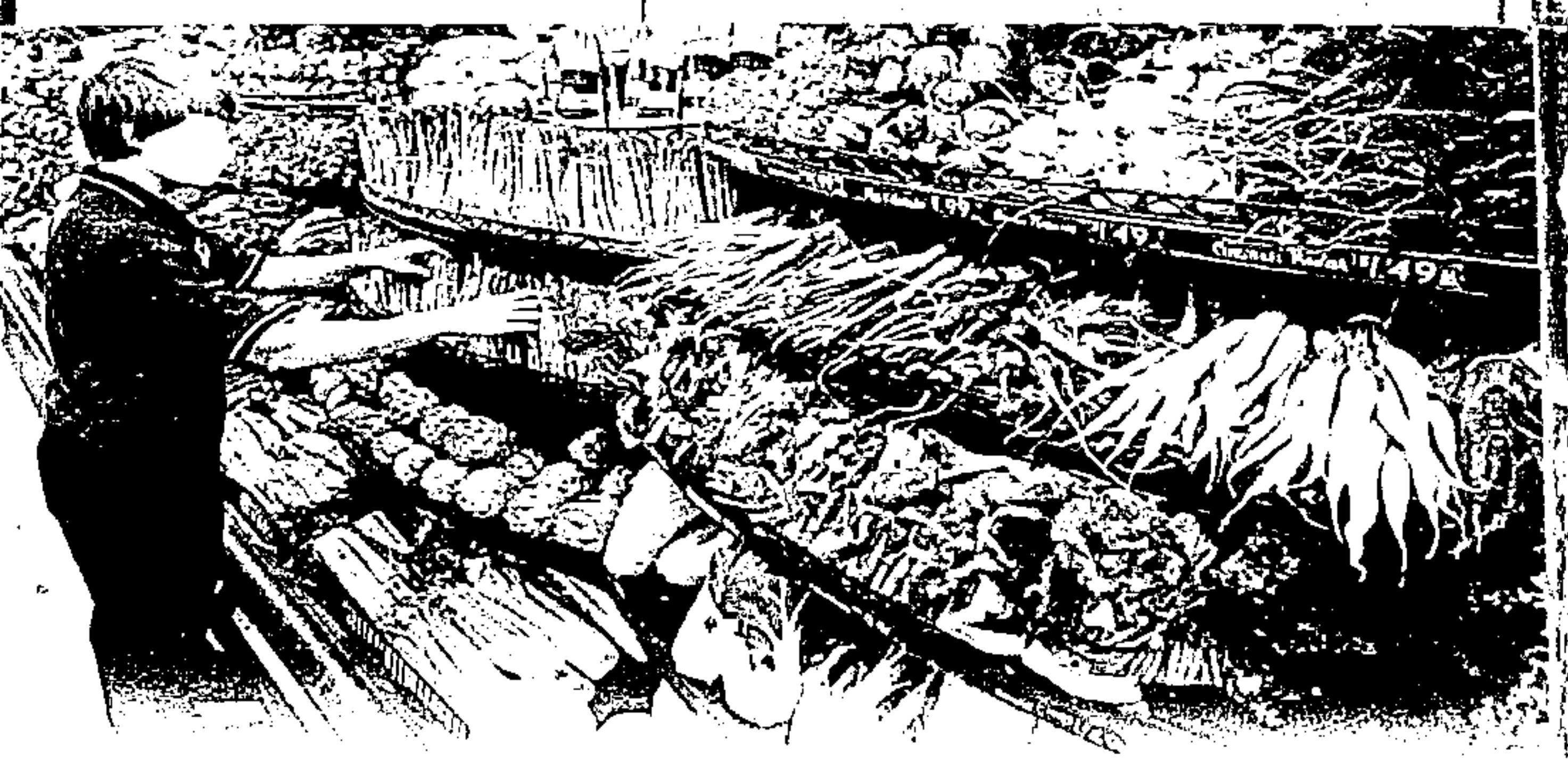
اس پر بہت زیادہ اخراجات اور مشکلات درپیش تھیں مگر میں نے کبھی بھی مشکل کو مشکل نہیں سمجھا اور نہ ہی نقصان کی کبھی پروا کی۔ اب میری جان پہچان ہو چکی تھی، میں نے دو تین جگہ سے قرض لیا اور شہر کے وسط میں دکان کھول لی۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ شہر میں سبزی اور فروٹ کی سب سے بڑی دکان تھی تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا۔ میں نے اس کے افتتاح کی بھرپور اور خوب تشہیر، کی مجھے معلوم تھا کہ بھرپور تشہیر سے تین سال کا نفع صرف چھ ماہ میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

میں نے اس دکان میں چار ملازم رکھے اور سب سے اہم چیز یہ کہ لوگوں کے گھروں پر تمام مال بغیر اضافی مزدوری کے سپلائی کیا جانے لگا، میں نے سچائی اور دیانت داری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ تھا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک سال سے بھی پہلے تمام قرض ادا ہو گیا اور پھر اگلے چند سالوں میں نے مزید دس برانچیں کھول لیں۔ آج والد کو فوت ہوئے چالیس سال ہو چکے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ ہمارے گھر میں کبھی گوشت نہیں پکتا تھا اور آج میں اپنی محنت اور مستقل مزاجی کی بدولت لاکھوں پتی ہو چکا ہوں، میرا اپنا بہت بڑا مکان ہے، گاڑی ہے، دس بڑی دکانیں ہیں، میرے سارے بھائیوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی ہے، میری ماں کی عمر 80 سال ہے مگر ان کی صحت بہت اچھی ہے۔

یہ صرف میری کہانی ہی نہیں آپ کیلئے میرا خصوصی پیغام اور نصیحت ہے کہ کبھی بھی ہمت نہ ہاریں، مستقل مزاجی سے محنت کریں، سچائی اور دیانت داری کو اپنا شعار بنائیں اور ایک ہدف مقرر کر کے اس کے پیچھے چل پڑیں، کوئی یہ نہ سوچے کہ وہ غریب ہے اور کچھ کر نہیں سکتا۔

بڑے بڑے لوگ ایسے گزرے جنہیں دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آتا کہ وہ انتہائی غریب تھے، ذرا مجھے ہی دیکھیں، میں بوجھ اٹھانے والا مزدور تھا، میرے والد خاکروب تھے، میری والدہ سلائی کا کام کرتی تھیں۔ اگر آپ کا بھی کوئی خواب، منزل یا ہدف ہے تو اسے پورا کرنے کیلئے کل نہیں آج ہی اٹھیے، زندگی کا کوئی پتہ نہیں کس موڑ پر اس کی شام ہو جائے۔

ناکامیوں کا خوف ذہن سے نکال دیں، ناکامیاں تو کامیابیوں کا زینہ بنیں گی۔ ذرا دیکھئے تو بچہ پہلی بار جب چلنا شروع کرتا ہے تو ایک یا دو قدم چلتا ہے پھر گر جاتا ہے پھر چلتا ہے پھر گر جاتا مگر اس ناکامی کی وجہ سے وہ چلنا نہیں چھوڑتا، گرتا اور اٹھتا رہتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ نہ صرف چلنا شروع کرتا ہے بلکہ دوڑتا بھی ہے، اچھل کود کرتا اور چھلانگیں بھی لگاتا ہے۔ اگر یہ بچہ ایک یا دو بار چلنے میں ناکامی پر بیٹھ جاتا تو کبھی بھی چلنا پھرنا نہ سیکھتا۔ کیا آپ کا ذہن اس چھوٹے سے معصوم اور دودھ پیتے بچے سے بھی گیا گزرا ہے کہ ایک دو دفعہ گرنے اور نقصان کے خوف سے دوبارہ کوشش ہی ترک کر دیں اور ہمیشہ کیلئے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کر لیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔
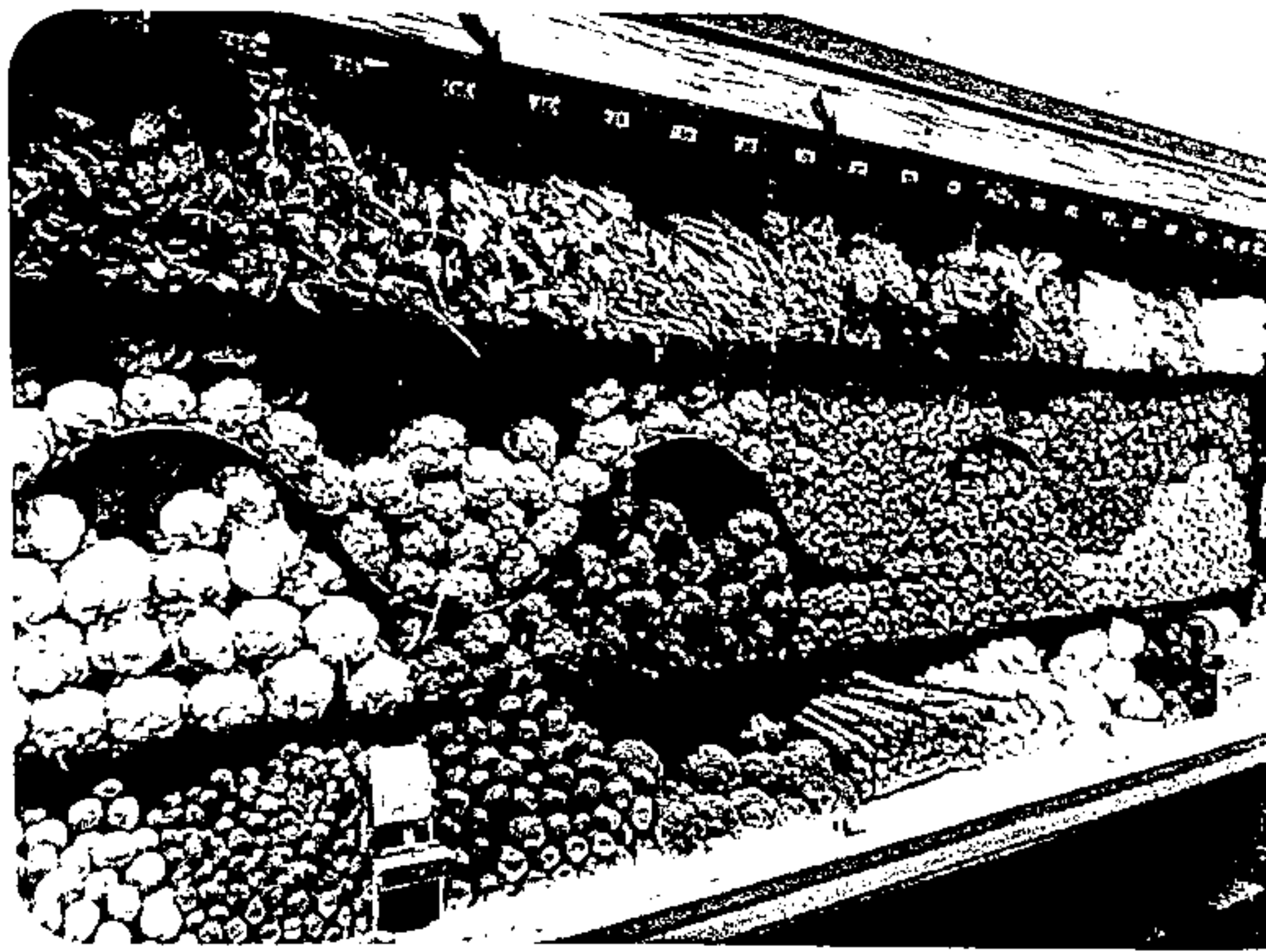
کبھی بھی ہمت مت ہارو

143 جب ونسٹن چرچل دوسری مرتبہ انگلینڈ کا وزیر اعظم بنا تو اسے آکسفورڈ یونیورسٹی کے فارغ ہونے والے طلبہ سے خطاب کی خصوصی طور پر دعوت دی گئی۔ تقریب میں ایک طویل سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

آخر میں جب وزیر اعظم انگلینڈ کو طلبہ سے خطاب کی دعوت دی گئی تو وہ اٹھ کر اسٹیج پر مائیک کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اپنے سامنے موجود ڈائس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر تمام طلبہ پر دائیں، بائیں اور سامنے نظر دوڑائی اور پھر کچھ سیکنڈ کے وقفے کے بعد اپنے مخصوص انداز سے تقریباً تیس سیکنڈ تک مجمع پر نظر گاڑھ کر دیکھتا رہا اور پھر کہنے لگا ''کبھی بھی ہمت مت ہارو، مت ہارو''۔ پھر اس کے بعد اس نے وقفہ کیا اور دوبارہ مجمع سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا ''یاد رکھو، کبھی ہمت مت ہارنا''۔ یہ کہہ کر اس نے چند سیکنڈ مجمع کو دیکھا اور پھر اسٹیج چھوڑ کر واپس اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

یہ شاید دنیا میں کسی بھی ملکی سربراہ کا انتہائی مختصر ترین خطاب ہے مگر یہ اس کی اپنی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہے جس نے خود اپنی کامیابیوں کا سبب واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ یہ ایک صرف جملہ نہیں ہے بلکہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے جسے جتنا وسیع کرتے جائیں گے، طویل ہوتا جائے گا مگر اسے اس سے زیادہ مختصر اور جامع انداز میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور یہی حقیقت ہے۔ دنیا کے ہر کامیاب آدمی کی کہانی کا مرکزی خیال صرف اسی جملے کے اردگرد گھومتا ہے کہ کبھی بھی ہمت مت ہارو اور جو بھی ہمت ہار گیا وہ میدان سے ہی باہر ہو جاتا ہے۔

دوسروں کے تجربوں سے سیکھو

144 مشہور سائنسدان نیوٹن کہتا ہے: ''اگر میں نے کسی جدید چیز کا انکشاف کیا ہے تو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ میں نے خود سے آگے بڑھنے والوں کے کندھے استعمال کیے ہیں''

مشہور فلسفی ارسطو کہا کرتا تھا کہ ''آپ کو جاہلوں اور بے وقوفوں سے بھی علم حاصل ہوسکتا ہے۔'' اس کا اپنے بارے میں کہنا تھا: كُلَّمَا رَأَيْتُهُمْ يَفْعَلُوْنَ شَيْئًا اِجْتَنَبْتَهُ

''میں نے جو کام بے وقوفوں کو کرتے دیکھا اسے چھوڑ دیا''

یعنی دوسروں کے تجربے سے سیکھ کر اس سے آگے بڑھا جاسکتا ہے کیونکہ جو بات اس نے چار پانچ سالہ تجربے سے حاصل کی۔ آپ نے پانچ دس منٹ میں حاصل کرلی تو گویا آپ کے چار پانچ سال مفت میں بچ گئے، اس طرح اگر آپ روزانہ ایک آدمی کی زندگی کے تجربات سے سیکھتے چلے جائیں تو روزانہ اپنی عمر کے تیس چالیس سال بچاتے جائیں گے اور مفت میں ان لوگوں کے تیس چالیس سالہ تجربات حاصل کرتے چلے جائیں گے، گو آپ ایک سال میں لوگوں کی ہزار سالہ زندگی کا نچوڑ اور تجربہ حاصل کرسکتے ہیں۔

یہ سب سے آسان راستہ ہے ورنہ کیا یہ ضروری ہے کہ ایک آدمی کو ایک سوراخ سے سانپ کے ڈسنے کا تجربہ ہو چکا ہو، آپ اس کے تجربے سے سبق حاصل کرنے کے بجائے اپنا ذاتی تجربہ کرتے ہوئے خود ذاتی طور پر اس سوراخ سے ڈسے جانے کا منظر دہرائیں۔

اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوسکتی ہے۔
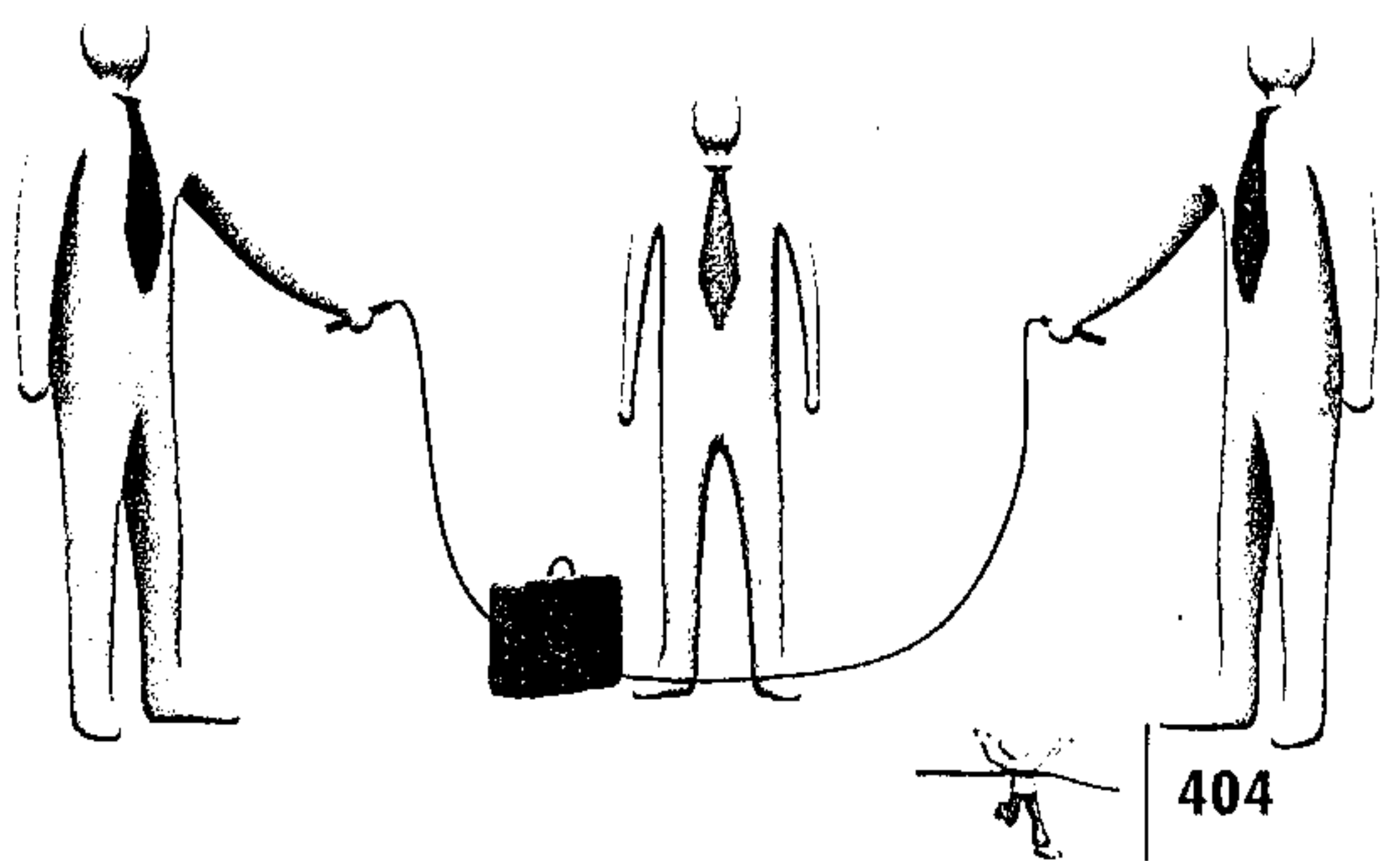
فاتح کبھی نہیں بھاگتا

145 "دو لڑکے گاؤں کی سڑک پر جا رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ شہر میں دودھ کی ترسیل کے لئے ڈبے لوڈ کیے جا رہے ہیں کسی کو نزدیک نہ پاتے ہوئے انہیں شرارت سوجھی اور انہوں نے دو بڑے بڑے مینڈک اٹھا کر مختلف ڈبوں میں ڈال دیئے۔ پھر ان ڈبوں کو لوڈ کر کے شہر کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

سفر کے دوران پہلے ڈبے کے مینڈک نے سوچا "کیا مصیبت ہے میں اس ڈبے کا ڈھکن نہیں ہٹا سکوں گا کیونکہ یہ بہت وزنی ہے میں نے تو کبھی دودھ میں غسل بھی نہیں کیا، یہ کیا مشکل آن پڑی ہے میں ڈبے کے پیندے تک بھی نہیں جا سکتا تاکہ پوری قوت سے اچھل کر اسے اپنی جگہ سے ہٹا سکوں" بالآخر اس نے کوشش ترک کر دی اور ہمت ہار دی جب اس ڈبے کا ڈھکن اٹھایا گیا تو اس مینڈک کی لاش اوپری سطح پر تیر رہی تھی بالکل ایسے ہی حالات دوسرے ڈبے والے مینڈک کو بھی درپیش تھے۔

لیکن اس نے خود سے کہا "میں اس ڈھکن کو نہیں ہٹا سکتا اور نہ ہی اس میں کوئی چھید کر کے اپنی جان بچا سکتا ہوں کیونکہ یہ بہت مضبوطی سے بند اور وزنی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ، میں ایک کام جانتا ہوں اور وہ ہے تیرنا بس اس نے تیرنا شروع کر دیا اور تیرتے تیرتے مکھن کا گولا بنا کر اس پر بیٹھ گیا۔ جب ڈبے کا ڈھکن کھولا گیا تو اس نے یہ کہتے ہوئے باہر چھلانگ لگا دی "فاتح کبھی بھاگتے نہیں" اور بھاگنے والے کبھی جیتتے نہیں۔

(بحوالہ: کامیابی 60)

تیز ترین آبدوز ایجاد کرنے والا باہمت سعودی نوجوان

146 حیدر علی سعودی عرب کے شہر جدہ میں ایک انتہائی غریب گھرانے میں پیدا ہوا، عام بچوں کی طرح اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، اسے الیکٹرانک کھلونے بہت پسند تھے، وہ انہیں کھول کر دوبارہ جوڑتا رہتا تھا، پھر اس کا یہ شوق بڑھا تو وہ دوسری الیکٹرک چیزوں میں دلچسپی لینے لگ گیا، اس دوران یہ لوگ ریاض چلے گئے جہاں حیدر علی نے فزکس میں داخلہ لے لیا، وہ دوران تعلیم مختلف ایجادات کے لیے تجربے بھی کرتا رہا بالآخر وہ بہت سی ایجادات اپنے نام کرنے میں کامیاب ہوگیا مگر اس کی سب سے اہم ایجاد صقر آبدوز ہے جس نے جاپانی آبدوز شنگھائی کا بھی ورلڈ ریکارڈ توڑ ڈالا۔ شنگھائی کا ریکارڈ 6500 میٹر تھا مگر صقر آبدوز نے سمندر میں 6525 میٹر گہرائی تک جا کر عالمی ریکارڈ اپنے نام کر ڈالا تھا۔
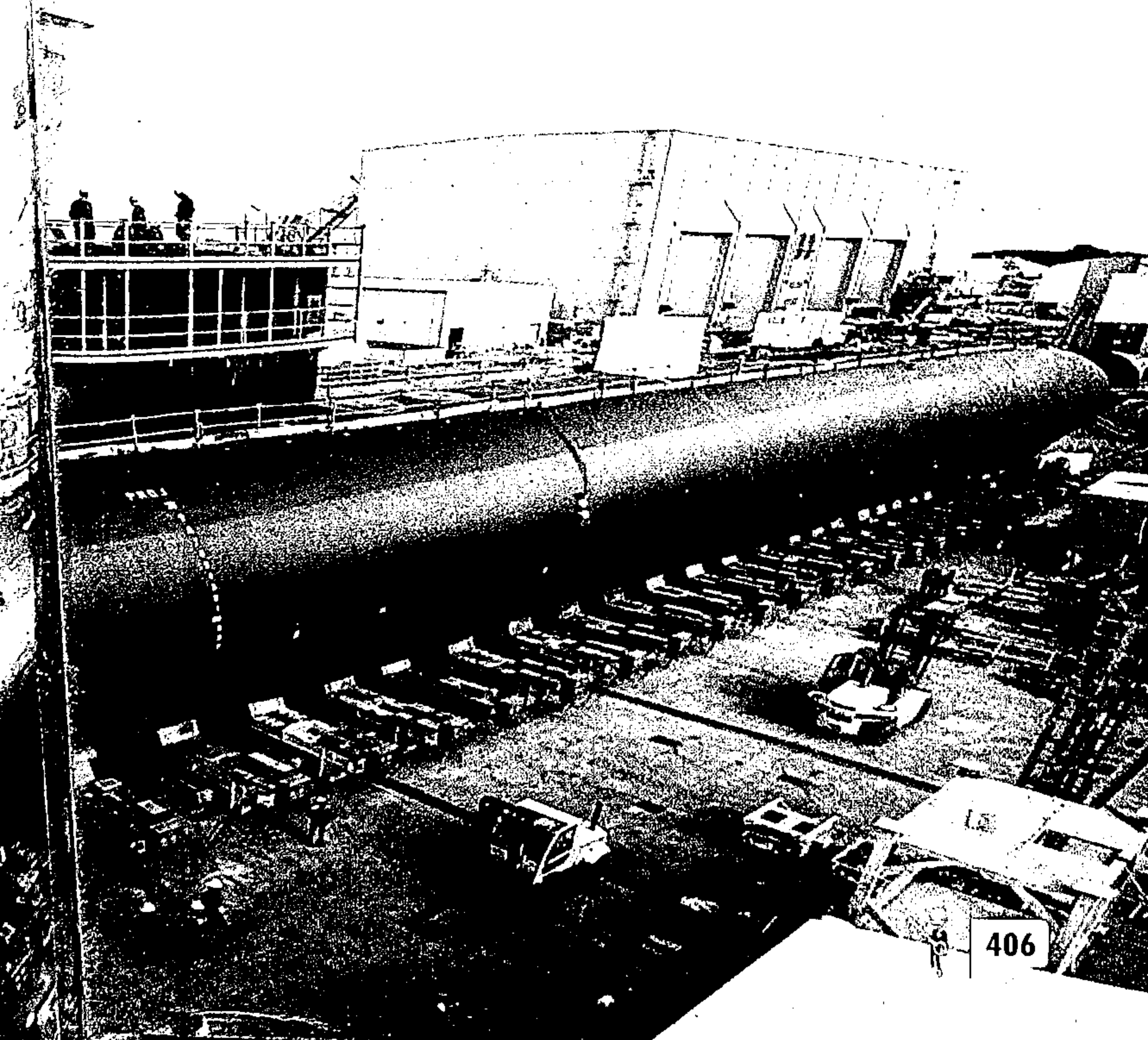
اس ایجاد میں اسے چار سال کا عرصہ لگا، اس کا کہنا تھا کہ اس ایجاد کے دوران اسے 232 بار یہ ''ناممکن ہے'' کا جملہ سننے کو ملا، سب سے آخری بار یہ جملہ اسے ایک جاپانی آبدوز انجینئر نے کہا تھا۔ مگر میں نے ان 232 افراد جن میں عالمی ماہرین بھی شامل تھے کو اپنی محنت سے غلط ثابت کر دیا۔ جب کوئی مجھے کہتا ہے کہ یہ ناممکن ہے تو مجھے اسے ممکن بنا دینے میں مزہ آتا ہے۔

3 اپریل 2008ء کو ایک سفر کے دوران اس کی گاڑی خراب ہوگئی، وہ گاڑی سے اتر کر اس کی مرمت کر رہا تھا کہ ایک تیز رفتار گاڑی بے قابو ہو کر اس کی گاڑی سے ٹکرا گئی جس سے اس کے دماغ اور جسم پر شدید چوٹیں آئیں اور وہ 20 دن تک سکتے کی حالت میں رہا۔ جب ہوش آیا تو وہ دائیں ٹانگ اور دونوں آنکھوں سے معذور ہو چکا تھا۔

مگر اس کا کہنا تھا یہ سب کچھ جان کر بھی مجھے ایک آنسو نہیں آیا اور نہ ہی میں کسی
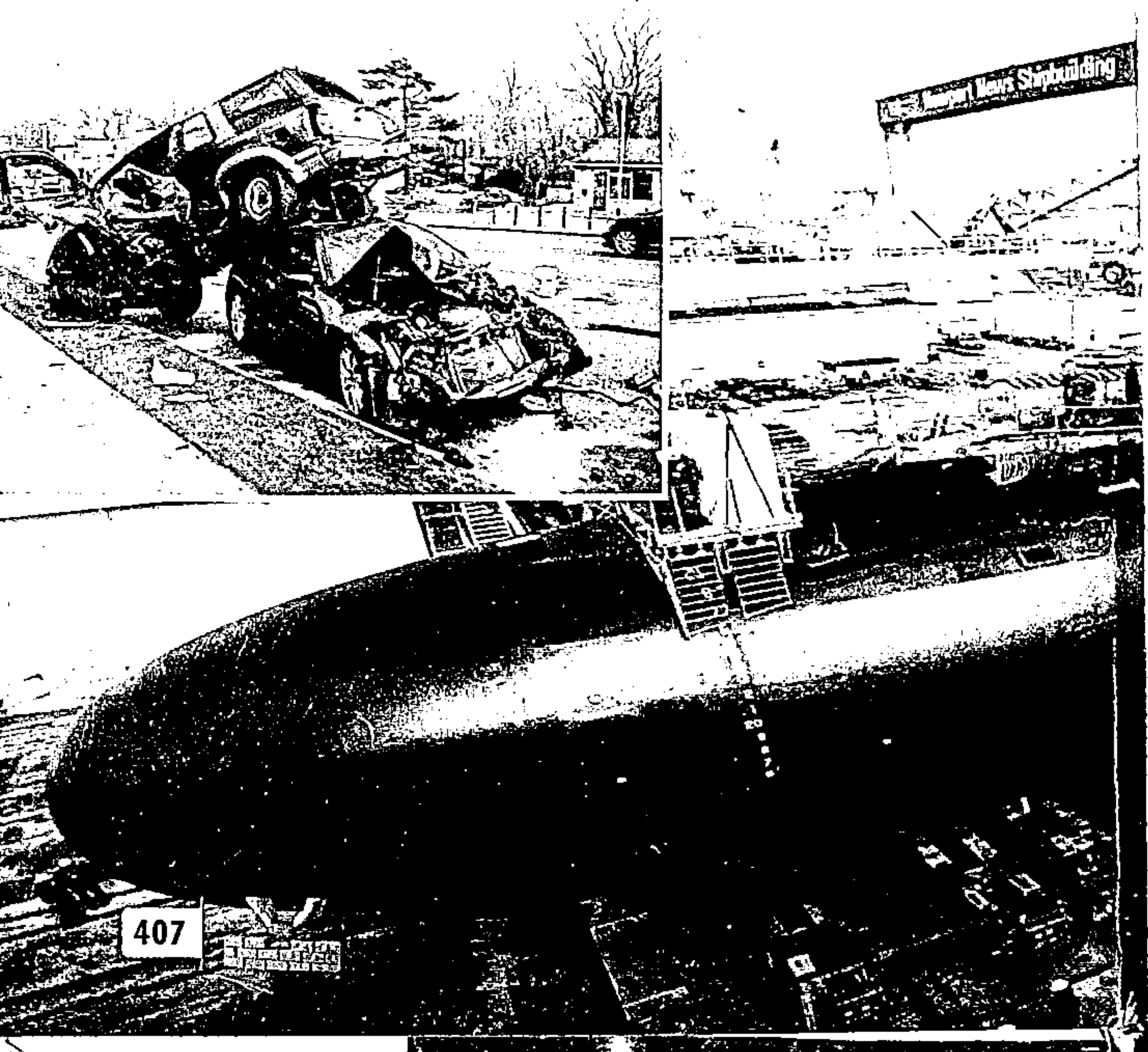
گھبراہٹ کا شکار ہوا مگر اس وقت شدید دھچکا لگا جب ایک مشہور اخبار نے خبر لگائی کہ ملک کے مشہور موجد مہند ابودیہ کا خاتمہ۔ میری آنکھوں میں اس کا اثر مجھ پر اس حادثے سے بھی زیادہ ہوا، اس لیے میں ایک نئے جوش اور ولولے سے میدان میں اتر گیا کیونکہ میری تو غذا ہی چیلنج قبول کرنا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہوا کرتی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس حادثہ کے بعد مجھے مزید چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔
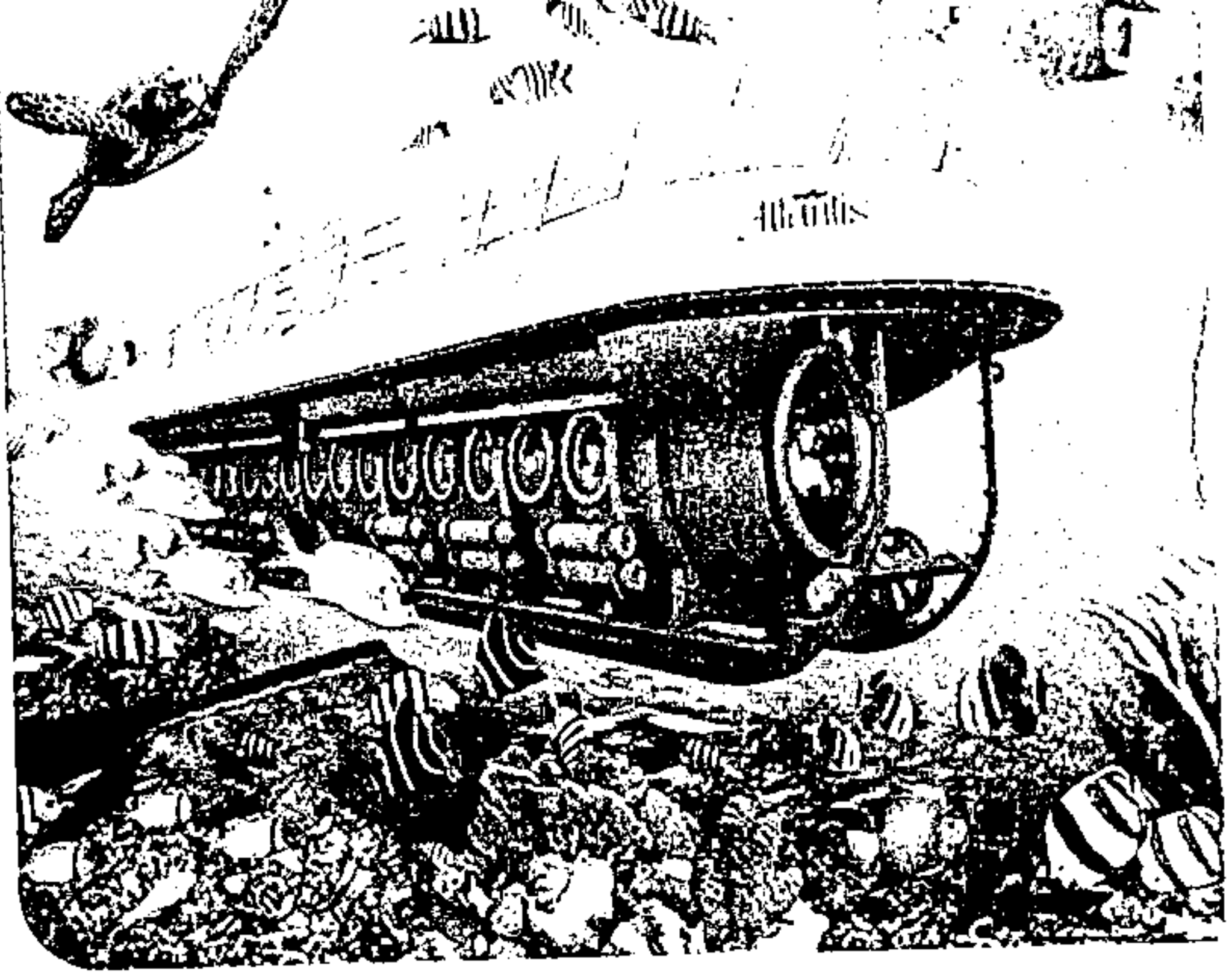
حیدر علی اب اپنے علم اور تجربے سے دوسرے لوگوں کو مستفید کر رہا ہے، اس نے بیرون ممالک میں جدید ایجادات اور تحقیقات پر 100 سے زیادہ لیکچر دیئے ہیں، وہ ملک میں ایک عظیم الشان تحقیقاتی سینٹر المرکز السعودی للثقافۃ الاختراع نامی قائم کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے، اپنے حادثہ کے بعد وہ زیادہ جوش و ولولے اور انہماک سے اپنے کام میں مصروف ہو چکا ہے، ایک بار جب اس سے اس حادثہ پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا گیا تو اس کا کہنا تھا:

اِنَّنِیْ مِثْلَ السَّهمِ أَحْتَاجُ لِقُوَّةٍ تَشُدُّنِی إِلَی الْخَلْفِ لِکَیْ أَنْطَلِقَ بِقُوَّةٍ إِلَی الْأَمَامِ!!

”میں ایک تیر کی طرح ہوں مجھے پیچھے کی طرف کھینچے جانے کی ضرورت ہے تاکہ میں زوردار طریقے سے اپنے مقصد اور نشانے تک پہنچ سکوں“

اس کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے دفتر میں یہ لکھ کر آویزاں کر رکھا ہے کہ جب لوگ آپ کا تمسخر اڑائیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ درست ہیں۔